قال تعالیٰ، وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ فَمَنْ اَقَامَهَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّيْنَ وَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ

كتاب مُستطاب

133

عُمادُ الدّین

جس میں فقہ وحدیث کی نہایت مُستند روایتوں سے نماز کے تمام ضروری
مسائل نہایت وضاحت سے درج کیے گئے ہیں

مُرتّبہ: مولنا ابوالقاسم رفیق دلاوری

ناشرین
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز، پبلشرز، بُک سیلرز
کشمیری بازار لاہور ○ بندر روڈ کراچی

مطبوعہ
علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور

عمادُالدّین

مُرتّبہ

ابوالقاسم رفیق دلاوری

۲۹۷،۵۳
ع ۳۵ ل
۱۸
۱ ۲ ۱م ۱
C/2

جملہ حقوق محفوظ ہیں

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۲۱

نام کتاب : عمادُ الدین
مرتبہ : حضرت مولانا ابو القاسم دلاوری
طابع : شیخ نیاز احمد
کاتب : سید فاضل شاہ انور
مطبع : علمی پرنٹنگ پریس لاہور
ناشر : شیخ غلام علی اینڈ سنز کتاب منزل لاہور
اشاعت : اوّل

LIBRARY

فہرست مضامین

مضمون — صفحات
یباچہ ۰
قدمہ ۹
فصل اوّل ۔ پانی کے احکام ۱۵
فصل ۲ ۔ کنوئیں کے مسائل ۱۹
فصل ۳ ۔ آدمیوں اور جانوروں کا جوٹھا ۲۵
فصل ۴ ۔ نجاستوں کا بیان ۲۶
فصل ۵ ۔ استنجا کا بیان اور پیشاب پاخانہ کی احتیاطیں ۴۱
فصل ۶ ۔ شرائط نماز ۵۱
فصل ۷ ۔ وضو کا بیان ۵۲
فصل ۸ ۔ فرائض وضو کے باقی مسائل ۵۴
فصل ۹ ۔ وضو کی سنتیں ۵۶
فصل ۱۰ ۔ وضو کے مستحبات و مکروہات ۵۹
فصل ۱۱ ۔ وضو کے متفرق مسائل ۶۰
فصل ۱۲ ۔ وضو کے اذکار ۶۲
فصل ۱۳ ۔ وضو کے فضائل ۶۴
فصل ۱۴ ۔ مسواک ۶۶
فصل ۱۵ ۔ پٹی پر مسح ۶۷
فصل ۱۶ ۔ موزوں پر مسح ۶۸
فصل ۱۷ ۔ نواقض وضو ۷۲
فصل ۱۸ ۔ قرآن کو بے وضو چھونے کی ممانعت ۷۶
فصل ۱۹ ۔ معذور کا وضو اور نماز ۷۷
فصل ۲۰ ۔ غسل کا بیان ۷۸
فصل ۲۱ ۔ تیمم کا بیان ۸۳

مضمون — صفحات
فصل ۲۲ ۔ فرضیت نماز ۸۸
فصل ۲۳ ۔ بدن کا پاک ہونا ۸۹
فصل ۲۴ ۔ کپڑوں کا پاک ہونا ۹۰
فصل ۲۵ ۔ جگہ کا پاک ہونا ۹۲
فصل ۲۶ ۔ ستر کا چھپانا ۹۴
فصل ۲۷ ۔ نماز کا وقت ہونا ۹۶
فصل ۲۸ ۔ استقبال قبلہ ۹۷
فصل ۲۹ ۔ نیت نماز ۹۹
فصل ۳۰ ۔ اوقات نماز ۱۰۳
فصل ۳۱ ۔ نمازوں کا مختار وقت ۱۱۲
فصل ۳۲ ۔ مکروہ و ممنوع اوقات ۱۱۳
فصل ۳۳ ۔ ایک وقت میں دو نمازوں کا جمع کرنا ۱۱۶
فصل ۳۴ ۔ اذان و اقامت ۱۱۷
فصل ۳۵ ۔ انگوٹھے چومنا ۱۲۴
فصل ۳۶ ۔ اذان اور تکبیر کہنے کا ثواب اور مؤذن کے فضائل ۱۲۶
فصل ۳۷ ۔ نماز کے ارکان //
فصل ۳۸ ۔ تکبیر تحریمہ
فصل ۳۹ ۔ دعائے استفتاح ۱۳۲
فصل ۴۰ ۔ قیام کا بیان ۱۳۴
فصل ۴۱ ۔ قراءت ۱۳۶
فصل ۴۲ ۔ آمین بالاخفاء ۱۴۹
فصل ۴۳ ۔ قراءت صلوٰۃ اور تلاوت قرآن میں کرنا ہیاں ۱۵۱

مضمون	صفحات
فصل ۴۴۔ صحت قراءت کا اہتمام	۱۵۴
فصل ۴۵۔ ضاد کا مخرج اور اس کی آواز	۱۵۵
فصل ۴۶۔ قراءت کی غلطیاں	
فصل ۴۷۔ تلاوت قرآن کے فضائل	۱۶۴
فصل ۴۸۔ رفع یدین	۱۶۷
فصل ۴۹۔ رکوع	۱۷۱
فصل ۵۰۔ قومہ	۱۷۴
فصل ۵۱۔ سجدہ	۱۷۵
فصل ۵۲۔ جلسہ	۱۸۰
فصل ۵۳۔ سجدۂ تلاوت	۱۸۱
فصل ۵۴۔ تعدیلِ ارکان	۱۸۷
فصل ۵۵۔ جلسۂ استراحت	۱۸۹
فصل ۵۶۔ قعدہ	۱۹۱
فصل ۵۷۔ نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب	۱۹۲
فصل ۵۸۔ رفع سبابہ	۱۹۵
فصل ۵۹۔ نماز میں مومنوں کا حق	
فصل ۶۰۔ درود	۲۰۰
فصل ۶۱۔ دعا	۲۰۶
فصل ۶۲۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز سے نکلنا	۲۰۸
فصل ۶۳۔ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اور ذکر بعد از دعا	۲۱۰
فصل ۶۴۔ واجبات نماز	۲۱۵
فصل ۶۵۔ نماز کی سنتیں	۲۱۸
فصل ۶۶۔ نماز کے آداب و مستحبات	۲۱۹
فصل ۶۷۔ نماز پڑھنے کی پوری ترکیب	۲۲۰
فصل ۶۸۔ رکعات نماز	۲۲۲
فصل ۶۹۔ (نماز نبوی	۲۲۴

مضمون	صفحہ
فصل ۷۰۔ دعائے قنوت	۲۷
فصل ۷۱۔ قنوتِ نازلہ	۳۰
فصل ۷۲۔ تین رکعت وتر ایک سلام سے	۳۱
فصل ۷۳۔ وتر کی دوسری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھنا	۳۴
فصل ۷۴۔ وتر کے بعد دو رکعت نفل)	۳۵
فصل ۷۵۔ سجدۂ سہو	۳۶
فصل ۷۶۔ مفسداتِ نماز	۴۷
فصل ۷۷۔ نماز کے تحریمی مکروہات	۲۶۳
فصل ۷۸۔ نماز کے مکروہاتِ تنزیہی	۷۱
فصل ۷۹۔ نماز توڑنے کے مواقع	۲۸۰
فصل ۸۰۔ نماز کے وقت سُترہ کھڑا کرنا	۲۸۳
فصل ۸۱۔ نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ	۲۸۵
فصل ۸۲۔ نماز کے وہ مسائل جن میں عورت مرد سے مختلف ہے	۲۹۰
فصل ۸۳۔ مسجد کی تعمیر اور اس کی نگرانی	۲۹۳
فصل ۸۴۔ داخلِ مسجد کے ممنوعات و مکروہات	
فصل ۸۵۔ مسجد جانے اور جماعت کا انتظار کرنے کی فضیلت	۳۰۱
فصل ۸۶۔ مساجد کے درجاتِ فضیلت کا تفاوت	۳۰۸
فصل ۸۷۔ نماز باجماعت کی فضیلت اور تاکید	۳۱۲
فصل ۸۸۔ جماعت کی حکمتیں اور فوائد	۳۱۷
فصل ۸۹۔ ترکِ جماعت کے عذرات اور مجبوریاں	۳۱۸
فصل ۹۰۔ جماعت کے صحیح ہونے کی شرطیں	۳۲۱
فصل ۹۱۔ امام اور مقتدی کے اتحادِ مکان کی شرط	۳۲۴
فصل ۹۲۔ امام کے ضروری صفات	۳۲۵
فصل ۹۳۔ آلۂ مکبر الصوت کی آواز کا اتباع	۳۳۶

مضمون	صفحات
فصل ۹۴ - امام اور مقتدیوں کا موقف	۳۳۹
فصل ۹۵ - جماعت میں نشستوں کا حق	۳۴۰
فصل ۹۶ - پہلی صف کی فضیلت	۳۴۲
فصل ۹۷ - جماعت کے قیام اور امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کا وقت	۳۴۳
فصل ۹۸ - صفوں کے سیدھا کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کی تاکید	۳۴۵
فصل ۹۹ - صف میں خالی جگہوں کا پر کرنا	۳۴۷
فصل ۱۰۰ - نماز میں پیر پھیلانے کی بدعت	۳۴۸
فصل ۱۰۱ - خواتین کا شریک جماعت ہونا -	۳۴۹
فصل ۱۰۲ - مرد کے اقتداء میں عورتوں کی جماعت	۳۵۰
فصل ۱۰۳ - تکبیر اولیٰ پانے کی اہمیت	۳۵۱
فصل ۱۰۴ - متابعت امام کا لزوم	۳۵۲
فصل ۱۰۵ - کن امور میں امام کی متابعت لازم ہے اور کن میں نہیں	۳۵۴
فصل ۱۰۶ - امام کو مقتدی کی تذکیر و یاد دہانی	۳۵۶
فصل ۱۰۷ - نماز میں آیات قرآنی کا جواب	۳۵۷
فصل ۱۰۸ - قراءت فاتحہ خلف الامام	۳۵۸
فصل ۱۰۹ - امام کو لقمہ دینا	۳۵۹
فصل ۱۱۰ - لاحق کی نماز	۳۶۳
فصل ۱۱۱ - مسبوق لاحق کی نماز	۳۶۴
فصل ۱۱۲ - مسبوق کی نماز	۳۶۵
فصل ۱۱۳ - نماز میں وضو ٹوٹنا اور بنا کرنا	۳۶۹
فصل ۱۱۴ - امام کا اپنا قائم مقام مقرر کرنا	۳۷۰
فصل ۱۱۵ - تعداد رکعات میں نمازیوں کا باہمی اختلاف	۳۷۳
فصل ۱۱۶ - ہلکی نماز پڑھانے کی تاکید	۳۷۴

مضمون	صفحات
فصل ۱۱۷ - شرکت نماز کے لیے دوڑنے کی مذموم عادت	۳۷۷
فصل ۱۱۸ - فرض نماز کی دوسری جماعت	۳۷۸
فصل ۱۱۹ - جماعت ہو جانے کے بعد فریضۂ صلوٰۃ ادا کرنا	۳۸۰
فصل ۱۲۰ - چند اہم انتباہات	۳۸۱
فصل ۱۲۱ - امام سے مقتدیوں کی کینہ توزی	۳۸۲
فصل ۱۲۲ - جماعت کے بعض ضروری احکام	۳۸۳
فصل ۱۲۳ جماعت کے متفرق مسائل	۳۸۴
فصل ۱۲۴ - نوافل کی جماعت	۳۸۶
فصل ۱۲۵ - نفل پڑھنے والے کے پیچھے مفترض کا اقتداء	۳۸۷
فصل ۱۲۶ - دوسری نمازوں کو قطع کر کے جماعت میں شامل ہونے کے احکام	۳۸۸
فصل ۱۲۷ - فجر کی سنت مؤکدہ	۳۹۰
فصل ۱۲۸ - سلام کے بعد مقدم راس پر ہاتھ رکھنا	۳۹۵
فصل ۱۲۹ - فریضہ کے بعد امام اور مقتدیوں کا مل کر دعا مانگنا -	۳۹۷
فصل ۱۳۰ - دعا و اذکار ماثورہ کا جہر	۴۰۰
فصل ۱۳۱ - سلام کے بعد امام کی رُخ گردانی	۴۰۲
فصل ۱۳۲ - فرائض کے بعد کے اذکار	۴۰۳
فصل ۱۳۳ - اذکار مسنونہ کا فرضوں کے متصل پڑھنا	۴۰۵
فصل ۱۳۴ - سُنن اور نوافل کا گھر میں جا کر ادا کرنا -	۴۰۷
فصل ۱۳۵ - فرض نماز کی جگہ سے ہٹ کر سنت اور نفل ادا کرنا	۴۰۸
فصل ۱۳۶ - سنت اور نفلوں کے بعد امام اور مقتدیوں کا مل کر دوبارہ دعا مانگنا	۴۰۹

مضمون صفحات

فصل ۱۳۷ - نماز کے بعد نمازیوں کا ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا ۴۱۰
فصل ۱۳۸ - نماز کے مسائل شتّٰی ۴۱۱
فصل ۱۳۹ - نماز میں تفکّر اور حضورِ قلب ۴۱۳
فصل ۱۴۰ - تکان یا سستی کے وقت عبادت سے دست بردار ہو جانا ۴۱۶
فصل ۱۴۱ - نفلی عبادات کے مخفی رکھنے کی پسندیدگی ۴۱۷
فصل ۱۴۲ - قضا نمازیں پڑھنا ۴۱۹
فصل ۱۴۳ - میت کی قضا نمازوں کا فدیہ ۴۲۳
فصل ۱۴۴ - بیمار کی نماز ۴۲۵
فصل ۱۴۵ - نماز خوف ۴۲۷
فصل ۱۴۶ - مسافر کی نماز ۴۲۸
فصل ۱۴۷ - پندرھویں شعبان کا قیام ۴۳۴
فصل ۱۴۸ - سجدۂ شکر اور سجدۂ تعظیمی ۴۳۵
فصل ۱۴۹ - نماز تراویح کی رکعات ۴۳۷
فصل ۱۵۰ - تراویح کے مختلف مسائل ۴۴۵
فصل ۱۵۱ - فضائل جمعہ ۴۵۱
فصل ۱۵۲ - فرضیت نماز جمعہ ۴۵۲
فصل ۱۵۳ - نماز جمعہ کے شرائط وجوب 〃
فصل ۱۵۴ - نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں ۴۵۳
فصل ۱۵۵ - فرضیت جمعہ کے لیے سلطان کی شرط ۴۵۸
فصل ۱۵۶ - جمعہ کے دن غسل کرنا اور اجلا لباس پہننا ۴۵۷
فصل ۱۵۷ - پہلی اذان پر کاروبار چھوڑنے اور مسجد جانے کی تاکید ۴۵۸
فصل ۱۵۸ - امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد نماز و کلام کی ممانعت ۴۵۹
فصل ۱۵۹ - خطبۂ جمعہ ۴۶۱

مضمون صفحات

فصل ۱۶۰ - غیر عربی زبان میں خطبۂ جمعہ ۴۶۲
فصل ۱۶۱ - منظوم خطبۂ جمعہ ۴۶۴
فصل ۱۶۲ - دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا ۴۶۵
فصل ۱۶۳ - سُنَنِ جمعہ ۴۶۶
فصل ۱۶۴ - جمعہ کے دن نماز ظہر پڑھنا ۴۶۷
فصل ۱۶۵ - نماز احتیاط الظہر ۴۶۸
فصل ۱۶۶ - جمعۃ الوداع اور قضائے عمری 〃
فصل ۱۶۷ - نماز جمعہ کے متفرق مسائل ۴۷۰
فصل ۱۶۸ - عید الفطر اور عید الاضحیٰ ۴۷۱
فصل ۱۶۹ - نماز عید کی چھ فاضل تکبیروں کا اثبات اور بارہ کی نفی ۴۷۴
فصل ۱۷۰ - تکبیرات تشریق ۴۷۵
فصل ۱۷۱ - تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد ۴۷۷
فصل ۱۷۲ - نماز ضحیٰ و اوّابین ۴۷۸
فصل ۱۷۳ - نماز تہجد ۴۷۹
فصل ۱۷۴ - نماز توبہ ۴۸۰
فصل ۱۷۵ - نماز حاجت ۴۸۱
فصل ۱۷۶ - نمازِ استخارہ ۴۸۲
فصل ۱۷۷ - صلوٰۃ التسبیح ۴۸۳
فصل ۱۷۸ - نماز طلب باران ۴۸۴
فصل ۱۷۹ - نماز کسوف و خسوف ۴۸۷
فصل ۱۸۰ - کعبۂ معظّمہ میں نماز پڑھنا ۴۸۸
فصل ۱۸۱ - نماز جنازہ ۴۸۹
فصل ۱۸۲ - غائب پر نماز جنازہ ۴۹۱
فصل ۱۸۳ - مسجد میں نماز جنازہ ۴۹۲
فصل ۱۸۴ - شہید کی نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین ۴۹۳

دیباچہ

اَلحمدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یَسَّرَ لَنا اسباب العبَادۃ والصَّلوٰۃ والسَّلامُ علیٰ رسولِہٖ سیّدنا محمّدٍ وّ آلِہٖ وَ صحبہٖ اجمعین علیٰ مَا اَرْشَدَنَا اِلیٰ اَبوابِ السَّعَادۃ

بعد ازیں معلوم ہوا کہ عالمِ انسانیت آج تک جس قدر علوم وفنون سے روشناس ہوا علمِ دین ان میں سب سے اعلیٰ واشرف علم ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کمیل سے فرمایا تھا کہ اے کمیل! علمِ دین مال ودولت سے کہیں بہتر ہے۔ علمِ دین تمہاری حفاظت کرتا ہے لیکن مال کی تم حفاظت کرتے ہو۔ علمِ دین حاکم ہے اور مال محکوم۔ مال خرچ ہوتے ہوتے ختم ہو جاتا ہے لیکن علمِ دین کو جتنا زیادہ خرچ کیا جائے وہ اسی قدر زیادہ ترقی کرتا اور پھلتا پھولتا ہے"

علمِ دین جس کی حضرت امیر المؤمنین رضؓ نے یہ مدح وتوصیف فرمائی، کتاب اللہ، سنّتِ رسول اللہ، اجماعِ امّت اور قیاس فقہی پر مشتمل ہے۔ چنانچہ حاملِ نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علمِ دین تین ہیں۔ آیتِ محکمہ، سنّتِ قائمہ اور فریضۂ عادلہ۔ اور جو کچھ ان تینوں کے سوا ہے وہ فالتو ہے۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ) فریضۂ عادلہ سے مراد اجماعِ اُمّت اور قیاسِ صحیح جو کتاب وسنت سے مستنبط ہو۔ اجماع اور قیاس فقہی کو فریضۂ عادلہ اس لئے فرمایا کہ کتاب وسنت کی طرح ان دونوں پر بھی عمل واجب ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اصول وادلۂ دین چار ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ اور جو علوم ان چار کے سوا ہیں وہ زائد وغیر اہم ہیں۔

معلوم ہوا کہ ان چار ادلۂ شرعیہ کا زُبدہ وخلاصہ علمِ فقہ ہے۔ علمِ فقہ کی نسبت خود شارع علیہ السلام

نے فرمایا کہ جس کسی کے ساتھ خدائے منعم بھلائی چاہتا ہے اس کو دین میں فقیہ بنا دیتا ہے (بخاری و مسلم) اور فرمایا کہ شیطان پر ایک فقیہ ہزار عابدوں سے بھی زیادہ بھاری ہے۔ (ترمذی و ابن ماجہ) اور فرمایا کہ منافق میں یہ دو خصلتیں جمع نہیں ہو سکتیں حُسنِ خُلق اور فقیہ ہونا (ترمذی)

ظاہر ہے کہ پاکستان کا سوادِ اعظم حنفی فقہ کا پیرو ہے۔ اور سوادِ اعظم کے دیندار طبقہ کی سب سے اہم ضرورت حنفی فقہ کے مطابق مسائل نماز کا جاننا ہے۔ نماز جو حیاتِ ایمانی کے لیے رُوح کا حکم رکھتی ہے اس پر آجتک اُردو زبان میں سیکڑوں کتابیں لکھی گئیں لیکن کوئی ایسی کتاب راقم السطور کی نظر سے نہیں گزری جو اس کے تمام ضروری مسائل کی جامع ہو۔ اور جامعیت کے ساتھ ایسے لاطائل جزئیات سے خالی ہو۔ جن سے نمازیوں کی زندگی میں شاذ و نادر ہی سابقہ پڑتا ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر بہت دنوں سے اس ناچیز کی خواہش تھی کہ اس موضوع پر ایک جامع کتاب مرتّب کی جائے لیکن اپنے دوسرے علمی اور تصنیفی مشاغل کی شدّتِ انہماک نے اس خواہش کو کبھی قوت سے فعل میں نہ آنے دیا۔ آخر شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور نے اسی قسم کی ایک تالیف مدوّن کرنے کی فرمایش کر کے راقم کی اس پُرانی خواہش کو عملی شکل میں لانے کا موقع فراہم کر دیا چنانچہ کتاب "عِمَادُالدِّین" کی تدوین شروع ہُوئی۔ دعا ہے کہ موفّقِ حقیقی مجھ ہیچ مداں کو راہ صدق و ثواب پر چلا کر اتمام و تکمیل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

ابوالقاسم دلاوری عفی عنہ
انارکلی۔ لاہور

مورخہ
۲۔ شعبان ۱۳۷۴ھ

مُقدّمہ

نماز کی اہمیت

سوال :- نماز پنجگانہ کی اہمیت کیا ہے؟

جواب :- نماز پنجگانہ ہر مسلمان مرد عورت عاقل بالغ پر فرض عین ہے۔ یہ ایک قدیم عبادت ہے۔ کسی رسول کی شریعت اس سے کبھی خالی نہیں رہی۔ نماز پنجگانہ کو تمام بدنی عبادتوں پر نسبت افضلیت حاصل ہے۔ اوائل میں اُمتِ محمدیؐ صبح اور عصر دو نمازوں کی مامور تھی۔ شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ حضرت عُبادہ بن صامت صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جس نے ان کا اچھی طرح وضو کیا اور ان کو ٹھیک وقتوں پر پڑھا اور ان کا رکوع اور خشوع کامل کیا، حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے اور جو کوئی ایسا نہ کرے خدائے بے نیاز اس کی بخشش کا وعدہ نہیں کرتا۔ چاہے تو اُسے بخش دے اور چاہے تو معذّب کرے۔ رواہ احمد وابوداؤد وروی مالک والنسائی نحوہ۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس امر کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا یعنی پوری پابندی کے ساتھ ہمیشہ ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔ رواہ البخاری ومسلم

فضائل نماز

سوال :- نماز پنجگانہ کی خاص فضیلتیں کیا ہیں؟

جواب :- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان ان تمام صغیرہ گناہوں کا کفّارہ ہیں جو اُن کے درمیان صادر ہوں۔ بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ رواہ مسلم۔ اور فرمایا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی کے گھر کے آگے نہر جاری ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرے تو اس کے بدن پر میل کچیل کا کچھ اثر رہ جائے گا؟ صحابہؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ نہیں رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ پانچ نمازوں کی بھی یہی مثال ہے۔ خدائے آمرزگار ان کی بدولت گناہوں کو محو کر دیتا ہے۔ رواہ البخاری ومسلم عن ابی ہریرہؓ۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میں نے بارگاہِ نبوی میں گزارش کی یا رسول اللہ! خدائے عزیز کے نزدیک عملوں میں سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے؟ فرمایا کہ وقت کے اندر نماز پڑھنا میں

عرض کی کہ اس کے بعد کون سا عمل ہے؟ فرمایا۔ والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔ میں عرض پیرا ہوا کہ پھر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ۔ رواہ البخاری و مسلم۔ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم موسمِ سرما میں باہر تشریف لے گئے۔ پت جھڑ کا زمانہ تھا۔ آپ نے دو ٹہنیاں پکڑ لیں۔ ان کے پتے گرنے لگے۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر! جب بندہ اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح محو ہوتے ہیں جیسے اس درخت سے پتے گر رہے ہیں۔ رواہ احمد۔ اور فرمایا۔ جو کوئی اپنے گھر میں طہارت کر کے فریضۂ صلوٰۃ ادا کرنے کیلئے مسجد کو جاتا ہے اس کے ایک قدم پر ایک گناہ محو ہوتا ہے اور دوسرے قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ رواہ مسلم۔

ترکِ نماز پر وعیدیں

سوال :- ترکِ نماز پر کیا وعیدیں وارد ہوئی ہیں؟

جواب :- حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے اور کفر کے درمیان ترکِ نماز ہے۔ رواہ مسلم۔ یعنی نماز بندے اور کفر کے درمیان بمنزلہ دیوار کے ہے کہ اس کے باعث کفر تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب نماز ترک کی تو گویا دیوار درمیان سے اٹھ گئی اور اس کی وجہ سے مسلمان کفر کے پاس پہنچ گیا۔

اور حضرت عبداللہ بن شقیق رضؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہ سمجھتے تھے رواہ الترمذی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر کیا اور فرمایا کہ جو شخص نماز کی محافظت کرتا ہے، قیامت کے دن نماز اس کیلئے نور اور ایمان کی دلیل اور ذریعۂ نجات ہوگی اور جو کوئی اس کی محافظت اور پابندی نہیں کرتا اس کے لئے نور اور دلیلِ ایمان اور ذریعۂ نجات نہ ہوگی۔ اور وہ قیامت کے دن قارون اور فرعون اور ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ (عذاب میں گرفتار ہوگا۔ رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی الشعب۔ اور حضرت ابوالدرداء صحابی رضؓ کا بیان ہے کہ میرے خلیل یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی کہ کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ ریزہ ریزہ کر دئیے جاؤ یا نذرِ آتش کر دیئے جاؤ۔ اور نماز کو دانستہ کبھی نہ چھوڑنا۔ کیونکہ جس نے دیدہ دانستہ نماز کو ترک کیا اس سے عہدِ اسلام بری ہوا۔ (یعنی وہ اسلام سے بے واسطہ ہوا) اور شراب کبھی نہ پینا کیونکہ شراب تمام برائیوں کی کنجی ہے رواہ ابن ماجہ۔ اور فرمایا کہ ہمارے اور منافقوں کے درمیان عہد یہی ایک نماز ہے۔ سو جس نے نماز کو ترک کر دیا اس نے اپنا کفر آشکارا کر دیا۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

تارکِ صلوٰۃ کے کفر و اسلام کا مسئلہ

سوال :- نماز پنجگانہ ادا نہ کرنے والا دائرۂ اسلام میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب :- تارکِ نماز کے باب میں صحابہ کرامؓ اور دوسرے سلفِ صالح کے تین مسلک ہیں ایک جماعت کا تو

یہ قول ہے کہ بے نماز کافر اور مرتد واجب القتل ہے۔ دُوسری جماعت کے نزدیک وہ کافر تو نہیں لیکن محارب اور زانی کی طرح قتل کیا جائے۔ تیسری جماعت ان حضرات کی ہے جو تو بے نمازی کے کفر کے قائل ہیں اور نہ قتل کے بلکہ انہوں نے بے نمازی کو اس وقت تک قید میں رکھنے اور زدوکوب کرنے کا حکم دیا ہے جب تک تائب نہ ہو جائے۔

سوال:۔ تارک نماز کو کافر اور واجب القتل قرار دینے والے کون کون حضرات ہیں؟

جواب:۔ صحابہ میں سے حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت معاذ بن جبل، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابو درداء، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور غیر صحابہ میں سے امام سعید بن جبیر تابعی، امام ابراہیم نخعی تابعی، امام ایوب سختیانی تابعی، امام شعبی تابعی، امام عبد اللہ بن مبارک، امام اسحٰق بن راہویہ، امام ابو داؤد طیالسی، امام عبد الرحمٰن اوزاعی، امام ابو بکر بن ابی شیبہ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ

سوال:۔ عامۂ مسلمین کے محبوب مقتدا محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کا بے نمازوں کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

جواب:۔ انہوں نے بھی بے نمازی کو کافر، خارج از اسلام اور واجب القتل ہی بتلایا ہے۔ ملاحظہ ہو، کتاب غنیۃ الطالبین باب ۱۵۔ فصل ۲۰۔ صفحہ ۶۶، طبع ۱۳۰۹ھ)

سوال:۔ جو حضرات تارک نماز کی تکفیر کرتے اور ان کے واجب القتل ہونے کے قائل ہیں کیا ان کے نزدیک بے نمازیوں کے شہری حقوق دوسرے مسلمانوں کے برابر نہیں؟

جواب:۔ نہیں۔ ان کے نزدیک کسی مُسلمہ سے بے نمازی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ وہ کسی مسلمان کی جائداد کا وارث نہیں ہوگا۔ اور نہ کسی دُوسرے کو اس کا ترکہ ملے گا۔ اس کی جائداد ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دی جائے گی اس کو پابندی نماز کے لیے تین دن کی مہلت دی جائے گی۔ اگر اس میعاد میں پابند صلوٰۃ ہو گیا تو بہتر ورنہ اس کی گردن مار دی جائے گی۔ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔

سوال:۔ دوسرے گروہ میں کون کون بزرگ شامل ہیں اور بے نمازی کی نسبت ان کا کیا فتویٰ ہے؟

جواب:۔ دُوسری جماعت امام سفیان ثوریؒ، امام مکحول تابعیؒ۔ امام وکیع بن الجراح، امام حماد بن زیدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ وغیرہم پر مشتمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تارک نماز کافر نہیں مگر وہ قتل کیا جائے۔ کفر و ارتداد کی بنا پر نہیں بلکہ زانی اور محارب کی طرح بطور حد خنجر خونخوار کے حوالے کیا جائے۔ ان کے نزدیک بے نماز کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔

سوال:۔ تیسرے گروہ میں کون کون بزرگ داخل ہیں؟

جواب:۔ امام زُہری تابعی رح۔ حضرت سعید بن مسیب تابعی رح۔ حضرت عمر بن عبد العزیز تابعیؒ، حضرت امام ابو حنیفہ رح اور ان کے شاگرد۔ امام داؤد ظاہری رح۔ امام مزنی تلمیذ امام شافعی رح وغیرہم۔

سوال: بے نمازی کے متعلق حاملین شریعت کے تیسرے گروہ کا کیا فیصلہ ہے؟

جواب: ائمۂ دین کا تیسرا گروہ نہ تو تارک نماز کے کفر کا قائل ہے اور نہ اُسے گردن زدنی ہی قرار دیتا ہے بلکہ حکم دیتا ہے کہ بے نمازی کو قید کیا جائے اور اس کو تعزیراً اتنا مارا جائے کہ لہولہان ہو جائے اس کے بعد یا تو وہ تائب ہو کر نماز کا پابند ہو جائے یا اسی حالت زار میں مر جائے (تفسیر مظہری، فتح المغنی، دُرمختار)

بے نمازی اور سُود خوار

سوال: سُود خواری بڑا جرم ہے یا ترکِ نماز؟

جواب: ترک نماز اور سُود خوری دونوں کبیرہ گناہ ہیں بعض حیثیتوں سے ترک نماز کا جرم بڑھا ہوا ہے اور دُوسری حیثیتوں سے سود خوری کا۔ اس لحاظ سے کہ سود حقوق العباد میں داخل ہے اور ارشاد نبوی ہے کہ انسان کے بدن کا جو گوشت مال حرام سے پیدا ہوا ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا سُود بڑھا ہوا ہے اور اس اعتبار سے کہ نماز تمام اعمال و عبادات کی اصل ہے اور عامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے نماز کو ڈھایا اُس نے بنائے دین کو منہدم کیا۔ ترک نماز کا جُرم سود خواری سے فائق ہے۔

بے نمازی کی گواہی

سوال: بے نمازی کی گواہی مقبول ہے کہ نہیں؟

جواب: تارک صلوٰۃ کی گواہی عند الشرع معتبر نہیں۔

تارکِ صلوٰۃ کی نمازِ جنازہ

سوال: سُود خوار اور تارک صلوٰۃ کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟

جواب: نماز جنازہ بے نماز اور سود خوار دونوں پر پڑھنی چاہیئے۔ کیونکہ اگرچہ یہ دونوں انتہا درجہ کے فاسق ہیں مگر دائرۂ اسلام میں داخل ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ صَلُّوا عَلٰی کُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ (ہر نیک و بد کی نماز جنازہ پڑھو) البتہ اگر زجر و توبیخ کے لئے اہل علم و فضل ان کی نماز جنازہ سے کنارہ کش رہیں تو زیادہ مناسب ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقروض اور خود کُشی کرنے والوں پر نماز نہ پڑھی تھی اور علما فقہائے حنفیہ نے قاطع طریق اور باغی اور والدین میں سے کسی ایک کے قاتل پر بغرض ان کی اہانت کے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ (درمختار) اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ اہل علم و فضل اور مقتدا حضرات فسّاق (جیسے بے نمازی) پر نماز نہ پڑھیں تاکہ لوگوں کو عبرت ہو (نووی شرح مسلم) یعنی عوام الناس نماز جنازہ پڑھ لیں۔

سوال: اگر بے نماز دائرۂ اسلام میں داخل ہے تو پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ (جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی وہ بلا شبہ کافر ہو گیا)۔

جواب: حدیث کے لفظ فَقَدْ کَفَرَ میں کفر سے کُفرانِ نعمت مُراد ہے اور کفر جو ایمان کا مقابل ہے مُراد نہیں

سوال :۔ شوہر اپنی بیوی کو ادائے نماز پنجگانہ کا حکم کرتا ہے سو وہ نہیں پڑھتی قصداً قضا کر دیتی ہے اس لئے وہ اس سے ناراض رہتا ہے اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے ؟

جواب :۔ مولانا عبدالحیؒ لکھنوی نے اس سوال کے جواب میں لکھا کہ اگر وہ عورت زبانی نصیحت نہیں مانتی اُس سے بہ نیت تنبیہ و زجر ہم خوابی ترک کرے اور اس کو تنبیہاً مارنا بھی درست ہے مگر نہ اس طور پر کہ اس کو زیادہ تکلیف ہو۔ اور طلاق دے دینا بھی درست ہے مگر ضروری نہیں۔ اور اگر وہ کسی طرح سے نہ مانے تو اس کو اپنی زوجیت میں باقی رکھنا ممنوع نہیں ہے کیونکہ شوہر بوجہ نصیحت کے بری الذمہ ہو گیا۔ عدم قبول نصیحت کا وبال اس عورت پر ہوگا ۔

اَحکامِ الٰہی کے اقسام

سوال :۔ بندوں کے افعال و اعمال کے متعلق جو احکام ہیں اُنکے کتنے اقسام ہیں؟

جواب :۔ اُن کی آٹھ قسمیں یہ ہیں :۔ فرض، واجب، سنّت، مُستحب، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، مباح ۔

سوال :۔ فرض کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں ؟

جواب :۔ فرض وہ ہے جو قطعی دلیل سے ثابت ہو اور اس کے ثبوت میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہ ہو۔ اس کی فرضیت کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج اور اس کو بلا عذر چھوڑنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہے۔ فرض کی دو قسمیں ہیں۔ فرضِ عین اور فرض علی الکفایہ۔ فرض عین اس کام کو کہتے ہیں جس کا ادا کرنا ہر شخص پر ضروری ہو اور بلا عذر چھوڑنے والا فاسق اور مجرم ہو۔ جیسے پنج وقتی نماز اور نماز جمعہ وغیرہ۔ اور فرض کفایہ وہ ہے جو ایک دو آدمیوں کے ادا کر لینے سے سب کے ذمّہ سے اُتر جائے اور اگر کوئی مسلمان بھی ادا نہ کرے تو سب گنہگار ہوں جیسے نماز جنازہ وغیرہ۔

سوال :۔ واجب کی کیا تعریف ہے اور اس کا کیا حکم ہے ؟

جواب :۔ واجب وہ ہے جو ظنّی دلیل سے ثابت ہو۔ اس کا بلا عذر چھوڑنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہے بشرطیکہ کسی تاویل اور شبہہ کے بغیر چھوڑے۔ اس کا منکر، منکر فرض کی طرح کافر نہیں بلکہ فاسق ہے

سوال :۔ سُنت کیا ہے اس کی کتنی قسمیں ہیں اور ہر قسم کی تعریف کیا ہے ؟

جواب :۔ سنت وہ فعل ہے جس کو ہمارے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے کیا ہو یا کرنے کا حکم دیا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ سنت مؤکّدہ اور سنتِ غیر مؤکّدہ۔ سنت مؤکّدہ وہ فعل ہے جس کو حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ علیہم الرضوان نے ہمیشہ کیا ہو اور بلا عذر کبھی ترک نہ کیا ہو۔ لیکن اس کے تارک پر کسی قسم کی زجر اور توبیخ نہ کی ہو۔ عمل کے لحاظ سے اس کا حکم بھی واجب کا سا ہے یعنی بلا عذر چھوڑنے والا اور چھوڑنے کی عادت کرنے والا فاسق اور

گنہگار ہے ایسا شخص حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہے گا۔ ہاں اگر کبھی ترک ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔

سوال:۔ سنّت مؤکدہ کے چھوڑنے والے اور واجب کے تارک میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ ترک واجب میں بہ نسبت ترک سنت مؤکدہ کے گناہ زیادہ ہے؟

سوال:۔ سنت غیر مؤکدہ کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ سنتِ غیر مؤکدّہ وہ ہے جس کو سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم یا اصحاب النبی علیہم الرضوان نے اکثر کیا ہو۔ اور کبھی کبھی بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو۔ سنت غیر مؤکدہ پر عمل کرنے والا ثواب کا مستحق ہے لیکن تارک پر کسی قسم کا گناہ یا عتاب نہیں۔ سنن غیر مؤکدّہ کے کرنے میں مستحب سے زیادہ ثواب ہے۔ ان سنتوں کو سنن زوائد اور مندوب اور تطوّع بھی کہتے ہیں۔

سوال:۔ حرام اور مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ حرام وہ فعل ہے جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو اور اس کا مرتکب فاسق اور عذاب کا مستحق ہو۔ حرام کا منکر کافر ہے۔ مکروہ تحریمی اس کام کو کہتے ہیں جس کی ممانعت دلیل ظنّی سے ثابت ہو۔ مکروہ تنزیہی وہ کام ہے جس کے کرنے میں عذاب تو نہیں لیکن بُرائی ضرور ہے۔

سوال:۔ مباح کس کام کو کہتے ہیں؟

جواب:۔ مباح وہ فعل ہے جس کے کرنے میں ثواب نہ ہو اور نہ کرنے میں کوئی گناہ عائد نہ ہوتا ہو لیکن مباح کا کام حُسنِ نیت سے کارِ ثواب اور قبح نیت سے حرام اور موجب عذاب بن جاتا ہے۔

سوال:۔ اجتہادی مسائل میں ایک مجتہد نے دُوسرے امام کے فرض اور حرام کو تسلیم نہیں کیا اس صورت میں یہ بیان کہاں تک صحیح ہے کہ فرض اور حرام کا منکر کافر ہے؟

جواب:۔ فرض اور حرام دو قسم کے ہیں اعتقادی اور عملی۔ اعتقادی وہ ہے جس پر عمل کے ساتھ اعتقاد بھی فرض ہو جیسے مطلق سر کا مسح۔ مسح سر کی فرضیت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اگر کوئی مطلق مسح سر کی فرضیت کا منکر ہو تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔ جس فرض اور حرام کے منکر پر کفر کا حکم دیا جاتا ہے وہ اعتقادی ہے نہ کہ عملی۔ عملی فرض وہ ہے کہ جس پر صرف عمل کرنا ہی فرض ہو اور اس کے فوت ہو جانے سے محض عمل کی صحت فوت ہو جیسے مسح سر کی مقدار کا اختلاف کہ حنفیوں کے نزدیک چوتھائی سر سے کم کا مسح صحت وضو کا مانع ہے اور مالکیوں اور حنبلیوں کے نزدیک سارے سر سے کم کا مسح وضو کی صحت کا مانع ہے اس کا یا بھی انکار موجب کفر نہیں۔

فصلِ اوّل۔ پانی کے احکام

سوال ۵۔ کن پانیوں سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے؟

جواب ۵۔ کنوئیں یا چشمے یا نل کا پانی۔ مینہ یا پگھلی ہوئی برف یا اولوں کا پانی۔ ندی نالے اور دریا کا پانی۔ سمندر کا پانی اگرچہ کھاری ہو۔ تالاب یا بڑے حوض کا پانی۔ اگر کسی پاک چیز کے ملنے سے پانی کے رنگ، بو یا مزے میں فرق آگیا ہو مگر اس کا پتلا پن نہ گیا ہو تو اس سے وضو اور غسل جائز ہے۔ جس پانی میں کوئی پاک چیز پڑ گئی اور پانی کے رنگ مزے یا بو میں فرق آگیا لیکن وہ چیز پانی میں پکائی نہیں گئی۔ نہ پانی کے پتلے پن میں فرق آیا جیسے بہتے ہوئے پانی میں ریت ملی ہو یا پانی میں زعفران پڑ گیا اور اس کا بہت خفیف سا رنگ پانی میں آگیا۔ یا صابون یا چونا یا اسی طرح کی کوئی اور چیز گر پڑی تو ان سب صورتوں میں اس سے وضو اور غسل درست ہے لیکن اگر زعفران کے گرنے سے پانی کا رنگ اتنا شوخ ہو جائے کہ کپڑا رنگا جا سکے تو وضو اور غسل جائز نہ ہوگا۔ یہی حکم ڈبّوں کے رنگ کا ہے۔ اگر پانی میں اتنا دودھ مل گیا کہ دودھ کی رنگت غالب نہ ہو تو وضو جائز ہے۔ ورنہ نہیں۔ غالب اور مغلوب میں امتیاز اس طرح ہوگا کہ جب تک یہ کہیں کہ یہ پانی ہے جس میں کچھ دودھ مل گیا ہے تب تک وضو جائز ہے اور جب اُسے لسّی سے موسوم کرنے لگیں تو وضو اور غسل جائز نہ ہوگا۔ اگر درختوں کے پتّے گرنے سے پانی سے بدبو آنے لگی اور رنگ اور مزا بھی بدل گیا تو اس سے وضو اور غسل جائز ہے جب تک کہ پانی پتلا ہے اور اگر پتّے کثیر مقدار میں گر کر پانی کو گاڑھا کر دیں تو جائز نہ ہوگا۔ پانی میں پاک چیز کے گرنے سے اس کے ایک دو وصف بدل جانے پر بھی غسل اور وضو جائز رہتا ہے ہاں جب تینوں وصف بدل جائیں اور پانی گاڑھا ہو جائے تو اس سے وضو اور غسل ناجائز ہو جاتا ہے۔ اگر مسافر کو جنگل میں کہیں تھوڑا سا پانی ملا تو جب تک اس کے ناپاک ہونے کا کوئی ثبوت نہ ہو اس سے وضو اور غسل جائز ہوگا۔ محض اس وہم پر کہ شاید یہ نجس ہو اس کے استعمال سے باز نہ رہنا چاہیئے۔ اگر کسی نے اس پانی کی موجودگی میں تیمم کر لیا تو درست نہ ہوگا۔ اگر پانی میں کوئی ایسی چیز پکائی گئی جس سے میل کچیل صاف ہو اور اس کے پکانے سے پانی گاڑھا نہ ہوا ہو تو اس سے وضو اور غسل درست ہے۔ جیسے غسل میت کے لئے پانی میں بیری کے پتّے پکاتے ہیں۔ لیکن اگر پتّے اتنے زیادہ ڈال دیں کہ پانی گاڑھا ہو جائے تو اس سے وضو اور غسل درست نہیں۔ واضح رہے کہ جس پانی سے وضو جائز ہے اس سے غسل بھی جائز ہے اسی طرح بالعکس بھی ◆

سوال ۶۔ کن پانیوں سے وضو جائز نہیں؟

جواب:- (۱) وہ پانی جس کا رنگ، بُو یا مزہ کسی پاک چیز کے مل جانے کے بعد بدل کر گاڑھا ہو گیا ہو (۲)۔ یا کسی پھل یا درخت یا پتوں کا نچوڑا ہوا پانی، شوربا، کشید کیا ہوا عرق، گنے کا رس، تربوز کا پانی ان سب چیزوں سے وضو نہیں ہو سکتا۔ (۳) ایسا پانی جو قلیل مقدار میں ہو اور اس میں کوئی ناپاک چیز گر گئی ہو۔ یا کوئی جانور مر گیا ہو۔ (۴) وہ پانی جس پر نجاست کا اثر غالب ہو۔ (۵) حرام جانوروں کا جھوٹا پانی (۶) وہ مستعمل پانی جس سے کوئی شخص وضو یا غسل کر چکا ہو۔ (۷) مستعمل پانی پاک ہے مگر وہ وضو اور غسل کے کام نہیں آ سکتا۔

سوال:- کن جانوروں کا جوٹھا پانی پاک ہے؟

جواب:- آدمی اور حلال جانوروں کا جوٹھا پانی پاک ہے۔ جیسے گائے، بیل، بھیڑ، بکری، بھینس، کبوتر، فاختہ وغیرہ

سوال:- کن جانوروں کا جوٹھا پانی پلید ہے؟

جواب:- کتے، سؤر اور شکاری چوپاؤں کا جوٹھا پانی ناپاک ہے۔ اسی طرح اس بلی کا جوٹھا بھی ناپاک ہے جو چوہا یا کوئی اور جانور کھا کر فوراً پانی پی لے۔ شرابی شراب پی کر فی الفور پانی پیئے تو وہ پانی بھی ناپاک ہے۔

سوال:- کن جانوروں کا جوٹھا پانی مکروہ ہے؟

جواب:- بلی جس نے فی الفور چوہا نہ کھایا ہو اور چوہے، چھپکلی، پھرنے والی مرغی، نجاست خور گائے، کوّے، چیل، شکرے اور تمام حرام جانوروں کا جوٹھا مکروہ ہے

سوال:- ایسے پانی کے استعمال کا کیا حکم ہے جس کے تینوں وصف رنگ بُو اور مزہ نجاست پڑنے کے باعث تبدیل ہو چکے ہوں۔

جواب:- ایسا پانی وضو اور غسل کے کام تو آ ہی نہیں سکتا۔ جانوروں کو بھی اس کا پلانا جائز نہیں مٹی وغیرہ میں ڈال کر اس سے گارا بنانا بھی درست نہیں اور اگر تینوں اوصاف نہیں بدلے تو اس کا جانوروں کو پلانا اور مٹی وغیرہ میں ڈال کر گارا بنانا اور مکان میں چھڑکاؤ کرنا درست ہے۔

سوال:- کون سے پانی نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتے؟

جواب:- ندی، نالے یا دریا کا بہتا ہوا پانی اور کثیر مقدار میں ٹھیرا ہوا پانی جیسے بڑے تالاب یا بڑے حوض کا پانی۔

سوال:- کثیر مقدار میں ٹھیرے ہوئے پانی کا اندازہ کیا ہے؟

جواب:- جو حوض دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو اُسے دہ در دہ اور بڑا حوض کہتے ہیں۔ ہاتھ سے

مُراد کہنی سے لیکر ہاتھ کی درمیانی انگلی کے سرے تک ہے یا بیس ہاتھ لمبا پانچ ہاتھ چوڑا یا پچیس ہاتھ لمبا چار ہاتھ چوڑا ہو۔ غرض اس کی کل لمبائی چوڑائی سو ہاتھ ہو اور اگر گول ہو تو اس کی گولائی قریباً ساڑھے پینتیس ہاتھ ہو۔ دُوسرے لفظوں میں جو پانی ہمارے رائج الوقت گز سے (جو سولہ گرہ یا چھتیس انچ کا ہے) ساڑھے پانچ گز لمبا اور ساڑھے پانچ گز چوڑا ہو وہ کثیر پانی ہے۔

سوال: تھوڑے پانی کا کیا حکم ہے ؟

جواب: جو حوض یا تالاب ساڑھے پانچ مربّع گز سے کم ہو اگر اس میں کوئی ایسا جانور گر کر مر جائے جس میں بہتا ہوا خون ہو جیسے چڑیا۔ کبوتر۔ مُرغی۔ بلّی۔ چُوہا وغیرہ تو ناپاک ہے۔

سوال: ساڑھے پانچ گز مربّع یا اس سے بڑے تالاب یا حوض کا پانی کب ناپاک ہوتا ہے ؟

جواب: جب اس میں کسی نجس چیز کا مزا یا رنگ یا بُو ظاہر ہو جائے۔

سوال: آپ نے آبِ کثیر کی مقدار دَہ در دَہ بتائی ہے شریعت میں اس کی اصل کیا ہے ؟

جواب: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک آبِ کثیر وہ ہے کہ اگر اس کی ایک طرف کو حرکت دیں۔ تو دُوسری طرف کا پانی متحرک نہ ہو۔ اور امام محمدؒ نے اس کی مقدار بڑا حوض بتائی تھی اور فرمایا تھا کہ بڑا حوض وہ ہے جو میری مسجد کے برابر ہو۔ جب ان کی مسجد ناپی گئی تو وہ دیواروں سمیت دس ہاتھ لمبی اور دس ہاتھ چوڑی نکلی لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ انہوں نے اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ لیکن آسان اور تقریب الفہم مقدار وہی دہ در دہ ہے جسے متاخرین حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔

سوال: اگر وضو یا غسل کا مستعمل پانی غیر مستعمل پانی میں مل جائے تو اس سے وضو اور غسل جائز ہے یا نہیں ؟

جواب: اگر مستعمل پانی غیر مستعمل کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو ناجائز ہے۔

سوال: وہ کون سے جانور ہیں کہ پانی میں ان کے مر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ؟

جواب: جو جانور پانی میں پیدا ہوتے اور پانی ہی میں رہتے ہیں جیسے کچھوا، مچھلی، مینڈک وغیرہ اور وہ جانور جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔ جیسے بھڑ۔ مچھر۔ مکھی۔ چیونٹی۔ چھپکلی۔ بچھو۔ شہد کی مکھی۔ ان کے مرنے سے پانی بدستور پاک رہتا ہے۔ لیکن اگر خشکی کے کسی مینڈک میں خون ہوتا ہو تو اس کے مرنے سے پانی وغیرہ جو چیز ہو ناپاک ہو جائے گی۔ دریائی مینڈک کی یہ پہچان ہے کہ اس کی انگلیوں کے بیچ میں جھلّی ہوتی ہے اور خشکی کے مینڈک کی انگلیاں الگ الگ ہوتی ہیں۔

سوال :- وہ پانی جو دھوپ میں گرم کیا گیا ہو اس سے وضو جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :- جائز ہے لیکن اس کو وضو یا غسل میں استعمال کرنا پسندیدہ نہیں۔ کیونکہ اس سے برص ہو جانے کا ڈر ہے۔

سوال :- بہتا ہوا پانی کون سا ہے اور وہ کب نجس ہوتا ہے ؟

جواب :- جس پانی میں نہایت قلیل مقدار میں نجاست پڑی ہو وہ بھی ناپاک ہے اس سے وضو اور غسل درست نہیں۔ البتہ اگر پانی جاری ہو تو وہ نجاست کے پڑنے سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک اس کا رنگ، مزا اور بو متغیر نہ ہو جائے۔ اور جب نجاست کی وجہ سے رنگ یا مزا بدل گیا یا بو آنے لگی تو جاری پانی بھی ناپاک ہو جائے گا۔ جاری پانی وہ ہے جو پتے اور تنکے وغیرہ کو بہا کر لے جائے خواہ کتنا ہی آہستہ بہ رہا ہو۔

سوال :- اگر بڑے حوض میں کوئی مرئی یا غیر مرئی نجاست پڑ جائے تو پھر کیا حکم ہے ؟

جواب :- جو وہ دردہ حوض اتنا گہرا ہو کہ اگر چلو سے پانی اٹھائیں تو نیچے کی زمین نہ کھلے تو وہ بھی جاری پانی کے مثل ہے۔ اگر اس میں ایسی نجاست پڑ جائے جو بعد میں دکھلائی نہ دیتی ہو جیسے خون پیشاب شراب وغیرہ تو حوض کے چاروں طرف وضو کرنا درست ہے۔ اور اگر ایسی نجاست پڑی ہو جو دکھلائی دیتی ہے۔ جیسے مرا ہوا کتا تو جس طرف وہ مردار پڑا ہو اس طرف کو چھوڑ کر باقی ہر طرف وضو کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر اتنے کثیر پانی میں اتنی نجاست پڑ جائے کہ رنگ یا مزا بدل جائے یا بدبو آنے لگے تو نجس ہو جائے گا۔

سوال :- چھت پر نجاست پڑی ہوئی تھی مینہ برسا اور چھت کا پانی کپڑے پر پڑا تو کپڑا ناپاک ہوا یا نہیں ؟

جواب :- جب تک مینہ برس رہا ہے جاری پانی کے حکم میں ہے۔ اس وقت تک چھت کے پانی سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔ مینہ بند ہونے کے بعد ٹپکے گا تو ناپاک ہو جائے گا۔ اور طہارت کا یہ حکم خاص برسنے کی حالت میں اسی وقت تک ہے جبکہ پانی کے اوصاف ثلاثہ میں تغیر نہ ہوا ہو اور اگر چھت کی نجاست کے اثر سے پانی میں تغیر ہو گیا ہے تو نزول باران کی حالت میں بھی کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر چھت کے متفرق مقامات پر نجاست پڑی ہوئی ہے مگر پرنالے کے سرے پر نہیں اور مینہ کا پانی بغیر تغیر اوصاف ثلاثہ کے پرنالے سے جاری ہوا تو بھی پاک ہے۔

سوال :- ایک تالاب میں ناپاک پانی موجود ہے بارش ہوئی اور پانی اوپر سے آیا اور ناپاک پانی کو جو تالاب کے ایک کنارے تھا نکال کر دوسرے کنارے تک لے گیا۔ پھر تالاب برسات کے پانی سے بھر گیا مگر پانی کا کچھ حصہ تالاب سے باہر نہیں نکلا۔ تالاب کا پانی پاک ہے یا ناپاک ؟

جواب :- تالاب کا سب پانی پاک ہو گیا۔

سوال :- اگر مسلمان بچہ یا کوئی غیر مسلم اپنا ہاتھ پانی میں ڈال دے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ یا پاک رہتا ہے ؟

جواب :- پانی پاک رہتا ہے البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ اس کا ہاتھ نجاست آلود تھا تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ چھوٹے بچوں کی حالت کچھ غیر یقینی سی ہوتی ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ اگر کوئی اور پانی مل سکے تو اس کے ہاتھ ڈالے ہوئے پانی سے وضو نہ کریں ۔

سوال :- اگر مینڈک پانی میں مر کر گل سڑ جائے تو پانی نجس ہو جاتا ہے یا نہیں ؟

جواب :- مینڈک کچھوا وغیرہ پانی میں مر کر بالکل گل جائیں اور ریزہ ریزہ ہو کر پانی میں مل جائیں تو بھی پانی پاک ہے اس سے وضو اور غسل کر سکتے ہیں لیکن اس کا پینا اور اس سے کھانا پکانا درست نہیں ۔

سوال :- مردار کی ہڈی کا کیا حکم ہے ؟

جواب :- مردار کی ہڈی دانت۔ سینگ اور بال پاک ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی چیز پانی میں پڑ جائے تو ناپاک نہ ہوگا۔ البتہ اگر ہڈی۔ دانت وغیرہ پر اس مردار کی کچھ چکنائی وغیرہ لگی ہوگی تو وہ نجس ہے اور پانی بھی ناپاک ہو جائے گا ۔

سوال :- مردار کی کھال پاک ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

جواب :- مردار کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ لیکن سانپ اور چوہے اور سور کی کھال پاک نہیں ہوتی ۔

سوال :- آدمی کی کھال ہڈی اور بال استعمال میں لائے جا سکتے ہیں ؟

جواب :- آدمی کی کھال سے کوئی کام لینا اور اس کو برتنا سخت گناہ ہے۔ آدمی کی ہڈی اور بال پاک ہیں۔ لیکن ان کو کام میں لانا جائز نہیں بلکہ ان کو عزت سے کسی جگہ گاڑ دینا چاہیئے

فصل ۲۔ کنوئیں کے مسائل

سوال :- کنواں کن چیزوں سے ناپاک ہو جاتا ہے اور کن سے نہیں ہوتا ؟

جواب :- جب کنوئیں میں تھوڑی یا زیادہ نجاست گر پڑے یا کوئی بہتے ہوئے خون والا جانور گر کر مرجائے تو کنواں ناپاک ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا جانور گرے کہ اس کا جوٹھا ناپاک ہے یا وہ جانور گرے جس کے بدن پر نجاست لگی تھی تو کنواں ناپاک ہو جائے گا۔ ایسے جانور جن کا جوٹھا ناپاک نہیں اور ان کے بدن پر نجاست بھی نہ ہو گریں اور زندہ نکل آئیں تو جب تک ان کے پیشاب یا پاخانہ کر دینے کا یقین نہ ہو جائے کنواں ناپاک نہ ہوگا۔

سوال :- کنوئیں کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب :- کنوئیں کا پانی نکالنے سے پاک ہو جائے گا۔ کنوئیں کے اندر کے کنکروں اور دیوار وغیرہ کے دھونے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح رسّی ڈول جس سے پانی نکالا ہے وہ بھی پاک ہو جائے گا۔ ان کے دھونے کی بھی ضرورت نہیں۔

سوال :- کن کن صورتوں میں کنوئیں کا سب پانی نکالا جائیگا اور سب پانی نکالنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب :- جب آدمی یا بلّی یا کتا یا سؤر یا بکری یا اس کے برابر کوئی اور جانور کنوئیں میں گر کر مر جائے یا باہر مر کر کنوئیں میں گرے تو سب پانی نکالنا پڑے گا۔ جب کوئی بہتے ہوئے خون والا جانور کنوئیں میں گر کر پھول گیا یا پھٹ گیا تو سارا پانی نکالنا ہوگا خواہ جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔ مرے ہوئے جانور کے گر جانے کا بھی وہی حکم ہے جو کنوئیں میں گر کر مرنے کا ہے۔ مثلاً بکری مری ہوئی گرے تو سارا پانی نکالا جائے گا۔ بکری کا چھوٹا بچہ بکری کے حکم میں ہے جو جانور کبوتر سے چھوٹا ہو چوہے کے حکم میں ہے جو بکری سے چھوٹا ہو مرغی کے حکم میں ہے۔ پھولا یا پھٹا ہوا جانور گر جائے تو بھی سارا پانی نکالنا ہوگا۔ مرغی اور بطخ کی بیٹ جا پڑے تو بھی سارا پانی نکالا جائے گا۔ کتا۔ بلی۔ گائے۔ بکری پیشاب کر دے یا کوئی اور نجاست گرے تو سب پانی نکالا جائے گا۔ اگر کوئی جاندار چیز چھوٹی ہو یا بڑی کنوئیں میں مر جائے اور پھول جائے یا پھٹ جائے تو بھی سب پانی نکالا جائے گا۔ چوہا یا چڑیا مر کر پھول جائے یا پھٹ جائے تو سب پانی نکالنا چاہیے اگر مسلمان یا کافر کنوئیں میں اُترا اور اس کے کپڑے اور بدن پر نجاست نہیں تو کنواں پاک ہے۔ البتہ اگر نجاست لگی ہو تو کنواں ناپاک ہو جائے گا اور سب پانی نکالنا پڑے گا۔ چوہے کو بلی نے پکڑا اور اس کے دانت لگنے سے زخمی ہو گیا پھر اس سے چھوٹ کر اسی طرح خون میں لت پت کنوئیں میں جا گرا تو سب پانی نکالا جائے گا۔ اگر کوئی جاندار چیز کنوئیں میں مر جائے اور پھول یا پھٹ جائے تو سارا پانی نکالا جائے گا خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ اگر چوہا یا چڑیا مر کر پھول جائیں یا پھٹ جائیں تو سب پانی نکالنا چاہیئے۔ اگر

کنوئیں میں کوئی نجاست خشک یا تر جا پڑے یا ایک قطرہ خون کا یا ایک قطرہ پیشاب کا یا شراب کا گرے تو سب پانی نکالا جائے گا۔ اگر کنوئیں میں کسی نے بکری کی جیر جو بچہ پیدا ہونے کے بعد رحم سے نکلتی ہے اور اس میں رحم کا خون اور آنول وغیرہ ہوتا ہے ڈال دی تو سب پانی نکالا جائے گا۔ سب پانی نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا نکالیں کہ پانی ٹوٹ جائے اور آدھا ڈول بھی نہ بھرے۔

سوال:۔ کتا کنوئیں میں گرا اور ڈیڑھ دو مہینے کے بعد اس کا اس وقت علم ہوا جبکہ گوشت و پوست بھی گل کر پانی میں تحلیل ہو چکا تھا۔ اب یہ کنواں کس طرح پاک ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ اس کنوئیں کو اتنی مدت تک بالکل چھوڑ دیں کہ کتے کی ہڈیاں اور گوشت و پوست گل کر مٹی اور گارا ہو جائے۔ بعض فقہاء کے نزدیک اس کو چھ مہینہ تک چھوڑے رکھیں۔ اسکے بعد کل پانی نکال دیں۔

سوال:۔ اگر کنوئیں میں گرنے والی چیز باوجود کوشش کے نہ نکل سکے تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر وہ چیز جس کے گرنے سے کنواں ناپاک ہوا ہے کسی طرح نہ نکل سکے تو وہ چیز اگر بذاتِ خود پاک ہوتی ہے لیکن ناپاکی لگنے سے ناپاک ہو گئی جیسے ناپاک کپڑا یا ناپاک جوتا تو اس کا نکالنا معاف ہے۔ ویسے ہی کنوئیں کا سارا پانی نکال دیں۔ اور اگر وہ چیز ایسی ہے کہ بذاتِ خود ناپاک ہے جیسے مُردہ جانور چوہا وغیرہ تو جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ گل سڑ کر مٹی ہو گیا ہے اس وقت تک کنواں پاک نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ یقین ہو جائے کہ وہ چیز گل سڑ کر مٹی ہو چکی تو اس وقت سارا پانی نکال دیں کنواں پاک ہو جائے گا۔

اگر کنوئیں میں اتنا بڑا سوت ہے کہ سارا پانی کسی طرح نکل نہیں سکتا۔ نکالنے کے بعد نیچے سے اور پانی بر آمد ہو جاتا ہے تو اس میں جتنا پانی اس وقت موجود ہے اندازہ کر کے اسی قدر نکال ڈالیں۔

سوال:۔ پانی کا اندازہ کرنے کی کیا صورت ہے؟

جواب:۔ اس کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ مثلاً پانی چار ہاتھ ہے لگاتار سو ڈول نکال کر دیکھو کہ کتنا پانی کم ہوا۔ اگر ایک ہاتھ کم ہوا ہو تو بس اسی حساب لگا لو کہ سو ڈول میں ایک ہاتھ پانی ٹوٹا چار ہاتھ پانی چار سو ڈول میں نکل جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو لوگ اس اندازے کے ماہر ہوں ایسے دیندار مسلمانوں سے اندازہ کرا لو جس قدر وہ کہیں اتنا نکلوا دو۔ اور جہاں دونوں باتیں مشکل معلوم ہوں تو وہاں امام محمدؒ کے فتوے کے بموجب تین سو ڈول نکلوا دیں مگر طحطاویؒ نے لکھا ہے کہ یہ دوسرا قول ضعیف ہے۔

سوال:۔ چوہڑہ (بھنگی) جس کا بدن اور کپڑے نجس تھے کنوئیں میں گر کر مر گیا۔ دوسرے دن نکالا گیا۔ اب

کنواں کیونکر پاک ہو؟

جواب:- اس صورت میں دو سو ڈول وجوباً اور تین سو ڈول استحباباً نکالے جائیں۔

سوال:- اس دو سو یا تین سو ڈول کا ماخذ کیا ہے؟

جواب:- یہ مقدار معلول بعلت ہے۔ امام محمدؒ نے دو تین سو ڈول کے لیئے اس لئے فرمایا تھا کہ ان کے دیار میں کنوؤں میں اسی قدر پانی ہوتا تھا پس عہد حاضر میں تین سو ڈول کا فتویٰ سراسر ضعیف مسلک ہے۔ راجح یہی ہے کہ علت پر نظر کی جائے۔ مگر چونکہ تین سو ڈول نکالنے میں عوام کی سہولت ہے اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

١٤١١٨

سوال:- وہ کونسی صورتیں ہیں جن میں بیس تیس ڈول پانی نکالنا ہی کافی ہے؟

جواب:- اگر چوہا چڑیا یا ان کے برابر کوئی چیز گر کر مر گئی لیکن پھولی پھٹی نہیں تو بیس ڈول نکالنا واجب ہے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ تیس ڈول نکالیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ پہلے چوہا نکال لیں۔ اور اگر چوہا نکالے بغیر پانی نکالا تو وہ محسوب نہ ہوگا۔ چوہا نکالنے کے بعد پھر اتنا ہی پانی نکالنا پڑے گا۔ بڑی چھپکلی جس میں بہتا ہوا خون ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ کہ اگر مرنے کے بعد پھولے پھٹے نہیں تو بیس ڈول نکالیں اور اگر تیس نکالیں تو اور بہتر ہے۔ اور جس میں بہتا ہوا خون نہ ہوتا ہو تو اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ اگر کبوتر یا مرغی یا بلی یا اسی کے برابر کوئی چیز گر کر مر جائے اور پھولے نہیں تو چالیس ڈول نکالنا واجب ہے۔ اور ساٹھ ڈول نکالیں تو بہتر ہے۔ دو چوہے گر کر مر جائیں تو بیس سے تیس تک اور تین سے پانچ تک ہوں تو چالیس سے ساٹھ ڈول تک اور چھ یا زیادہ ہوں تو کل پانی نکالا جائے گا۔

سوال:- ڈول کون سا معتبر ہے؟

جواب:- ہر جگہ جو ڈول رائج ہو وہی معتبر سمجھا جائے گا۔

سوال:- اگر کسی کنوئیں پر غیر معمولی بڑا ڈول پڑا ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب:- بڑے ڈول کا حساب نکال لینا چاہیئے۔ اگر اس میں دو ڈول پانی سماتا ہے تو دو ڈول سمجھیں اور اگر چار ڈول سماتا ہے تو چار ڈول قرار دیں۔ الغرض جتنے ڈول پانی اس میں آتا ہو اسکے حساب سے کھینچا جائے۔

سوال:- اگر کسی کنوئیں پر چھوٹے بڑے مختلف ڈول ہوں تو اس کنوئیں کو پاک کرنے کے لئے کس ڈول سے پانی نکالا جائے گا؟

جواب:۔ ایسی حالت میں درمیانی ڈول کا اعتبار ہوگا۔ درمیانی ڈول وہ ہے جس میں اسّی تولہ کے پاکستانی سیر کے ساڑھے تین سیر پانی سماتا ہو۔

سوال:۔ کنوئیں میں سے مرا ہوا چوہا یا کوئی اور جانور نکلا۔ اور یہ معلوم نہیں کہ کب گرا تھا اور وہ ہنوز پھولا پھٹا نہیں ہے تو جن لوگوں نے اس کنوئیں سے وضو کیا ہے یا کپڑے دھوئے ہیں وہ کیا کریں؟

جواب:۔ وہ ایک دن رات کی نمازیں دُہرائیں اور ان کپڑوں کو دوبارہ دھوئیں اور اگر پھُول گیا ہے یا پھٹ گیا ہے تو تین دن اور تین رات کی نمازیں دُہرائی جائیں۔ اور بعض علماء کا یہ فتویٰ ہے کہ جس وقت کنوئیں کا ناپاک ہونا معلوم ہوا ہے اسی وقت سے ناپاک سمجھیں گے۔ اس سے پہلے کی نمازیں اور وضو سب درست ہے۔ اگر کوئی صاحب اس پر عمل کریں تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن احتیاط پہلے بیان میں ہے۔

سوال:۔ جتنے ڈول نکالنے ہیں وہ سب ایک ہی مرتبہ نکالے جائیں یا ان کو کئی دفعہ نکالنا بھی جائز ہے؟

جواب:۔ کئی مرتبہ نکالنا بھی جائز ہے۔ مثلاً ساٹھ ڈول نکالنے ہوں تو بیس صبح کو بیس دوپہر کو اور بیس شام کو نکالیں۔

سوال:۔ جس رسی ڈول سے ناپاک کنوئیں کا پانی نکالا جائے وہ رسی اور ڈول پاک ہے یا ناپاک؟

جواب:۔ جب اتنا پانی نکال ڈالا جتنا نکالنا تھا تو کنواں اور ڈول اور رسّی سب پاک ہو گئے۔

سوال:۔ اگر کوئی غیر مسلم ڈول نکالنے کے لئے کنوئیں میں اُترا اور پانی میں غوطہ لگایا تو کنواں ناپاک ہوا یا نہیں؟

جواب:۔ اگر غیر مسلم نے کنوئیں میں اُترنے سے پہلے غسل کر لیا تھا اور پاک کپڑے پہن کر کنوئیں میں اُترا تھا تو کنواں پاک ہے اور اگر اُترنے سے پہلے نہیں نہایا اور اپنے بدن ہی کے کپڑے کے ساتھ اُترا تو کنوئیں کا سارا پانی نکالا جائے کیونکہ کافر کا بدن اور کپڑا عموماً ناپاک ہی رہتا ہے۔

سوال:۔ اگر کنوئیں میں چڑیا یا کبوتر کی بیٹ گر جائے تو ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ چڑیا اور کبوتر کی بیٹ یا اونٹ بھیڑ یا بکری کی دو چار مینگنیوں سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔

سوال:۔ کنوئیں میں بکری یا چوہا گر گیا اور زندہ نکل آیا تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔ کنواں پاک ہے کچھ نہ نکالا جائے۔

سوال:۔ جس شخص کو نہانے کی ضرورت ہے اگر وہ ڈول نکالنے کی غرض سے کنوئیں میں اُترا اور اس کے بدن اور کپڑے پر کسی قسم کی نجاست نہیں ہے تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب :۔ کنواں پاک ہے ؛

سوال :۔ ایک کنوئیں میں اس قدر عمیق پانی ہے کہ وہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ اس کے اندر ایک مستعمل جوتا گر کر پانی میں ڈوب گیا۔ ہر چند کوشش کی گئی مگر وہ نہ مل سکا۔ اور جس قدر بھی پانی کنوئیں سے نکالا جاتا ہے اسی قدر پانی بھر آتا ہے۔ تو اس کا پانی کس طرح پاک ہوگا؟

جواب ۔ اگر جوتے کے ناپاک ہونے کا یقین ہے تو پھر تین سو ڈول نکلوائے جائیں ورنہ کنواں پاک ہے۔ جوتے کے نہ ملنے کا کوئی غم نہ کریں ؛

سوال :۔ چلتے کنوئیں میں گوبر گرتا رہتا ہے کنواں پاک ہے یا ناپاک ؟

جواب :۔ اگر اس سے بچنا مشکل ہو تو قلیل مقدار میں عفو ہے ؛

سوال :۔ حرام پرندوں مثلاً زاغ زغن کرگس کی بیٹ کنوئیں میں گرے تو پانی ناپاک ہوگا یا نہیں؟ اور اگر ناپاک ہوگا تو کتنا پانی نکالا جائے؟

جواب :۔ کنوئیں کی نسبت فقہاء نے لکھا ہے کہ حرام پرندوں کے پاخانہ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ اس سے بچنا مشکل ہے ؛

سوال :۔ چھپکلی میں خون سائل ہے یا نہیں چھپکلی کے گر کر مرنے کا کیا حکم ہے ؟

جواب :۔ چھپکلی میں خون سائل نہیں سمجھا گیا۔ البتہ اگر رنگ بدلتی ہو جیسا کہ گرگٹ تو اس میں خون سائل ہے اس سے کنواں نجس ہو جائے گا۔ اور عام چھپکلی سے نجس نہ ہوگا ؛

سوال :۔ اگر غیر مسلم مسلمانوں کے کنوئیں سے اپنے برتن سے پانی نکالے تو کنواں پاک رہیگا یا ناپاک اگر پاک رہے گا تو ارشاد ربانی اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ کے کیا معنیٰ ہیں ؟

جواب :۔ اگر غیر مسلم اپنے برتن سے کنوئیں سے پانی نکالے اور بظاہر اس برتن پر کچھ نجاست نہیں ہے۔ تو کنوئیں کا پانی پاک ہے کچھ وہم نہ کرنا چاہیئے۔ اور اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ سے نجاست عقیدہ مراد ہے ؛

سوال :۔ ڈبوں میں بند ہو کر یورپ سے جو رنگ آتا ہے وہ پاک ہے یا ناپاک۔ اور اس سے رنگے ہوئے کپڑے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ ڈبوں کے رنگ کی پاکی مشتبہ ہے اسلئے اس سے رنگے ہوئے کپڑے سے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔

فصل ۳ - آدمیوں اور جانوروں کا جوٹھا

سوال :- کس کس انسان کا پس خوردہ پاک ہے ؟

جواب :- آدمی کا جوٹھا پاک ہے خواہ جنب یعنی ناپاک ہو یا حیض و نفاس والی عورت ہو۔ کافر کا جوٹھا بھی پاک ہے مگر اس سے بچنا چاہیئے۔ اسی طرح ان سب کا پسینہ بھی پاک ہے۔ البتہ اگر کسی کا ہاتھ یا منہ کسی ناپاکی سے آلودہ ہو تو اس کا جوٹھا ناپاک ہو جائے گا۔

سوال :- کن جانوروں کا جوٹھا نجس ہے ؟

جواب :- بھیڑیا۔ شیر۔ بندر۔ گیدڑ وغیرہ جتنے چیر پھاڑ کر کھانے والے جانور ہیں سب کا جوٹھا نجس ہے۔ خنزیر اور کتے کا پس خوردہ بھی نجس ہے۔ اگر کتا کسی برتن میں مُنہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا لیکن بہتر ہے کہ سات مرتبہ دھوئیں جن میں سے پہلی مرتبہ مانجھ بھی ڈالیں کہ پوری طرح صفائی آ جائے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کتا تمہارے کسی برتن میں پیئے تو چاہیئے کہ اس کو سات مرتبہ دھوؤ۔ رواہ البخاری و مسلم۔ اور مسلم کی ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ جب کتا تمہارے کسی برتن میں پیئے تو اس کا طہور یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھوؤ۔ جن میں سے پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ دھویا جائے (مشکوٰۃ)

سوال :- بلّی کا پس خوردہ کیسا ہے ؟

جواب :- بلّی کا جوٹھا مکروہ ہے اور پانی میسّر ہو تو بلّی کے جوٹھے پانی سے وضو نہ کریں۔ اگر بلّی نے دُودھ سالن وغیرہ میں منہ ڈال دیا تو آسودہ حال آدمی کو چاہیئے کہ ہرگز نہ کھائے پیئے اور اگر غریب و مسکین آدمی کھالے تو اس میں کچھ ہرج اور گناہ نہیں ہے۔ اگر بلّی نے چوہا کھاتے ہی برتن میں منہ ڈال دیا تو وہ نجس ہو جائے گا لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب وہ اپنا منہ زبان سے چاٹ چکی ہو تو اس کا پس خوردہ مکروہ ہی رہے گا نجس نہ ہوگا۔

سوال :- حلال جانوروں اور شکاری پرندوں کے پس خوردہ کا کیا حکم ہے ؟

جواب :- حلال جانور جیسے بھیڑ بکری مینڈھا دُنبہ گائے بھینس ہرنی اور حلال پرند جیسے چڑیا

کبوتر، فاختہ، مینا۔ طوطا ان سب کا جوٹھا پاک ہے۔ اسی طرح گھوڑے کا جوٹھا بھی پاک ہے اور شکار کرنے والے پرندوں شکرے باز وغیرہ کا پس خوردہ مکروہ ہے۔ لیکن جو پالتو ہو اور مردار نہ کھانے پائے اس کا جوٹھا پاک ہے

سوال:۔ مرغی کے جوٹھے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ کھلی ہوئی مرغیوں کا جوٹھا جو ادھر ادھر گندی پلید چیزیں کھاتی ہیں مکروہ ہے اور جو مرغی بند رہتی ہے اس کا پس خوردہ پاک ہے۔

سوال:۔ جو چیزیں گھروں میں رہتی ہیں جیسے سانپ بچھو چوہا چھپکلی وغیرہ ان کے پس خوردہ کا کیا حکم ہے

جواب:۔ ان کا جوٹھا مکروہ ہے اگر چوہا روٹی کتر کر کھا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اس جگہ سے تھوڑا سا ٹکڑا توڑ کر الگ کر دیں۔ پھر کھائیں۔

سوال:۔ گدھے اور خچر کا جوٹھا پاک ہے یا نہیں؟

جواب:۔ گدھے اور خچر کا جوٹھا پاک تو ہے لیکن یہ امر مشتبہ ہے کہ اس سے وضو ہو سکتا ہے یا نہیں اس لئے اگر کبھی گدھے اور خچر کے پیئے ہوئے پانی کے سوا کوئی پانی نہ مل سکے تو اس سے وضو کر لیں اور تیمم بھی کریں اور وضو و تیمم میں سے جس کو چاہیں مقدم کریں۔

سوال:۔ گدھے کا پسینہ کپڑے کو لگ جائے تو وہ کپڑا نجس ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جن جانوروں کا پس خوردہ ناپاک ہے ان کا پسینہ بھی نجس ہے اور جس کا جوٹھا پاک ہے اس کا پسینہ بھی پاک ہے اور جس کا جوٹھا مکروہ ہے اس کا پسینہ بھی مکروہ ہے۔ گدھے اور خچر کا پسینہ پاک ہے۔ کپڑے اور بدن پر لگ جائے تو دھونا واجب نہیں لیکن دھو ڈالنا بہتر ہے۔

فصل ۴۔ نجاستوں کا بیان

سوال:۔ نجاست کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کی تعریف کیا ہے؟

جواب:۔ نجاست کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور حکمی۔ نجاست حقیقی وہ ہے جو دکھائی دے۔ اور نجاست حکمی وہ ہے جو دیکھنے میں نہ آئے اور صرف شارع علیہ السلام کے حکم سے ثابت ہو۔ جیسے بے وضو ہونا یا غسل کی حاجت ہونا۔ اور نجاست حقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں غلیظہ اور خفیفہ۔ شدید قسم کی ناپاکی کو غلیظہ کہتے ہیں اور

جو ناپاکی ہلکی ہو وہ نجاست خفیفہ ہے ۔

سوال :۔ نجاست غلیظہ اور خفیفہ کیا کیا ہیں ؟

جواب :۔ آدمی کا پیشاب، پائخانہ۔ جانوروں کا پائخانہ۔ حرام جانوروں کا پیشاب۔ بہتا ہوا خون۔ مرغی اور بطخ کی بیٹ۔ سؤر کا گوشت۔ اور اس کے بال اور ہڈی۔ شراب اور منی یہ سب نجاست غلیظہ ہیں۔ چھوٹے دودھ پیتے بچے کا پیشاب پاخانہ بھی نجاست غلیظہ ہے حلال جانوروں جیسے بھیڑ بکری گائے بھینس وغیرہ اور گھوڑے کا پیشاب اور حرام پرندوں کی بیٹ نجاست خفیفہ ہے۔ مرغی، بطخ اور مرغابی کے سوا اور حلال پرندوں کی بیٹ پاک ہے جیسے کبوتر، چڑیا، مینا وغیرہ اور چمگادڑ کا پیشاب اور بیٹ بھی پاک ہے ۔

سوال :۔ نجاست غلیظہ اور خفیفہ کتنی کتنی معاف ہے ؟

جواب :۔ اگر نجاست غلیظہ اور خفیفہ گاڑھے جسم والی ہے جیسے انسان کا پائخانہ اور مرغی کی بیٹ تو ایک درہم یعنی ساڑھے تین ماشے تک معاف ہے۔ پتلی اور بہنے والی چیز کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو اگر پھیلاؤ میں ایک درہم یعنی روپے کے برابر یا اس سے کم ہو تو معاف ہے۔ معاف ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اگر اتنی نجاست بدن یا کپڑے پر لگی ہو اور نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی مگر مکروہ تحریمی ہوگی۔ پس قصداً اتنی نجاست بھی لگی رکھنا مذموم اور قبیح ہے۔ اگر پتلی چیز روپیہ کے پھیلاؤ سے زیادہ اور گاڑھی چیز ساڑھے تین ماشہ سے زیادہ ہوگی تو قطعاً نماز نہ ہوگی۔ اور اگر نجاست خفیفہ کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو جس حصے میں لگی ہے اگر اس کے چوتھائی سے کم ہو تو معاف ہے اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں۔ یعنی مثلاً آستین میں لگی ہے تو آستین کی چوتھائی سے کم ہو اگر کلی میں لگی ہے تو اس کی چوتھائی سے کم ہو تب معاف ہے۔ اسی طرح اگر نجاست خفیفہ ہاتھ میں لگی ہے تو اگر پہنچے میں لگی ہے تو پہنچے کی چوتھائی اور اگر بازو میں لگی ہے تو بازو کی چوتھائی اگر کلائی میں لگی ہے تو کلائی کی چوتھائی سے کم ہو تو معاف ہے اسی طرح اگر ٹانگ میں لگ جائے تو اس کی چوتھائی سے کم معاف ہے اور اگر پوری چوتھائی ہو تو معاف نہیں ہے اس کا دھونا واجب ہے۔ بے دھوئے ہوئے نماز نہ ہوگی۔ اور اگر چوتھائی سے کم ہو تو نماز اگرچہ ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی ۔

سوال :۔ اگر کسی کا کپڑا چوتھائی سے زیادہ نجس ہے اور اس کے دھونے کے لئے پانی کہیں سے نہیں ملتا. تو ایسی صورت میں کیا کرے ؟

جواب :۔ اگر اس کے پاس کوئی پاک کپڑا نہیں تو اسی میں نماز پڑھ لے اور اعادہ نہ کرے (امداد الفتاویٰ مطبوعہ مجتبائی جلد اول صفحہ ۹)

سوال:- پانی میں غلیظہ یا خفیف نجاست پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:- اگر نجاست غلیظہ پڑے گی تو پانی نجس غلیظہ ہوگا اور نجاست خفیفہ پڑے گی تو پانی بھی نجس خفیف ہوگا خواہ کم پڑے یا زیادہ۔

سوال:- مستعمل پانی کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:- مستعمل پانی وہ ہے جس کے ذریعہ سے ناپاکی دُور کی گئی ہو اور بدن پر علیٰ وجہ القربت استعمال کیا گیا ہو نہ کہ اعضا کو ٹھنڈک پہنچانے یا صفائی اور ستھرائی کے لئے۔ اور قربت سے مراد عبادت اور تقرب الی اللہ ہے مستعمل پانی کے بارہ میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ نجس ہے اور نجاست اسکی پیشاب کی نجاست کی طرح غلیظہ ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بکری اور گائے کے پیشاب کی طرح نجاست خفیفہ ہے اور امام محمدؒ اسے طاہر غیر طہور فرماتے ہیں۔ یعنی خود تو پاک ہے لیکن اس کو وضو میں استعمال نہیں کر سکتے گو ناپاک کپڑا اس سے پاک ہو جائے گا۔ اکثر علماء نے امام محمدؒ ہی کے فتوے کو اختیار کیا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ تاہم ان لوگوں کو جو وضو کرتے وقت وضو کا مستعمل پانی پاؤں کے پاس گرا کر چھینٹیں اڑاتے ہیں۔ اس سے احتیاط و احتراز لازم ہے۔

سوال:- مچھلی کا خون کیسا ہے؟

جواب:- مچھلی کا خون نجس نہیں کیونکہ وہ دراصل خون ہی نہیں ہے اگر کپڑے کو لگ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اسی طرح مکھی کھٹمل اور مچھر کا خون بھی نجس نہیں ہے۔ تاہم دھو دیا جائے تو بہتر ہے۔

سوال:- پیشاب کی چھینٹیں سوئی کی نوک کے برابر پڑ جائیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:- پیشاب کی بہت باریک چھینٹیں پڑ جائیں کہ بے تکلف دکھائی نہ دیں تو ان کا دھونا واجب نہیں۔ ہاں اگر ان چھینٹوں کا مجموعہ ایک درہم یعنی روپے کی مقدار سے زیادہ ہو تو اس کا دھونا واجب ہے۔

سوال:- اگر کپڑے کو دلدار نجاست لگی ہو جیسے پاخانہ گوبر خون تو کپڑا کتنی دفعہ دھویا جائے گا؟

جواب:- اگر نجاست دلدار ہو تو دھونے میں گنتی کی کوئی شرط نہیں بلکہ نجاست کا دُور کرنا ضروری ہے اگر ایک مرتبہ دھونے سے دُور ہو جائے تو ایک ہی مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا۔ اور اگر چار پانچ مرتبہ دھونے سے دور ہو تو چار پانچ مرتبہ دھونا پڑے گا لیکن اگر تین مرتبہ سے کم میں نجاست دُور ہو جائے تو بھی تین بار پورا کر لینا مستحب ہے۔

سوال:- اگر دھونے سے بُو نہ گئی تو پھر صابن لگانا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر ایسی نجاست ہے کہ کئی دفعہ دھونے اور نجاست کے چھوٹ جانے پر بھی اس کی بدبو نہیں گئی یا کچھ رنگ یا دھبہ رہ گیا تو بھی کپڑا پاک ہو گیا۔ صابون یا کھٹائی یا گرم پانی سے دھبہ چھڑانا اور رنگ و بو دفع کرنا ضروری نہیں۔

سوال:- ہر دفعہ دھونے کے بعد کپڑے کو نچوڑنا بھی ضروری ہے یا نہیں ؟

جواب:- اگر کپڑے کو پیشاب یا کوئی اور نجاست لگ گئی ہو جو دلدار نہیں ہے تو کپڑے کو تین مرتبہ دھوئیں۔ اور ہر دفعہ نچوڑیں۔ اور تیسری مرتبہ اپنی طاقت بھر خوب زور سے نچوڑیں۔ تب کپڑا پاک ہوگا اور اگر خوب زور سے نہ نچوڑا گیا تو کپڑا پاک نہ ہوگا۔ خوب نچوڑنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ شخص اپنی طاقت بھر اس طرح نچوڑ لے کہ اگر پھر نچوڑے تو اس سے کوئی قطرہ نہ ٹپکے۔ اگر دھونے والے نے اچھی طرح نچوڑ لیا لیکن اگر کوئی دوسرا شخص جو طاقت میں اس سے زیادہ ہے نچوڑے تو مزید دو ایک قطرے ٹپک سکتے ہیں تو اس کے لئے پاک اور دوسرے کے حق میں ناپاک ہے۔ غرض دوسرں کی طاقت کا کوئی لحاظ نہ رکھا جائے گا۔ پہلی اور دوسری دفعہ نچوڑنے کے بعد ہاتھوں کو دھو لینا بہتر ہے۔ اور اگر ہاتھ نہیں دھوئے تو تیسری بار نچوڑنے سے کپڑا بھی پاک ہو گیا اور ہاتھ بھی اور اگر کپڑے میں اتنی تری رہ گئی ہو کہ نچوڑنے سے ایک آدھ بوند ٹپکے گی تو کپڑا اور ہاتھ دونوں ناپاک ہیں۔ پہلی یا دوسری مرتبہ ہاتھ پاک نہیں کیا اور اس کی تری سے کپڑے کا پاک حصہ بھیگ گیا تو یہ بھی ناپاک ہو گیا۔ پھر اگر پہلی مرتبہ کے نچوڑنے کے بعد بھیگا ہے تو اسے دو مرتبہ دھونا چاہیئے۔ اور دوسری مرتبہ نچوڑنے کے بعد ہاتھ کی تری سے بھیگا ہے تو ایک مرتبہ دھویا جائے۔ اسی طرح اگر اس کپڑے سے جو ایک مرتبہ دھو کر نچوڑ لیا گیا ہے کوئی پاک کپڑا بھیگ جائے تو یہ دوبارہ دھویا جائے اور اگر دوسری مرتبہ نچوڑنے کے بعد اس سے وہ کپڑا بھیگا تو ایک بار دھونے سے پاک ہو جائے گا۔ کپڑے کو تین مرتبہ دھو کر ہر مرتبہ خوب نچوڑ لیا ہو کہ اب نچوڑنے سے نہ ٹپکے گا۔ پھر اس کو لٹکا دیا اور اس سے پانی ٹپکا تو یہ پانی پاک ہے۔ اور اگر اچھی طرح نہیں نچوڑا تھا تو یہ پانی ناپاک ہے (ماخوذ)

سوال:- اسلام یسر یعنی ایک آسان دین ہے لیکن کپڑا نچوڑنے کے جو قیود آپ نے سنائے انہوں نے تو کپڑا پاک کرنے کا کام بڑا کٹھن بنا دیا ہے۔ جائے غور ہے کہ اگر شامت اعمال سے کسی پیر فانی یا نحیف البدن یا بیمار کا کپڑا نجس ہو جائے تو اس کا پاک کرنا ان کے لئے کتنا جانکاہ ہے۔ اتنی مشقت اور جانفشانی ان کی قوت برداشت سے باہر ہے۔ اس لئے اللہ کی کمزور مخلوق کے لئے کوئی ایسا سہل طریقہ زیب رقم فرمائیے

جس سے ان کی یہ کٹھن منزل آسان ہو جائے ۔

جواب:۔ کفایہ شرح ہدایہ میں فتاوائے خانیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر نجس کپڑے پہ پانی بہ گیا اور گمان غالب ہو گیا کہ کپڑا پاک ہو چکا ہے تو بھی جائز ہے اگرچہ اس کے بعد نچوڑا نہ ہو۔ غرض کپڑا پاک کرنے میں اعتبار دھونے والے کے ظن و گمان کا ہے۔ بجز اس صورت کے کہ کپڑا پاک کرنے والا نابالغ بچہ یا دیوانہ ہو۔ ایسی حالت میں استعمال کرنے والے کا ظن و گمان معتبر ہو گا۔ کیونکہ اسی کو اس کپڑے کی حاجت ہو گی (حاشیہ چلپی علی شرح الوقایہ) ۔

سوال:۔ اگر نجاست ایسی چیز میں لگی ہو جو نچوڑی نہیں جا سکتی جیسے چٹائی۔ تخت۔ زیور۔ جوتی برتن بوتل وغیرہ۔ تو اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ دھو کر ٹھہر جائیں۔ جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے تو پھر دھوئیں جب پھر پانی ٹپکنا موقوف ہو تو پھر دھوئیں۔ اسی طرح تین مرتبہ کریں تو وہ چیز پاک ہو جائے گی ۔

سوال:۔ اگر سرکہ یا عرق گلاب یا عرق گاؤزبان وغیرہ قسم کی کسی چیز سے جو پتلی اور پاک ہو کوئی چیز دھوئی جائے تو پاک ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ ہاں پاک ہو جائے گی۔ لیکن دودھ گھی تیل وغیرہ چکنی چیز سے دھوئی جائے تو وہ چیز علیٰ حالہا ناپاک رہے گی ۔

سوال:۔ اگر کوئی ایسی چیز ہو جس میں نجاست جذب نہ ہوئی جیسے کانچ یا چینی کے برتن یا مٹی کا روغنی یا پرانا استعمالی چکنا برتن یا تانبے پیتل لوہے وغیرہ دھاتوں کی چیزیں تو اس کے پاک کرنے کی کیا صورت ہے؟

جواب:۔ اسے تین مرتبہ دھو لینا کافی ہے اس کی ضرورت نہیں کہ اسے اتنی دیر تک چھوڑ دیں کہ پانی ٹپکنا موقوف ہو جائے ۔

سوال:۔ دری ٹاٹ وغیرہ کے پاک کرنے کی کیا صورت ہے؟

جواب:۔ دری یا ٹاٹ یا کوئی ناپاک کپڑا اگر بہتے پانی میں رات بھر پڑا رہنے دیں تو پاک ہو جائے گا۔ بہتے پانی سے پاک کرنے میں نچوڑنا شرط نہیں۔ یہ غالب گمان ہو جانا چاہیئے کہ پانی نجاست کو بہا لے گیا ہو گا۔

سوال:۔ بدن یا کپڑے میں منی لگ جائے تو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:۔ بدن یا کپڑے میں منی لگ کر خشک ہو گئی ہو تو کپڑے کو کھرچ کر خوب مل ڈالنے سے پاک

ہو جائے گا اور اگر ہنوز تر ہو تو کپڑا دھونے سے پاک ہوگا ۔

سوال : ۔ اگر پاخانہ گوبر منی خون وغیرہ دلدار نجاست جوتی موزے یا چمڑے میں لگ کر خشک ہو جائے تو اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے ؟

جواب : ۔ جوتی وغیرہ کو زمین پر خوب رگڑ کر یا کھرچ کر نجاست چھوڑا ڈالنے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے ۔ اور اگر سوکھی نہ ہو تو بھی اگر اتنا رگڑ ڈالیں یا گھس دیں کہ نجاست کا نام و نشان نہ رہے تو پاک ہو جائے گی ۔

سوال : ۔ اگر پیشاب کی قسم کی کوئی نجاست جوتی یا چمڑے کے موزے میں لگ جائے تو اسکے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے ؟

جواب : ۔ اگر پیشاب کی طرح کی کوئی نجاست جو دلدار نہیں ہے لگی تو بے دھوئے پاک نہ ہوگا ۔

سوال : ۔ کپڑا اور بدن کیونکر پاک ہو سکتا ہے ؟

جواب : ۔ کپڑا اور بدن صرف دھونے سے پاک ہوتا ہے خواہ دلدار نجاست لگے یا بے دل کی ۔

سوال : ۔ چاقو۔ چھری۔ چاندی سونے کے زیور۔ آئینہ کا شیشہ۔ لوہے تانبے گلٹ۔ شیشے وغیرہ کی چیزیں نجس ہو جائیں تو ان کے پاک کرنے کا طریقہ بھی فرما دیا جائے ۔

جواب : ۔ یہ چیزیں خوب رگڑ دینے یا پونچھ ڈالنے یا مٹی سے مانج ڈالنے سے پاک ہو جاتی ہیں لیکن اگر ان چیزوں پر نقش و نگار بنے ہوں تو بے دھوئے پاک نہ ہوں گی۔ نجس چاقو چھری یا مٹی اور تانبے وغیرہ کے برتن دہکتی آگ میں ڈالنے سے بھی پاک ہو جاتے ہیں ۔

سوال : اگر زمین پر نجاست پڑ گئی اس کے بعد زمین ایسی خشک ہوئی کہ نجاست کا نام و نشان نہ رہا۔ نہ نجاست کا کوئی دھبہ ہے نہ بدبو آتی ہے تو کس طرح پاک ہوگی ؟

جواب : ۔ سوکھ جانے سے زمین پاک ہو جاتی ہے لیکن ایسی زمین پر تیمم کرنا درست نہیں البتہ اس جگہ پر نماز پڑھ سکتے ہیں اسی طرح جو اینٹیں یا پتھر چونے یا گارے سے زمین میں اس طرح جما دیئے گئے ہوں کہ کھودے بغیر زمین سے نہ نکل سکیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے کہ خشک ہو جانے اور نجاست کا اثر زائل ہو جانے سے پاک ہو جائیں گے اور جو پتھر اور اینٹیں زمین پر بچھی ہوں چونے وغیرہ سے ان کی جڑائی نہ کی گئی ہو وہ سوکھنے سے پاک نہ ہوں گی ان کا دھونا ضروری ہے ۔

سوال : ۔ مٹی کے کورے برتن کی طہارت کس طرح ہوتی ہے ؟

جواب : ۔ کورا برتن نجس ہو جائے اور برتن نجاست کو چوس لے تو اس میں پانی بھر دیں جب نجاست کا اثر

پلٹی میں آجائے تو پانی گرا کر پھر بھر دیں۔ پھر جب نجاست کا اثر پانی میں آجائے تو گرا کر پھر بھر دیں اسی طرح برابر کرتے رہیں۔ جب نجاست کا اثر بالکل جاتا رہے رنگ اور بدبو کچھ باقی نہ رہے تو برتن پاک ہو جائے گا۔

سوال:۔ شہد تیل اور گھی کے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب:۔ شہد گھی تیل دودھ وغیرہ جس قدر ہو اتنا یا اس سے زیادہ پانی ڈال کر جوش دیں جب پانی جل جائے تو دوبارہ پانی ڈال کر جلائیں اسی طرح تین بار کرنے سے پاک ہو جائے گا۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ جتنا گھی تیل ہو اتنا ہی پانی ڈال کر ہلائیں جب وہ پانی کے اوپر آجائے تو پانی کو کسی طرح اتار دیں۔ اسی طرح تین مرتبہ پانی الگ کرنے سے پاک ہو جائے گا۔ اور اگر گھی جم گیا ہو تو پانی ڈال کر آگ پر رکھ دیں۔ جب پگھل جائے تو پانی الگ کر دیں۔

سوال:۔ اگر زمین خالص گوبر سے یا مٹی ملے گوبر سے لیپی گئی ہو تو اس پر نماز ہو جائے گی؟

جواب:۔ ایسی زمین ناپاک ہے اس پر کوئی چیز بچھائے بغیر نماز درست نہ ہوگی۔

سوال:۔ گوبر کے کنڈے اور لید وغیرہ نجس چیزوں کی راکھ کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ان کی راکھ پاک ہے اور ان کا دھواں بھی پاک ہے۔ یہ راکھ یا دھواں روٹی کو لگ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

سوال:۔ نجس رنگ میں کپڑا رنگا گیا ہو تو اس کپڑے کی طہارت کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:۔ اس کپڑے کو اتنا دھوئیں کہ پانی صاف آنے لگے پاک ہو جائے گا چاہے کپڑے سے رنگ چھوٹے یا نہ چھوٹے

سوال:۔ کمہار نے نجس مٹی اور نجس پانی سے برتن بنائے تو وہ کس طرح پاک ہو سکیں گے؟

جواب:۔ وہ برتن جب تک کچے ہیں ناپاک ہیں آگ میں پک کر پاک ہو جائیں گے۔

سوال:۔ بچھونے کا ایک کنارہ ناپاک ہے اور باقی سب پاک ہے اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ پاک حصے پر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

سوال:۔ اگر کوئی نجس کپڑا پہن کر یا نجس بچھونے پر سویا اور پسینہ آگیا تو بدن لو بدن کے کپڑے پاک ہے یا نہیں؟

جواب:۔ کپڑا اور بدن ناپاک نہ ہوگا ہاں اگر اتنا بھیگ جائے کہ بچھونے میں سے کچھ نجاست چھوٹ کر بدن یا کپڑے کو لگ جائے تو نجس ہو جائے گا۔

سوال:۔ اگر دوتہی کی ایک تہ نجس ہو تو اس پر نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر دونوں تہیں سلی ہوئی نہ ہوں تو پاک تہ کی طرف نماز پڑھنا درست ہے اور اگر سلی ہوئی ہوں تو پاک تہ پر بھی نماز نہ ہوگی۔

سوال۔ نجس تیل بدن پر ملا یا سر میں ڈالا تو اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب۔ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا۔ صابن لگا کر یا کھلی ڈال کر تیل کا چھوڑانا ضروری نہیں۔

سوال:۔ کتا یا بندر آٹے میں منہ ڈال دے تو اس آٹے کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

جواب۔ کتے نے آٹے میں منہ ڈال دیا یا بندر نے جوٹھا کر دیا تو اگر آٹا گندھا ہوا ہو تو جہاں منہ ڈالا ہے اتنا آٹا نکال ڈالیں۔ باقی استعمال میں لائیں۔ اور اگر آٹا خشک ہو تو جہاں جہاں لعاب لگا ہو اس کو نکال ڈالیں باقی پاک ہے۔

سوال۔ اگر پاجامہ گیلا ہو اور ہوا خارج ہو تو پاجامہ پاک رہے گا یا نہیں

جواب۔ اس سے پاجامہ نجس نہیں ہوتا

سوال۔ نجس پانی میں بھیگے ہوئے کپڑے کے ساتھ پاک کپڑے کو لپیٹ کر رکھ دیا یا اس کی تری پاک کپڑے میں آگئی لیکن نہ تو اس میں نجاست کا کچھ رنگ آیا اور نہ بدبو آئی تو کپڑا پاک رہے گا یا نجس ہو جائے گا؟

جواب۔ اگر یہ پاک کپڑا اتنا بھیگ گیا ہو کہ نچوڑنے سے ایک آدھ قطرہ ٹپک پڑے یا نچوڑتے وقت ہاتھ بھیگ جائے تو پاک کپڑا بھی نجس ہو جائے گا اور اگر اتنا نہ بھیگا ہو تو پاک رہے گا۔

سوال۔ کیا لکڑی کے ایسے تختے پر جس کی ایک طرف نجس اور دوسری پاک ہو نماز پڑھ سکتے ہیں؟

جواب۔ اگر تختہ اتنا موٹا ہے کہ بیچ سے چر سکتا ہے تو اس کی پاک جانب پر نماز پڑھنا درست ہے اور نہیں۔

سوال۔ اگر جانماز میں نجاست لگی ہو یا کسی کپڑے میں نجاست لگ کر اسی طرف رہ گئی اور اس نے دوسری جانب اثر نہیں کیا تو اس جانماز اور کپڑے پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب۔ نماز پڑھتے وقت جانماز میں دونوں ہاتھ دونوں پاؤں پیشانی اور ناک رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے۔ باقی جگہ اگر نجس ہو تو نماز میں خلل نہیں آتا۔ ہاں نماز میں نجاست کے قرب سے بچنا چاہیئے۔ اور اگر کپڑے میں نجاست نے دوسری طرف اثر نہیں کیا تو اس کو لوٹ کر دوسری طرف جدھر نجاست نہیں لگی ہے نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں اگرچہ کتنا ہی دبیز ہو سوائے اس صورت کے جبکہ نجاست مواضع سجود سے الگ ہو۔

سوال۔ پاخانہ پیشاب کے بعد ڈھیلوں سے استنجا کر لیا۔ پھر سخت گرمی کے وقت اس جگہ سے پسینہ نکل کر کپڑے یا بدن میں لگا تو وہ ناپاک ہو جائیں گے یا نہیں؟

جواب - اس پسینہ سے بدن اور کپڑا ناپاک نہ ہوں گے۔

سوال - اگر نماز پڑھتے وقت جیب میں انڈا ہو یا ایسی شیشی ہو جس میں قارورہ یا شراب یا خون ہے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب - جیب کے انڈے سے نماز ہو جائیگی اگرچہ اس کی زردی خون ہو چکی ہو لیکن اس شیشی کے ساتھ نماز نہ ہو گی جس میں پیشاب یا شراب یا خون ہو۔

سوال - اگر کپڑے کے متفرق حصوں میں نجاست لگی ہو جس کا مجموعہ درہم کے برابر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب - کسی کپڑے یا بدن پر چند جگہ نجاست غلیظہ لگی ہو مگر کسی جگہ درہم کے برابر نہیں البتہ مجموعہ درہم کے برابر ہے تو درہم ہی متصور ہو گی اور زائد ہے تو زائد۔ نجاست خفیفہ میں بھی مجموعہ ہی پر حکم دیا جاتا ہے۔

سوال - درہم کے برابر یا کم وبیش کے کیا معنٰی ہیں؟

جواب - اگر نجاست غلیظ یعنی گاڑھی ہو جیسے پاخانہ گوبر لید تو درہم کے برابر یا کم [illegible] سے مراد اس کا وزن یعنی ساڑھے تین ماشہ ہے اور اگر پتلی ہو جیسے آدمی کا پیشاب اور شراب تو درہم سے اس کا طول وعرض مراد ہے۔ اور شریعت نے درہم کے طول وعرض کی مقدار کفِ دست کی گہرائی کے برابر بتائی ہے یعنی ہتھیلی کو خوب پھیلا کر ہموار رکھیں اور اس پر آہستگی سے اتنا پانی ڈالیں کہ اس سے زیادہ نہ ٹھیر سکے۔ اب پانی کا جتنا پھیلاؤ ہے اس کو درہم سمجھ لیجیے۔ اس کا قریب الفہم پھیلاؤ ہمارا روپیہ ہے۔

سوال - اگر کسی نے نجاست دور کئے بغیر نماز پڑھ لی تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب - اگر کپڑے یا بدن میں ایک درہم سے زیادہ نجاست غلیظہ لگ گئی تو اس کا دھونا اور پاک کرنا فرض ہے۔ پاک کئے بغیر نماز پڑھ لی تو نماز نہیں ہو گی اور قصداً پڑھی تو پڑھنے والا گنہگار ہوا اور اگر درہم کے برابر ہے تو اس کا پاک کرنا واجب ہے۔ پاک کئے بغیر نماز پڑھ لی تو مکروہ تحریمی ہوئی پس ایسی نماز کا لوٹانا واجب ہے اور قصداً پڑھی تو گنہگار بھی ہوا۔ اور اگر درہم سے کم ہے تو اس کا پاک کرنا سنت ہے۔ پاک کئے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس نماز کو لوٹا لیا جائے تو بہتر ہے۔

سوال - اگر نجاست غلیظہ یا خفیفہ کا ایک قطرہ پانی میں جا پڑے تو پانی پاک رہے گا یا نہیں؟

جواب - نجاست غلیظہ اور خفیفہ کے جو احکام اوپر حوالۂ قرطاس ہوئے وہ اس وقت ہیں جبکہ نجاست بدن یا کپڑے میں لگی ہو۔ اگر نجاستِ پانی یا سرکے وغیرہ کسی پتلی چیز میں گرے خواہ نجاست غلیظہ ہو یا خفیفہ تو پانی یا سرکہ

سب کا سب ناپاک ہو جائے گا اگرچہ ایک قطرہ گرے بجز اُس صورت کے کہ پانی کثیر مقدار میں یعنی کم از کم دَہ در دَہ ہو

سوال۔ انسان کے بدن سے نکلنے والی کون سی چیز نجاست غلیظہ ہے؟

جواب۔ انسان کے بدن سے جو ایسی چیز نکلے کہ اس سے غسل یا وضو واجب ہو تو وہ نجاست غلیظہ ہے جیسے پاخانہ پیشاب۔ جاری خون۔ پیپ۔ حیض۔ نفاس اور استحاضہ کا خون، منی، مذی، وَدِی اور منہ بھر قے۔

سوال۔ ناف یا پستان سے درد کے ساتھ جو پانی نکلے اور بلغمی رطوبت اور شیرخوار بچے بچی کے پیشاب کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ ناف یا پستان سے درد کے ساتھ جو پانی نکلے وہ نجاست غلیظہ ہے۔ دودھ پیتے لڑکے اور لڑکی کا پیشاب بھی نجاست غلیظہ ہے۔ شیرخوار بچے نے دودھ ڈال دیا۔ اگر منہ بھر ہے تو وہ بھی نجاست غلیظہ ہے بلغمی رطوبت جو ناک یا منہ سے نکلتی ہے وہ ناپاک نہیں۔

سوال۔ عکاشہ بن مُحصَن اَسدی رضی اللہ عنہ کی بہن اُمِّ قیس بنت مُحصَن صحابیہ اپنا صغیر السن بچہ جس نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا، سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں۔ آپ نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اُس نے آپؐ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ آپؐ نے پانی منگوا کر پیشاب کی جگہ پر بہا دیا اور اس کو دھویا نہیں رواہ البخاری ومسلم۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیرخوار بچے کا پیشاب جس نے ابھی اناج نہیں کھایا نجس نہیں ورنہ آپؐ کپڑے کو اچھی طرح مل کر دھوتے۔

جواب۔ گو اس حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیرخوار بچہ جس نے ابھی اناج نہیں کھایا اس کے پیشاب پر پانی بہا دینا کافی ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک بہرحال دھونا ہی چاہیے یہ دونوں بزرگ لفظ نضح سے جو حدیث میں آیا ہے دھونا مراد لیتے ہیں۔ اور حدیث میں جو آگے مذکور ہے کہ کپڑے کو دھویا نہیں اس سے ان دونوں نے یہ مراد لی ہے کہ دھونے میں مبالغہ نہ کیا گیا۔ یہ دونوں امام نضح کے معنی دھونا اس لئے لیتے ہیں کہ حدیث اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ (پیشاب سے پاکی حاصل کرو) اور بعض دوسری حدیثیں اسی کی تائید کرتی ہیں کہ ہر ایک پیشاب دھونا چاہیے۔

سوال:۔ کیا مُردار کا چمڑہ کسی طرح پاک ہو سکتا ہے؟

جواب۔ ہاں دباغت دینے سے پاک ہو جاتا ہے چنانچہ اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضؓ سے مروی ہے کہ قریش کے چند افراد اپنی مری ہوئی بکری کو گھسیٹتے ہوئے لئے جا رہے تھے سرِراہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر ان سے فرمایا کہ کاش تم نے اس کا چمڑہ لے لیا ہوتا۔ انہوں نے کہا یہ مُردار ہے۔ ذبح کی ہوئی بکری نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اس کو پانی اور کیکر کے پتے پاک کر دیتے ہیں۔ یعنی دباغت سے مردار کا چمڑہ پاک ہو جاتا ہے۔ رواہ احمد و ابو داؤد۔

سوال۔ اگر ناپاک کپڑا پورے موسم برسات میں دیوار پر پڑا رہا اور کبھی نچوڑا نہیں گیا یا ناپاک کپڑے پر اس قدر پانی ڈالا گیا کہ ازالۂ نجاست ہو گیا مگر کپڑا نچوڑا نہیں گیا تو کپڑا پاک ہوا یا نہیں؟

جواب۔ وہ کپڑا پاک ہو گیا۔

سوال۔ نجس زمین پر پاک پانی زیادہ مقدار میں بہا دیا جائے تو زمین پاک ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب۔ زمین پاک ہو گئی اور پانی بھی پاک ہے۔

سوال۔ حیض اور نفاس سے فارغ ہونے کے بعد عورت کو جو سفیدی آتی ہے وہ کپڑے یا بدن کو لگ جائے تو بدن اور کپڑا پاک رہے گا یا نہیں؟

جواب۔ رطوبت فرج خارج پاک اور رطوبت فرج داخل ناپاک ہے۔ پس اگر وہ سفید پانی اندر سے آیا ہے تو ناپاک ہے اور قدر درہم سے زیادہ بدن یا کپڑے کو لگ جائے تو دھوئے بغیر نماز نہ ہو گی۔

سوال۔ گھوڑی اور گدھی کا دودھ پاک ہے یا ناپاک؟

جواب۔ گدھی اور تمام دوسرے حرام جانوروں کا دودھ نجس ہے۔ البتہ گھوڑی کا دودھ پاک ہے مگر اس کا پینا جائز نہیں۔

سوال۔ چوہے کی مینگنی گیہوں میں مل کر پس گئی یا تیل میں جا پڑی تو آٹا اور تیل پاک ہیں یا نجس؟

جواب۔ آٹا اور تیل دونوں پاک ہیں۔ ہاں اگر اس کی وجہ سے مزے میں فرق آ جائے تو نجس ہے اور اگر روٹی کے اندر ملی تو اس کے آس پاس سے تھوڑی سی روٹی الگ کر کے باقی کھا سکتے ہیں۔

سوال۔ اگر کوئی بت پرست یا مجوسی یعنی آتش پرست حلال جانور مثلاً بھیڑ بکری کو ذبح کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ خشکی کا وہ جانور جس میں بہتا ہوا خون ہوتا ہے شرعی ذبح کے بغیر مر جائے تو وہ مردار ہے اگرچہ ذبح کیا گیا ہو اسی طرح مجوسی یا بت پرست یا مرتد کا ذبیحہ اگرچہ اس نے کسی حلال جانور مثلاً بھیڑ بکری وغیرہ کو ذبح کیا ہو اس کا گوشت پوست سب ناپاک ہو گیا

سوال۔ دانہ چینی کو صاف کرنے کے لئے ہڈیوں کی راکھ استعمال کرتے ہیں۔ یہ ہڈیاں حلال و حرام ہر قسم کے جانوروں کی ہوتی ہیں۔ اس چینی کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ جلانے سے ہڈی پاک ہو جاتی ہے خواہ کسی جانور کی ہو پس دانہ چینی طاہر و حلال ہے۔

سوال۔ ہاتھی کی عادت ہے کہ چلنے میں گرمی کے باعث سونڈ کے ذریعہ سے شکم کا پانی نکال کر اپنے بدن پر چھڑکا کرتا ہے اور جو لوگ ہاتھی پر سوار ہوتے ہیں ان کے کپڑوں پر کچھ نہ کچھ ضرور پڑتا ہے۔ یہ پانی پاک ہے یا ناپاک؟

جواب۔ یہ پانی نجس ہے۔

سوال۔ داد کے کھجلانے سے جو پانی نکلتا ہے وہ پاک ہے یا ناپاک؟۔ اگر ناپاک ہے تو کپڑے میں اس کا داغ کہاں تک معاف ہے؟

جواب۔ یہ پانی نجس مغلظہ ہے۔ اگر اس کا داغ پھیلاؤ میں ایک روپیہ سے زیادہ نہ ہو تو نماز ہو جائے گی مگر اس کا دھو ڈالنا بہتر ہے۔

سوال۔ اگر پیپ لہو وغیرہ کوئی نجاست کپڑے کو لگ جائے مگر درہم کی مقدار یعنی روپے کے پھیلاؤ سے کم ہو اور اس کی کیفیت یہ ہو کہ ابھی وہ زخم کے منہ سے بہ کر علیحدہ بھی نہیں ہوئی تھی کہ کپڑے کو لگ گئی اور پھر پانی پڑنے سے وہ درہم سے بھی زائد ہو گئی تو وہ کپڑا پاک ہے یا نہیں؟

جواب۔ جو پیپ زخم سے باہر نہیں بہی وہ ناپاک نہیں ہے۔ اگر کپڑے یا بدن کو لگ جائے تو کپڑا اور بدن ناپاک نہ ہو گا اگرچہ مقدار درہم سے زیادہ ہو۔ پانی پڑ کر زیادہ ہو جانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

سوال۔ گدیلے اور رضائی میں نجاست غلیظہ پڑ جائے۔ تو روئی نکال کر پاک کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب۔ روئی نکالنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کو روئی سمیت تین مرتبہ دھو ڈالنا کافی ہے۔ اگر نچوڑنے میں دشواری ہو تو تین بار پانی بہا دینا اور ہر بار تقاطر بند ہو جانا کافی ہے۔ اور اگر نچوڑنا دشوار نہ ہو تو تینوں بار نچوڑنا چاہیئے ورنہ کچھ ضروری نہیں۔

سوال۔ مچھلی کا پتہ پاک ہے یا نہیں۔ اور سانپ کے کنچل کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ دونوں چیزیں ناپاک ہیں۔ مچھلی کا پتہ مکروہ تحریمی ہے۔

سوال۔ اگر گندھک کو شراب میں اتنا پکایا جائے کہ شراب باقی نہ رہے تو گندھک پاک ہو جائیگی یا نہیں؟

جواب۔ وہ گندھک ہرگز پاک نہ ہو گی۔

سوال۔ منہ سے اتنا خون نکلا کہ تھوک سرخ ہو گیا۔ ایسی حالت میں لوٹے یا کٹورے کو منہ لگا کر کلی کے لیے پانی لیا تو لوٹا کٹورا اور ان کے اندر کا کل پانی نجس ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب۔ کل پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اس لئے ایسی حالت میں چلّو سے پانی لے کر کلی کرنی چاہئے۔ اس کے بعد ہاتھ دھوکر دوبارہ کلّی کے لئے پانی لیں۔

سوال۔ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ آنکھ دُکھنے میں آنکھوں سے جو پانی بہتا ہے وہ نجس اور ناقضِ وضو ہے اگر وہ پانی کپڑے میں ایک درم سے زیادہ جگہ کو لگ جائے گا تو نماز نہ ہو گی کیا یہ صحیح ہے؟

جواب۔ دُرِّ مختار میں ہے کہ وہ آنسو اور پانی وغیرہ جو دُکھتی آنکھ سے نکلے نجس اور ناقضِ وضو ہے مگر علامہ ابن الہمام صاحبِ فتح القدیر کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب تک اُس کا پیپ ہونا ظاہر نہ ہو نجس اور ناقضِ وضو نہیں۔

سوال۔ جس پانی کے تینوں وصف رنگ بُو اور مزہ نجاست کے پڑنے سے بدل چکے ہوں اُس کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ اس کا استعمال کسی طرح درست نہیں۔ نہ جانوروں کو پلانا درست ہے۔ نہ مٹی وغیرہ میں ڈال کر گارا بنا سکتے ہیں اور اگر تینوں وصف نہیں بدلے تو اس کا جانوروں کو پلانا اور مٹی وغیرہ میں ڈال کر گارا بنانا اور مکان میں چھڑکاؤ کرنا درست ہے۔

سوال۔ نجاست کے باقی ماندہ اہم وضروری احکام کیا کیا ہیں؟

جواب۔ مُردے کے مُنہ سے جو پانی بہے وہ نجس ہے۔ نجاستِ غلیظہ خفیفہ میں مل جائے تو مجموعہ غلیظہ بن جاتی ہے خچر اور گدھے کا لعاب اور پسینہ پاک ہے ہاتھی کی سونڈ کی رطوبت اور شیر کتے چیتا اور دوسرے درندے چوپاؤں کا لعاب نجاستِ غلیظہ ہے چمگادڑ کا پیشاب اور بیٹ دونوں پاک ہیں ریشم کے کیڑے کی بیٹ اور اس کا پانی ناپاک ہے آدمی کی کھال اگرچہ ناخن برابر ہو وہ دہ در دہ سے کم پانی میں پڑ جائے تو وہ پانی ناپاک ہو گیا اور خود ناخن گر جائے تو ناپاک نہیں ہوتا۔ آنکھوں میں ناپاک سرمہ یا کاجل لگایا اور پھیل گیا تو دھونا واجب ہے اور اگر آنکھوں کے باہر لگا ہو تو معاف ہے۔ گدھا یا کوئی اور نجس جانور نمک کی کان میں گر کر مر گیا اور پھر کچھ مدت کے بعد نمک ہو گیا تو وہ نمک پاک اور حلال ہے۔ مٹی میں ناپاک بھُس ملایا۔ اگر قلیل مقدار میں ہو تو پاک ہے اور اگر زیادہ ہو تو جب تک سوکھ نہ جائے ناپاک رہے گا۔ گوشت یا تلی یا کلیجی میں جو خون باقی رہ گیا پاک ہے۔ ناپاک چیز کا دھوُاں کپڑے یا بدن کو لگے تو ناپاک نہیں۔ اسی طرح ناپاک چیز کے جلانے سے جو بخارات اٹھیں ان سے بھی کپڑا نجس نہ ہو گا۔ اگرچہ اُن سے پورا کپڑا تر ہو جائے۔ لیکن اگر کپڑے میں نجاست کا اثر ظاہر ہو تو نجس ہو جائے گا۔ پاخانہ پر سے مکھیاں اڑ کر کپڑے پر بیٹھیں تو کپڑا نجس نہ ہو گا راستہ کی کیچڑ اس وقت تک پاک ہے جب تک اس کے نجس ہونے کا کوئی ثبوت نہ ملے۔ پس اگر پاؤں یا کپڑے میں لگ گئی اور دھوئے بغیر نماز پڑھ لی تو ہو گئی۔ مگر پھر بھی اس کا دھو لینا بہتر ہے۔

بارش کے دن جو کیچڑ سڑکوں اور بازاروں میں ہوتا ہے وہ پاک ہے سڑک پر پانی چھڑکا جا رہا تھا زمین پر سے چھینٹیں اڑ کر کپڑے پر پڑیں تو کپڑا نجس نہیں ہوا لیکن دھو لیں تو بہتر ہے۔ کنویں کا ناپاک پانی خشک ہو جائے تو کنواں پاک ہو جاتا ہے۔ تنور یا توے پر ناپاک پانی کا چھینٹا پڑا۔ اور آنچ سے اس کی تری جاتی رہی۔ تو اب جو روٹی اس پر پکائی گئی وہ پاک ہے۔ کسی دوسرے مسلمان کے کپڑے میں نجاست لگی دیکھی اور غالب گمان ہے کہ اس کو مطلع کرے گا تو وہ کپڑا پاک کر لے گا۔ تو اس کو اس نجاست کی اطلاع دینا واجب ہے۔ تالاب یا کنواں جو کسی کی زمین میں ہو اس سے انسان اور حیوان پانی پینے کا حق رکھتے ہیں اور مالک کو اس سے منع کرنے کا اختیار نہیں۔ البتہ پینے کے سوا کسی اور ضرورت میں مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا مثلاً اس سے کھیت کی آبپاشی کرنا درست نہیں۔ غلّہ گاہنے کے وقت بیل غلّے پر پیشاب کر دے تو وہ ضرورت کی وجہ سے معاف ہے اس سے غلّہ ناپاک نہ ہوگا۔ اور اگر اس موقع کے سوا کسی دوسرے وقت میں پیشاب کریں تو ناپاک ہو جائے گا۔

شیر کی چربی نجس ہے اگر طبیب حاذق کی رائے میں مریض کے مرض کا علاج شیر کی چربی کے سوا کچھ اور نہ ہو تو ایسی حالت میں اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن نماز کے وقت اس چربی کو دھونا ہوگا۔ راستوں کی کیچڑ اور ناپاک پانی معاف ہے۔ بشرطیکہ اس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو۔ پھل وغیرہ کے کیڑے پاک ہیں۔ لیکن ان کا کھانا حرام ہے۔ کھانے کی چیزیں اگر سڑ جائیں اور بو کرنے لگیں جیسے گوشت حلوا وغیرہ تو ناپاک نہیں ہوتیں مگر نقصان دہ ہونے کے باعث ان کا کھانا ممنوع ہے۔ عنبر اور مشک اور اس کا نافہ پاک ہے۔ حلال جانور کا گندا انڈا پاک ہے۔ سانپ کی کینچلی پاک ہے۔ نجاست اگر جلائی جائے تو اس کا دھواں پاک ہے۔ اگر وہ جم جائے اور راکھ سے کوئی چیز بنائی جائے تو وہ پاک ہے جیسے نوشادر جو نجاست کے دھوئیں سے بنتا ہے۔ سانپ کی کینچلی پاک اور اس کی کھال ناپاک ہے جس پانی سے کوئی نجس چیز دھوئی جائے وہ نجس ہے خواہ وہ پانی پہلی دفعہ کا ہو یا دوسری تیسری دفعہ کا۔ مردہ انسان جس پانی سے نہلایا جائے وہ پانی نجس ہے۔ مردہ انسان کے منہ کا لعاب بھی نجس ہے۔ زندہ انسان کے منہ سے سوتے وقت جو پانی نکلتا ہے وہ پاک ہے

دودھ۔ دوہتے وقت دو ایک مینگنی دودھ میں پڑ جائے یا تھوڑا سا گوبر گر جائے تو اس سے دودھ ناپاک نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ گرتے ہی نکال ڈالا جائے۔ چار پانچ سال کے لڑکے اور دیوانے کے وضو کا بچا ہوا پانی مستعمل پانی نہیں مستعمل پانی کا پینا اور کھانے کی چیزوں میں استعمال کرنا مکروہ ہے۔ اور اس سے وضو یا غسل بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ شخص جس کو نہانے کی حاجت ہو آب زمزم سے غسل نہ کرے بلکہ بے وضو بھی اس سے وضو نہ کرے۔ ماء زمزم سے ناپاک چیزوں کو

دھونا اور استنجا کرنا مکروہ ہے۔ ناپاک زمین پر مٹی وغیرہ ڈال کر نجاست چھپا دی جائے اس طرح کہ نجاست کی بو نہ آئے تو وہ پاک ہے۔ جن مقامات پر خدائے برتر کا عذاب کسی قوم پر آیا ہو جیسے ثمود اور عاد کی قوم، اس مقام کے پانی سے وضو اور غسل مکروہ ہے۔ ناپاک چربی یا ناپاک تیل کا صابون بنایا جائے تو صابون پاک ہوگا فصد کے مقام کو یا کسی اور عضو کو جو خون پیپ کو نکلنے سے نجس ہو گیا ہو اور دھونا نقصان کرتا ہو تو صرف تر کپڑے سے پونچھ دینا کافی ہے۔

ناپاک چیز پانی میں گرے اور اس کے گرنے سے چھینٹیں اُڑ کر کسی پر جا پڑیں تو وہ پاک ہیں بشرطیکہ اس نجاست کا کچھ اثر ان چھینٹوں میں نہ ہو۔ وہ رطوبت جو انسان کے بدن سے نکلے اور وضو نہ توڑے وہ نجس نہیں۔ مثلاً خون جو بہ کر نہ نکلے یا تھوڑی قے کہ منہ بھر نہ ہو ناپاک نہیں جب خارش میں بہنے والی رطوبت ہو کھرنٹ چپک ہو پاک ہے۔ پاخانہ اور پیشاب کے وقت چاند یا سورج کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا مکروہ ہے۔ نہر اور تالاب وغیرہ کے کنارے پاخانہ یا پیشاب کرنا مکروہ ہے اگرچہ نجاست نہر اور تالاب میں نہ گرے۔ اسی طرح ایسے درخت کے نیچے بھی جس کے سایہ میں لوگ بیٹھتے ہوں۔ اور پھل پھول والے درخت کے نیچے جاڑوں میں جہاں لوگ دھوپ لینے بیٹھتے ہوں۔ اسی طرح مسجد اور عیدگاہ کے اس قدر قریب جس کی بدبو سے نمازیوں کو تکلیف ہو اور قبرستان یا ایسی جگہ جہاں لوگ وضو یا غسل کرتے ہوں۔ علاوہ ازیں راستے میں ہوا کے رخ پر یا راستے کے قریب یا سوراخ میں یا قافلہ یا کسی مجمع کے قریب الغرض ہر ایسی جگہ میں جہاں لوگ اُٹھتے بیٹھتے ہوں پیشاب پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح ایسی جگہ بھی مکروہ ہے جہاں سے نجاست بہ کر اپنی طرف آئے۔

اکہرے کپڑے میں ایک طرف درہم یعنی ایک روپیہ کے پھیلاؤ سے کم نجاست لگی ہو اور دوسری طرف سرایت کر جائے۔ ہر طرف درہم سے کم ہو لیکن دونوں کا مجموعہ اس مقدار سے بڑھ جائے تو وہ درہم سے کم ہی سمجھی جائے گی اور معاف ہو گی۔ ہاں اگر کپڑا دوہرا ہو اور دونوں تہوں کو ملا کر مقدار درہم سے بڑھ جائے تو وہ زیادہ سمجھی جائے گی۔ اور معاف نہ ہو گی۔ اگر کوئی ہڈی ٹوٹ جائے اور اس کی جگہ کوئی ہڈی رکھ دی جائے یا کسی زخم میں کوئی ناپاک چیز بھر دی جائے اور زخم بھر جائے تو وہ ناپاک چیز خود بخود پاک ہو جائے گی (شامی) دوہرا کپڑا یا روئی کا کپڑا ایک طرف سے ناپاک ہو جائے اور دوسری جانب پاک ہو تو کل ناپاک متصور ہوگا۔ اس پر نماز درست نہیں۔

سوال۔ گھی میں چوہا گر کر مر گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ گھی اگر جما ہوا ہو تو چوہا اور اس کے آس پاس کا گھی نکال ڈالیں باقی گھی پاک ہے اور اگر گھی پگھلا ہوا ہو تو تمام گھی ناپاک ہے۔ اس کے پاک کرنے کا طریقہ اوپر لکھا گیا ہے۔

فصل ۵۔ استنجا کا بیان اور پیشاب پاخانہ کی احتیاطیں

سوال۔ استنجا کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ پیشاب یا پاخانہ کے بعد جو ناپاکی بدن پر لگی ہو اس کے پاک کرنے کو استنجا کہتے ہیں۔

سوال۔ پیشاب کے بعد استنجا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب۔ پیشاب کرنے کے بعد پتھر یا مٹی کے پاک ڈھیلے سے پیشاب کے قطرہ کو بائیں ہاتھ سے خشک کریں اس کے بعد پانی سے دھو ڈالیں۔

سوال۔ پیشاب کے قطرے کو ڈھیلے سے خشک کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب۔ ڈھیلا لینا سنّتِ فاروقی ہے مُصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے۔ ابوبکر عن یسار بن نمیر قَالَ کَانَ عمر اذا بال مسح ذکرہ بحائط او حجر ولم یمسہ ماء یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیشاب کرنے کے بعد اپنا ستر دیوار یا پتھر پہ پھیرتے اور اس کو پانی نہ لگاتے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے کہ اس پر اہلِ سنت کا اجماع ہے۔ (مظاہر حق) ازالۃ الخفاء میں اس کے بعد یہ بھی ہے: ولیس فیہ حدیث مرفوع انما ھو مذھب عمر قیاسًا علی الاستنجاء من الغائط اطبق علی تقلیدہ العلماء۔

سوال۔ سنت فاروقی کا اتباع کہاں تک ضروری ہے؟

جواب۔ حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میری سُنت کو اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ چونکہ حضرت عمرؓ خلیفۂ راشد تھے ہم پر ان کی پیروی لازم ہے۔

سوال۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ڈھیلے سے قطرۂ پیشاب کو خشک کرنا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہیں اس لئے پیشاب کے بعد ہرگز ڈھیلا نہ لینا چاہئے کیونکہ یہ بدعت ہے؟

جواب۔ ایسا کہنا سخت گمراہی اور بے عقلی کی بات ہے۔ پیشاب سے پاکی حاصل نہ کرنا کبیرہ گناہ اور بطلانِ نماز کا سبب ہے۔ جس کا مزاج قوی ہو اور اسے قطرہ نہ آنے کا یقین ہو تو اس کو پانی کافی ہے اور جس کو

قطرہ دیر تک آتا ہو اس پر لازم ہے کہ پانی سے دھونے سے پیشتر اس کو ڈھیلے سے خشک کرے۔ اگر حضور رہبر الانام صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈھیلا لینا ثابت نہیں ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا مزاج مبارک قوی تھا۔ آپ کو پیشاب کے بعد ڈھیلا لینے کی حاجت نہ تھی۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفرض کبھی مُسہل نہ لیا ہو اور آج طبیب کسی کو جلاب لینے کا حکم دے اور وہ کہے کہ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جُلاب نہیں لیا اس لئے میں خلاف سُنت نہیں کروں گا تو یہ اس کی جہالت ہو گی۔ انسان کو شارع علیہ السلام کی غرض معلوم کرنی چاہیئے۔ حضورؐ انور نے بہیں طہارت کی تاکید کی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ عذاب قبر عموماً پیشاب کے قطروں سے احتیاط نہ کرنے پر ہوتا ہے۔ پس پیشاب سے پاکی کیا کرو۔ اور فرمایا کہ پیشاب سے پرہیز کرو۔ سب سے پہلی چیز جس کے باعث بندہ قبر میں گرفتار حساب ہو گا یہی قطرات پیشاب سے احتیاط نہ کرنا ہے۔ (رواہ الطبرانی) اور جس کو اسلاف کی کسی نظیر پر اصرار ہو اس کے لیئے حضرت فاروقؓ اعظم رضی اللہ عنہ کی سنت کافی ہے۔

سوال۔ ڈھیلے سے استنجا نہ کرنے میں کیا خرابی لازم آتی ہے؟

جواب۔ جس کی قوت ماسکہ کمزور ہو اس کو اس طرح قطرہ آ جاتا ہے۔ جس کی بعض اوقات انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ پس جو لوگ پیشاب کرکے ڈھیلا نہیں لیتے۔ اغلب ہے کہ چار پانچ مرتبہ ڈھیلا نہ لینے کے بعد پیشاب کی نجاست قدر درہم سے زیادہ ان کے پاجامہ میں لگ جاتی ہو گی۔ جو مانع صلوٰۃ اور منافی صحت امامت ہے

سوال۔ کیا پیشاب کے بعد طہارت کے لیئے ڈھیلا لینا ہی ضروری ہے یا حصولِ پاکیزگی کا کوئی اور بھی ذریعہ ہے؟

جواب۔ کتب فقہ کی رُو سے ہر شخص اپنی عادت مستمرہ کے بموجب طریق عمل اختیار کرنے کا مجاز ہے۔ چنانچہ علامہ احمد طحطاویؒ رقم طراز ہیں کہ مرد کو پاکی حاصل کرنا لازم ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مخرج کو پیشاب کے اثر ترشح سے بری کیا جائے یہاں تک کہ اس تری کی بندش کے بعد بول کا اثر پوری طرح زائل ہو جائے۔ پاکی حاصل کرنے کا طریقہ اس کی اپنی عادت پر موقوف ہے جو کچھ کسی کا معمول ہو اس کے مطابق عمل میں لائے۔ پاکی حاصل کرنے کے چند طریقے ہیں۔ (۱) چلنا (۲) کھنکارنا۔ (۳) بائیں پہلو پر لیٹنا (۴) زمین پر پیر مارنا (۵) عضو تناسل کو نرمی سے نچوڑنا۔ پس استنجا کسی ایک طریقہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اور وضو کا اقدام اس وقت تک صحیح نہ ہو گا جب تک قطرۂ بول کے بند ہو جانے کی طرف سے اطمینان کُلی نہ ہو جائے۔ (حاشیہ طحطاوی رح علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح صفحہ ۳۶) غرض ڈھیلا لینے کے علاوہ کھنکارکر پانی سے دھونے اور دوسرے طریقوں میں بھی پاکیزگی کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں وہ لوگ قابل ملامت ہیں جو نہ تو ڈھیلا لیتے ہیں۔ نہ کھنکارتے ہیں اور نہ کوئی اور طریقہ اختیار کرتے ہیں بلکہ پیشاب کرکے معاً مخرج کو پانی سے دھو ڈالتے

پر اکتفا کرتے ہیں شرعی نقطۂ نظر سے استنجے کی کوئی کیفیت مخصوص نہیں اور نہ کوئی عدد مسنون ہے۔ مقصود پاکیزگی ہے وہ جس طریق سے بھی حاصل ہو جائے کافی ہے اور فقہاء نے جو کیفیات بتلائی ہیں انہوں نے ان کو شرعی حکم نہیں بتلایا بلکہ اپنے خیال میں جس کیفیت کو کسی نے حصول پاکیزگی کا ذریعہ سمجھا اسے لکھ دیا۔

سوال۔ خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بول کے بعد ڈھیلا لیا یا نہیں اور اگر لیا تو اس کا کیا ثبوت ہے؟

جواب۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ صراحۃً ثابت نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بول کے بعد کبھی ڈھیلا یا پتھر لیا ہو البتہ ابو داؤد اور نسائی نے حکم بن سفیان سے روایت کی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وسلم اذا بال توضأ و نضح فرجہ یعنی جب آپؐ پیشاب کرتے تو اندام نہانی پر پانی چھڑکتے اور وضو کرتے تھے۔ شیخ عبدالحقؒ دہلوی نے اس کے یہ معنیٰ لکھے ہیں کہ آپؐ بول کرکے پانی سے استنجا کرتے اور پھر وضو کر لیتے تھے۔ (مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحی جلد سوم صفحہ ۳۴)

سوال۔ اگر امام نے بول کے بعد پانی سے استنجا کر لیا اور ڈھیلا نہ لیا تو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب۔ بول کے بعد ڈھیلا لینا نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ سنت ہے۔ دونوں کو جمع کرنا یعنی ڈھیلا لینے کے بعد پانی سے استنجا کرنا افضل درجے میں ہے۔ ہر شخص اپنی حالت کو جانتا ہے۔ پس اگر کسی نے پانی پر اکتفا کیا اور ڈھیلا نہیں لیا اور اس کو اطمینان ہے کہ پانی سے استنجا کر لینے کے بعد پیشاب کا قطرہ نہیں نکلے گا۔ تو اس کو طہارت حاصل ہو گئی کیونکہ پانی نجاست کو دور کرنے والا ہے۔ کذا فی البحر الرائق۔ پس اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ (ایضاً صفحہ ۳۲

سوال۔ ڈھیلا نہ لینا رافضیوں اور غیر مقلدوں کا شعار ہے۔ چونکہ ڈھیلا نہ لینے میں ان کی مشابہت لازم آتی ہے، اس لیے اہل سنت کو لازماً ڈھیلا لینا چاہیے؟

جواب۔ کسی کام میں مخالف دین سے تشبہ اس وقت مذموم و ممنوع ہے جب تشبہ کا قصد بھی ہو ورنہ تشبہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ علامہ طحطاوی رح لکھتے ہیں۔ فی البحر الرائق اعلم ان التشبہ باھل الکتاب لا یکرہ فی کل شیئ فانا ناکل ونشرب کما یفعلون انما الحرام التشبہ فیما کان مذموماً وفیما یقصد بہ التشبہ یعنی بحر الرائق میں ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ ہر کام میں تشبہ ناپسندیدہ نہیں۔ چنانچہ ہم بھی اسی طرح کھاتے اور پیتے ہیں جس طرح وہ کھاتے پیتے ہیں۔ حرام تشبہ وہ ہے جو برے کاموں میں یا ان افعال میں ہو جن میں تشبہ کا قصد کیا جائے۔ (ایضاً صفحہ ۴۴)

سوال۔ اگر کسی شخص نے پاخانہ یا پیشاب کے بعد ڈھیلے لئے لیکن پانی سے استنجا نہ کیا اور اسی حالت میں وضو کرکے نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ہو گئی یا نہیں؟

جواب بدن کی حرارت جاذبہ جو اور نجاست کو احلیل یعنی سوراخ ذکر اور حلقۂ دُبر سے متجاوز کرکے اطراف میں پہنچا دیتی ہے۔ یہ تجاوز دو حال سے خالی نہیں۔ اوّل یہ کہ اگر قدر درہم سے زائد ہو تو طہارت حاصل کرنے کے لئے اس جگہ کا دھونا فرض ہے۔ دھوئے بغیر نماز جائز نہ ہوگی۔ دوم یہ کہ جس قدر نجاست متجاوز ہوئی ہے وہ درہم کی مقدار سے کم ہو تو پانی سے اس کا دھونا واجب ہے۔ اگر اس کو پانی سے نہ دھویا جائے گا تو کراہت تحریمی کے ساتھ نماز ہو جائے گی اور اگر وقت باقی ہوگا تو اس نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ درہم کی مقدار متوسط الحال کف دست کی وہ پہنائی ہے جس میں پانی ٹھیر سکے۔ کما مر

سوال۔ اگر نجاست مخرج سے متجاوز نہ ہوئی ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب۔ اگر نجاست اپنے جائے خروج سے متجاوز نہ ہوئی ہو تو اس کی تطہیر پانی سے یا ڈھیلے پتھر سے جسے استنجا کہتے ہیں سنت مؤکدہ ہے اور دونوں کا جمع کرنا افضل ہے۔ ردالمحتار اور دوسری کتب فقہ کی عبارت اسی امر پر دلالت کرتی ہے لیکن محققین حنفیہ کا یہ فیصلہ ہے کہ پاخانہ کے بعد ڈھیلے اور پانی کا جمع کرنا سنت مؤکدہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت الخلا جانے کے بعد پتھر اور پانی دونوں کے استعمال پر مواظبت فرمائی یہ کلام تو پاخانہ جانے کے بعد استنجا کرنے سے متعلق تھا۔ لیکن بول کے بعد پانی اور پتھر کے جمع کرنے کے متعلق احادیث نبویہ میں کوئی اثر نظر سے نہیں گزرا۔

(مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحی جلد اوّل صفحہ ۹۶-۹۷)

سوال۔ بعض لوگ ڈھیلا لے کر بازار اور عام گزرگاہوں میں لوگوں کے سامنے ٹہلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کام جائز ہے اس کے علانیہ انجام دینے میں کیا مضائقہ ہے؟

جواب۔ ہر جائز کام علانیہ کرنا روا نہیں۔ عضو تناسل کو پکڑے ہوئے لوگوں کے بیچ میں علانیہ ٹہلنا انتہا درجہ کی بے حیائی کے علاوہ تضحیک اسلام کا موجب بننے کی ناپسندیدہ حرکت ہے۔ مجبوراً حامیان دین کا فرض ہے کہ ان جہلا کو ایسا کرنے سے باز رکھیں۔

سوال۔ جن لوگوں کے دل و دماغ پر مغربی تہذیب کا بھوت مسلط ہے وہ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہیں۔ شریعت اسلامی میں اس کی ممانعت ہے یا نہیں؟

جواب۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں کپڑے ناپاک ہونے کا خدشہ ہے حالانکہ پیشاب کے قطروں سے بچنے کی بہت سخت تاکید و تہدید فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عذاب قبر عموماً پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے علاوہ ازیں کھڑے ہو کر موتنا سنت نبوی کے بھی خلاف ہے۔ آنحضرتؐ نے مدت العمر صرف ایک دفعہ بوجہ

عذر کے ایسا کیا تھا۔ آپ تشریف لئے جاتے تھے ایک اونچی جگہ تھی جس پر لوگ کوڑا ڈال دیا کرتے تھے۔ آپ کو اس کے سوا پیشاب کرنے کی کوئی جگہ دکھائی نہ دی۔ چونکہ وہاں بیٹھنے میں گر جانے کا اندیشہ تھا۔ اور وہ جگہ ناپاک اور گیلی بھی تھی جہاں کپڑے ناپاک اور آلودہ ہونے کا خدشہ تھا۔ علاوہ ازیں آپؐ کی کمر میں درد تھا۔ جس کے لئے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا عرب میں سریع الاثر علاج سمجھا جاتا تھا ان وجوہ کی بنا پر آپ کھڑے ہو گئے تھے ورنہ عادت شریف ایسی نہ تھی۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جو شخص تم سے کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے اس کو سچا نہ جاننا۔ آپ ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کیا کرتے تھے (احمدؒ، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھ لیا تو فرمایا کہ اے عمرؓ! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو۔ اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ

سوال۔ اگر کسی نے پیشاب کے بعد مٹی کے ڈھیلے سے استنجا خشک کرنے کے بعد بھول کر یا جلدی سے پانی سے دھوئے بغیر وضو کر کے نماز پڑھ لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب۔ اگر پیشاب نے مخرج یعنی پیشاب کے سوراخ سے تجاوز نہیں کیا تو نماز صحیح مگر مکروہ تنزیہی ہوگی۔ اور اگر مخرج سے تجاوز کر گیا تو بنا بر قول مفتی بہ دھوئے بغیر نماز نہ ہوگی۔ مزید تفصیل آگے ملاحظہ ہو۔

سوال۔ امام کو نماز میں یاد آیا کہ ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا نہیں کیا تھا۔ تو اب وہ کیا کرے؟

جواب۔ اگر پیشاب مخرج سے متجاوز نہیں ہوا تو پانی سے استنجا کرنا سنت ہے اور اگر بول کی نجاست عضو مخصوص کے سوراخ سے متجاوز ہو گئی تو اگر قدر درہم سے زائد نہیں ہوئی تو مخرج نجاست کا دھونا واجب ہے۔ اور اگر زائد ہو گئی تو دھونا فرض ہے۔ نماز میں یاد آنے کی آخری صورت میں نماز باطل ہو جائے گی۔ دوسری صورت میں مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور پہلی صورت میں مکروہ تنزیہی ہوگی۔ پس آخری صورت میں امام کو نماز توڑ دینی چاہیئے۔ دوسری میں اس کو پورا کر کے نماز دوبارہ پڑھائے اور پہلی صورت میں نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

سوال۔ بعض لوگ غسل خانہ میں پیشاب کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ عبداللہ بن مغفل سے مروی ہے کہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص غسل خانے میں پیشاب کرنے کے بعد غسل یا وضو نہ کرے۔ (یعنی عاقل سے بعید ہے کہ غسل کرنے کی جگہ پر پیشاب کرے) پھر وہیں نہائے یا وضو کرے اس لئے کہ اس سے اکثر وسواس پیدا ہوتے ہیں۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔ مگر ترمذی اور نسائی نے یہ الفاظ کہ پھر وہیں نہائے نقل نہیں کئے۔ اکثر وسواس اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ پیشاب سے وہ جگہ ناپاک

ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہاں پانی پڑتا ہے تو دل میں وسواس پیدا ہوتا ہے۔ کہ چھینٹیں بدن پر اور کپڑوں پر پڑی ہیں یا نہیں اور رفتہ رفتہ یہی وہم دل میں سرایت کر جاتا ہے۔ لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ عہد سابق میں غسل خانے پختہ نہیں ہونے تھے۔ عہد حاضر میں غسل خانے پختہ ہیں اور ان میں بدررو بھی ہوتی ہے۔ اس لیے ان میں ذرا سا پیشاب بھی نہیں رکتا سب نکل جاتا ہے۔ ایسے غسل خانہ میں پیشاب کر کے اوپر سے پانی بہا دیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ واللہ اعلم۔ اور حدیث میں جو نہی وارد ہے وہ تنزیہی ہے۔ تحریمی نہیں۔

سوال:۔ پیشاب کرنے میں پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا معمول تھا؟

جواب۔ آپ اس کے لیئے کوئی نرم جگہ تلاش کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رض کا بیان ہے کہ ایک دن مجھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف ہمراہی نصیب ہوا۔ آپ نے پیشاب کا قصد کیا تو ایک دیوار کی جڑ کے پاس جا کر نرم زمین میں پیشاب کیا۔ فراغت کے بعد فرمایا کہ جب کوئی پیشاب کا قصد کرے تو اس کے لیئے نرم جگہ تلاش کرے تاکہ چھینٹیں اڑ کر نہ پڑیں۔ رواہ ابوداؤد۔ علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ حسب زعم خطابی آپ پیشاب کے لیئے جس دیوار کے پاس بیٹھے وہ کسی کی ملک نہ ہوگی اس لیئے کہ پیشاب دیوار کی جڑ کو ضرر دیتا ہے اس سے مٹی کو شور لگ جاتا ہے۔ بس جو دیوار کسی کی ملک میں ہو اس کی جڑ میں بلا اجازت پیشاب نہ کریں۔ خواہ اجازت حقیقۃً ہو یا حکماً۔

سوال۔ پیشاب کے متعلق مزید ہدایات کیا ہیں؟

جواب۔ خود نشیب میں بیٹھ کر اونچی جگہ پیشاب نہ کریں۔ پتھریلی زمین سے بھی بچیں۔ پانی میں نہ موتیں خواہ ٹھیرا ہوا ہو یا جاری۔ نہ میوہ دار درخت کے نیچے۔ نہ بہتی نہر کے کنارے۔ نہ نہانے کی جگہ پر۔ نہ کھڑے ہو کر۔ نہ پرنالے کے نیچے۔ نہ نجاست پر۔ اور پیشاب کرنے وقت کسی سے ہمکلام نہ ہوں۔ بلا ضرورت نہ کھانسیں۔ نہ کوئی آیت یا حدیث یا کوئی اور متبرک کلام پڑھیں

سوال۔ بول وبراز کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا کیسا ہے؟

جواب۔ پیشاب اور پاخانہ کے وقت کعبۂ معلّٰی کی طرف مُنہ یا پیٹھ کرنا مکروہ تحریمی ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم پاخانہ میں جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرو۔ رواہ البخاری ومسلم اور درمختار میں ہے کرہ تحریماً استقبال قبلۃٍ واستدبارھا لاجل بولٍ او غائطٍ (پیشاب اور پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا مکروہ تحریمی ہے) بول وبراز کی حالت میں چاند اور سورج کی طرف منہ کرنا بھی منع ہے۔

سوال۔ بچے کو قبلہ رخ پیشاب کرانا کیسا ہے؟

جواب۔ بالغ آدمی کا بچے کو قبلہ کی طرف پیشاب کرانا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ بالغ کے لیئے بچہ سے ایسا کام کرانا

حرام ہے جو اس پر بالغ ہونے کے بعد حرام ہو۔ مثلاً لڑکے کو ریشم یا سونے چاندی کا زیور پہنانا حرام ہے۔ کذا فی الشامی۔

سوال۔ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت کیا پڑھیں؟

جواب۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص بیت الخلاء میں جاتے وقت بسم اللہ کہے تو بنی آدم کی شرمگاہ اور جنوں کی آنکھوں کے درمیان پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ رواہ الترمذی گو یہ حدیث ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ یہ بیت الخلا شیاطین اور جنات کے حاضر ہونے کا مقام ہے۔ اس لئے جب کوئی پائخانہ کو جانا چاہے تو یہ کہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (یا اللہ میں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں) رواہ فی الصحاح الستۃ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ خُبُث بضمتین خبیث کی جمع ہے بمعنی ایذا دہندہ جنات و شیاطین اور خبائث خبیثہ کی جمع ہے یعنی مؤنث جنات و شیاطین۔ اور پائخانہ کے لئے یہ دعا اس لئے مامور ہوئی کہ وہاں ذکر اللہ متروک رہنے کی وجہ سے شیاطین کی آمد و رفت رہتی ہے اور خُبْث بسکون با بھی صحیح ہے۔ اس کے معنی کفر و شرک اور مطلق بری چیز کے ہیں اور خبائث سے افعال ذمیمہ اور عقائد باطلہ مراد ہیں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر ایسا مکان ہو جو پاخانہ ہی کے لئے بنا ہو تو ان کلمات کو داخل ہونے سے پہلے کہیں اور اگر مکان مخصوص نہ ہو بلکہ جنگل وغیرہ ہو تو ابتداء میں کہیں اور اگر پہلے پڑھنا بھول جائیں تو پھر بیت الخلاء میں زبان سے نہیں بلکہ دل سے کہہ لیں۔

سوال۔ بعد از فراغت بیت الخلاء سے نکلتے وقت کیا پڑھیں؟

جواب۔ نکلنے کے بعد کہیں غُفْرَانَکَ (میں تیری بخشش مانگتا ہوں) رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔

سوال۔ نکلتے وقت بخشش مانگنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب۔ بعض علماء نے اس کے دو سبب لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ ذکر زبانی جو اس وقت نہیں ہو سکا اس سے عفو و معذرت مقصود ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ پیشاب یا اس قسم کی دوسری مصروفیت کے سوا کسی وقت ذکر لسانی ترک نہیں فرماتے تھے تو گویا آپ نے اس ترک ذکر کو تقصیر جان کر استغفار سے اس کا تدارک فرمایا۔ دوسرا سبب یہ کہ کھانے کا ہضم ہونا اور ایذا دہندہ فضلہ کا نکلنا ایک نعمت ایزدی ہے جس کا شکر بجالانے میں کوتاہی ہوئی۔ اس لئے اس سے عفو تقصیر چاہی۔

سوال۔ غُفْرَانَکَ کے بعد کیا پڑھنا چاہیئے؟

جواب۔ یہ پڑھیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ (سب تعریف اللہ کو ہے جس نے

مجھ سے ایذا دینے والی چیز دور کی اور مجھے راحت اور عافیت بخشی) رواہ النسائی و ابن السنی

سوال۔ پیشاب کے لیئے جانے آنے کے کیا اذکار ہیں؟

جواب۔ یہی جو اوپر مذکور ہوئے۔ حسب ارقام مولنا تھانوی پیشاب اور پاخانہ دونوں کے اذکار مشترک ہیں۔

سوال۔ بول و براز کے وقت آفتاب و مہتاب کی طرف منہ کرنے کی ممانعت ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر آفتاب ابر کی آڑ میں ہو تو اس طرف منہ کر کے پیشاب پاخانہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ اگر سورج یا چاند ابر کی آڑ میں ہوں اور دکھائی نہ دیتے ہوں تو ان کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا درست ہے۔

سوال۔ دیہاتی عورتیں پاخانہ کے لیئے مل کر باہر کھیتوں میں جاتی ہیں تو بلا حجاب ایک دوسری کو دیکھتی ہیں اور باتیں بھی کرتی ہیں؟

جواب۔ مردوں اور عورتوں کو حرام ہے کہ پاخانہ کے وقت اس طرح بیٹھیں کہ ایک کا ستر دوسرا دیکھے۔ ایسی حالت میں باتیں کرنی بھی مکروہ تحریمی ہیں۔ یہ دونوں امور غضب الٰہی کا باعث ہیں چنانچہ ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو آدمی پاخانہ کو جاتے ہوئے اس طرح نہ نکلیں کہ ایک دوسرے کے سامنے اپنی شرمگاہ کھولنے والے ہوں اور آپس میں باتیں کرتے ہوں بلاشبہ خدائے شدید العقاب اس سے غضب میں آتا ہے۔ رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ۔

سوال۔ پاخانہ کے لیئے کتنے ڈھیلے لینا مسنون ہے اور ستر کو داہنا ہاتھ لگانا کیسا ہے؟

جواب۔ علمائے حنفیہ نے فرمایا ہے کہ پیشاب کا استنجا کرتے وقت ستر کو دایاں ہاتھ لگانا مکروہ ہے بلکہ چاہیئے کہ بائیں ہاتھ میں ڈھیلا لے کر ستر اس پر رکھیں امام شافعی رح کے نزدیک تین ڈھیلوں سے استنجا کرنا واجب ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رح کے نزدیک تین ڈھیلے لینا شرط نہیں۔ اگر کم میں بھی پاکی حاصل ہو جائے تو کافی ہے۔ ان کی دلیل بخاری کی یہ حدیث ہے کہ پیغمبر علیہ السلام پاخانہ کو تشریف لے گئے اور آپ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود صحابی رضؓ سے فرمایا کہ تین پتھر لاؤ۔ انہیں پتھر کے دو ہی ٹکڑے ملے۔ وہ دو پتھر لے چلے اور تیسرا گوبر کا ایک ٹکڑا شامل کر لیا۔ آنحضرت نے دو پتھر لے لیئے اور گوبر پھینک دیا" اس سے معلوم ہوا کہ دو بھی کافی ہیں۔ تین ہی واجب نہیں۔ البتہ عدد طاق مستحب ہے۔ چنانچہ ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ۔ (جو کوئی استنجا کرے اُسے چاہیئے کہ طاق ڈھیلے تین یا پانچ یا سات لے) رواہ البخاری و مسلم اور انہی سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص استنجا کرے اسے چاہیئے کہ طاق ڈھیلے لے جس نے یہ کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے ایسا نہیں کیا اسے کچھ گناہ نہیں اور جو پاخانہ میں جائے تو اسے چاہیئے کہ پردہ کرے۔ اور اگر کوئی آڑ نہ مل

سکے تو اپنی پیٹھ کی طرف ریت جمع کر لے اور شیطان کا معمول ہے کہ وہ بنی آدم کی شرمگاہ سے کھیلتا ہے۔ جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس میں کچھ گناہ نہیں۔ رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ والدارمی ڈھیلوں کے بارہ میں جو آپ نے فرمایا کہ جس نے یہ نہ کیا اس کو کوئی گناہ نہیں اس میں حنفی مذہب کی تائید ہے کہ تین ہی ڈھیلے لینے یا طاق لینے واجب نہیں کمی بیشی کا اختیار ہے۔ البتہ طاق لینے مستحب ہیں۔ اور اگر آدمی پردے کے لیے کچھ نہ پائے تو ریت کا تودہ جمع کرے۔ اور پیٹھ اس کی طرف کر کے بیٹھے کیونکہ جب پردہ نہیں ہوتا تو شیطان شرمگاہ سے کھیلتا ہے یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کو برہنہ دیکھنے کا وسوسہ ڈالتا ہے اور ہوا سے بدن اور کپڑوں پر چھینٹیں پڑتی ہیں۔ اس لیے پردہ کرنا بہتر ہے۔ اگر کوئی نہ دیکھتا ہو اور پردہ نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ البتہ احتیاطاً پردہ کرنا اچھا ہے اور جہاں یقین ہو کہ لوگ دیکھیں گے تو اس حالت میں پردہ نہ کرنے میں گنہگار ہوگا۔ اور جس کو پردہ بہم نہ پہنچے تو بحالت مجبوری وہ معذور ہے اگر دوسرے لوگ دانستہ اس کا ستر دیکھیں گے تو گنہگار ہوں گے اور پشت کی طرف ریت کا تودہ کرنے کو اس لیے فرمایا کہ آگے کے ستر کا پردہ دامن وغیرہ سے بھی کیا جا سکتا ہے بخلاف پیچھے کے کہ ادھر پردہ کرنا مشکل ہے۔

سوال۔ پاخانہ سے فارغ ہونے کے بعد پانی سے استنجا کرنے میں پیشوائے امت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ مبارک کیا تھا؟

جواب۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پاخانے کے لئے جانا ہوتا تو میں آپ کے لیے ایک برتن میں یا چمڑے کی چھاگل میں پانی لاتا آپ بعد فراغت اس سے استنجا کرتے پھر اپنے ہاتھ زمین پر ملتے۔ اتنے میں میں پانی کا ایک اور برتن لاتا آپ اس سے وضو فرماتے۔ رواہ ابوداؤد۔ بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ استنجا اور وضو کے لیے جداگانہ برتن رکھنا مستحب ہے۔

سوال۔ پیشاب اور پاخانہ کے متعلق اور کیا کیا ہدایات ہیں؟

جواب۔ مستحب ہے کہ پاخانہ میں داخل ہونے کے وقت پہلے بایاں پاؤں رکھے۔ اور اگر آبادی سے باہر جانا ہو تو جنگل میں دور نکل جائے کہ کوئی آس پاس نہ دیکھے اور بہتر ہے کہ چادر دوپٹہ سے اپنا سر ڈھانکے اور ستر سے اس وقت تک کپڑا نہ اٹھائے جب تک زمین کے قریب نہ ہو جائے اور کعبہ معلّیٰ اور بیت المقدس اور سورج چاند اور ہوا کے رخ کی طرف پیٹھ اور منہ نہ کرے۔ بلا ضرورت لیٹ کر یا تمام کپڑے اتار کر اور برہنہ ہو کر پاخانہ پیشاب نہ کرے۔ پاخانہ کے لیے تین ڈھیلوں سے استنجا کرے تو گرمی کے موسم میں پہلا ڈھیلا پیچھے کو لے جائے دوسرا آگے کو اور تیسرا پھر پیچھے کو اور جاڑے کے موسم میں اس کا عکس کرے لیکن عورت

ہر موسم میں پہلا ڈھیلا آگے ہی کو لائے اور پاخانہ میں بغیر کسی مجبوری کے کلی نہ کرے اور نہ کھنکارے۔ نہ تھوکے نہ ناک صاف کرے اور نہ چھینک کا جواب دے اور نہ سلام کا۔ البتہ چھینک اور سلام کا جواب دل میں دیا جا سکتا ہے۔

اور داہنا ہاتھ شرم گاہ کو نہ لگائے۔ اور گھاٹ پہ اور شارع عام پر اور درخت وغیرہ کے سائے میں جہاں لوگ آرام پاتے ہوں بالخصوص سایہ دار درخت کے نیچے پاخانہ نہ پھرے۔ چنانچہ ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت صادق مصدق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کاموں سے جو لعنت کا سبب ہیں بچو۔ صحابۂ کرام عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! وہ دو کام کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا لوگوں کی راہ میں اور سایہ کے نیچے پاخانہ پھرنا۔ رواہ مسلم۔ علماء نے فرمایا ہے کہ راہ سے عام گذرگاہ مراد ہے جہاں سے اکثر لوگ گزرتے ہوں۔ وہ راہ نہیں جہاں سے کبھی کبھی گزرتے ہوں اور سایہ سے مراد وہ درخت ہے جس کے سایہ میں لوگ بیٹھتے اور سویا کرتے ہوں

ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد ہاتھ دھوئے اور اعضا ڈھیلے کر کے پانی کے ساتھ بائیں ہاتھ سے استنجا کرے پانی سے استنجا کرنے میں پہلے بیچ کی انگلی اونچی کر کے مقعد کو رگڑے۔ پھر چھنگلیا کے پاس والی انگلی سے ملے۔ پھر چھنگلیا سے پھر شہادت کی انگلی سے یہاں تک کہ خوب خاطر جمع کرے۔ استنجا سے فارغ ہو کر ہاتھ دھوئے۔ پاخانہ سے نکلتے وقت پہلے داہنا پاؤں نکالے اور دعا مذکورہ پڑھے۔ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ سے نکل کر زمین پر ہاتھ ملتے اور دھوتے تھے۔ پاخانہ سے نکل کر پاک مٹی پر ہاتھ کا ملنا اور دھونا سنت ہے۔

سوال۔ پاخانہ میں کس چیز کو ساتھ لے جانے کی ممانعت ہے؟

جواب۔ حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنی انگوٹھی اتار دیتے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی آپ انگوٹھی اس لیے اتار دیتے تھے کہ اس میں محمد رسول اللہ کھدا ہوا تھا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ استنجا کرنے والے پر واجب ہے کہ اپنے ساتھ پاخانہ میں اللہ تعالیٰ کا یا اس کے رسول کا نام اور قرآن وغیرہ نہ لے جائے۔ اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اسمائے گرامی بھی! چھوڑ جائیے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ نے فرمایا کہ استنجا کا ارادہ کرنے والے کو مستحب ہے کہ اپنے سے ہر اس چیز کو الگ کر جائے جس پر تعظیم کا کوئی کلام یا نام لکھا ہو خواہ حق تعالیٰ کا نام ہو یا کسی نبی کا یا فرشتے کا۔ اور اگرچہ ابوداؤد نے اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے لیکن علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث قابل استناد ہے۔

سوال۔ کن چیزوں سے استنجا درست نہیں؟

جواب۔ ان چیزوں سے استنجا درست نہیں۔ کھانے کی چیزیں۔ ہڈی۔ لید۔ گوبر اور دوسری ناپاک چیزیں

وہ ڈھیلا یا پتھر جس سے ایک مرتبہ استنجا ہو چکا ہو۔ ٹھیکری۔ پختہ اینٹ۔ سونا۔ چاندی۔ پیتل۔ لوہا۔ وغیرہ۔ شیشہ۔ کوئلہ۔ چونا۔ وہ چیزیں جن کو جانور وغیرہ کھاتے ہوں۔ جیسے گھاس۔ بھس۔ چارہ۔ ایسی چیزیں جو کارآمد اور قیمت دار ہوں۔ خواہ ان کی قیمت تھوڑی ہو۔ یا زیادہ جیسے کپڑا وغیرہ لیکن درزی لوگ کپڑا قطع کرنے کے بعد جو کترن پھینک دیتے ہیں۔ ان چندیوں سے استنجا کرنے میں مضائقہ نہیں۔ آدمی کے جسم کے اجزاء جیسے۔ بال۔ ہڈی۔ گوشت وغیرہ۔ ایسی چیزیں جو نجاست کو صاف نہ کریں۔ جیسے سرکہ وغیرہ۔ ہر قسم کا کاغذ خواہ سادہ ہو یا اس پر کچھ لکھا ہوا ہو۔ روئی اور تمام ایسی چیزیں جن سے انسان یا جانور نفع اٹھائیں۔ دوسرے کے مال سے اس کی اجازت و رضامندی کے بغیر خواہ وہ پانی ہو یا کپڑا یا کوئی اور چیز۔ درختوں کے پتے۔ مسجد کی چٹائی یا کوڑا یا جھاڑو وغیرہ ان تمام چیزوں سے استنجا کرنا مکروہ ہے۔

سوال۔ کن چیزوں سے استنجا بلا کراہت درست ہے؟

جواب۔ ڈھیلا۔ پتھر اور تمام وہ چیزیں جو پاک ہوں اور نجاست کو دور کر سکیں بشرطیکہ قیمتی اور محترم نہ ہوں۔

فصل۔ شرائط نماز

سوال۔ نماز کسے کہتے ہیں اور اس کے شرائط کیا ہیں؟

جواب۔ نماز رب العالمین عز اسمہ کی بندگی کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے جو خدا [illegible] اپنے پیغمبر سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے بندوں کو سکھایا ہے۔ نماز پڑھنے سے پہلے جن سات چیزوں کی ضرورت ہے اور جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی ان کو شرائط نماز کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ اول نمازی کے بدن کا پاک ہونا۔ دوسرے اس کے کپڑوں کا پاک ہونا۔ تیسرے جگہ کا پاک ہونا۔ چوتھے ستر کا چھپانا۔ پانچویں نماز کا وقت ہونا۔ چھٹے قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ ساتویں نیت کرنا۔

سوال۔ بدن پاک ہونے سے کیا مراد ہے اور نجاست کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب۔ بدن پاک ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس پر کسی قسم کی نجاست یعنی پلیدی نہ ہو۔ نجاست کی دو قسمیں ہیں۔ حقیقی اور حکمی۔ ظاہری ناپاکی جو دکھائی دے نجاست حقیقی کہلاتی ہے جیسے پیشاب۔ پاخانہ۔ خون۔ شراب۔ وغیرہ۔ ناپاکی جو شریعت کے حکم سے ثابت ہو مگر دکھائی نہ دے اس کو نجاست حکمی کہتے ہیں۔ نجاست حکمی کی دو قسمیں ہیں۔ چھوٹی اور بڑی چھوٹی کو حدثِ اصغر اور بڑی کو حدثِ اکبر اور جنابت کہتے ہیں۔ نماز کے لیے دونوں قسموں کی نجاستوں سے بدن کا

پاک ہونا ضروری ہے۔ چھوٹی نجاست حکمیہ سے بدن وضو کرنے سے پاک ہو جاتا ہے۔

فصل ۷۔ وضو کا بیان

سوال۔ وضو کس طرح کیا جاتا ہے؟

جواب۔ پاک و صاف برتن میں پاک پانی لے کر قبلہ رو اونچی جگہ پر بیٹھیں۔ اگر قبلہ رخ بیٹھنے کا موقع نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم کہیں اور تین مرتبہ گٹوں تک ہاتھ دھوئیں پھر تین مرتبہ کلی کریں لیکن منہ کا پانی قبلہ کے رخ نہ پھینکیں اور مسواک کریں۔ مسواک نہ ہو تو انگلی سے دانت مل لیں۔ اگر روزہ دار نہ ہوں تو غرغرہ کر کے اچھی طرح سارے منہ میں پانی پہنچائیں اور اگر روزہ ہو تو غرغرہ نہ کریں پھر تین بار ناک میں پانی ڈال کر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے ناک صاف کریں۔ پھر تین مرتبہ اس طرح چہرہ دھوئیں کہ سر کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک سب جگہ پانی بہہ جائے دونوں ابروؤں کے نیچے بھی پانی پہنچ جائے۔ پھر تین بار داہنی بانہہ کہنی سمیت دھوئیں۔ پھر اسی طرح تین مرتبہ بائیں بانہہ دھوئیں اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کریں اور اگر ہاتھ میں انگوٹھی ہو تو اس کو ہلا لیں کہ کہیں سوکھا نہ رہ جائے۔ پھر ہاتھوں پر نیا پانی لے کر گرا دیں اور ایک بار سر اور کانوں کا مسح کریں۔ کانوں کے اندر کی طرف کا مسح کلمہ کی انگلی سے اور کانوں کے اوپر کی طرف کا مسح انگوٹھے سے کریں۔ سر کے مسح سے جو بچی ہوئی تری ہاتھوں میں لگی ہے اسی سے کانوں کا مسح کیا جائے گا۔ کانوں کے مسح کے بعد انگلیوں کی پشت کی طرف سے گردن کا مسح کریں۔ پھر داہنا پاؤں ٹخنوں سمیت تین بار اور پھر بایاں پاؤں ٹخنوں سمیت تین بار دھوئیں اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے پیروں کی انگلیوں کا خلال کریں۔ پاؤں کی داہنی چھنگلیا سے شروع کریں اور بائیں چھنگلیا پر ختم کریں۔

سوال۔ کیا وضو میں یہ سب کام ضروری اور لازمی ہیں؟

جواب۔ وضو میں بعض امور نہایت ضروری ہیں جن میں سے ایک بھی چھوٹ جائے تو وضو نہیں ہوتا انہیں فرائض وضو کہتے ہیں اور بعض امور ایسے ہیں جن کے چھوٹ جانے سے وضو تو ہو جاتا ہے مگر ناقص درجے میں۔ وہ سنت ہیں شریعت میں جن چیزوں کے کرنے کی تاکید آئی ہے اور جن کو کوئی اکثر دفعہ چھوڑ دے تو گنہگار ہوتا ہے ایسی چیزوں کو سنت کہتے ہیں اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے کرنے سے ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے گناہ نہیں ہوتا اور شرع میں ان کے کرنے کی تاکید بھی

ہیں۔ ایسی باتوں کو مستحب کہتے ہیں۔

سوال۔ وضو میں فرائض، سنتیں اور مستحبات کیا کیا ہیں؟

جواب۔ وضو میں چار فرض ہیں۔ (۱) پیشانی کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک ایک مرتبہ چہرہ دھونا۔ پیشانی کے بالوں سے سر کا وہ مقام مراد ہے جہاں سے اکثر آدمیوں کے بال اگنے شروع ہوتے ہیں پس وہ شخص جس کے مقدم سر میں بال نہ ہوں اور اس کو اصلع کہتے ہیں یا وہ شخص جس کی پیشانی پر بال ہوں اور اس کو افرع کہتے ہیں شایان اعتبار نہیں جس کے سر کے اگلے حصے کے بال گر گئے ہوں یا جمتے نہ ہوں اس پر وہیں تک چہرہ دھونا فرض ہے جہاں تک عادتاً بال ہوتے ہیں۔ اور عادتاً جہاں تک بال ہوتے ہیں اگر اس سے نیچے تک کسی کے بال جمے ہوں تو ان زائد بالوں کا جڑ تک دھونا بھی فرض ہے

وضو کے دوسرے فرض یہ ہیں ۔ (۲) ایک ایک مرتبہ کہنیوں سمیت دونوں باہیں دھونا۔ (۳) ایک مرتبہ چوتھائی سر کا مسح کرنا (۴) ایک مرتبہ ٹخنوں تک دونوں پاؤں دھونا۔ وضو کے یہ چار فرض ہیں ان چاروں میں سے اگر ایک چیز بھی چھوٹ جائے یا بال برابر بھی کوئی جگہ سوکھی رہ جائے تو وضو نہ ہوگا۔

سوال۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (یعنی وضو میں ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھوؤ) لیکن شیعہ لوگ پاؤں دھونے کی بجائے ان کا مسح کرتے ہیں اس مسئلہ کی تحقیق کیا ہے؟

جواب۔ تفسیر حقانی میں ہے کہ کعب ٹخنے کو کہتے ہیں، لغت میں کعب کے معنی بلندی اور ارتفاع کے ہیں۔ اسی بنا پر پاؤں میں جو دونوں طرف دو ابھری ہوئی ہڈیاں دکھائی دیتی ہیں ان کو کعبین (دو ٹخنے) کہتے ہیں۔ جمہور اہل لغت کا یہی قول ہے مگر شیعوں نے اس گول ہڈی کو کعب تجویز کر رکھا ہے جس پر پنڈلی کی ہڈی آکر جڑی ہے۔ حالانکہ کعبین تثنیہ کا صیغہ ہے۔ جو اس امر کا مقتضی ہے کہ ہر پاؤں میں دو کعب ہوں۔ سو یہ بات ٹخنوں پر صادق آ سکتی ہے نہ کہ شیعوں کی تجویز کردہ ہڈی پر کیونکہ وہ ہڈی ہر پاؤں میں ایک ہے۔ علاوہ ازیں اہل زبان خصوصاً وہ لوگ جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا کعبین ٹخنوں کو کہتے ہیں۔ ارجلکم کا عطف وُجُوهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ پر ہے جس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ اپنے پاؤں بھی ٹخنوں سمیت دھوؤ جیسا کہ جمہور اہل اسلام کا قول ہے اور جس پر تمام صحابہ اور اہل بیت عمل پیرا رہے اور جس کی تائید اور تصدیق بیشمار احادیث نبویہ سے ہوتی ہے علاوہ ازیں اگر مسح مراد لیا جائے تو اس کی کوئی حد نہیں بتائی گئی ہے بخلاف دھونے کے کہ اس کے لئے پاؤں میں الی الکعبین (ٹخنوں تک یعنی ٹخنوں سمیت) کی حد متعین کر دی گئی ہے اور اس بات کو تو شاید انصاف پسند شیعہ بھی پسند کریں گے کہ خلائے برتنے جو وضو میں اعضا کا

دھونا فرمایا ہے تو صرف حصول پاکیزگی اور دفع کثافت کے لئے ہے جو بارگاہ کبریائی میں بوقت مناجات رُوح پر تازگی پہنچانے کا ایک فطری سبب ہے اور ظاہر ہے کہ ہاتھوں اور چہرے کی نسبت پاؤں زیادہ تر زمین پر ٹکتے ہیں جو نجاست و کثافت کا محل وقوع ہے۔ پھر کیا وجہ کہ پاؤں جیسے عضو خسیس کو سر جیسے عضو رئیس کے برابر کیا جائے اور مسح میں دونوں ایک حکم میں رکھے جائیں۔ حالانکہ سر بیشتر نجاسات و کثافات سے محفوظ رہتا ہے۔ علاوہ اس کے دھونا مسح کا کام بھی دے سکتا ہے برخلاف مسح کے کہ اس میں دھونے کی سی پاکیزگی اور صفائی متصور نہیں۔ اب دیکھ لو کہ احتیاط پیروں کے دھونے میں ہے یا مسح کرنے میں۔

فصل ۶ ۔ فرائض وضو کے باقی مسائل

سوال ۔ شرح وقایہ میں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک چوتھائی داڑھی کا مسح بھی فرض ہے؟

جواب ۔ اگر کسی کی داڑھی ایسی چھدری ہو کہ اس کے اندر سے چہرے کی جلد دکھائی دیتی ہو تو اس جلد کا دھونا بھی فرض ہے اور اگر داڑھی گنجان ہو تو بالوں کے نیچے پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے بلکہ ان ظاہری بالوں کا دھونا فرض ہے جو ملاقی بشرہ ہوں اور جس قدر داڑھی نیچے لٹک رہی ہو اس کا مسح کرنا سنت ہے۔ فرض نہیں اور مسح تر ہاتھ کو عضو پر پہنچانے کا نام ہے

سوال ۔ دھونے کی حد کیا ہے؟

جواب ۔ اتنا پانی ڈالنا کہ عضو پر بہ کر ایک دو قطرے ٹپک جائیں۔ دھونے کی ادنیٰ مقدار ہے۔ اس سے کم کو دھونا نہیں کہتے مثلاً کسی نے بھیگا ہوا ہاتھ چہرے پر پھیر لیا یا اس قدر تھوڑا پانی چہرے پر ڈالا کہ وہ چہرے سے ٹپکا نہیں تو وضو صحیح نہ ہو گا۔ وضو کرتے وقت ایڑیوں یا کسی اور جگہ پر پانی نہیں پہنچا اور وضو کے بعد کوئی جگہ سوکھی دکھائی دی تو وہاں پر صرف تر ہاتھ پھیر لینا کافی نہیں ہے بلکہ وہاں پانی بہانا چاہیئے۔

سوال ۔ اگر وضو کرتے وقت زور سے منہ بند کر لیا اور پلک یا ہونٹ پر کچھ سوکھا رہ گیا یا آنکھ کے کونے میں پانی نہیں پہنچا تو وضو ہوا یا نہیں؟

جواب ۔ نہیں۔

سوال ۔ بعض لوگ پاؤں کو تین کی بجائے ایک ہی دفعہ دھوتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

جواب ۔ پاؤں کا دھونا اکثر حدیثوں میں ذکر عدد کے بغیر مطلق آیا ہے لیکن تنقیہ و تنظیف کی قید کے ساتھ۔ لہٰذا بعض لوگ تین دفعہ پاؤں دھونے کے قائل نہیں ہیں۔ کذا فی شرح ابن الہمام اور نسائی کی ایک رُوایت میں آنحضرت ؐ کا وضو

بار پاؤں دھونا مذکور ہے تین بار دھونے کی روایتیں بھی موجود ہیں مشکوٰۃ المصابیح میں بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث کے اندر حضرت عثمان رض کا تین بار پاؤں دھونا مذکور ہے۔

سوال۔ اگر انگوٹھی ایسی تنگ ہے کہ ہلائے اور گھمائے بغیر اس کے نیچے پانی نہیں پہنچتا۔ اگر وضو کرتے ہوئے اس کو ہلایا نہیں اور نماز پڑھ لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب۔ نہیں۔

سوال۔ اگر کسی عورت یا مرد کے ناخن میں آٹا لگ کر سوکھ گیا اور وضو میں اس کے نیچے پانی نہیں پہنچا تو وضو ہوا یا نہیں؟

جواب۔ وضو نہیں ہوا جب یاد آئے اور آٹا دیکھیں اس کو چھڑا کر پانی ڈال لیں اور اگر پانی ڈالنے سے پہلے کوئی نماز پڑھ لی تھی تو اس کو لوٹائیں اور دوبارہ پڑھیں۔ اگر کہنیوں سے ناخن تک کوئی جگہ ذرہ بھر بھی دھلنے سے رہ جائے گی تو وضو نہ ہوگا۔ اسی طرح پلک کا ہر بال دھونا فرض ہے۔ اگر اس میں کوئی چیز جم گئی ہو تو اس کا چھڑانا فرض ہے۔ مگر ناخنوں کے اندر کا میل معاف ہے۔

سوال۔ کسی عورت کے ماتھے پر افشاں چنی ہو اور وہ اوپر سے پانی بہا لے کہ افشاں نہ چھوٹنے پائے تو وضو ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ نہیں۔ پیشانی کا سب گوند چھوڑا کر چہرہ دھونا چاہیئے۔

سوال۔ جن اعضا کا دھونا فرض ہے ان میں سے اگر تھوڑی سی جگہ خشک رہ جائے تو وضو درست ہوگا یا نہیں؟

جواب۔ اگر ایک بال کے برابر بھی کوئی جگہ سوکھی رہ جائے تو وضو نہ ہوگا۔

سوال۔ سر پر مسح کرنے کے لیئے نیا پانی لینا ضروری ہے یا ہاتھوں کی تری کفایت کرتی ہے؟

جواب۔ نیا پانی لینا بہتر ہے لیکن اگر کہنیوں تک ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھ کی باقی ماندہ تری سے مسح کر لیں تو وہ بھی کافی ہے لیکن یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ جب ہاتھ سے ایک مرتبہ مسح کر لیا تو پھر اس سے دوسری جگہ مسح کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر بالفرض ہاتھ پر تری نہ تھی کسی دوسرے دھوئے ہوئے یا مسح کئے ہوئے عضو سے اس کو تر کر لیا تو اس سے بھی مسح جائز نہیں

سوال۔ وضو کرنے کے بعد سر منڈایا یا ناخن کتروائے تو سر پر دوبارہ مسح کرنا یا ناخنوں کو دھونا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب۔ نہیں۔

سوال۔ وضو میں آنکھوں کا اندرونی حصہ دھونا فرض ہے یا نہیں؟

جواب۔ وضو میں آنکھوں کا اندرونی حصہ، ناک کے اندر کا حصہ یا منہ کے اندر کا حصہ دھونا فرض نہیں ہے۔

سوال- وضو میں جن اعضا کا دھونا فرض ہے انھیں کتنی مرتبہ دھونے سے فرض ادا ہو جائے گا؟

جواب- ایک مرتبہ دھونا فرض ہے تین مرتبہ تک دھونا سنت ہے تین سے زیادہ دفعہ دھونا ناجائز اور بدعت ہے۔

سوال- کوئی شخص نہاتے وقت بلاقصدِ وضو سارے بدن پر پانی بہالے یا حوض میں گر پڑے یا بارش میں اعضائے وضو دُھل جائیں تو وضو ہو جائے گا یا نہیں۔

جواب- وہ چار اعضا جن کا وضو میں دھونا فرض ہے دُھل جائیں گے تو وضو ہو جائے گا خواہ وضو کا قصد ہو یا نہ ہو لیکن وضو کا ثواب نہ ملے گا۔

سوال- جاڑوں میں ہاتھ پاؤں پھٹ گئے اور اس میں ویزلین یا موم روغن یا کوئی اور دوا بھر لی اور بغیر اس کے نکالے اور صاف کئے اوپر پانی بہا دیا تو وضو ہو گیا یا نہیں؟ جواب: ہو گیا۔

سوال: فرائض وضو میں دوسرے ائمہ سے کیا کیا اختلاف ہیں؟

جواب- امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وضو میں نیت یعنی دلی قصد اور ترتیب بھی فرض ہے امام مالک رحمہ کے نزدیک پے در پے دھونا بھی فرض ہے پے در پے سے یہ مراد ہے کہ ہوائے متوسط میں دوسرا عضو دھوتے وقت پہلا عضو خشک نہ ہوا ہو۔ امام احمدؒ کے نزدیک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنا اور منہ اور ناک میں پانی ڈالنا بھی فرض ہے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص عمداً بسم اللہ ترک کرے تو اس کا وضو نہ ہو گا اور اگر بھول کر بسم اللہ چھوڑے تو درست ہو گا لیکن اگر اثنائے وضو میں کہیں یاد آجائے تو فوراً بسم اللہ پڑھ لے امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے۔ پس احتیاط اس میں ہے کہ حنفی بھی یہ سب امور بجا لائے

فصل ۹- وضو کی سنّتیں

سوال- وضو میں کتنی سنّتیں ہیں اور کیا کیا ہیں؟

جواب- وضو میں یہ تیرہ سنّتیں ہیں۔(۱) نیت کرنا (۲) بسم اللہ پڑھنا (۳) تین بار دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا (۴) مسواک کرنا (۵) تین بار کلی کرنا (۶) تین بار ناک میں پانی ڈالنا (۷) داڑھی کا خلال کرنا (۸) ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا (۹) ہر عضو کو تین بار دھونا (۱۰) ایک بار سارے سر کا مسح کرنا یعنی بھیگا ہوا ہاتھ پھیرنا (۱۱) دونوں کانوں کا مسح کرنا (۱۲) ترتیب سے وضو کرنا (۱۳) اعضا کا پے در پے دھونا کہ ایک عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرا دھو لے۔

سوال - نیت کے بغیر وضو ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب - اگر وضو کی نیت نہ کی جیسے کہ ندی نالے میں گر جائیں یا بارش میں کھڑے رہیں اور تمام اعضائے وضو پر پانی بہ جائے تو وضو ہو جائے گا اس وضو سے نماز پڑھنا جائز ہے لیکن وضو کا ثواب نہ ملے گا۔

سوال - وضو کی نیت کس طرح کی جاتی ہے؟

جواب - نیت کے معنٰی ارادہ کرنے کے ہیں وضو کرتے وقت یہ ارادہ کریں کہ ناپاکی دور کرنے اور پاکی حاصل کرنے اور نماز جائز ہو جانے کے لئے وضو کرتا ہوں بس یہ ارادہ اور خیال کر لینا ہی وضو کی نیت ہے۔ وضو ہونے کی حالت میں نیا وضو کرتے وقت یہ نیت کریں کہ وضو کرنے کا ثواب اور فضیلت حاصل کرنے کے لئے وضو کرتا ہوں۔

سوال - مسواک کرنا کیسا ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب - اس کو انشاء اللہ العزیز ایک مستقل عنوان کے تحت میں زیر بحث لایا جائیگا۔

سوال - غرغرہ کرنے کا کیا حکم ہے اور ناک میں پانی ڈالنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب - وضو اور غسل میں غرغرہ کرنا سنت ہے لیکن روزے میں نہیں کرنا چاہیئے ناک میں پانی اس طرح ڈالیں کہ داہنے ہاتھ میں پانی لے کر ناک سے لگائیں اور سانس کے ذریعہ سے ناک میں چڑھائیں لیکن روزہ دار سانس نہ کھینچے

سوال - ڈاڑھی کے مسح کا کیا حکم ہے؟

جواب - ڈاڑھی کا مسح کرنا یعنی اس پر ہاتھ پھیرنا سنت ہے۔

سوال - ڈاڑھی کے خلال کا کیا حکم ہے۔ اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب - ڈاڑھی کا خلال بھی سنت ہے۔ داہنے ہاتھ کی انگلیاں ڈاڑھی کے نیچے داخل کر کے اوپر کو نکالیں حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرنے کے بعد ایک چلو پانی لے کر اس کو اپنی ٹھوڑی کے نیچے داخل کرتے پھر اس کے ساتھ اپنی ریش مبارک کا خلال کرتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھے (اپنی وحی خفی میں) ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ رواہ ابوداؤد - یہ خلال مستحب ہے۔ منہ دھونے کے بعد کریں۔

سوال - ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کس طرح کیا جائے؟

جواب - ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر ہلائیں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے کریں۔ اس طرح کہ داہنے پاؤں میں چھنگلیا سے شروع کریں اور انگوٹھے پر ختم کریں اور بائیں پاؤں میں انگوٹھے سے شروع کر کے چھنگلیا پر ختم کریں۔ چھنگلیا چھوٹی انگلی کو کہتے ہیں۔

سوال۔ تمام سر اور کانوں کا مسح کس طرح کیا جاتا ہے؟

جواب۔ طریق مسنون یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو از سر نو پانی سے تر کرکے اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں اور شہادت کی انگلیوں کو علیحدہ کرکے باقی تین تین انگلیوں کے سروں کو باہم ملائیں اور پیشانی کے بالوں سے شروع کرکے گدّی تک اس طرح کھینچیں کہ بیچ کی چھ انگلیاں سر کے دونوں طرف اس سے ملی رہیں اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں سر سے الگ رہیں۔ اس کے بعد دونوں ہتھیلیوں کو وسط سر کی دونوں جانب ملا کر گدّی سے پیشانی کی طرف اس طرح کھینچیں کہ دونوں ہاتھوں کی چھ انگلیاں سر سے اوپر کی طرف اٹھی رہیں۔ پھر شہادت کی انگلیوں سے دونوں کانوں کے باطن کا اور دونوں انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے ظاہر کا مسح کریں۔ پھر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی پشت کی جانب سے گردن پر مسح کریں۔ سر کے مسح میں اس بات کا خیال رکھیں کہ تمام سر پر ہاتھ پھر جائے۔ کانوں اور گردن کے مسح کے لیے نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں سر کے مسح کیلئے جو پانی لیا تھا وہی کافی ہے۔

سوال۔ اگر یوں کیا کہ پہلی مرتبہ کچھ دھل گیا اور دوسری بار کچھ اور تیسری مرتبہ کسی قدر اور یعنی تین مرتبہ دھونے میں پورا عضو دھل گیا تو اس طرح وضو ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب۔ وضو ہو جائے گا مگر سنت کے خلاف ہوگا۔ وضو میں چلوؤں کی گنتی نہیں بلکہ پورا عضو دھونے کی گنتی ہے کہ وہ تین مرتبہ ہو۔

سوال۔ اگر دوسرا عضو دھونے سے پیشتر پہلا عضو خشک ہو جائے تو وضو ہو جائے گا؟

جواب۔ پہلا عضو سوکھنے سے پہلے دوسرا عضو دھو ڈالنا چاہیے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو وضو ہو جائیگا مگر سنت کی مخالفت لازم آئے گی۔

سوال۔ بعض لوگ وضو میں دنیوی گفتگو بھی کرتے رہتے ہیں۔ اور بعض لوگ اندھا دھند پانی خرچ کرتے ہیں؟

جواب۔ وضو میں دنیا کی بات چیت منع ہے اور پانی خواہ کتنا زیادہ موجود ہو ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا ممنوع ہے۔ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے وہ اس وقت وضو کر رہے تھے اور پانی ضرورت سے زیادہ خرچ کر رہے تھے آپؐ نے فرمایا اے سعدؓ! یہ کیا اسراف ہے؟ وہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ ﷺ! کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ فرمایا ہاں اگرچہ تم جاری نہر کے کنارے پر بیٹھ کر ہی وضو کرو۔

(رواہ احمد وابن ماجہ)

سوال۔ یہ جو خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت میں ایک قوم ہو گی جو طہارت میں حد سے

بڑھ جائے گی (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ) یہ حد سے بڑھ جانے کی کیا صورت ہے؟

جواب۔ طہارت میں حد سے بڑھنا یہ ہے کہ وضو کرنے والا اپنے اعضا تین تین سے زیادہ مرتبہ دھوئے یا زیادہ پانی خرچ کرے یا دھونے میں اتنا مبالغہ کرے کہ حد وسواس کو پہنچ جائے۔ اور آپ نے فرمایا کہ وضو کا ایک شیطان ہے جس کا نام ولہان ہے۔ تو پانی کے وسواس سے پرہیز کرو۔ کذا فی سفر السعادۃ و شرحہ۔ مگر عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ پانی کے اسراف کی لوگوں کو عادت ہو گئی ہے۔ ورنہ اگر احتیاط سے وضو کریں تو بارہ تیرہ چھٹانک یعنی قریباً ڈیڑھ دو گلاس پانی سے بخوبی وضو ہو سکتا ہے۔ اگر اس کا اہتمام رکھیں تو سنت پر عمل کرنے کا ثواب حاصل ہو۔

فصل ۱۰۔ وضو کے مستحبات و مکروہات

سوال۔ وضو میں کیا کیا باتیں مستحب ہیں؟

جواب۔ (۱) وضو میں غیر سے مدد نہ لینا۔ لیکن معذور کو مدد لینا درست ہے۔ عذر یہ ہیں۔ وضو کا برتن بھاری ہو یا وضو کرنے والا بوڑھا یا بیمار ہو۔ (۲) قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھنا (۳) پاک اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا (۴) دائیں طرف سے شروع کرنا۔ لیکن بعض علماء نے اس کو سنتوں میں شمار کیا ہے۔ اور یہی قوی ہے (۵) گردن کا مسح کرنا۔ (۶) چھنگلیا کے سرے بھگو کر کانوں کے سوراخ میں ڈالنا (۷) وقتِ نماز سے پہلے وضو کر لینا (۸) اعضاء کو دھوتے وقت ہاتھ سے ملنا (۹) انگوٹھی چھلّے کو ہلانا اگر ڈھیلی ہو اور اگر سخت ہو اور بغیر ہلائے پانی نیچے نہ جاتا ہو تو ہلانا اور پھرانا فرض ہے۔ (۱۰) دنیا کی باتیں نہ کرنا (۱۱) پانی زور سے چہرے پہ نہ مارنا (۱۲) اطمینان سے وضو کرنا۔ جلدی نہ کرنا (۱۳) کپڑوں کو ٹپکتے ہوئے قطروں سے محفوظ رکھنا (۱۴) بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا (۱۵) دونوں ہاتھوں سے چہرہ دھونا۔ (۱۶) وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر یا بیٹھے ہوئے قبلہ رُخ پینا (۱۷) وضو کے بعد دو رکعت نفل تحیۃ الوضو پڑھنا بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو (۱۸) ہر فرض نماز کے لئے تازہ وضو کرنا۔

سوال۔ مکروہات وضو کیا ہیں؟

جواب۔ (۱) مسجد میں وضو کرنا۔ وضو کے قطروں کو مسجد میں گرانا مکروہ تحریمی ہے (۲) وضو کے لئے نجس جگہ پر بیٹھنا (۳) اعضائے وضو سے لوٹے وغیرہ میں قطرے گرانا (۴) قبلہ کی طرف تھوک یا منہ کی بلغم ڈالنا یا کلی کرنا (۵) وضو کرتے وقت دنیا کی باتیں کرنا۔ ہاں مجبوری کے وقت کوئی ضروری بات کر لینے میں مضائقہ نہیں۔ (۶) ضرورت

سے زیادہ یا ضرورت سے کم پانی خرچ کرنا۔ چاہیئے کہ نہ تو اتنا پانی خرچ کریں کہ اسراف ہو اور نہ اتنا کم کہ وضو کی سنتیں بھی ادا نہ ہوں (۷) اسی پانی میں تھوکنا اور ناک صاف کرنا جس سے وضو کر رہے ہوں اگرچہ پانی جاری ہو (۸) بائیں ہاتھ سے کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا (۹) بلا عذر داہنے ہاتھ سے ناک صاف کرنا (۱۰) چہرے پہ پانی مارنا یا چہرے پر پانی ڈالتے وقت پھونکنا (۱۱) ایک ہاتھ سے منہ دھونا (۱۲) وضو میں پیر دھوتے کے وقت پاؤں سے قبلے کے رُخ سے نہ پھیرنا (۱۳) وضو کرتے ہوئے ہونٹ یا آنکھیں زور سے بند کر لینا۔ لیکن اگر ہونٹ اور آنکھیں بند کرنے میں کچھ سوکھا رہ جائیگا تو سرے سے وضو ہی نہ ہوگا۔ (۱۴) دھوپ کے گرم کئے ہوئے پانی سے وضو کرنا (۱۵) کسی لوٹے کو وضو کے لئے مخصوص کر لینا۔ (درمختار، عالمگیری، کبیری)

فصل ۱۱۔ وضو کے متفرق مسائل

سوال۔ کن صورتوں میں وضو کرنا فرض اور واجب ہے؟

جواب۔ وضو نہ ہو تو نماز، سجدۂ تلاوت، نماز جنازہ اور قرآن مجید کو چھونے کے لئے وضو کرنا فرض ہے طواف کعبہ کے لئے وضو واجب ہے۔

سوال۔ کن مواقع پر وضو کر لینا سنت ہے؟

جواب۔ (۱) غسل جنابت سے پہلے (۲) جنبی کو کھانے پینے اور سونے سے پہلے (۳) اذان اور اقامت کے لئے (۴) خطبۂ جمعہ اور خطبۂ عیدین سننے کے وقت (۵) وقوف عرفہ کی حالت میں (۶) صفا و مروہ کے درمیان سعی کے لئے (۷) روضۂ مبارک سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے وقت۔

سوال۔ کن صورتوں میں وضو کرنا مستحب ہے؟

جواب۔ (۱) زبانی قرآن مجید پڑھنے کے لئے (۲) حدیث اور علم دین پڑھنے پڑھانے اور کتب دینیہ اور یہود و نصاریٰ کی محرف کتب تورات زبور اور انجیل کے چھونے کے لئے (۳) جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے سوا اور خطبے سننے کے وقت (۴) اعضائے تناسل کو چھونے کے بعد (۵) سونے سے پہلے (۶) سو کر اٹھنے کے بعد (۷) جماع سے پہلے (۸) میت کے نہلانے اور اٹھانے کے بعد (۹) کافر سے بدن چھو جانے کے بعد (۱۰) صلیب یا بت کو چھونے کے بعد (۱۱) کسی غیر محرمہ کے بدن سے اپنا بدن بے حائل مس ہو جانے کے بعد (۱۲) اونٹ کا

گوشت کھانے کے بعد (۱۳) کوڑھی یا سفید داغ والے سے مس کرنے کے بعد (۱۴) منہ سے غیبت گالی یا فحش کلمہ نکل جانے کے بعد (۱۵) بغل کھجانے کے بعد جبکہ اس میں بدبو ہو (۱۶) غصہ آجانے کے بعد (۱۷) قہقہہ لگانے کے بعد۔ (۱۸) ناول بیہودہ مضامین اور لغو اشیاء پڑھنے کے بعد۔ (۱۹) وضو ہونے کے باوجود نماز کے لئے دوسرا وضو کرنا۔ (۲۱) ہر وقت باوضو رہنا۔

سوال - یاد نہیں رہا کہ وضو ہے یا جاتا رہا۔ کیا نیا وضو کئے بغیر نماز پڑھ سکتے ہیں؟

جواب - ہاں پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر کرلیں تو اچھا ہے۔ اس میں ثواب زیادہ ہے۔

سوال - اگر بے وضو کو اپنے وضو میں شک ہو تو نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب - نہیں۔ شک ہو کہ میں نے وضو کیا تھا یا نہیں تو وہ بلا وضو ہے۔ اس کو وضو کرنا لازم ہے

سوال - وضو میں زیادہ پانی خرچ کرنا اسراف و گناہ ہے۔ اس اسراف کی حد کیا ہے؟

جواب - وضو میں کم از کم پانی خرچ کرنا چاہیئے۔ ایک گلاس (آدھا سیر) سے ڈیڑھ گلاس تک پانی خرچ کر سکتے ہیں پنجاب میں وضو کے لیے مساجد میں نلکے کی ٹونٹیاں لگی ہیں جن میں وضو کرنے میں لوگ اندھا دھند پانی گرا کر اسراف کے مرتکب ہوتے ہیں۔ پانی خرچ کرنے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر لوٹے سے وضو کیا جائے تو لوٹے کی ٹونٹی نہ ایسی تنگ ہو کہ پانی بدقت گرے اور نہ اتنی کشادہ ہو کہ حاجت سے زیادہ پانی گرے۔ چلو میں پانی لیتے وقت چلو کو اتنا نہ بھرنا چاہیئے کہ پانی گرے ورنہ اسراف ہوگا علیٰ ہذا جس عضو کے دھونے کیلئے چلو میں پانی لیں اس کا صحیح اندازہ کرلیں۔ ایسا نہ ہو کہ ضرورت سے زیادہ لے کر اسراف کے مرتکب ہوں۔ مثلاً ناک میں پانی ڈالنے کے لیے آدھا چلو پانی کافی ہو تو پورا چلو نہ لیں ورنہ اسراف ہوگا۔

سوال - وضو سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنا مسنون ہے۔ لیکن بعض لوگ بسم اللہ سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بھی پڑھتے ہیں۔ اس موقع پر اعوذ باللہ بھی پڑھنے کا حکم ہے یا نہیں؟

جواب - اعوذ باللہ تلاوت قرآن کے وقت پڑھنے کا حکم ہے۔ بعض لوگ اپنی خواہش سے جو چاہتے ہیں تجویز کر لیتے ہیں۔ یہ بری بات ہے۔

سوال - وضو کے اعضائے وضو کو کپڑے سے پونچھنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب - درمختار میں وضو کے بعد اعضائے وضو کو پونچھنا جائز لکھا ہے بلکہ درمختار میں اعضائے وضو کو پونچھنا مستحب اور آداب میں بتایا ہے اس کی مؤید حضرت معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو اپنا چہرۂ مبارک اپنے کپڑے سے پونچھتے تھے (رواہ الترمذی) اور زیلعی نے شرح کنز الدقائق میں لکھا کہ وضو کے بعد رومال سے پونچھنا جائز ہے چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت انس اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم کی نسبت مروی ہے کہ وہ وضو کے بعد پونچھا کرتے تھے اور حلبیہ کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر اعضائے وضو کا پونچھنا بقصد تکبر ہو تو مکروہ ہے ورنہ نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک وضو اور غسل کے بعد نہ پونچھنا سنت ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کے بعد رومال لائیں تو آپ نے اس کو لوٹا دیا اور اپنے ہاتھ سے پانی ٹپکانا شروع کر دیا۔ علمائے حنفیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ نے بسبب کسی عذر کے اعضا نہ پونچھے ہوں۔

سوال۔ حنفی فقہ کی کتابوں میں گردن کے مسح کو مستحب لکھا ہے لیکن بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے وضو کے سنن و مستحبات میں مسح رقبہ کا کوئی ذکر نہیں کیا!

جواب۔ گردن کا مسح متعدد حدیثوں سے ثابت ہے جن میں سے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی سر کے ساتھ گردن کا بھی مسح کرے وہ روز قیامت کی شدت اور گرسنگی سے محفوظ رہے گا۔ گو یہ حدیثیں ضعیف ہیں لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بھی مقبول اور قابل عمل مانی گئی ہے۔ اس لئے مسح رقبہ کو بدعت کہنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔

فصل ۱۲۔ وضو کے اذکار

سوال۔ وضو شروع کرتے وقت کیا پڑھنا چاہئے؟

جواب۔ وضو کی ابتداء بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ سے کریں حسب بیان صاحب نہایہ تسمیہ وضو میں سلف سے یہ الفاظ منقول ہیں۔ بِسْمِ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ۔ لیکن بعض علماء نے فرمایا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پڑھنا ہی افضل ہے۔ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا جمہور کے نزدیک سنت مؤکدہ اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض ہے ہدایہ میں لکھا ہے کہ حنفی مذہب میں وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

سوال۔ بعض کتابوں میں ہر عضو کے دھونے کے وقت کی علیحدہ علیحدہ دعائیں لکھی ہیں کیا ان کا پڑھنا ضروری ہے؟

جواب۔ علامہ ابن قیم حنبلیؒ لکھتے ہیں:۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کے

سوا اپنے وضو میں کچھ پڑھا ہو اور اذکار وضو کی ہر وہ حدیث جس میں وضو کے اندر آپ کا کچھ پڑھنا مذکور ہے سراسر کذب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے وضو میں بسم اللہ اور اخیر میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ؕ پڑھتے تھے اور سنن نسائی کی ایک حدیث میں وضو کے بعد یہ بھی منقول ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ان اوراد کے سوا نہ آپ سے کچھ اور پڑھنا ثابت ہے اور نہ آپ نے امت کو اس کی تعلیم دی۔ (زاد المعاد جلد اول صفحہ ۴۹)

سوال۔ کیا علمائے حنفیہ نے احادیث نبویہ سے اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا؟

جواب۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے جواب میں کہ "جو لوگ وضو میں ہر ہر عضو پر اذکار اور دعائیں پڑھتے ہیں آیا کوئی اصل معتمد اس کی ہے یا نہیں؟ لکھا:۔

"جو وضو کے اندر ہر ہر عضو پر اذکار پڑھتے ہیں ان کی کوئی سند صحیح نہیں ہے لیکن روایات قابل عمل ہیں

(فتاویٰ رشیدیہ مبوب حصہ اول صفحہ ۲۲)

سوال۔ اذکار وضو کے پڑھنے کی فضیلت کیا ہے؟

جواب۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے پھر یہ کہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تو اس کے لیے بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ رواہ مسلم والترمذی اور ترمذی کی روایت میں شہادتین پر اس دعا کا اضافہ کیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ (الٰہی مجھے توبہ کرنے والوں میں سے کر اور مجھے پاکیزگی کرنے والوں میں سے بنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح) اس حدیث کو ابو داؤد و نسائی ابن ماجہ ابن ابی شیبہ اور ابن السنی نے بھی روایت کیا ہے (حصن حصین)

سوال۔ ان کے علاوہ حدیثوں سے وضو کے بعد اور کیا کچھ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے؟

جواب۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی لایا۔ آپ نے وضو کیا اور یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ - (رواہ النسائی و ابن السنی)	الٰہی میرے لیے میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے میرے گھر میں فراخی کر اور میرے لیے میرے رزق میں برکت دے۔

میں نے گذارش کی یا رسول اللہ! میں نے آپ کو ایسی ایسی دعا پڑھتے سنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں نے کچھ چھوڑ دیا ہے! یعنی میں نے ایسی دعا کی ہے جو دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کی جامع ہے۔ کوئی خیر و خوبی اس سے چھوٹی نہیں۔ (حصن حصین)۔ وضو کے بعد یہ دعا پڑھنا بھی منقول ہے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ (یا اللہ پاکی ہے تجھ کو جو تیری تعریف سے وابستہ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں) (رواہ الحاکم والنسائی)

اسی طرح مروی ہے کہ جو کوئی وضو کرے اور کہے سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ اس کے لیے اس کا ثواب کاغذ کے ایک پرچے میں لکھا جاتا ہے۔ پھر وہ کاغذ سر بمہر کر کے زیر عرش رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ مہر قیامت تک نہیں توڑی جائے گی۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط (حصن حصین)

سوال۔ اردو کی ایک کتاب میں لکھا ہے:۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص ایک دفعہ بعد وضو اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ پڑھے گا وہ صدیقوں میں ہوگا۔ جو دو دفعہ پڑھے گا اس کا نام شہدا کے دفتر میں لکھا جائیگا۔ جو تین دفعہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو گروہ انبیاء کے ساتھ محشور کرے گا"۔ کیا کسی حدیث میں اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ پڑھنے کی یہ فضیلت مذکور ہے؟

جواب۔ سراسر غلط ہے۔ اس مضمون کی حدیث موضوع ہے یعنی کسی واضع حدیث کی من گھڑت ہے۔ علامہ علی قاریؒ نے فرمایا کہ وضو کے بعد انا انزلناہ پڑھنے کی حدیث موضوع ہے اور اس کا پڑھنا خلاف سنت ہے (فتاویٰ امدادیہ جلد اول مطبوعہ مجتبائی دہلی صفحہ ۱۲)

فصل ۱۳ وضو کے فضائل

سوال۔ وضو کرنے کا ثواب اور فضیلت کیا ہے؟

جواب (۱) ابو مالک اشعری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طہور یعنی پاک رہنا نصف ایمان ہے (مشکوٰۃ بحوالہ دارمی) پاک رہنا اس لئے آدھا ایمان ہے کہ ایمان سے بڑے چھوٹے گناہ بخشے جاتے ہیں اور وضو کرنے سے صغیرہ گناہوں کی بخشش ہوتی ہے۔ پس اس اعتبار سے طہارت نصف ایمان کے مرتبے میں ہوئی۔

اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص وضو کرے اور عمدگی سے وضو کرے یعنی سنن و مستحبات کی رعایتوں کے ساتھ اس کے (صغیرہ) گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں تک سے خارج ہو جاتے ہیں (رواہ البخاری ومسلم) ناخنوں سے نکلنے کو حصول طہارت میں مبالغۃً فرمایا گیا یعنی وضو کرنے والا گناہوں سے خوب پاک ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کی مثل اردو زبان کا ایک محاورہ ہے کہ اس کی شیخی ناک کی راہ نکال دیں گے"

اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن بندہ وضو میں اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے وہ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جو آنکھوں سے کئے ہوتے ہیں اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو وہ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جو ہاتھ سے ہوئے ہیں اور جب پاؤں دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ وہ تمام گناہ خارج ہو جاتے ہیں جو پاؤں سے چل کر کئے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک و صاف ہو کر نکل آتا ہے۔ رواہ مسلم

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو فرض نماز کا وقت آنے پر اس کا اچھی طرح وضو اور خشوع اور رکوع کرے اور پھر یہ نماز اس کے تمام سابقہ گناہوں کا کفارہ نہ ہو جائے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے باز رہا ہو اور نماز کے ذریعہ سے یہ کفارۂ ذنوب دوامی و استمراری ہے۔ رواہ مسلم۔ شیخ عبدالحق نے لکھا کہ نماز کا خشوع یہ ہے کہ نمازی ظاہر و باطن کے آداب بجا لائے دل ترساں ہو اور نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے اور نماز کے سوا کسی اور چیز میں مشغول نہ ہو اور بدن اور کپڑے اور ڈاڑھی سے کھیلے نہیں۔ دائیں بائیں طرف التفات نہ کرے اور آنکھیں بند نہ کرے۔ حدیث میں رکوع کا ذکر کیا اور سجدے کا نہ فرمایا کیونکہ رکوع خاص مسلمانوں کی نماز میں ہے یہود و نصاریٰ کی نماز میں علی العموم نہیں۔ اور اس ارشاد سے کہ جب تک کبیرہ کا ارتکاب نہ کیا ہو مقصود یہ ہے کہ اس طرح کی نماز صغیرہ گناہوں کو محو کرتی ہے نہ کہ کبائر ذنوب کو

اور حسب روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ قیامت کے دن غُرًّا المُحَجَّلِین کے لقب سے پکارے جائیں گے۔ وضو کے اثر سے ان کی پیشانیاں روشن اور اعضاء سفید ہوں گے۔ پس جو شخص اپنی پیشانی کی روشنی کو طوالت دینا چاہے وہ ضرور ایسا کرے۔ رواہ البخاری ومسلم

مُحَجَّل اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ہاتھ پاؤں سفید ہیں۔ روشنی کو دراز کرنے کی یہ صورت ہے کہ نمازی وضو میں پیشانی کے اوپر سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک خوب دھوئے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں مومن کے زیور وہاں تک پہنچیں گے

جہاں تک کہ وضو کا پانی پہنچتا ہے (رواہ مسلم)

فصل ۱۴ - مسواک

سوال - حدیثوں میں مسواک کی فضیلت کیا کچھ مذکور ہے؟

جواب - مسواک کی فضیلت اور اس کے استحباب پر بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں - ام المو
حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نماز کی فضیلت جس کے لیے مسواک کی گ
ہو اُس نماز پر ستر گونہ فضیلت رکھتی ہے جس کے لیے مسواک نہ کی گئی ہو - رواہ البیہقی فی شعب الایمان
یہ حدیث ضعیف ہے - لیکن عمل کرنے والے کے لیے ضعف میں کوئی مضایقہ نہیں اور حضرت ابوہریرہ
مروی ہے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں مشکل نہ جانتا تو اپنی امت کو نماز عشا میں تاخیر کرنے اور ہر
کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا رواہ البخاری ومسلم - مقصد یہ ہے کہ یہ دونوں کام یعنی عشاء کی نماز میں تہا
رات تک تاخیر کرنا اور ہر نماز کے وضو کے ساتھ مسواک کرنا بڑی فضیلت و اہمیت رکھتے ہیں - شریح بن ہانی کا بیا
ہے کہ میں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تو آپ
کا اولین کام کیا ہوتا تھا - ام المومنین رض نے فرمایا کہ آپ گھر میں تشریف لا کر سب سے پہلے مسواک کرتے تھے رو
مسلم علی قاری رح لکھتے ہیں کہ حقیقت میں یہ امت کے لیے تعلیم ہے کہ اپنے گھر کے لوگوں سے نہایت پاکیزگی کے
ساتھ صحبت رکھیں یہاں تک کہ کلام کرنے اور جنسی اختلاط کے لیے مسواک کر لیا کریں تاکہ کوئی متنفس منہ کی بے مز
کے باعث ایذا نہ پائے

اور ام المومنین حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ سلم نے فرمایا کہ مسواک منہ کی پاکیزگی کا
سبب اور اپنے پروردگار کی رضا مندی کا باعث ہے - رواہ احمد والدارمی والنسائی اور حضرت عائشہ رض کا
بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی دن میں یا رات کو سو کر بیدار ہوتے تو وضو سے پہلے مسواک کرتے - رو
احمد و ابو داؤد - اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کبھی جبرئیل میرے پاس آئے مجھے مسواک کی تاکید کرتے
گئے یہاں تک کہ مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ میں اپنے منہ کا اگلا حصہ چھیل ڈالوں گا - رواہ احمد اور فرمایا اگر میں تک
وہ نہ سمجھتا تو امت کو حکم دیتا کہ وہ نماز عشاء تہائی رات تک مؤخر کیا کریں اور ہر نماز کے ساتھ مسواک کیا کریں

زید بن خالد کا معمول تھا کہ جب نمازوں کے لیے مسجد نبوی میں حاضر ہوتے تو قلم کی طرح ان کی مسواک ان کے کان پر ہوتی۔ مسواک کئے بغیر نماز نہ پڑھتے اور مسواک کر کے پھر کان پر رکھ لیتے۔ رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح

سوال۔ مسواک کرنا مردوں کے لیے مسنون ہے یا عورتیں بھی اس کی مامور ہیں؟

جواب۔ مسواک کرنے کا حکم عام ہے۔ مردوں کی کوئی تخصیص نہیں۔

سوال۔ مسواک کے متعلق اور کیا کیا ہدایات ہیں؟

جواب۔ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ مسواک درخت پیلو یا کسی اور تلخ درخت مثلاً نیم یا کیکر وغیرہ کی نی چاہیئے۔ چھنگلیا کے برابر موٹی اور زیادہ سے زیادہ ایک بالشت لمبی ہو لیکن اتنی چھوٹی بھی نہ ہو کہ مسواک ا دشوار ہو۔ مسواک داہنے ہاتھ میں اس طرح لیں کہ چھنگلیا مسواک کے نیچے رہے اور بیچ کی تین انگلیاں اوپ ر انگوٹھا سرے پر نیچے ہو۔

سوال۔ اگر اچھی مسواک میسر نہ ہو یا مسواک کے استعمال میں کوئی دشواری یا معذوری ہو تو برش استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب۔ برش استعمال کرنے کی ایسی حالت میں اجازت ہے جبکہ اس بات کا کامل اطمینان ہو کہ خنزیر کے ں کا نہیں۔ جو ولایتی برش "مسواک" کے نام سے بازار میں ملتا ہے اگر اس کی طرف سے یقین کامل ہو کہ کسی ک جانور کے بالوں کا نہیں تو وہ بوقت عذر مسواک مسنون کا بدل ہو سکتا ہے۔ لیکن مشہور ہے کہ اب کچھ ت سے پلاسٹک کے برش آ رہے ہیں جن میں کسی جانور کے بالوں کا کوئی شائبہ نہیں۔ واللہ اعلم

فصل ۵ پٹی پر مسح

سوال۔ مسح کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ میں کوئی پھوڑا یا کوئی اور ایسی بیماری ہو کہ اس پر پانی ڈالنا نقصان ہو تو وضو کرتے وقت صرف بھیگا ہاتھ پھیر لیں۔ اس ہاتھ پھیرنے کو مسح کہتے ہیں۔ اور اگر یہ بھی نقصان ے تو مسح بھی نہ کریں۔ اتنی جگہ چھوڑ دیں۔

سوال۔ اگر پٹی کھول کر زخم یا پھوڑے پر مسح کرنے سے نقصان ہو یا پٹی کھولنے باندھنے میں زیادہ شواری ہو تو پھر کیا کیا جائے؟

جواب۔ ایسی حالت میں پٹی کے اوپر مسح کریں اور اگر مسح کرنے میں کوئی نقصان یا غیر معمولی دشواری نہ ہو تو پٹی پر مسح کرنا درست نہیں۔ پٹی کھول کر زخم پر مسح کرنا لازم ہے۔ اور جب زخم پر مسح کرنا بھی نقصان دہ ہو تو اس وقت پٹی یا پھایا پر مسح کرنا جائز ہے۔

سوال۔ ہڈی کے ٹوٹ جانے کے وقت بانس کی کھپاچیں باندھ دیتے ہیں۔ اس پر مسح کرنیکا کیا حکم ہے

جواب۔ اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر ان کھپاچوں کا کھولنا اور پھایا کا اکھاڑنا نقصان پہنچائے یا اس سے سخت تکلیف ہوتی ہو تو کھپاچوں اور پٹی اور پھایا پر مسح کر لینا جائز ہے۔ فصد کی پٹی کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر زخم کے اوپر مسح نہ کر سکیں تو پٹی کھول کر کپڑے کی گدی پر مسح کریں اور اگر کھولنے باندھنے والا کوئی نہ ملے تو پٹی ہی پر مسح کر لیں۔

سوال۔ کم از کم کتنی جگہ کا مسح کرنا ضروری ہے؟

جواب۔ ساری پٹی وغیرہ پر مسح کرنا چاہیئے۔ آدھی سے زائد پر بھی جائز ہے لیکن آدھی یا آدھی سے کم پر کرنا جائز نہیں

سوال۔ اگر پٹی وغیرہ کھل کر گر پڑیں اور زخم بھی ابھی اچھا نہیں ہوا تو پھر کیا صورت اختیار کی جائے؟

جواب۔ اس کو پھر باندھ لیں وہی پہلا مسح کافی ہے۔ دوبارہ مسح کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر زخم اچھا ہو گیا ہو اور دوبارہ باندھنے کی ضرورت نہ رہی ہو تو وہ مسح جاتا رہا۔ اب اتنی جگہ کو دھو کر نماز پڑھ لیں سارا وضو دہرانا ضروری نہیں۔

فصل ۱۶ موزوں پر مسح

سوال۔ بعض گمراہ فرقے موزوں پر مسح کرنے کے بارہ میں اہل سنت پر طعن کرتے ہیں۔ کیا اس کا کوئی قطعی ثبوت ہے؟

جواب۔ صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بروایت متعددہ و طرق مختلفہ مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سفر اور حضر میں موزوں پر مسح فرمایا کرتے تھے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ مسح خفین کی حدیث بتواتر ثابت ہوئی ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ بعض علماء نے راویان مسح خفین کی جو فہرست لکھی ہے وہ اسی صحابہ کرام کے اسماء مبارکہ سے متجاوز ہے۔ اس تعداد میں حضرات عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں۔ اور امام حسن بصریؒ نے فرمایا کہ میں نے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا جو سب کے سب اس کا

اعتقاد رکھتے تھے اور کرخی رح نے کہا کہ جو کوئی مسح موزہ کو قبول نہ کرے مجھے اس پر کفر کا خوف ہے اور امام ابو حنیفہ رح نے کہا کہ میں اُس وقت تک مسح موزہ کا قائل نہ ہوا جب تک میں نے اس کے آثار و اخبار ضوء نہار کی مثل نہ دیکھے۔

(مدارج النبوۃ)

سوال۔ وضو میں پاؤں دھونا افضل ہے یا موزوں پر مسح کرنا؟

جواب۔ موزوں پر مسح کرنا رخصت اور پاؤں کا دھونا عزیمت یعنی اُولیٰ ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ جو کوئی مسح موزہ پر اعتقاد نہ رکھے وہ مبتدع ہے۔ لیکن جو کوئی اعتقاد رکھنے کے باوجود از راہ عزیمت مسح نہ کرے وہ ثواب دیا جاتا ہے۔

سوال۔ موزے جن پر مسح جائز ہے۔ لازماً چمڑے کے چاہئیں یا سوتی اور اُونی جرابوں پر بھی مسح جائز ہے؟

جواب۔ اگر اُونی یا سوتی موزوں میں یہ چند شرائط پائے جائیں تو ان پر مسح جائز ہے۔

(۱) اتنے موٹے اور گاڑھے ہوں کہ جوتی کے بغیر صرف اُن کو پہن کر بارہ ہزار قدم یعنی تین میل چلیں تو نہ پھٹیں (۲) ان کے پہننے سے پاؤں ٹخنوں تک چھپ جائیں اور اگر ان کو پہن کر پنڈلیوں پر کچھ نہ باندھیں تو گریں نہیں۔ (۳) ان میں سے پانی نہ چھنے (۴) ان کے اندر سے کوئی چیز نظر نہ آئے یعنی آنکھ لگا کر اُن میں دیکھیں تو کچھ دکھائی نہ دے۔

سوال۔ فُل بُوٹ یعنی ایسے بوٹ پر جس میں ٹخنے چھپے رہتے ہیں مسح جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ چونکہ فل بوٹ میں جواز مسح کی ساری شرطیں پائی جاتی ہیں اس لیے اس پر مسح جائز ہے لیکن (۱) وہ جوتی کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں (۲) عام طور پر نجس ہوتے ہیں (۳) ان کو پہن کر نماز پڑھنا سوء ادب بھی ہے ان سہ گانہ وجوہ کی بنا پر ان کو پہنے ہوئے بغیر کسی مجبوری کے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔

سوال۔ چمڑے کے موزوں پر مسح کب جائز ہے؟

جواب۔ جب وضو کر کے ان کو پہن لیں تو اس کے بعد جب وضو ٹوٹے گا تو وضو کرتے وقت ان پر مسح کرنا درست ہوگا۔ اگر وضو کئے بغیر موزے پہن لیئے تو ان پر مسح درست نہ ہوگا اتار کر پیر دھو لینے چاہئیں۔

سوال۔ ایک دفعہ کے پہنے ہوئے موزوں پر کتنی مدت تک مسح جائز ہے؟

جواب۔ مقیم آٹھ پہر تک یعنی ایک دن اور ایک رات موزوں پر مسح کر سکتا ہے اور مسافر ہو تو تین دن اور تین رات تک مسح جائز ہے۔

سوال۔ مسح کس طرح کیا جاتا ہے؟

جواب۔ داہنے ہاتھ کی انگلیاں پانی سے بھگوئیں اور تین درمیانی انگلیاں پاؤں کے پنجے پر رکھ کر اوپر ٹخنے کی طرف کھینچیں۔ انگلیاں پوری پوری رکھیں۔ ان کے سرے رکھنا کافی نہیں۔ اگر پوری انگلیوں کو موزے پر نہیں رکھا اور وہ کھڑی رہیں تو مسح درست نہیں ہوا۔ البتہ اگر انگلیوں سے برابر پانی ٹپک رہا ہو جس سے بہ کر تین انگلیوں کے برابر پانی موزے کو لگ جائے تو درست ہو جائیگا۔ مسح ہمیشہ پاؤں کے اوپر کی طرف کیا جاتا ہے۔ تلوؤں پر یا ایڑی کی طرف مسح کرنے سے مسح نہیں ہوتا۔

سوال۔ موزوں پر مسح صرف وضو میں کیا جاتا ہے یا غسل میں بھی؟

جواب۔ موزوں پر مسح وضو میں جائز ہے غسل میں نہیں۔

سوال۔ مسح کا حساب کس وقت سے کیا جاتا ہے؟

جواب۔ وضو کرکے موزے پہنے تھے۔ اس کے بعد جب وضو ٹوٹا ہے اُس وقت سے ایک دن رات یا تین دن رات کا حساب کیا جائے گا جس وقت موزہ پہنا ہے اُس وقت کا اعتبار نہ کریں گے۔ جیسے مثلاً ظہر کے وقت وضو کرکے موزہ پہنا۔ پھر غروب آفتاب کے وقت وضو ٹوٹا تو اگلے دن کے سورج ڈوبنے تک ہر نماز کا وضو کرتے وقت مسح کرنا درست ہے اور مسافرت میں تیسرے دن کے غروب آفتاب تک کر سکتے ہیں۔ جب آفتاب غروب ہوگیا تو مسح کرنا درست نہ رہا۔

سوال۔ اگر کوئی پانی برستے وقت باہر نکلا یا بھیگی گھاس میں چلا جس سے موزے بھیگ گئے تو مسح ہوا یا نہیں؟

جواب۔ ہاں ہو گیا۔

سوال۔ موزے اتارنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ موزوں کے اتارنے سے مسح ٹوٹ جاتا ہے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اگر کسی کا وضو تو نہیں ٹوٹا لیکن اس نے موزے اتار ڈالے تو مسح جاتا رہا۔ اب وہ دونوں پیر دھو ڈالے۔ پھر سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر ایک موزہ اتار ڈالا تو دوسرا موزہ بھی اتار کر دونوں پاؤں کا دھونا واجب ہوگیا۔

سوال۔ اگر مسح کی مدت پوری ہوگئی تو پھر کیا کرنا چاہیے؟

جواب۔ اگر مسح کی مدت پوری ہوگئی تو بھی مسح جاتا رہا۔ اگر وضو نہ ٹوٹا ہو تو موزہ اتار کر دونوں پاؤں دھو لیں۔ پورے وضو کا دہرانا واجب نہیں۔ ہاں اگر وضو ٹوٹ گیا ہو تو موزے اتار کر پورا وضو کریں۔

سوال ۔ اگر پانی میں پاؤں جا پڑا تو مسح پر اس کا کچھ اثر ہوا یا نہیں ؟

جواب ۔ موزے پر مسح کرنے کے بعد کہیں پانی میں پاؤں پڑ گیا اور موزے کے اندر پانی چلا گیا اور سارا یا آدھے سے زیادہ پاؤں بھیگ گیا تو بھی مسح جاتا رہا۔ دوسرا موزہ بھی اتار دیں اور دونوں پاؤں اچھی طرح سے دھولیں

سوال ۔ موزہ پھٹ گیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے ؟

جواب ۔ جو موزہ اتنا پھٹ گیا ہو کہ چلنے میں پیر کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر کھل جاتا ہے تو اس پر مسح درست نہیں۔ کم میں درست ہے۔ اور اگر موزہ کی سیون کھل گئی لیکن اس میں سے پاؤں دکھائی نہیں دیتا تو مسح درست ہے۔ البتہ اگر چلتے وقت پاؤں تین انگلیوں کے برابر دکھلائی دیتا ہو اور یوں دکھلائی نہ دے تو مسح درست نہیں۔ اگر ایک موزہ میں دو انگلیوں کے برابر کھل جاتا ہے اور دوسرے میں سے ایک انگلی کے برابر تو اس میں کچھ حرج نہیں مسح جائز ہے ایک ہی موزہ کئی جگہ سے پھٹا ہو اور سب ملا کر اگر تین انگلیوں کے برابر کھل جاتا ہو تو مسح جائز نہیں اور اگر اتنا کم ہے کہ سب ملا کر بھی تین انگلیوں کے برابر نہیں ہوتا تو مسح درست ہے ۔

سوال ۔ سفر پیش آجانے پر مسح کی کیا صورت ہوگی ؟

جواب ۔ اگر کسی نے موزے پر مسح کرنا شروع کیا اور ابھی ایک دن رات نہیں گزرا تھا کہ سفر اختیار کرنا پڑا تو تین دن رات مسح کرتا رہے اور اگر سفر سے پہلے ہی ایک دن رات گزر جائے تو مدت ختم ہو چکی۔ پاؤں دھو کر پھر سے موزے پہنے۔ مسافر گھر پہنچ گیا تو اگر ایک دن رات پورا ہو چکا ہے تو اب موزے اتار دے اب موزوں پر مسح درست نہیں اور اگر ہنوز ایک دن رات پورا نہیں ہوا تو ایک دن رات پورا کرلے ۔

سوال ۔ اگر سوتی یا اونی جراب پر پورا چمڑا چڑھا دیا گیا یا ساری جراب پر چمڑا نہ چڑھا ہو بلکہ مردانہ جوتی کی شکل پر چمڑا لگا ہو تو پھر جراب پر مسح درست ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ ان دونوں صورتوں میں سوتی یا اونی جراب پر بھی مسح درست ہے ۔

سوال ۔ اگر تیمم کی حالت میں موزے پہنے ہوں تو اس کے بعد وضو کرتے وقت موزوں پر مسح ہو سکتا ہے یا نہیں !

جواب ۔ ایسی حالت میں موزوں پر مسح نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ مسح کی یہ لازمی شرط ہے کہ موزے طہارت کامل کی حالت میں پہنے ہوں اور تیمم طہارت کاملہ نہیں۔ خواہ وہ تیمم صرف غسل کا ہو یا وضو اور غسل دونوں کا

سوال ۔ اگر پیروں کو کسی اونچی جگہ پر رکھ کر خود بیٹھ جائیں اور پیروں کے سوا باقی جسم کو دھوئیں اس کے بعد پیروں پر مسح کرلیں تو یہ مسح جائز ہوگا یا نہیں ؟

جواب - غسل کرنے والے کو مسح جائز نہیں۔ خواہ غسل فرض ہو یا سنت۔

فصل ۱۷ - نواقضِ وضو

سوال - نواقضِ وضو یعنی وہ چیزیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کتنی اور کیا کیا ہیں؟

جواب - وضو شکن چیزیں نو ہیں۔ (۱) پاخانہ پیشاب کرنا یا آگے پیچھے کی راہوں سے یا کسی اور چیز مثلاً خون، کیچوا، سنگریزہ کا نکلنا (۲) ریح یعنی ہوا کا پیچھے سے خارج ہونا (۳) لیٹ کر یا سہارا لگا کر سو جانا (۴) بدن کے کسی مقام سے خون یا پیپ کا بہ نکلنا (۵) منہ بھر کے قے کرنا۔ (۶) نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنا (۷) مجامعت کرنا (۸) بیہوش ہو جانا (۹) جنون یعنی دیوانگی طاری ہونا۔

سوال - ناپاک چیز بدن سے نکل کر کتنی مقدار میں بہ جائے تو وضو ٹوٹتا ہے؟

جواب - کوئی ناپاک چیز بدن سے نکل کر اس مقام کی طرف جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے تھوڑی سی بھی بہ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کسی نے فصد لی یا نکسیر پھوٹی یا چوٹ لگنے سے خون بہ نکلا یا پھوڑے پھنسی سے یا بدن کے کسی حصہ سے خون یا پیپ خارج ہو کر بہی تو وضو ٹوٹ گیا۔ البتہ اگر خون یا پیپ زخم کے منہ ہی پر ہے۔ اس نے اس سے آگے تجاوز نہیں کیا تو وضو نہیں گیا۔ اگر کسی کے سوئی چبھ گئی اور خون نکلا مگر آگے نہیں بہا تو وضو نہیں ٹوٹا اور جو ذرا بھی بہ پڑا تو وضو جاتا رہا۔

سوال - آنکھ کے اندر کوئی دانہ وغیرہ تھا وہ ٹوٹ گیا اور اس کا پانی بہ کر آنکھ میں پھیل گیا مگر باہر نہیں نکلا۔ تو کیا حکم ہے؟

جواب - اس سے وضو نہیں ٹوٹا کیونکہ آنکھ کے اندر کا حصہ نہ وضو میں دھونا فرض ہے نہ غسل میں ہاں گر آنکھ کے باہر پانی نکل پڑا تو وضو ٹوٹ گیا۔ اسی طرح اگر کان کے اندر کوئی دانہ ٹوٹ جائے تو جب تک خون یا پیپ سوراخ کے اندر اس جگہ تک رہے جہاں پانی پہنچانا غسل کرتے وقت فرض نہیں ہے تب تک وضو نہیں ٹوٹتا اور جب ایسی جگہ پر آجائے جہاں پانی پہنچانا فرض ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ پھوڑے کا چھلکا نوچنے سے اس میں خون یا پیپ دکھائی دینے لگی لیکن وہ اپنی جگہ پر ٹھیری ہے اور پھوڑے سے باہر نکل کر بہی نہیں تو وضو نہیں ٹوٹا اور اگر بہ پڑی تو وضو جاتا رہا۔ اگر پھوڑے پھنسی کا خون خود بخود نہ نکلا بلکہ اسے دبا کر نکالا گیا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

سوال - اگر زخم یا پھوڑے پر پیپ یا خون ظاہر ہوا اسے پونچھ ڈالا۔ پھر ظاہر ہوا پھر پونچھ لیا۔ بار بار ایسا کیا

خون بہنے نہ پایا تو اس سے وضو بحال رہا یا ٹوٹ گیا؟

جواب - یہ دیکھنا چاہیئے کہ اگر خون پونچھا نہ جاتا تو بہ جانے کے لائق تھا یا نہیں۔ اگر اتنی مقدار میں تھا کہ بہہ سکتا تھا تو وضو ٹوٹ گیا۔ ورنہ نہیں۔

سوال - اگر تھوک میں خون کی آمیزش ہو تو اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

جواب - اگر خون کم ہو اور رنگت سفیدی یا زردی مائل ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر خون زیادہ یا برابر ہے اور رنگت سرخی مائل ہے تو وضو ٹوٹ گیا۔

سوال - جونک نے بدن کا خون پیا اور بھر گئی۔ یا مچھر نے کاٹا تو اس سے وضو ٹوٹا یا نہیں؟

جواب - جونک کے خون پینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگرچہ چھڑانے کے بعد اس کے کاٹے ہوئے زخم سے خون نہ بہے۔ کیونکہ وہ اتنا خون چوس لیتی ہے کہ اگر وہ خون اس کے شکم میں نہ جاتا تو یقیناً بہہ جاتا۔ البتہ مچھر پسو کے کاٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ یہ اتنی قلیل مقدار میں خون پیتے ہیں جو بہنے کے لائق نہیں ہوتا۔

سوال - کان سے بہنے والا پانی نجس اور ناقض وضو ہے یا نہیں؟

جواب - کان میں درد ہو تو جو پانی کان سے بہے وہ نجس ہے اگرچہ کچھ پھوڑا اور پھنسی نہ معلوم ہوتی ہو۔ اگر کان سے بہہ کر اس جگہ تک آجائے جس کا دھونا غسل کرتے وقت فرض ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائیگا اور اگر کان سے زخم یا زرد پانی بغیر کسی درد کے نکلے تو وہ ناقض وضو نہیں ہے۔

سوال. قے میں کیا چیز نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے اور اگر تھوڑی تھوڑی قے کئی مرتبہ ہوئی تو کیا حکم ہے؟

جواب قے میں پت یا خون یا کھانا یا پانی خارج ہو اور منہ بھر کے ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر خالص بلغم نکلے تو نہیں ٹوٹتا۔ اگر ایک متلی سے کئی بار قے ہوئی اور اس کا مجموعہ اس قدر ہے کہ منہ بھر جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ البتہ اگر ایک متلی سے تھوڑی قے ہوئی۔ پھر وہ متلی جاتی رہی اور دوبارہ متلی پیدا ہو کر تھوڑی سی قے ہوئی تو ان دو مرتبہ کی قے سے وضو نہ ٹوٹے گا۔ یاد رہے کہ اگر قے منہ بھر کے نہ ہو تو وہ ناپاک نہیں۔

سوال - قے میں بہتا ہوا خون گرے اور منجمد خون گرے ان دونوں کا کیا حکم ہے؟

جواب - اگر قے کا خون پتلا اور بہنے والا ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ کم ہو یا زیادہ منہ بھر کے ہو یا نہ ہو اور اگر جما ہوا ٹکڑے ٹکڑے گرے اور بھر منہ ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا اور کم ہو تو نہ ٹوٹے گا۔

سوال - کس نیند سے وضو ٹوٹتا ہے اور کس سے نہیں ٹوٹتا؟

جواب۔ لیٹے لیٹے آنکھ لگ گئی یا کسی چیز سے ٹیک لگا کر بیٹھے بیٹھے سو گئے اور ایسی غفلت ہو گئی کہ اگر وہ ٹیک نہ ہوتی تو گر پڑتے تو وضو جاتا رہا اور اگر بیٹھے بیٹھے یا کھڑے کھڑے بدون تکیہ سو جائیں تو وضو نہیں ٹوٹتا اگرچہ حالت نماز میں سوئیں یا بغیر نماز کے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اگر کوئی چار زانو بیٹھے ہوئے سو گیا یا دونوں پاؤں ایک جانب کر کے مقعد کو زمین پر چسپاں کر کے سویا تو وضو نہیں ٹوٹا۔ بیٹھے بیٹھے نیند کا ایسا جھونکا آیا کہ گر پڑا۔ اگر گرتے ہی فوراً آنکھ کھل گئی تو وضو نہیں ٹوٹا اور اگر گرنے کے ذرا دیر بعد آنکھ کھلی تو وضو جاتا رہا اور اگر بیٹھے بیٹھے جھومتا رہا گرا نہیں تب بھی وضو نہیں ٹوٹا۔ اگر بیٹھ کر سو جانے میں دونوں سرین خوب نہ جمے ہوں یا اکڑوں بیٹھ کر سویا یا ایک کہنی پر تکیہ لگا کر یا اس طرح دو زانو بیٹھا کہ پیٹ رانوں پر رکھا ہو اور دونوں سرین جمے نہ ہوں یا اس طرح چار زانو ہے کہ سر رانوں یا پنڈلیوں پر ہے یا اس ہیئت پر سو گیا جس طرح عورتیں سجدہ کرتی ہیں تو ان سب صورتوں میں وضو جاتا رہا۔

سوال۔ رکوع یا سجود کی حالت میں سونا ناقض وضو ہے یا نہیں؟

جواب۔ حالت رکوع میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور سجدے میں مردوں کا اپنی ہیئت مسنون پر سونا ناقض وضو نہیں۔ مردوں کی ہیئت مسنون سے یہ مراد ہے کہ سجدہ میں باہوں کو زمین سے اور پہلو کو رانوں سے اور رانوں کو پنڈلیوں سے جدا رکھے۔ اگر یہ اعضا آپس میں ملے ہونگے تو وضو ٹوٹ جائیگا۔ یہ ہیئات مسنون مردوں کے لیئے ہے اور اگر عورت سجدے میں اپنی زنانہ ہیئات مسنون پر سو جائے گی تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ حضرت مولنا رشید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ حالت سجدہ میں مردوں کے سو جانے پر بھی نقض وضو کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ عہد حاضر میں مردوں کے قویٰ بھی ایسے مضبوط نہیں جیسے پہلے لوگوں کے تھے۔ اس لیئے جب مرد بھی حالت سجدہ میں سو جائے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

سوال۔ آشوب چشم میں آنکھوں سے اشک رواں ہوں تو وہ ناقض وضو ہیں یا نہیں؟

جواب۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ دُرِّ مختار میں ہے کہ وہ پانی جو دکھتی آنکھ سے نکلے ناقض وضو ہے لیکن علامہ ابن الہمام صاحب فتح القدیر کے نزدیک جب تک اس کا پیپ ہونا ظاہر نہ ہو ناقض وضو نہیں اور فتاوی عالمگیری میں ہے کہ رمد کے مریض کی آنکھوں سے اشک رواں ہوں تو اس کو ہر نماز کے لیئے وضو کرنے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ احتمال ہے کہ وہ قیح یا زرد پانی ہو۔ قیح بالفتح ریم کو کہتے ہیں اور وہ خون متعفن ہے جو سفید مائل بزردی گاڑھا ہو جاتا ہے۔

سوال۔ اگر کوئی شخص اپنی شرمگاہ کو یا عورت کو ہاتھ لگائے تو وضو رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟

جواب۔ اپنے اندام نہانی کو بدون پردہ چھونے یا کسی عورت کو بے پردہ ہاتھ لگانے سے امام اعظم رح کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔ لیکن دوسرے آئمہ کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے۔ پس اَولیٰ اور مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ ان سے بچیں۔ یعنی نہ تو وضو کے بعد کپڑا حائل ہوئے بغیر اندام نہانی کو چھوئیں اور نہ بیوی کو ہاتھ لگائیں۔

سوال۔ اگر تمباکو وغیرہ نشہ کی کوئی چیز کھالی اور اتنا نشہ ہو گیا کہ اچھی طرح چلا نہیں جاتا تو وضو رہا یا نہیں؟

جواب۔ اگر اتنا نشہ ہو گیا کہ اچھی طرح چلا نہیں جاتا اور قدم ڈگمگاتے ہیں تو وضو جاتا رہا۔

سوال۔ ہنسنے سے کن صورتوں میں وضو ٹوٹتا ہے؟

جواب۔ اگر کسی کو نماز پڑھتے ہوئے اتنے زور سے ہنسی آگئی کہ پاس والے نمازیوں نے بھی اگر کوئی ہوں تو سن لی تو وضو بھی ٹوٹ گیا اور نماز بھی۔ اور اگر اپنے کو تو آواز سنائی دی لیکن پاس والے نہ سن سکے تو نماز ٹوٹ جائے گی وضو نہ ٹوٹے گا اور اگر ہنسی میں فقط دانت کھلے آواز قطعاً نہیں نکلی تو نہ نماز گئی اور نہ وضو۔

سوال۔ مجامعت جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس کی ادنیٰ حد کیا ہے اور مذی وغیرہ کے خارج ہونے کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ مرد کے پیشاب گاہ سے جب عورت کا اندام نہانی مل جائے اور کچھ کپڑا وغیرہ بیچ میں حائل نہ ہو تو دونوں کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگرچہ کسی کو کوئی قطرہ نکلے یا نہ نکلے عورت کو ہاتھ لگانے سے یا عورت کے خیال میں غلطاں و پیچاں رہنے سے آگے کی راہ سے کوئی قطرہ نکل آئے تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس قطرے کو جو جوش و ہیجان میں نکلتا ہے مذی کہتے ہیں۔ جو لیسدار پانی آگے کی طرف سے آتا ہے وہ نجس ہے اور اس کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ غرض منی، مذی، ودی سب کے خروج سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

سوال۔ وضو کے بعد کسی کو برہنہ دیکھ لیا یا اپنا ستر کھل گیا یا برہنہ غسل یا وضو کیا تو یہ وضو صحیح ہے یا نہیں؟

جواب۔ یہ وضو درست ہے۔ وضو دہرانے کی ضرورت نہیں۔

سوال۔ وضو کے بعد ناخن کٹانے یا زخم کے اوپر کی مردار کھال نوچنے سے دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب۔ ان دونوں صورتوں میں نہ تو وضو دہرانے کی ضرورت ہے اور نہ اتنی جگہ کے پھر تر کرنے کا حکم ہے۔

سوال۔ بھر منہ قے کے بعد کلی کرنے کے لئے پانی کے کسی برتن کو منہ لگا کر پانی لیا تو برتن پاک رہا یا نہیں؟

جواب۔ پانی کا وہ برتن ناپاک ہو گیا۔ اس لئے ایسے موقع پر پانی چلو سے لینا چاہیئے۔ طفلِ شیر خوار جو دودھ ڈالتا ہے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر وہ دودھ بھر منہ ہو تو نجس ہے ورنہ نہیں۔ اگر ماں بھر منہ دودھ کے دھوئے بغیر نماز پڑھے گی

تو نماز نہ ہوگی۔

سوال۔ وضو کرنے کا یقین ہو لیکن وضو کا ٹوٹنا یاد نہ ہو تو وضو بحال سمجھا جائے گا یا نہیں؟

جواب۔ وضو بحال سمجھا جائے گا۔ اس سے نماز پڑھی جا سکتی ہے تاہم دوبارہ وضو کر لینا بہتر ہے۔

سوال۔ اگر غیر مختون مرد کے عضو تناسل سے پیشاب، ودی، مذی، منی، کیڑا، پتھری کوئی چیز نکلی مگر ابھی ختنہ کی کھال سے خارج نہیں ہوئی تو اس سے وضو ٹوٹ گیا یا نہیں؟

جواب۔ ٹوٹ گیا۔

فصل ۱۸۔ قرآن کو بے وضو چھونے کی ممانعت

سوال۔ کیا قرآن پاک کو بلا وضو ہاتھ لگانے کی ممانعت ہے؟

جواب۔ ہاں بالغ مردوں اور عورتوں کو بے وضو قرآن مجید کا چھونا درست نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ کو نجران کا عامل مقرر کر کے بھیجا تھا۔ عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے مروی ہے کہ اس خط میں جو آپ نے عمرو بن حزم کے نام بھیجا تھا یہ بھی درج تھا کہ پاک یعنی باوضو آدمی کے سوا قرآن کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ رواہ مالک والدار قطنی۔ ہاں بے وضو کو زبانی پڑھنا درست ہے اور اگر کلام مجید کھلا ہوا رکھا ہو تو اس کو ہاتھ لگائے بغیر دیکھ دیکھ کر پڑھنا بھی جائز ہے۔

سوال۔ اگر قرآن جزدان میں ہو یا اس پہ چولی چڑھی ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب۔ اگر قرآن جزدان میں ہو تو بے وضو اس کو چھو سکتے ہیں اور اگر نری چولی چڑھی ہو تو جائز نہیں۔ قرآن کو رومال وغیرہ کسی ایسے کپڑے سے پکڑنا جو نہ اپنا تابع ہو نہ قرآن کا جائز ہے۔ جو کرتا کسی نے پہن رکھا ہے اس کی آستین سے قرآن کو چھونا جائز نہیں۔ چادر کا ایک کونہ مونڈھے پر ہو تو دوسرے کونے سے چھونا حرام ہے کیونکہ کرتہ اور چادر آدمی کے اسی طرح تابع ہیں جس طرح چولی قرآن کی تابع ہے۔ ہاں چادر کو بدن سے الگ کر لیں تو پھر چادر سے قرآن کو چھونا جائز ہے

سوال۔ بے وضو شخص حدیث تفسیر اور فقہ کی کتابوں کو اور درہم کو جس پہ کوئی سورت لکھی ہو چھو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ کتب تفسیر حدیث و فقہ کو بے وضو چھونا مکروہ ہے۔ البتہ ان کو آستین سے چھو سکتے ہیں۔

اور اُس درہم کا چھونا بھی جائز نہیں جس پر قرآن کی کوئی سورۃ لکھی ہو۔ ہاں یہ دراہم کسی تھیلی میں ہوں تو اُس تھیلی کو اُٹھا سکتے اور چھو سکتے ہیں۔

سوال۔ جُنبی کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب۔ جُنبی یعنی اُس شخص کو جسے غسل کی حاجت ہے قرآن پڑھنا جائز نہیں اگرچہ آیت سے بھی کم ہو۔ البتہ آیات دعائیہ کو دعا اور ثنا کے طور پر پڑھنا صحیح تر قول میں جائز ہے۔ جنبی کو مسجد میں جانا بھی جائز نہیں البتہ جنبی کو بسم اللہ اور تسبیح پڑھنا اور دُعا کرنا جائز ہے۔ حیض اور نفاس والی عورتیں ان جملہ امور میں مثل جنبی کے ہیں۔ اگر کاغذ یا کسی اور چیز مثلاً کپڑے جھلّی وغیرہ پر قرآن مجید کی ایک آیت ہی لکھی ہو تو اس پورے کاغذ اور کپڑے وغیرہ کا چھونا مکروہ تحریمی ہے خواہ اس حصہ کو چھوئیں جس پر آیت درج ہے یا اُس حصے کو جو سادہ ہے۔ اس تختہ اور ورق کا اٹھانا بھی ممنوع ہے جس میں آیت قرآنی لکھی ہو اور اگر آیت سے کم ہو تو اس کا چھونا مکروہ نہیں۔ کذا فی الطحطاوی۔

سوال۔ نابالغ لڑکے لڑکی کو بلا وضو قرآن چھونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ جائز ہے۔

سوال۔ توراۃ، زبور، انجیل کو بے وضو ہاتھ لگانا کیسا ہے؟

جواب۔ قرآن مجید کے سوا دوسری آسمانی کتابوں کے صرف اُس مقام کو چھونا مکروہ ہے جہاں کچھ لکھا ہے۔ سادے مقامات کا چھونا مکروہ نہیں۔ یہی حکم قرآن مجید کی منسوخ التلاوۃ آیتوں کا ہے۔

سوال۔ پتھر اور دیواروں پر قرآن پاک کا لکھنا کیسا ہے؟

جواب۔ کاغذ وغیرہ کے سوا کسی اور چیز مثل پتھر وغیرہ کے قرآن مجید کا لکھنا مکروہ ہے۔

فصل ۱۹ معذور کا وضو اور نماز

سوال۔ معذور کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ ہر وہ شخص جس کو کوئی ایسی بیماری ہے کہ اس پر پورا وقت ایسا گذر گیا کہ وضو کے ساتھ نماز فرض ادا نہ کر سکا وہ معذور ہے۔

سوال - معذور کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب - اس کے لئے یہ حکم ہے کہ وقت میں وضو کرے اور اخیر وقت تک جتنی نمازیں چاہے اس وضو سے پڑھے اس بیماری کی وجہ سے اس کا وضو نہ ٹوٹے گا جیسے قطرے کا مرض یا دست آنا یا ہوا خارج ہوتے رہنا یا پھوڑے یا ناسور سے ہر وقت رطوبت بہنا یا کان ناف یا پستان سے پانی نکلتے رہنا۔ یہ سب بیماریاں ناقض وضو ہیں لیکن ان میں سے کسی کی حالت میں جب پورا ایک وقت ایسا گزر گیا کہ صاحب مرض طہارت کے ساتھ کسی طرح نماز نہیں پڑھ سکتا تو وہ معذور ہے۔

سوال - معذور کا وضو کب ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب - فرض نماز کا وقت گزر جانے کے بعد معذور کا وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسے کسی نے عصر کے وقت وضو کیا تو غروب آفتاب کے ساتھ ہی اس کا وضو جاتا رہا۔ نماز مغرب کے لئے اسے تازہ وضو کرنا پڑیگا

سوال - معذور نے طلوع آفتاب کے بعد وضو کیا تو یہ وضو کب تک صحیح سمجھا جائے گا؟

جواب - جب تک ظہر کا وقت ختم نہ ہو یہ وضو نہ جائے گا کیونکہ ہنوز کسی فرض نماز کا وقت نہیں گیا۔

سوال - معذور کے لئے کپڑا دھونے کا کیا حکم ہے؟

جواب - کپڑا دھونے کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دھونے کی صورت میں خدشہ ہے کہ نماز ہی کے اندر پھر ناپاک ہو جائے گا تو اس کا نہ دھونا جائز ہے اور اگر سمجھتا ہے کہ فراغت نماز تک درہم سے زیادہ ناپاک نہ ہوگا۔ تو دھو لے

فصل ۲۰- غسل کا بیان

سوال - بڑی نجاست حکمیہ کون سی ہے؟

جواب - اوپر لکھا گیا تھا کہ نجاست کی دو قسمیں ہیں۔ حقیقی اور حکمی۔ وہ ناپاکی جو حکم شریعت سے ثابت ہو مگر دکھائی نہ دے اس کو نجاست حکمیہ کہتے ہیں۔ نجاست حکمی کی دو قسمیں ہیں بے وضو ہونا اور غسل کی حاجت ہونا۔ وضو کا بیان گزر چکا۔ اب غسل کا بیان ملاحظہ ہو۔

سوال - غسل کی کتنی اور کون کون سی قسمیں ہیں؟

جواب ۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ فرض ۔ سنت ۔ مستحب ۔

سوال ۔ کن کن صورتوں میں غسل کرنا فرض ہے ؟

جواب ۔ مجامعت سے مرد اور عورت دونوں پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔ اس فرضیت غسل کے لئے حشفہ یعنی مرد کی سپاری کا عورت کے اندام نہانی میں غائب ہو جانا شرط ہے۔ شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے۔ انزال ہو یا نہ ہو۔ بشرطیکہ دونوں مکلّف اور بالغ ہوں۔ اگر ایک بالغ ہو تو اس پر غسل فرض ہے اور نابالغ پر اگرچہ غسل فرض نہیں۔ مگر وہ بھی غسل کا مامور ہے۔ مرد بالغ ہے اور لڑکی نابالغ تو مرد پر غسل فرض ہے اور نابالغہ کو بھی نہانے کا حکم ہے لڑکا نابالغ ہو اور عورت بالغہ تو عورت پر غسل فرض ہے لیکن لڑکے کو بھی نہانے کا حکم دیا جائے گا۔ منی کا اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہو کر عضو سے نکلنا۔ فرضیت غسل کا دوسرا سبب ہے۔ اگر شہوت کے ساتھ اپنی جگہ سے جدا نہ ہوئی مثلاً زیادہ بوجھ اٹھانے یا زیادہ بلندی سے گرنے کے باعث یا کسی کی مار پیٹ کے صدمہ سے منی خارج ہو گئی تو غسل واجب نہیں اگرچہ اس سے وضو جاتا رہے گا۔ اگر منی اپنے ظرف سے شہوت کے ساتھ جدا ہوئی مگر اس شخص نے اپنے عضو تناسل کو زور سے پکڑ لیا جس کی وجہ سے باہر نہ نکل سکی پھر جب شہوت جاتی رہی تو چھوڑ دیا۔ اب منی باہر نکلی تو اگرچہ اس کا خروج شہوت سے نہ ہوا لیکن چونکہ اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہوئی تھی لہٰذا غسل فرض ہے۔

کسی نے نیند سے بیدار ہونے کے بعد بدن یا کپڑے پر منی پائی تو غسل فرض ہے احتلام یاد ہو یا نہ ہو اور اگر احتلام یاد ہو لیکن بدن یا کپڑے پر اس کا کچھ اثر نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔ اگر عورت کو ہاتھ لگانے یا بوسہ لینے یا عورت کے تصوّر سے شہوت ہوئی اور چیپ سا نکلا اس چیپ کو مذی کہتے ہیں۔ مذی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا البتہ وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر عورت کے ساتھ بوس و کنار کرنے سے منی شہوت کے ساتھ کود کر نکلی اور لذت ہوئی تو غسل فرض ہوا۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد کسی نے نائنے پر مذی کی تراوت پائی تو اسے چاہیئے کہ احتیاطاً غسل کرے۔ اگر کسی شخص کا ختنہ نہ ہوا ہو اور اس کی منی سوراخ سے باہر نکل کر اس کھال کے اندر رہ جائے جو ختنے میں کاٹ دی جاتی ہے تو اس پر غسل فرض ہو جائے گا اگرچہ منی اس کھال سے باہر نہ نکلی ہو۔ سارا بدن نجاست آلودہ ہوا یا بدن کے کسی حصہ پر نجاست لگی مگر نجاست کا مقام مخفی ہے یعنی یہ یاد نہیں کہ نجاست کہاں لگی تھی تو اب سارے بدن کا غسل واجب ہے۔

اگر کافر مشرف بایمان ہوا اور حالت کفر میں اس کو حدث اکبر ہو۔ یعنی اس پر نہانا فرض ہوا ہو اور وہ نہایا نہ ہو یا نہایا ہو مگر وہ غسل شرعاً صحیح نہ ہوا۔ تو اس پر اسلام لانے کے بعد نہانا فرض ہے۔ اگر کوئی لڑکا پندرہ برس کی عمر سے پہلے بالغ ہو جائے اور اسے پہلا احتلام ہو تو اس پر احتیاطاً غسل واجب ہے۔ اور اس کے بعد جو احتلام ہو یا پندرہ برس کی

عمر کے بعد محتلم ہو تو اس پر غسل فرض ہے۔ مسلمان مرد کی لاش کو نہلانا مسلمانوں پر واجب علی الکفایہ ہے۔ جو خون ہر مہینے عورتوں کو آتا ہے اس کو حیض کہتے ہیں۔ جب یہ خون بند ہو جائے تو عورت پر غسل کرنا واجب ہے اور جو خون بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہے اُس کو نفاس کہتے ہیں۔ اس کے بند ہونے پر بھی غسل کرنا واجب ہے۔

سوال۔ غسل فرض نہ ہونے کے چند مواقع پہلے معلوم ہوئے ان کے علاوہ وہ کون سی صورتیں ہیں جن میں غسل فرض نہیں؟

جواب۔ مذی اور ودی کے نکلنے سے غسل فرض نہیں ہوتا کما مذی وہ رطوبت ہے جو ہیجان شہوت کے وقت عضو تناسل کے منہ پر نکل آتی ہے۔ راہ اس کی منی کی راہ سے اونچی ہے۔ ودی وہ لیسدار رطوبت ہے کہ کبھی پیشاب کے ہمراہ نکلتی ہے اور کبھی پیشاب کے آخر میں نکل آتی ہے اُسکا اور مذی کا ایک ہی سوراخ اور راہ ہے۔ اگر کسی شخص کو منی جاری رہنے کا مرض ہو تو خروج منی سے اُس پر غسل فرض نہ ہوگا۔ اگر کسی کو سونے سے پہلے شہوت کا غلبہ اور عضو قائم تھا۔ بیداری کے بعد اس کا اثر پایا اور بنابر ظن غالب وہ مذی ہے اور احتلام یاد نہیں تو غسل واجب نہیں جب تک اس کے منی ہونے کا گمان غالب نہ ہو۔ استحاضہ سے غسل فرض نہیں ہوتا۔ استحاضہ ایک بیماری ہے جس میں عورتوں کو حیض اور نفاس کے ایام کے بغیر رحم سے خون جاری ہوتا ہے۔

سوال۔ کن صورتوں میں غسل مسنون ہے۔

جواب۔ جمعہ کے دن نماز فجر کے بعد سے نماز جمعہ سے پہلے تک اُن لوگوں کو غسل کرنا سنت ہے جن پر نماز جمعہ فرض ہو۔ (۲) عید الفطر اور عید اضحیٰ کے دن فجر کے بعد ان لوگوں کو غسل کرنا سنت ہے جن پر عید کی نماز واجب ہے۔ (۳) حج کا احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا (۴) حج کرنے والے کے لیئے عرفات میں وقوف کرنے کی خاطر غسل کرنا۔

سوال۔ غسل مستحب کون کون سے ہیں؟

جواب۔ (۱) کافر کا مشرف باسلام ہونے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔ بشرطیکہ جنبی نہ ہو۔ اور اگر جنبی ہو تو غسل فرض ہے (۲) میت کو غسل دینے کے بعد غسل دینے والے کا غسل کر لینا (۳) شعبان کی پندرھویں رات (شب برات) میں غسل کرنا (۴) مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لیئے (۵) شب عرفہ میں یعنی ذوالحجہ کی نویں رات کو غسل کرنا (۶) مزدلفہ میں ٹھیرنے کے لئے دسویں ذوالحجہ کی صبح کو بعد طلوع فجر غسل کرنا (۷) طواف زیارت کے لیئے (۸) کنکری پھینکنے کے وقت (۹) سورج گرہن، چاند گرہن اور طلب باران کی نمازوں کے لیئے (۱۰) خوف دشمن کے وقت (۱۱) کسی گناہ سے توبہ کرنے کے لیئے (۱۲) سفر سے واپس آنے والے کے لیئے وطن پہنچنے کے بعد غسل مستعب ہے (۱۳) نئے کپڑے پہننے سے پہلے (۱۴) مقتول کے لیئے مستحب ہے کہ اپنے قتل کئے جانے سے پہلے

غسل کرلے (۴) لڑکا یا لڑکی پندرہ برس کی عمر کو پہنچے اور اُس وقت تک جوانی کی کوئی علامت اُس میں ظاہر نہ ہو تو اس کو غسل کرنا مستحب ہے۔ (۵) پچھنے لگوانے اور جنون اور مستی و بےہوشی رفع ہونے کے بعد (۶) دن کے وقت تاریکی یا سخت آندھی وغیرہ کے وقت نئے کپڑے پہننے سے پہلے (۷) عورت مستحاضہ کے لیئے خون بند ہو جانے پر۔

سوال۔ بے غسل یعنی جنبی کے بعض احکام پہلے گزر چکے ہیں دوسرے احکام کیا کیا ہیں؟

جواب۔ اسے مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔ البتہ سخت مجبوری کے وقت جائز ہے۔ مثلاً اس کے گھر کا دروازہ مسجد میں ہو اور مسجد کے سوا نکلنے کا کوئی اور راستہ نہ ہو تو اس کے لیئے جائز ہے کہ تیمم کرکے مسجد میں سے چلا جائے بے غسل شخص کو دینی مدرسہ، عیدگاہ یا خانقاہ میں جانا جائز ہے حیض اور نفاس کی حالت میں بیوی سے مجامعت کرنا قطعاً حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ البتہ اس کا بوسہ لینا اور اس کا جوٹھا پانی پینا اور اس کے ساتھ کھانا پینا اور اس کے ساتھ لپٹ کر سونا جائز ہے۔ یہودی حائضہ عورت سے سخت پرہیز کرتے اور اس سے دُور دُور رہتے تھے۔ اسلام نے اس کو پسند نہیں کیا۔ ہمارے لیئے حائضہ سے علیحدہ ہو کر سونا مکروہ ہے۔

سوال۔ غسل کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

جواب۔ اوّل دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئیں۔ پھر استنجے کی جگہ کو دھوئیں۔ دونوں ہاتھوں اور استنجے کی جگہ پر نجاست ہو یا نہ ہو دونوں حالتوں میں ان دونوں کو پہلے دھونا چاہیئے۔ پھر جہاں جہاں نجاست لگی ہو اس کو دھو ڈالیں پھر وضو کریں۔ اگر کسی چوکی یا پتھر وغیرہ اونچی جگہ پر غسل کرتے ہوں تو نہاتے وقت پیر بھی دھوئیں اور اگر ایسی جگہ ہو جہاں غسل کے بعد دوبارہ پیر دھونے پڑیں گے تو وضو میں پیر نہ دھوئیں۔ پھر وضو کے بعد سر پر پانی ڈالیں اور تھوڑے پانی سے بدن کو بھگو کر صابون لگانا ہو تو صابون استعمال کریں۔ ورنہ یوں ہی مَل کر میل اُتاریں۔ پھر تین مرتبہ داہنے کندھے پر اور تین مرتبہ بائیں کندھے پر پانی بہائیں۔ پھر تمام بدن پر تین بار پانی ڈالیں۔ پھر جائے غسل سے الگ ہو جائیں اور وضو کرنے میں پاؤں نہیں دھوئے تھے تو اب دھو لیں۔

سوال۔ غسل میں فرض کتنے اور کیا کیا ہیں؟

جواب۔ غسل میں یہ تین فرض ہیں (۱) کلی کرنا اس طرح کہ سارے منہ میں پانی پہنچ جائے (۲) ناک میں پانی ڈالنا کہ جہاں تک ناک نرم ہے بخوبی پانی پہنچ جائے اور (۳) سارے بدن پر پانی پہنچانا۔

سوال۔ غسل میں سُنتیں کیا کیا ہیں؟

جواب ۔ غسل میں پانچ سنتیں ہیں۔ (۱) دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا۔ (۲) استنجا کرنا اور جس جگہ بدن پر نجاست لگی ہو اُسے دھونا (۳) ناپاکی دور کرنے کی نیت کرنا (۴) غسل سے پہلے وضو کر لینا۔ (۵) تمام بدن پر تین بار پانی بہانا۔

سوال ۔ غسل کے متعلق دوسرے احکام کیا ہیں؟

جواب ۔ اگر غسل کی حاجت ہو اور دریا میں غوطہ لگالیں یا بارش میں کھڑے ہو جائیں اور تمام بدن پر پانی بہہ جائے تو غسل ادا ہو جائے گا بشرطیکہ کلی کر لیں اور ناک میں پانی ڈال لیں۔ غسل خانہ میں یا کسی ایسے مقام پر جہاں دوسرے آدمی کی نگاہ ستر پر نہ پڑے ننگے بدن نہانا جائز ہے۔ لیکن افضل یہی ہے کہ غسل خانہ میں اور ستر کی حالت میں بھی کپڑا باندھ کر غسل کریں۔ اگر غسل کے وقت بدن ننگا ہو تو کعبہ شریف کی طرف منہ کرنا ناجائز ہے اور ستر چھپا ہوا ہو تو مضائقہ نہیں۔ غسل کے وقت باتیں کرنا مذموم ہے۔ غسل کے بعد کسی کپڑے سے اپنا بدن پونچھ ڈالیں اور بدن ڈھانکنے میں عجلت سے کام لیں یہاں تک کہ اگر وضو کرتے وقت پیر نہ دھوئے ہوں تو غسل کی جگہ سے ہٹ کر پہلے اپنا بدن ڈھانکیں پھر دونوں پیر دھوئیں۔ بعض لوگ نہاتے وقت کلمہ پڑھتے ہیں یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔ اگر غسل کے بعد معلوم ہو کہ فلانی جگہ سوکھی رہ گئی ہے تو پھر سے نہانے کی ضرورت نہیں تھوڑا پانی لیکر اس جگہ پر بہا دینا چاہیئے۔ لیکن سوکھی جگہ پر صرف گیلا ہاتھ پھیر لینا کافی نہیں اور اس بات کو ذہن نشین رکھیں کہ اگر بدن میں بال بھر بھی کوئی جگہ خشک رہ جائے گی تو غسل نہ ہوگا۔

اگر غسل کے بعد یاد آئے کہ غسل میں کلی نہیں کی تھی یا ناک میں پانی نہیں ڈالا تھا تو اب کلی کر لیں اور ناک میں پانی ڈال لیں۔ اعادہ غسل کی ضرورت نہیں۔ اگر مرد غیر مختون ہو تو غسل میں کھال کے اندر پانی پہنچانا فرض ہے۔ عورت کو پیشاب کی جگہ لگنے کی کھال کے اندر پانی پہنچانا فرض ہے اگر پانی نہ پہنچایا تو غسل نہ ہوگا عورت سر کے بال گندھے ہوئے نہ ہوں تو سارے بال بھگونا اور ساری جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے۔ اگر ایک بال کی جڑ میں بھی پانی نہیں پہنچے گا۔ تو غسل نہیں ہوگا اور اگر بال گندھے ہوئے ہوں تو بالوں کا بھگونا معاف ہے۔ البتہ سب جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے۔ اگر کھولے بغیر سب جڑوں میں پانی نہ پہنچ سکے تو بالوں کو کھول کر جڑوں کا بھگونا ضروری ہے۔ کان اور ناف میں بھی پوری احتیاط کے ساتھ پانی پہنچانا چاہیئے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ اگر پان کھانے میں ڈلی کا کوئی ٹکڑا دانتوں میں پھنس گیا تو اس کو خلال سے نکال ڈالنا چاہیئے۔ اگر اس کی وجہ سے دانتوں کے بیچ میں پانی نہیں پہنچے گا تو وضو نہیں ہوگا۔ اگر ہاتھ کی انگوٹھی ایسی ڈھیلی ہو کہ ہلائے بغیر نیچے پانی پہنچ جائے تو ہلانا ضروری نہیں، گو مستحب یہی ہے کہ ہلا لیں۔

سوال ۔ غسل میں مکروہ کتنے ہیں؟

جواب ۔ یہ چار ہیں۔ (۱) ستر کھلا ہونے کی حالت میں کلام کرنا (۲) پانی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا (۳) برہنہ

غسل کرتے وقت قبلے کی طرف منہ کرنا۔ (۴) سنت کے خلاف غسل کرنا۔

سوال۔ اگر غسل سے پہلے وضو کیا تو غسل کے بعد نماز کے لیے تجدید وضو کیا جائے یا نہیں؟

جواب۔ غسل کے اندر وضو بھی ہو گیا۔ پھر وضو کرنا بیکار اور طریق مسنون کے خلاف ہے۔

سوال۔ غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہے؟

جواب۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مُد سے وضو کرتے اور ایک صاع سے غسل فرماتے تھے بعض دوسری روایات میں کم و بیش بھی مذکور ہے۔ صاع چار مُد کا اور مُد دو رطل کا اور رطل بیس استار کا اور استار ساڑھے چار مثقال کا اور مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے ایک صاع (پاکستان کے اسی تولہ کے سیر سے) تین سیر چھ چھٹانک کا اور ایک مُد ساڑھے تیرہ چھٹانک کا ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو اور غسل میں حتی الامکان کم سے کم پانی خرچ کرنے اور زائد از ضرورت پانی خرچ کرنے سے منع فرماتے۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ میں اور میرے والد (حضرت علی بن حسین معروف بامام زین العابدین ؒ) حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور چند اور آدمی بھی وہاں موجود تھے۔ ہم نے حضرت جابر ؓ سے غسل کی نسبت دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ غسل کے لیے پانی کا ایک صاع کافی ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ مجھے تو اتنا پانی کفایت نہیں کرتا۔ حضرت جابر ؓ نے فرمایا کہ اتنا پانی اس بزرگ ہستی کو تو کافی ہوتا تھا جس کے تم سے زیادہ بال تھے یا شاید یہ کہا کہ جو تم سے بہتر تھے اور اس سے انہوں نے حضرت سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد لی تھی۔ رواہ بخاری و مسلم۔ امام محمد باقر راوی ؒ کا بیان ہے کہ جس شخص نے کہا تھا کہ مجھے اتنا پانی کفایت نہیں کرتا وہ حسن بن محمد بن حنفیہ تھے۔

فصل ۱۲۔ تیمم کا بیان

سوال۔ تیمم کسے کہتے ہیں اس کے جواز کی کیا صورت ہے؟

جواب۔ تیمم لغت میں قصد کے معنی میں ہے۔ اور شرع میں بدن کو نجاست حکمیہ سے پاک کرنے کے لیے پاک مٹی کا یا اس چیز کا جو قائم مقام خاک کی ہو قصد کرنا مراد ہے۔

جب پانی نہ مل سکے یا پانی کے استعمال سے بیمار ہو جانے یا مرض کے بڑھ جانے کا خدشہ ہو تو تیمم کرنا جائز ہے۔

سوال۔ پہلی امتوں کو بھی تیمم کرنا درست تھا یا یہی امت اس کے ساتھ مخصوص ہوئی؟

جواب۔ امت محمدی جن خصوصیتوں سے نوازی گئی اُن میں تیمم بھی داخل ہے چنانچہ حسب روایت حذیفہ رضی اللہ عنہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کو پہلی امتوں پر تین چیزوں کی فضیلت حاصل ہے (پہلی امتوں میں جماعت کی قید نہ تھی جس طرح چاہتے نماز پڑھ لیتے لیکن) صفوف ملائکہ کی طرح ہماری بھی صفیں بنائی گئیں (۲) ہمارے لئے تمام زمین سجدہ گاہ قرار دی گئی (۳) جب ہمیں پانی نہ ملے تو ہمارے لئے زمین کی مٹی ہی پاک کرنے والی بنا دی گئی۔ رواہ مسلم۔

سوال۔ کیا خاص مٹی ہی سے تیمم کر سکتے ہیں یا کسی اور چیز سے بھی؟

جواب۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مٹی کے سوا کسی چیز سے تیمم نہیں ہو سکتا لیکن امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ایسی ہر چیز سے بھی تیمم ہو سکتا ہے جو زمین کی جنس سے ہو اور زمین کی جنس سے وہ چیز مراد ہے جو نرم نہ ہو اور جلانے سے راکھ نہ ہو۔ جیسے ریت پتھر چونا وغیرہ۔

سوال۔ پانی نہ ملنے کی کیا کیا صورتیں ہیں؟

جواب۔ جب پانی ایک میل شرعی دور ہو یا پانی پر دشمن کا قبضہ ہو یا گھر سے باہر کنواں موجود ہے مگر خوف ہے کہ باہر نکلے تو دشمن یا چور ہلاک کر دے گا یا کنوئیں کے پاس کوئی درندہ یا سانپ منڈلا رہا ہے یا تھوڑا پانی اپنے پاس موجود ہے مگر ڈر ہے کہ اگر اسے وضو میں خرچ کر دیا تو پیاس سے تکلیف ہوگی یا کنواں موجود ہے مگر ڈول رسی نہیں یا پانی موجود ہے مگر کسی عارضہ کی وجہ سے اسے لے نہیں سکتے تو یہ سب صورتیں پانی نہ ہونے کے حکم میں داخل ہیں۔

سوال۔ میل شرعی کس کو کہتے ہیں؟

جواب۔ میل شرعی انگریزی میل سے بڑا ہے۔ انگریزی میل سترہ سو ساٹھ گز کا ہے لیکن شرعی میل اس سے دو سو بیس گز بڑا یعنی ایک ہزار نو سو اسّی ۱۹۸۰ گز کا ہوتا ہے۔

سوال۔ بیمار ہو جانے کا خوف کب معتبر ہے اور پانی کے ایک میل شرعی دور ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ جب اپنے سابقہ تجربوں کی بنا پر گمان غالب ہو یا کسی طبیب حاذق کے بتانے سے معلوم ہو کہ پانی کا استعمال بیماری کا موجب ہوگا یا موجودہ مرض بڑھ جائے گا۔ تو تیمم درست ہے جب آدمی کسی ایسے مقام پر ہو جہاں پانی موجود نہیں لیکن اسے کسی کے بتانے سے یا اپنی اٹکل سے گمان غالب ہو جائے کہ پانی ایک میل کے اندر مل سکے گا تو پانی لا کر وضو کرنا ضروری ہے لیکن جب بتانے والا بھی نہ ہو اور کسی طریقہ سے بھی پانی کا کھوج نہ ملے یا کھوج ملے لیکن وہ ایک میل یا اس سے زیادہ دور ہو تو پھر تیمم کر لینا جائز ہے۔

سوال۔ اگر کہیں سے اتنا تھوڑا پانی مل گیا جس سے وضو نہیں ہو سکتا تو تیمم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب۔ اگر یہ پانی اتنا ہو ایک دفعہ چہرہ ایک ایک دفعہ دونوں ہاتھ کہنیوں تک اور ایک ایک دفعہ دونوں پاؤں دُھل سکتے ہیں اور سر کا مسح ہو سکتا ہے تو تیمم درست نہیں کلی وغیرہ وضو کی سُنتیں چھوڑ کر فرائض وضو پر اکتفا کریں۔

سوال۔ کتنے دن تک تیمم کرنے کی اجازت ہے؟

جواب۔ اس کی کوئی مدت مقرر نہیں جب تک تیمم کرنے کا عذر موجود ہے برابر تیمم کرتے رہیں۔ کسی وہم اور وسوسہ کو دل میں جگہ نہ دیں۔ جتنی پاکیزگی وضو اور غسل کرنے سے ہوتی ہے اتنی ہی تیمم سے بھی ہوتی ہے۔

سوال۔ اگر پانی قیمتاً بکتا ہو لیکن خریدنے کے لیئے دام موجود نہ ہوں تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب۔ اگر دام نہ ہو تو تیمم درست ہے۔ اگر رقم ضروریات سفر سے زائد ہو تو پانی خریدنا واجب ہے البتہ اگر پانی اتنا گراں قیمت بک رہا ہو کہ اتنے دام کوئی لگا نہیں سکتا تو تیمم درست ہے اور کرایہ وغیرہ راستے کے خرچ سے زیادہ رقم موجود نہیں تو بھی تیمم درست ہے۔

سوال۔ بعض لوگ ریل گاڑی کے سفر میں ہندوؤں سکھوں کا پانی نہیں لیتے اور ریل کے ڈبے کے پاخانہ اور غسل خانہ کے پانی سے بھی کراہت کرتے ہیں اس لیئے تیمم کر کے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ ایسا کرنا جائز نہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں کا پانی پاک ہے اور پاخانے اور غسل خانے کا پانی بھی پاک ہے اگرچہ اس سے طبعی کراہت ہو۔ اس پانی کی موجودگی میں تیمم جائز نہیں۔

سوال۔ تیمم کے دوسرے ضروری مسائل کیا ہیں؟

جواب۔ اگر کہیں اتنی سردی پڑتی ہو کہ نہانے سے ہلاکت یا بیمار ہو جانے کا خوف ہو اور لحاف وغیرہ کوئی گرم کپڑے ایسے موجود نہیں کہ غسل کر کے اس میں گرم ہو سکیں تو تیمم کر لینا درست ہے۔ اگر کسی کے نصف سے زیادہ بدن پر زخم ہوں یا چیچک نکلی ہو تو اسے تیمم کی اجازت ہے۔ کسی کے پاس پانی تو ہے لیکن راستہ ایسا ہے کہ کہیں پانی نہیں مل سکتا اس وجہ سے راہ میں پیاس کے مارے سخت تکلیف، یا ہلاکت کا خوف ہے تو تیمم کر لینا جائز ہے۔ اگر سفر میں یقین ہو کہ کوئی ساتھی وضو کے لیئے پانی نہ دے گا تو بے مانگے بھی تیمم کر کے نماز پڑھ لینا درست ہے لیکن اگر ادائے نماز کے بعد کسی ساتھی سے پانی مل گیا تو تیمم سے پڑھی ہوئی نماز دہرائی جائے گی۔ اگر میدان میں تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور پانی وہاں سے قریب ہی تھا تو بے خبری میں نماز اور تیمم درست ہے۔ بعد میں معلوم ہونے پر دہرانا ضروری نہیں۔ اگر سفر میں پانی بالکل ناپید ہے۔ البتہ زمزم کا پانی زمزمیوں میں بھرا ہوا ہے تو زمزمیوں کو کھول کر آب زمزم سے نہانا اور وضو کرنا واجب ہے اگر غسل میں مضرت ہو اور وضو نقصان نہ کرے تو غسل کی جگہ تیمم اور وضو کی جگہ وضو کرنا چاہیئے۔

سوال - تیمم میں کون کون سے فرض ہیں؟

جواب - تین فرض ہیں - (۱) نیت کرنا (۲) دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر منہ پر پھیرنا (۳) دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ملنا۔ یاد رہے کہ وضو اور غسل دونوں کے لیے تیمم جائز ہے۔ صرف وضو کے لیے نہیں۔

سوال - تیمم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب - آدمی کو چاہیئے کہ پہلے نیت کرے کہ میں ناپاکی دور کرنے اور نماز پڑھنے کے لیے تیمم کرتا ہوں پھر دونوں ہاتھ پاک زمین پر یا مٹی کے بڑے ڈھیلے پر مار کر جھاڑ دے۔ زیادہ مٹی لگ جائے تو منہ سے پھونک دے اور دونوں ہاتھوں کو چہرے پر اس طرح پھیرے کہ کوئی جگہ باقی نہ رہ جائے۔ ایک بال بھر جگہ بھی چھوٹ جائے گی تو تیمم صحیح نہ ہوگا۔ پھر دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ مٹی پر مارے اور انہیں جھاڑ کر پہلے بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے سروں کے نیچے رکھ کر کھینچتا ہوا کہنی تک لے جائے۔ اس طرح لے جانے میں بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ کے نیچے کی جانب پھر جائے گا۔ پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی داہنے ہاتھ کے اوپر کی طرف کہنی سے انگلیوں تک کھینچتا ہوا لائے اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی اندرونی جانب کو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کی پیٹھ پر پھیرے۔ پھر اسی طرح داہنے ہاتھ کو بائیں پر پھیرے پھر انگلیوں کا خلال کرے۔ تیمم میں بھی داڑھی کا خلال مسنون ہے۔

مٹی پر ہاتھ مار کر ان کو جھاڑنا اس لیے ضروری ہے کہ مبادا ہاتھوں اور چہرے پر بھبوت لگ جائے اور چہرہ بدنما ہو۔ عورتوں کو چاہیئے کہ چوڑیوں اور کنگن وغیرہ کے درمیان اور نیچے بھی ہاتھ پھیریں۔ اگر ناخن برابر بھی کوئی جگہ ہاتھ پھیرنے سے رہ جائے گی تو تیمم نہ ہوگا۔ انگوٹھی چھلے اتار لینے چاہئیں تاکہ کوئی جگہ چھوٹ نہ جائے۔

سوال - پاک مٹی کے علاوہ کن کن چیزوں پر تیمم کرنا جائز ہے اور کن چیزوں پر جائز نہیں؟

جواب - ریت، پتھر، گچ، چونا، مٹی کے کچے یا پکے برتن جو روغنی نہ ہوں اور مٹی کی کچی یا پکی اینٹیں اور مٹی یا اینٹوں یا پتھر یا چونے کی دیوار اور گیرو اور ملتانی مٹی ہڑتال سرمہ پر تیمم کرنا جائز ہے اور ان چیزوں پر تیمم کرنا جائز نہیں چاندی سونا تانبا پیتل المونیم لکڑی لوہا شیشہ رانگ جست گیہوں جو اور تمام غلے کپڑا۔ راکھ۔ دوسرے لفظوں میں جو چیزیں آگ میں پگھل جاتی ہیں۔ یا جل کر راکھ ہو جاتی ہیں ان پر تیمم ناجائز ہے۔ جن چیزوں پر تیمم جائز بتایا گیا ہے ان کا غبار آلود ہونا شرط نہیں ہے پتھر یا اینٹ یا مٹی کے برتن دھلے ہوئے ہوں جب بھی ان پر تیمم جائز ہے۔ جن چیزوں پر تیمم ناجائز ہے اگر ان پر اتنا غبار ہو کہ ہاتھ مارنے سے اڑنے لگے یا اس چیز پر ہاتھ رکھ کر کھینچنے سے نشان پڑ جائے تو ان پر بھی تیمم جائز ہے۔

کانسی پیتل تانبے کے برتنوں اور تکیہ یا بستر وغیرہ کپڑے پر تیمم کرنا درست نہیں البتہ اگر وہ اتنے گرد آلود ہوں کہ ہاتھ ملنے سے خوب گرد اڑتی ہو اور ہتھیلیوں میں لگ جاتی ہو تو تیمم درست ہے اور اگر ہاتھ مارنے سے تھوڑی گرد اٹھتی ہو تو تیمم درست نہیں۔ پکی اینٹ اور پتھر پر بالکل گرد نہ ہو تو بھی ان پر تیمم درست ہے۔ ہاتھ پر گرد کا لگنا ضروری نہیں ہے

سوال۔ نجس زمین پر جو سوکھ چکی ہو تیمم درست ہے یا نہیں؟

جواب۔ نجاست آلود زمین دھوپ سے سوکھ گئی اور اس کی بدبو جاتی رہی تو گو وہ زمین پاک ہو گئی اور اس پہ نماز درست ہے لیکن اس پر تیمم روا نہیں۔

سوال۔ مس قرآن کے لیے جو تیمم کیا گیا ہو اس سے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب۔ اگر قرآن مجید کے چھونے کے لیے تیمم کیا تو اس سے نماز پڑھنا درست نہیں لیکن اگر نماز کے لیے تیمم کیا تو اس سے دوسرے وقت کی نماز بھی پڑھ سکتے ہیں اور کلام پاک کو بھی چھو سکتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ پانی کی موجودگی میں قرآن کے چھونے کے لیے تیمم کرنا درست نہیں۔

سوال۔ غسل اور وضو دونوں کے لیے ایک ہی تیمم کافی ہے یا نہیں؟

جواب۔ کسی کو نہانے کی بھی ضرورت ہے اور وضو بھی نہیں ہے تو دونوں کے لیے ایک ہی تیمم کافی ہے۔

سوال۔ اگر پانی کا انتظار کیے بغیر تیمم سے نماز پڑھ لی تو ہو گئی یا نہیں۔ اور پانی کی موجودگی فراموش ہو گئی تو کیا حکم ہے؟

جواب۔ اگر سفر میں آگے چل کر پانی ملنے کی امید ہو تو بہتر ہے کہ اول وقت میں نماز نہ پڑھیں اور پانی کا انتظار کر لیں لیکن اتنا انتظار بھی نہ کریں کہ وقت مکروہ ہو جائے اور اگر پانی کا انتظار کیے بغیر اول وقت میں نماز پڑھ لی تو بھی درست ہے۔ اسباب کے ساتھ پانی بندھا تھا لیکن یاد نہ رہا اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی پیچھے یاد آیا تو اب نماز کا لوٹانا واجب نہیں۔

سوال۔ ریلوے اسٹیشن پر پانی کا نل قریب ہے۔ لیکن خدشہ ہے کہ ریل گاڑی سے نیچے اتر کر وضو کرنے لگے تو گاڑی چل دے گی۔ ایسی حالت میں تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ ہاں تیمم جائز ہے۔

سوال۔ تیمم کے دوسرے ضروری احکام کیا ہیں؟

جواب۔ کسی کا کپڑا یا بدن بھی ناپاک ہے اور وضو بھی کرنا ہے اور پانی دونوں کے لیے ناکافی ہے تو کپڑا یا بدن دھو لے اور وضو کی بجائے تیمم کرے۔ نہانے کی ضرورت تھی اس لیے غسل کیا لیکن بدن کا تھوڑا سا حصہ ابھی

خشک ہی تھا کہ پانی ختم ہو گیا۔ چونکہ بدن ہنوز پاک نہیں ہوا اس لئے تیمم کر لینا چاہیئے۔ اس کے بعد جب کہیں پانی میسر ہو تو اتنی سوکھی جگہ دھوئے۔ دوبارہ نہانے کی ضرورت نہیں۔ ایک وقت کی نماز کے لئے تیمم کیا۔ تو دوسرے وقتوں کی نمازیں بھی اس سے پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح فرض نماز کے لئے جو تیمم کیا ہے اس سے تمام دوسری عبادتیں بھی جائز ہیں۔ جب تک پانی نہ ملے تیمم جائز ہے اگرچہ مہینے اور سال ہی کیوں نہ گزر جائیں۔ اگر تلاوت قرآن یا مسجد میں جانے یا اذان کہنے کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے نماز جائز نہیں ہے اور اگر نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے نماز جائز ہے۔

سوال۔ تیمم ٹوٹنے کے ضروری مسائل کیا ہیں؟

جواب۔ پانی ملنے سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے اور جس قدر چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے وہ سب ناقض تیمم بھی ہیں۔ اگر تیمم کر کے آگے کو چلے اور پانی ایک میل شرعی سے کم فاصلہ پر رہ گیا تو تیمم ٹوٹ گیا۔ اگر وضو کی بجائے تیمم کیا ہے تو وضو کے موافق پانی ملنے سے تیمم ٹوٹے گا اور اگر غسل کی بجائے تیمم کیا ہے تو جب غسل کے موافق پانی ملے گا تو تیمم ٹوٹ جائیگا۔ اگر کم پانی ملا تو تیمم نہیں ٹوٹتا۔ اگر راستے میں پانی ملا لیکن اس کو پانی کی موجودگی کا علم نہیں ہوا تو تیمم نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح اگر راستے میں پانی ملا اور معلوم بھی ہو گیا لیکن ریل پہ سے اترنے کا موقع نہ ملا تو بھی تیمم نہیں ٹوٹتا۔ اگر بیماری کی وجہ سے تیمم کیا ہے لیکن افاقہ ہو جانے کے بعد جب وضو اور غسل نقصان نہ کرے تو تیمم ٹوٹ جائیگا۔ اب وضو اور غسل کرنا واجب ہے۔ پانی نہ ملنے کے باعث تیمم کیا پھر ایسی بیماری لاحق ہو گئی جس میں پانی نقصان دیوے۔ اتنے میں پانی مل گیا تو اب وہ تیمم جو پانی نہ ملنے کی بنا پر کیا تھا ٹوٹ گیا۔ اب بیماری کے باعث از سر نو تیمم کریں۔

سوال۔ اگر کوئی پانی یا پاک مٹی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم نہ کر سکے تو کیا کرے؟

جواب۔ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو نماز قضا کر دے لیکن نمازیوں کی مشابہت میں تھوڑی دیر تک بیٹھ جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رح کا یہی مسلک ہے (فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۲۰۲)

فصل ۲۲ فرضیت نماز

سوال۔ نماز کب اور کیونکر فرض ہوئی؟

جواب۔ اوائل اسلام میں صبح اور عصر کی صرف دو نمازیں پڑھی جاتی تھیں شب معراج میں پچاس نمازوں کا حکم ہوا بعد میں حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پر پانچ تک تخفیف کر دی گئیں لیکن فرمان ہوا کہ باری تعالیٰ کا قول مبتدل نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ پانچ پچاس ہی کے حکم میں ہیں۔ اب مومن پانچ نمازیں پڑھتا ہے اور پچاس کا ثواب پاتا ہے۔

سوال ۔ نماز کسی شخص پر کب فرض ہوتی ہے ۔

جواب ۔ نماز وقت آنے پر اسلام، عقل، بلوغ اور حیض و نفاس سے پاکی کی حالت میں فرض ہوتی ہے۔ کافر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے یا لڑکے لڑکی کے بالغ ہونے یا مجنون اور بیہوش کے ہوش میں آنے کے بعد اگر تکبیر تحریمہ کہنے کا وقت بھی باقی ہو تو نماز فرض ہو جاتی ہے ۔ اور حیض و نفاس کے بند ہونے کے بعد بقدر غسل اور تکبیر تحریمہ کہنے کے وقت باقی ہو تو عورت پر نماز پڑھنا فرض ہے ۔

سوال ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا کیا مطلب ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے؟

جواب ۔ شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ نماز تمام عبادتوں میں افضل و اشرف اور اتم و اکمل عبادت ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ آپ کو جو خوش دلی اور فرحت و مسرت نماز میں ہوتی تھی اور آپ اس میں جو ذوق و شہود پاتے تھے، وہ آپ کو کسی دوسری عبادت میں حاصل نہ ہوتا تھا۔ آنکھ کی ٹھنڈک حصول مقصد میں فرح و سرور سے کنایہ ہے اور قُرّۃ قَر بفتح قاف سے مشتق ہے جو قرار و ثبات کے معنیٰ میں ہے کیونکہ آنکھیں نظارۂ محبوب سے قرار پاتی اور آرام حاصل کرتی ہیں اور محبوب کے سوا کسی دوسری طرف التفات نہیں کرتیں اور قاعدہ کی بات ہے کہ خوشی اور سرور کی حالت میں آنکھوں میں سکون و قرار رہتا ہے ۔ اور وہ غیر محبوب کی طرف دیکھتے میں پریشان اور ہر جانب نگراں رہتی ہیں ۔

فصل ۲۳ ۔ بدن کا پاک ہونا

سوال ۔ نماز پڑھنے سے پہلے کن چیزوں کا ہونا ضروری ہے ؟

جواب ۔ نماز پڑھنے سے پہلے سات چیزیں ایسی ضروری ہیں ؟ کہ ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی وہ سات چیزیں یہ ہیں ۔ اوّل بدن کا پاک ہونا ۔ دوسرے کپڑوں کا پاک ہونا ۔ تیسرے جگہ کا پاک ہونا ۔ چوتھے ستر کا چھپانا ۔ پانچویں نماز کا وقت ہونا ۔ چھٹے قبلہ کی طرف منہ کرنا ۔ ساتویں نماز کی نیت کرنا ۔

یہ وہ شرطیں ہیں جن کے پائے جانے سے فریضۂ نماز ادا ہو جائے گا ۔ یہ مطلب نہیں کہ نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی ۔ بہت سی جگہیں ایسی ہیں کہ جن میں ترک واجب ہو گا یا نماز کسی مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا ہو گی ۔ اس کے باوجود کہا جائے گا کہ نماز ہو گئی یعنی سر سے فرض اتر گیا ۔

سوال۔ بدن پاک ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ بدن پاک ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ اس پر کسی قسم کی پلیدی نہ ہو۔ نہ تو بدن پر کوئی ظاہری ناپاکی ہو جو دکھائی دیتی ہے جیسے پیشاب پاخانہ خون ریم وغیرہ اور نہ نجاست حکمی ہو جو محض شریعت کے حکم سے ثابت ہوتی ہے اور دیکھنے میں نہیں آسکتی جیسے بے وضو ہونا یا غسل کی حاجت ہونا

سوال۔ اگر نمازی کے پاس گندہ انڈا یا پیشاب کی شیشی ہو تو نماز ہو جائے گی؟

جواب۔ ایسا انڈا جس کی زردی خون ہو گئی ہو نمازی کے پاس ہو تو اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا کیونکہ اس کا خون اسی جگہ ہے جہاں اس کی پیدائش ہوئی خارج میں اس کا کچھ اثر نہیں۔ لیکن اگر پیشاب کی شیشی نمازی کے پاس ہو تو نماز نہ ہوگی اگرچہ شیشی کا منہ بند ہو کیونکہ وہ پیشاب ایسی جگہ میں نہیں جہاں پیشاب پیدا ہوا۔

سوال۔ امام کی جیب میں ناپاک کپڑا ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب۔ نہیں ہوگی۔

فصل ۲۴۔ کپڑوں کا پاک ہونا

سوال۔ نماز پڑھتے وقت جو کپڑے پہن رکھے ہوں نماز جائز ہونے کے لیئے کہاں تک ان کی نجاست معاف ہے؟

جواب۔ کپڑوں میں سے کسی پر نجاست غلیظہ کا ایک درہم سے زیادہ نہ ہونا اور نجاست خفیفہ کا چوتھائی کپڑے تک نہ پہنچنا نماز جائز ہونے کے لیئے لازمی شرط ہے۔ پس اگر نجاست غلیظہ ایک درہم یا اس سے کم اور نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے سے کم لگی ہو تو نماز ہو جائے گی لیکن مکروہ ہوگی اس لیئے کم از کم نجاست کو بھی دھو ڈالنا چاہیئے۔

سوال۔ اگر کسی کا کپڑا چوتھائی سے زیادہ نجس ہو اور دھونے کے لیئے پانی ناپید ہے تو اس سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ اگر اس کے پاس کوئی اور پاک کپڑا نہیں ہے تو اسی میں نماز پڑھ لے اور بعد میں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ درمختار کے شروط الصلوٰۃ میں ہے۔ ولو کان ربعہ طاہرا صلّٰی فیہ حتماً اذالربع کالکل۔ (امداد الفتاویٰ)

سوال۔ اگر پگڑی کے ناپاک کنارے کو الگ کر کے پاک کنارہ باندھ کر نماز پڑھی جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب۔ جو کپڑا نمازی کے بدن سے ایسا متعلق ہو کہ اس کے حرکت کرنے سے وہ بھی متحرک ہو جائے

کپڑے کا پاک ہونا شرط ہے۔ پس عمامہ کا پاک کنارہ باندھ لینے سے نماز نہ ہوگی۔ کیونکہ نمازی کے ہلنے سے عمامہ ضرور ہلے گا۔

سوال۔ کسی کا کپڑا دھوبی کے پاس سے جاتا ہے اور دھوبی کسی دوسرے کا کپڑا اس کو بدل کر دیدے تو اس کپڑے کو لینا اور اس سے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب۔ اگر اپنا کپڑا جو گم ہوا اس کپڑے سے اچھا تھا یا مساوی ہے تو اس کو استعمال میں لانا اور اس سے نماز پڑھنا درست ہے اور اگر اپنا خراب تھا اور یہ اچھا آیا تو درست نہیں۔ کامل تحقیق و تفتیش کے بعد بھی نشان نہ ملے تو اگر خود حاجت مند ہے تو استعمال کرے ورنہ صدقہ کر دے۔

سوال۔ اگر مرد نے ریشمی لباس یا ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جس میں جاندار کی تصویر ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ مرد کا ریشمی لباس پہن کر یا مرد اور عورت میں سے کسی کا ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جس میں کسی جاندار کی تصویر ہو مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے۔

سوال۔ اگر کوئی ایسی ہیئت و وضع میں نماز پڑھے جو عرفاً تواضع و خشوع کے خلاف ہو یا ایسے لباس میں نماز پڑھے جو متکبرین کا شعار ہو تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟

جواب۔ ایسی وضع و لباس میں نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ویکرہ للمصلی کل ما ہو من اخلاق الجبابرۃ عموماً یون الصلوٰۃ مقام التواضع والتذلل والخشوع (کبیری شرح منیہ صفحہ ۳۰۵)

سوال۔ اگر امام کے سر پر عمامہ کی بجائے ٹوپی ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب۔ نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص بدون عمامہ کے گھر سے نہ نکلتا ہو تو ایسے شخص کے لیے نماز ہی بلا عمامہ مکروہ ہے خواہ امام ہو یا نہ ہو۔ غرض کراہت اس کے لیے ہے جو بلا عمامہ مجمعوں میں نہ جاتا ہو اور جو بلا عمامہ جاتا ہو۔ اس کے لیے مکروہ نہیں۔

سوال۔ فتاویٰ غرائب میں لکھا ہے۔ رجل صلی مع قلنسوۃ ولیس فوقہا عمامۃ او شیٔ آخر یکرہ (کسی شخص نے ٹوپی اوڑھ کر نماز پڑھی اور ٹوپی کے اوپر پگڑی یا کوئی اور چیز نہیں ہے تو نماز مکروہ ہے۔) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمامہ کے بغیر امام اور مقتدی سب کی نماز مکروہ ہوتی ہے؟

جواب۔ فتاویٰ غرائب کوئی غیر معروف کتاب ہے۔ معلوم نہیں اس کا یہ بیان کہاں تک مستند ہے۔

سوال۔ مسند الفردوس دیلمی میں حضرت جابر انصاری رض سے مروی ہے کہ عمامہ کے ساتھ دو رکعت پڑھنا بلا عمامہ کی ستر رکعت کے برابر ہے اور ابن عمر رض سے روایت ہے کہ عمامہ باندھ کر نفل یا فرض نماز ادا کرنا بلا عمامہ کی

پانچسو بیس نمازوں کے مساوی ہے اور پگڑی باندھ کر نماز جمعہ پڑھنا بلا عمامہ کے ستر جمعوں کے برابر ہے۔" ان حدیثوں سے پگڑی باندھ کر نماز پڑھنے کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

جواب۔ کتاب مسند الفردوس کی روایتیں تو موضوع اور من گھڑت ہیں اس لیئے ان سے استدلال صحیح نہیں۔ البتہ راقم الحروف نے بعض بڑے بڑے مستند علماء مثل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندی رحمہما اللہ کو دیکھا ہے کہ وہ نماز پڑھانے کے وقت پگڑی باندھ لیتے تھے۔

فصل ۲۵۔ جگہ کا پاک ہونا

سوال۔ نماز کی تیسری شرط جگہ کا پاک ہونا ہے۔ جگہ پاک ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ یہ مطلب ہے کہ نمازی کے دونوں قدموں اور گھٹنوں اور ہاتھوں اور سجدے کی جگہ پاک ہو۔

سوال۔ ناپاک زمین یا فرش پر پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھ لیں تو نماز ہو جائے گی؟

جواب۔ اوپر والے کپڑے میں نیچے کی نجاست کی بُو یا رنگ ظاہر نہ ہو تو نماز جائز ہے۔

سوال۔ نماز کی جگہ پاک ہے لیکن آس پاس نجاست پڑی ہے جس کی بو نماز پڑھنے وقت آتی ہے تو نماز ہو گی یا نہیں؟

جواب۔ نماز ہو جائے گی لیکن مجبوری کے بغیر ایسی جگہ پر نماز پڑھنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔

سوال۔ بعض مقامات پر صف اور چٹائی چمار بناتے ہیں۔ بلا دھوئے اور پاک کئے ان پر نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب۔ وہ صفیں پاک ہیں ان پر نماز جائز ہے۔ لانّ الیقینَ لا یزول بالشک۔

سوال جس چیز پر نماز پڑھی جائے اگر اُس کی دوسری جانب ناپاک ہو تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب۔ اگر لکڑی کے تختے یا بچھی ہوئی اینٹوں یا پتھر پر یا ایسی ہی کسی موٹی یا سخت چیز پر نماز پڑھیں۔ بشرطیکہ اس کا وہ رخ جس پر نماز پڑھی پاک ہو تو نماز ہو جائے گی دوسرا رخ ناپاک ہو تو کچھ مضایقہ نہیں اور اگر پتلے کپڑے پر نماز پڑھی اور اُس کے دوسرے رُخ پر نجاست تھی تو نماز نہ ہو گی۔

سوال۔ اگر کپڑا دوہرا ہو۔ اس کی اوپر کی تہ پاک اور نچلی ناپاک ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب۔ اگر دونوں تہیں آپس میں سلی ہوئی نہ ہوں اور اوپر والی اتنی موٹی ہو کہ نیچے کی نجاست کا رنگ یا بو محسوس نہ ہوتا ہو تو نماز ہو جائے گی اور اگر دونوں تہیں سلی ہوئی ہوں تو احتیاط اس میں ہے کہ اس پر نماز نہ پڑھیں۔

سوال۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خُمرہ طلب فرمایا اور زمین رارت اور اس کی ایذا سے بچنے کے لئے اُس پر سجدہ کیا۔ خُمرہ چھوٹی سی چٹائی کو کہتے ہیں جو برگ خرما سے ی جاتی ہے۔ لیکن آپؐ نے یا آپؐ کے اصحابؓ نے مصلّیٰ اور جانماز پر کبھی نماز نہ پڑھی بلکہ آپ ننگے پیر یا جوتی پہنے پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہود اپنی جوتیوں میں نماز نہیں پڑھتے۔ تم لوگ اس کام میں ان کا خلاف کرو۔ اور مالکؒ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ کسی عالم نے مسجد نبوی میں مصلّے بچھوائے تو امام مالکؒ نے ان کے اٹھوا دینے کا دیا اور فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہماری مسجد میں یہ ایک بدعت ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد اوّل ص ۱۱۰) سوال یہ ہے کہ مصلّیٰ اور جانماز پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ حال نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح نماز پڑھنا ثابت ہے۔ حدیث لیلۃ القدر سے اضح ہوتا ہے کہ آپؐ نے زمین پہ نماز پڑھی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خُدری رضؓ کا بیان ہے کہ اس رات کو برسات ہوئی جد کی چھت شاخ خرما سے بنی ہوئی تھی اور چھت ٹپکی تھی اور میں نے آنحضرتؐ کو اکیسویں شب کی صبح کو دیکھا کہ آپؐ یشانی مبارک پر پانی اور مٹی کا نشان تھا۔ رواہ البخاری ومسلم۔ گو بہت زیادہ تو اصح زمین پر نماز پڑھنے میں لیکن جانماز اور مصلّیٰ پہ بھی بلا کراہت درست ہے۔ چنانچہ مُغیرہ بن شعبہ صحابی رضؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ اللہ علیہ وسلم بوریے اور دباغت دیئے ہوئے پوستین پر نماز پڑھ لیتے تھے رواہ ابوداؤد اور حضرت انسؓ سے ی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خمرہ یعنی چھوٹے مُصلّے پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط۔ اور المومنین حضرت میمونہؓ سے بھی مروی ہے کہ آپ خُمرہ پر نماز پڑھا کرتے تھے رواہ البخاری وابوداؤد۔

فصل ۲۶۔ ستر کا چھپانا

سوال۔ مرد کا ستر کتنا ہے اور عورت کا کتنا اور دونوں کے لئے نماز میں بدن کا کتنا کتنا حصہ چھپانا فرض ہے؟

جواب۔ مرد کو ناف سے گھٹنوں تک اپنا بدن چھپانا فرض ہے اتنا ستر چھپانا نماز کے اندر بھی فرض ہے اہر بھی لوگوں سے مخفی رکھنا فرض ہے اور عورت کو نماز میں دونوں ہتھیلیوں اور دونوں پاؤں اور چہرے کے سوا تمام ن ڈھانکنا فرض ہے۔ گو عورت پر نماز میں چہرہ چھپانا فرض نہیں۔ لیکن غیر مردوں کے سامنے چہرہ کھولنا خصوصاً ان عورت کو جائز نہیں۔

سوال - اگر نماز میں ستر کا کوئی حصہ بلا قصد کھل جائے تو نماز صحیح ہوگی یا ٹوٹ جائے گی؟

جواب - اگر کسی عضو کا چوتھائی حصہ کھل جائے اور اتنی دیر تک کھلا رہے جتنی دیر میں تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہہ سکیں تو نماز باطل ہو جائے گی - اور اگر کھلتے ہی فوراً ڈھانک لیا تو نماز میں کوئی خلل نہ آئے گا یہ اس صورت میں ہے کہ ایک جگہ سے چوتھائی عضو کھل جائے اور اگر دو جگہ سے تھوڑا تھوڑا کھلے تو اس صورت میں اگر ایک عضو میں دو جگہ کھلا رہے تو اگر دونوں کو ملا کر اس عضو کا چوتھائی ہو جائے تب بھی نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر ایک عض میں ایک جگہ سے اور دوسرے عضو میں دوسری جگہ سے تھوڑا کھل رہا ہے تو ان دونوں میں جو چھوٹا عضو ہے اگ دونوں جگہ ملا کر اس کی چوتھائی کے برابر ہو گئی تب بھی نماز باطل ہو گئی -

سوال - اگر کوئی شخص اندھیرے میں ننگا نماز پڑھے یا قصداً چوتھائی عضو کھولے تو کیا حکم ہے؟ او اگر کسی کے پاس بالکل کپڑا نہ ہو تو کیا کرے؟

جواب - اگر کسی نے کپڑا ہوتے ہوئے ننگے بدن نماز پڑھی تو اندھیرے میں ہو یا اُجالے میں نماز نہ ہو اور اگر قصداً چوتھائی عضو کھولے تو عضو کے کھولتے ہی نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر کسی کے پاس کسی طرح کا کپڑا نہ ہو کسی اور چیز مثلاً درختوں کے پتوں یا ٹاٹ وغیرہ سے بدن ڈھانکے اور جب کچھ بھی ستر ڈھانکنے کو نہ ملے تو نماز پڑھ لے لیکن اس حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع و سجود کو اشارے سے ادا کرے -

سوال - بغیر کُرتے کے صرف تہبند یا پاجامے سے یا بنیان یا نیم آستین کی صدری سے نماز ہو جاتی یا نہیں اور رومال سے پیٹ یا پیٹھ کو چھپا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب - ان تمام صورتوں میں نماز مکروہ ہوتی ہے اور اگر حالتِ نماز میں ناف کے نیچے کا حصہ جیسا کہ مو گرما میں اکثر عوام کو دیکھا جاتا ہے کھلا ہوگا تو سرے سے نماز ہی نہ ہو گی -

سوال - محمد بن منکدر تابعی کا بیان ہے کہ حضرت جابر صحابی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ صرف ایک تہ کے ساتھ نماز پڑھی جس کے دو کنارے گردن سے باندھ کر گرہ لگا دی تھی اور انہوں نے اپنے دوسرے کپڑے ایک سہ پایہ پر رکھ دئیے تھے - ایک شخص نے اس کو مذموم اور غیر مشروع سمجھ کر حضرت جابرؓ سے کہا کہ آپ کپڑوں کے ہو ہوئے صرف ایک تہبند میں نماز پڑھ رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ مجھ کو تمہارے جیسا جاہل دیکھ کر معلوم کرے کہ نماز ایک کپڑے میں بھی جائز ہے - اس کے بعد فرمایا عہدِ نبوی میں ہم میں کون ایسا تھا جس کے دو کپڑے ہوں؟ رواہ البخاری - اس سے معلوم ہوا کہ صرف تہبند یا پاجامے میں بھی نماز ہو جاتی ہے؟ -

جواب - مشکوٰۃ المصابیح میں اس حدیث سے اگلی روایت یہ ہے :- اُبی بن کعب صحابی رضؓ نے کہا کہ ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے - اور اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا - حضرت عبد اللہ بن مسعود صحابی رضؓ نے فرمایا یہ اُس وقت تھا جبکہ کپڑوں کی کمی تھی - لیکن اب جبکہ خدائے واسع نے کشادگی بخشی ہے نماز دو کپڑوں میں اولیٰ ہے - رواہ احمد - چونکہ لوگ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا ہر حالت میں مذموم خیال کرتے تھے اس لیے حضرت جابرؓ نے تعلیم جواز کی غرض سے ایسا کیا اور ساتھ ہی یہ ظاہر کر کے کہ عہد نبوی میں اکثر لوگوں کو ایک ہی کپڑا میسر تھا بتلا دیا کہ حالت مجبوری میں ایک کپڑے پر اکتفا کرنا کچھ بھی مذموم نہیں -

سوال - ننگے سر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب - اگر کاہلی سے پڑھے تو مکروہ ہے اور ٹوپی یا پگڑی کے میسر نہ آنے کی وجہ سے یا از راہ عجز وانکسار پڑھے تو جائز ہے -

سوال - اکثر آدمی موسم گرما میں صرف تہبند باندھ کر باقی جسم ننگا رکھتے ہیں - بعض اوقات حرکت کرنے میں ان کی رانیں دوسروں کے سامنے کھل جاتی ہیں - اس کی برہنگی دیکھ کر پاس بیٹھنے والوں کا وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

جواب - خلوت میں رانوں کے کھل جانے میں کوئی گناہ نہیں لیکن اگر دوسروں کے سامنے وہ برہنہ ہوا یا رانیں کھلیں تو وہ گنہگار ہوا - اگر ناف سے گھٹنوں تک بدن اچھی طرح ڈھکا ہوا اور باقی جسم دوسروں کے سامنے برہنہ ہو تو مروت و وقار کے خلاف ہونے کے باعث خلافِ اولیٰ ہے اگر دوسروں کے سامنے ننگا ہوا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا -

سوال - حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے پاجامہ پہنا ہے یا نہیں اور صحابۂ کرامؓ پاجامہ پہنتے تھے یا نہیں؟

جواب - علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پاجامہ خریدا اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے پاجامہ پہنا - زاد المعاد کی عبارت یہ ہے - واشتری سراویل والظاهر انه انما اشتراها لیلبسها وقد روی فی غیر حدیث انه لبس السراویل وکانوا یلبسون السراویلات باذنه (زاد المعاد مطبوعۂ مصر جلد اوّل صفحہ ۳۵) اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم بھی آپ کی اجازت سے پاجامہ پہنتے تھے -

سوال - نمازی کے لیے پاجامہ پہننا افضل ہے یا تہ بند؟

جواب - تہبند باندھنے والوں کو ہم روز مساجد کے استنجا خانوں میں اس حالت میں پاتے ہیں کہ پیشاب کے بعد استنجا کرتے وقت ان کی رانیں اور سرینیں کھلی ہوتی ہیں حالانکہ دوسروں کے سامنے ستر کا کھولنا قطعاً حرام ہے -

برخلاف اس کے پاجامہ میں تستر زیادہ ہے اس لیئے پاجامہ پہننا ہی افضل ہے۔

سوال۔ بعض عورتیں برہنہ غسل کرتی ہیں اور دوسری عورتوں سے پردہ نہیں کرتیں۔ کیا ایسا کرنا گنا

جواب۔ کسی عورت کے لیئے روا نہیں کہ دوسری عورت کا جسم ناف سے گھٹنوں تک دیکھے خواہ بیٹی ہو ہو۔ ہاں اگر چھوٹی لڑکی ہو تو کچھ ہرج نہیں۔ لیکن جب سات برس کی ہو جائے تو اُس سے عورتوں کو یہاں تک ک بہن کو بھی پردہ کرنا چاہیئے اور اس کو بھی دوسری عورتوں سے پردہ کرنا چاہیئے۔

سوال۔ مرد اور عورت کے اعضائے ستر کا چوتھا حصہ نماز میں کھل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے قابل دریافت یہ ہے کہ عورتوں کے لٹکے ہوئے بالوں کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ عورت کے لٹکے ہوئے بال ایک علیحدہ عضو ہیں۔ اگر ان کی چوتھائی برہنہ ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے

سوال۔ عورت کی آواز ستر میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب۔ نوازل میں لکھا ہے کہ عورت کی آواز بھی داخل ستر ہے۔ شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اگر عورت قراءت بالجہر کرے گی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

سوال۔ عورتوں کو نماز میں پیروں کا چھپانا ضروری ہے یا نہیں۔ ایک حدیث سے ثابت ہوتا جب تک عورت کے دونوں قدم نہ چھپے ہوں نماز نہیں ہوتی۔

جواب۔ اگرچہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن معتبر اور معتمد یہی ہے کہ نماز میں پشت قدمین کا ڈھک فرض نہیں ہے۔ اگر دونوں قدم کھل جائیں تو نماز ہو جاتی ہے۔ حدیث میں جو قدموں کا ڈھکنا ضروری ہے ا سے افضلیت مراد ہے۔ بہتر یہی ہے کہ قدم بھی ڈھکے ہوں۔

سوال۔ باریک کپڑوں سے عورت کی نماز ہو جاتی ہے نہیں؟

جواب۔ اگر عورت نے ایسا باریک کپڑا اوڑھ رکھا ہو کہ بدن یا بالوں کا رنگ جھلکتا ہو تو نماز نہیں ہوتی۔

فصل ۲۷۔ نماز کا وقت ہونا

سوال۔ آپ نے نماز کی پانچویں شرط وقت ہونا بتائی ہے نماز کیلئے وقت شرط ہونے سے کیا مر

جواب۔ ادائے نماز کی ایک لازمی شرط یہ ہے کہ کسی نماز کا جو وقت شریعت نے مقرر کیا ہے وہ

وقت میں ادا کی جائے اگر وقت سے پہلے پڑھی گئی تو نماز قطعاً نہ ہو گی اور اگر بعد از وقت پڑھی گئی تو ادا نہیں بلکہ قضا ہو گی ۔

سوال ۔ نماز کتنے وقتوں کی فرض ہے ؟

جواب ۔ دن رات کے پانچ وقتوں میں پانچ نمازیں فرض ہیں ۔ فجر ۔ ظہر ۔ عصر ۔ مغرب ۔ عشاء ۔ ان کے علاوہ ایک نماز وتر ہے جو واجب ہے

سوال ۔ فرض اور واجب کسے کہتے ہیں ؟

جواب ۔ مقدمۃ الکتاب میں ہر ایک کی تعریف کر دی گئی تھی ۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے ۔

سوال ۔ پانچ نمازوں کے کون کون سے وقت ہیں ؟

جواب ۔ آئندہ چل کر اوقات نماز پر انشاءاللہ العزیز ایک مستقل فصل سپرد قرطاس ہو گی ۔

فصل ۲۸ ۔ استقبال قبلہ

سوال ۔ قبلہ اور استقبال قبلہ کے کیا معنی ہیں ؟

جواب ۔ قبلہ اس رخ کو کہتے ہیں کہ جس کی طرف نماز میں منہ کیا جائے اور قبلہ کی طرف منہ کرنے کو استقبال قبلہ کہتے ہیں ۔ نماز کی ایک لازمی شرط یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کا رخ قبلہ کی طرف ہو ۔

سوال ۔ مسلمانوں کا قبلہ کون سا ہے ؟

جواب ۔ اہل اسلام کا قبلہ خانۂ کعبہ ہے جو ملک عرب کے شہر مکہ معظمہ میں کوٹھے کی شکل کا ایک گھر ہے جس کو کعبۃ اللہ ۔ بیت اللہ اور بیت الحرام بھی کہتے ہیں ۔

سوال ۔ مسلمانوں کو اپنی توحید پر بجا طور پر ناز ہے ۔ لیکن بعض غیر مسلم اعتراض کرتے ہیں کہ کعبہ کو سجدہ کرنا توحید کے منافی اور سراسر شرک ہے ۔

جواب ۔ کعبہ کو سجدہ کرنا واقعی شرک ہے ۔ لیکن کوئی مسلمان کعبہ کو سجدہ نہیں کرتا بلکہ مسلمان خدا کے حکم کے بموجب کعبہ کی طرف رخ کر کے خدا کو سجدہ کرتے ہیں ۔

سوال ۔ کعبۂ معلّٰی کس طرف ہے ؟

جواب ۔ کعبہ مغربی پاکستان، ہندوستان، برہما، مشرقی پاکستان اور متعدد دوسرے ممالک سے پچھم کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ تمام ممالک مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف واقع ہیں۔

سوال ۔ استقبال کعبہ کی شرط میں اہل مکّہ اور غیر مکّہ والے برابر ہیں یا کچھ فرق ہے؟

جواب ۔ فرق ہے۔ اہلِ مکّہ کے لئے عین کعبہ کی سیدھ میں منہ کرنا اور غیر مکّہ والوں کے لئے کعبہ کی سمت منہ کرنا شرطِ نماز ہے۔ (کبیری)

سوال ۔ اگر بیمار کا منہ کعبہ شریف کی طرف نہ ہو اور اس میں ہلنے کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر بیمار کے لئے ادائے نماز کی کیا صورت ہے؟ ۔

جواب ۔ اگر بیمار کے پاس کوئی دوسرا شخص موجود ہو جو بیمار کو کعبہ رُخ کر سکتا ہو اور اس سے بیمار کو زیادہ تکلیف ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو تو اس کا چہرہ کعبہ کی طرف کر دیا جائے اور اگر دوسرا آدمی نہ ہو یا مریض کو سخت تکلیف ہوتی ہو تو جس طرف مریض کا منہ ہو اسی طرف نماز پڑھ لے۔

سوال ۔ کسی ایسی جگہ میں جہاں قبلہ کا رُخ معلوم نہیں ہوتا نماز کس طرح پڑھیں؟

جواب ۔ اگر وہاں کوئی ایسا آدمی نہیں مل سکتا جس سے قبلہ کا رخ معلوم کر سکیں تو دل میں سوچ بچار کریں دل جس طرف کی گواہی دے اس طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ اگر سوچ بچار کئے بغیر نماز پڑھی تو نماز نہ ہوگی بلکہ اگر بعد میں معلوم ہو جائے کہ نماز قبلہ ہی کی طرف پڑھی تھی تب بھی نماز نہیں ہوئی اگر بتلانے والا نہ ملا اور دل کی شہادت پر نماز پڑھ لی اور بعد میں معلوم ہوا کہ جدھر نماز پڑھی ہے اُدھر قبلہ نہیں ہے تو بھی نماز ہو گئی۔ اگر بے رُخ نماز پڑھی لیکن پھر نماز ہی میں قبلہ کا پتہ چل گیا تو نماز ہی میں قبلہ کی طرف گھوم جائیں۔ اب معلوم ہو جانے کے بعد قبلہ کی طرف نہ پھریں گے۔ تو نماز نہ ہو گی۔

سوال ۔ ایک شخص کی اٹکل کسی جانب کو نہ ہو اور سب سمتوں میں تذبذب ہو تو وہ کیا کرے؟

جواب ۔ اسے احتیاطاً ہر سمت کو ایک ایک مرتبہ نماز پڑھنی ہو گی۔

سوال ۔ اگر اٹکل اور تحری کے بعد ایک سمت کو ایک رکعت پڑھی۔ پھر اس کی رائے دوسری جانب بدلی۔ اب دوسری رکعت دوسری طرف پڑھ لی اسی طرح تبدیلی رائے پر چاروں سمتوں کی طرف چار رکعتیں پڑھیں تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب ۔ اس کی نماز ہو گئی۔

سوال ۔ کشتی یا ریل گاڑی میں قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز شروع کی اور اثناء نماز میں کشتی اور ریل گاڑی کا رخ قبلہ کی طرف سے پھر گیا تو اب نمازی کیا کرے؟

جواب ۔ نمازی قبلہ کی طرف پھر جائے ۔ اور جیسے جیسے وہ گھومتی جائے وہ بھی قبلہ کو منہ پھیرتا رہے اور اگر نمازی کے پاس مال ہے اور اندیشہ صحیح ہے کہ اگر مال کی طرف سے روگردانی کرے گا تو چوری ہو جائے گی اور کوئی شخص موجود نہیں جس کی نگرانی میں دے سکے تو یوں ہی نماز پڑھ لے ۔

سوال ۔ کعبہ شریف میں نماز پڑھنے میں منہ کدھر کیا جائے گا؟

جواب ۔ کعبۂ معلّٰی میں نمازی کو اختیار ہے کہ جدھر چاہے منہ کر کے نماز پڑھے ۔ کعبہ شریف کے اندر فرض اور نفل تمام نمازیں درست ہیں ۔

فصل ۲۹ ۔ نیّت نماز

سوال ۔ نماز کی ساتویں شرط نیت ہے ۔ اس نیّت سے کیا مراد ہے؟

جواب ۔ نیّت دل سے ارادہ کرنے کو کہتے ہیں ۔

سوال ۔ نیّت میں کس چیز کا ارادہ کیا جاتا ہے؟

جواب ۔ اُس فرض نماز کا جس کے ادا کرنے کا قصد ہو ۔ مثلاً ظہر کی نماز پڑھنی ہو تو یہ ارادہ کرے کہ آج کی نماز ظہر پڑھتا ہوں یا قضا نماز ہو تو یہ نیّت کرے کہ فلاں دن کی نماز ظہر پڑھتا ہوں اگر امام کے اقتداء میں نماز پڑھی جائے تو اس کی نیّت کرنا بھی ضروری ہے ۔

سوال ۔ نفل نماز کی نیّت کس طرح کی جائے؟

جواب ۔ نفلی نماز کی نیّت اسی قدر کافی ہے کہ نفل نماز پڑھتا ہوں ۔ نماز پنجگانہ کی سنتوں اور تراویح کے لیئے بھی اسی قدر نیت کافی ہے ۔

سوال ۔ نیّت کا لفظاً کہنا کیسا ہے؟

جواب ۔ نیّت کا زبان سے کہنا مستحب ہے ۔ اگر زبان سے نہ کہیں تو بھی نماز میں کچھ خلل نہیں آتا

سوال ۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رح لکھتے ہیں کہ علمائے مسلمین میں سے کسی کے نزدیک بھی لفظی

نیت مشروع نہیں۔ نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی زبان سے نیت کی اور نہ خلفائے راشدین اور دوسرے صحابۂ کرام اور اسلافِ اُمت اور آئمۂ اسلام میں سے کسی نے نیت لفظاً ادا کی۔ کیونکہ وضو غسل نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ عبادات میں جو نیت واجب ہے اس کا محل بالاتفاق دل ہے۔ علماء اس پر متفق ہیں کہ نیت قصد اور ارادہ کا نام ہے جس کا محل دل ہے نہ کہ زبان۔ اور اگر کسی نے دل سے نیت کی تو وہ آئمۂ اربعہ اور پہلے پچھلے تمام دوسرے اَئمۃ المسلمین کے نزدیک صحیح ہوگی۔ اس مسئلہ میں کسی ایسے عالم نے خلاف نہیں کیا جن کا اقتدا کیا جاتا اور ان کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ لیکن بعض متاخرین نے جو آئمہ کے پیرو ہیں کہا ہے کہ لفظی نیت واجب ہے۔ لیکن یہ قول صریحاً خطا اور خلفائے اسلام کے اجماع کے خلاف ہے کسی مسلمان نے نبی صلی اللہ وسلم سے یا کسی صحابی سے نقل نہیں کیا کہ ان میں سے کسی نے کبھی تکبیر تحریمہ سے پہلے لفظوں میں سرّاً یا جہراً نیت باندھی ہو اور کسی نے کبھی اس کا حکم دیا ہو۔ اب فقہائے متاخرین میں یہ نزاع برپا ہے کہ نیت قلبی کے ساتھ لسانی نیت مستحب ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے پیروؤں کی ایک جماعت نے اس کو مستحب بتایا ہے اور مقلدین امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ کے ایک گروہ نے نہ صرف مستحب ہونے سے انکار کیا ہے۔ بلکہ اس کو بدعت مکروہہ قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ امام ابن تیمیہ جلد اوّل صفحہ ۳) اور خود شیخ عبد الحق دہلوی حنفی لکھتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے زبانی اور لفظی نیت مروی نہیں اور حضرات محدثین رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ نیت کے الفاظ زبان پر لانا بدعت اور مکروہ ہے کیونکہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ آپؐ کے اصحاب نے کبھی زبان سے نیت کی اور تلفظ بہ نیت کے بارہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بدعت ہے کیونکہ یہ فعل منقول نہیں اور بعض کے نزدیک مستحب ہے کیونکہ لفظی نیت قلبی نیت کے استحضار میں مددگار اور عبادت لسانی اور قلبی کے درمیان جمع کی موجب ہے اور قواعد شرع اور ضرورتِ عقل سے معلوم ہوا ہے کہ جس عمل میں دل زبان کے ساتھ جمع ہو وہ اتم و اکمل ہوتا ہے"۔ لیکن یہ سخن فاسد اور نص کے مقابلہ میں قیاس ہے۔ اس کو تلبیہ اور تسبیحات رکوع و سجود پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں۔ (مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۲۹۹) اسی طرح شیخ عبد الحق دہلوی رح ترجمۂ مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ نیت کا پکار کر کہنا مشروع نہیں اور حضرات محدثینؒ نے کہا ہے کہ کسی روایت میں نہیں آیا کہ آپ نے نیت زبان سے کہی ہو۔ پس طریق سنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع یہ ہے کہ نمازی دلی نیت پر اکتفا کرے۔ آپ کا اتباع جیسے کسی فعل کے کرنے میں لازم ہے اسی طرح اُس فعل میں

بھی لازم ہے جو آپؐ نے کبھی نہ کیا ہو اور چاہیئے کہ اس چیز پر دوام نہ کرے جو شارع علیہ السلام سے ثابت نہیں اور جو کوئی ان امور پر دوام کرے جو آپؐ سے ثابت نہیں ہوئے وہ شخص مبتدع ہے۔ (مظاہر حق جلد اوّل صفحہ ۱۹) اس کا کیا جواب ہے؟۔

جواب۔ واقعی نیّت لسانی بجہر ہو یا بسّر بدعتِ مخترعہ ہے۔ نہ اس کا ثبوت حدیث نبوی سے ہے اور نہ اصحاب خیر القرون کے قول و فعل سے۔ لیکن شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ اَلاَعمال بِالنیّات (عملوں کی صحت کا مدار نیّتوں پر ہے) پس نیّت نماز کی لازمی شرط ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ عوام الناس کو نیّت لسانی سے روک دیا جائے تو وہ لسانی اور قلبی دونوں نیّتوں سے محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ نیّت قلبی کا التزام اُن کے بس کا روگ نہیں ہے۔ البتہ لسانی پر عمل پیرا ہوں تو زبان کے ساتھ عموماً دل بھی موافقت کرتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ عوام کو زبانی نیّت کی ممانعت کرنا ان کے فقدان نماز کو مستلزم ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان دو بلاؤں میں گرفتار ہو تو ان میں سے آہون و ایسر کو اختیار کرتا ہے اور فریضۂ صلوٰۃ سے عہدہ برآ ہونے کی محرومی کے مقابلہ میں ارتکاب بدعت ان کے لیئے زیادہ آسان تھا اس لیئے علمائے متاخرین نے ان کے قصد و ارادہ کو متوجہ کرنے کے لیئے انہیں ازراہ شفقت تلفظ بہ نیّت کی ہدایت کی تاکہ فقدان و عدم نیّت فریضۂ صلوٰۃ سے محرومی کا باعث نہ ہو۔ گو اب وہ ایک احداث کے مرتکب ہیں لیکن اس سے وہ ادائے فریضہ کی محرومی سے تو مامون ہیں اور سچ پوچھو تو عوام کے لیئے نیّت لسانی بدعت بھی نہیں کیونکہ بدعت وہ فعل ہے جو دین میں داخل کیا گیا ہو لیکن ان کا یہ فعل احداث فی الدین نہیں بلکہ احداث للدین ہے اور احداث للدین ہرگز بدعت نہیں ہو سکتا۔ ہمارے پاس احداث للدین کے بہتیرے نظائر و امثال موجود ہیں۔

سوال۔ حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ مکتوبات جلد اوّل مکتوب ایک سو چھیاسی میں رقم فرماہیں کہ بعض علماء کے نزدیک نیت نماز میں یہ بھی مستحسن ہے کہ ارادۂ قلب کے باوجود زبان سے بھی کہی جائے حالانکہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے نیت لسانی نہ بروایت صحیح ثابت ہوئی ہے اور نہ بروایت ضعیف اور نہ اصحاب کرام و تابعین عظام نے کبھی زبان سے نیت کی تھی۔ بلکہ جونہی اقامت کہی جاتی تھی تکبیر تحریمہ کہہ دیتے تھے۔ پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے۔ اس بدعت کو لوگ حسنہ کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ فقیر جانتا ہے یہ بدعت رفع سنت کی بجائے سرے سے رافع فرض ہے

کیونکہ اس کو جائز رکھنے کی وجہ سے اکثر لوگ زبانی نیت پر اکتفا کرتے ہیں اور غفلت قلبی سے باک نہیں رکھتے پس اس ضمن میں فرائض نماز میں سے ایک فرض کہ نیت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ فساد نماز ہے۔ اس کا جواب کیا ہے؟

جواب - مولانا تھانویؒ نے لکھا کہ یہ حضرت مجددؒ کی خاص رائے ہے۔ چنانچہ فقرہ "یہ فقیر جانتا ہے" اس میں صریح ہے۔ دوسرے سب کے لئے منع فرماتے بھی نہیں بلکہ خاص اُن کے لئے جو اس پر کفایت کر کے قلب سے بالکل ارادہ ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ اخیر کی عبارت اس میں صریح ہے۔ پس قول فقہا و قول مجدد صاحبؒ میں کوئی تعارض نہ رہا۔"

سوال - فرض اور وتر کی نیت کس طرح کی جائے گی؟

جواب - فرض اور وتر کی نیت میں تکبیر تحریمہ سے پہلے نیت کی تعیین اور یہ جاننا کہ نماز ظہر پڑھتا ہوں یا عصر شرط ہے۔ اور مقتدی کے لیے اقتدا کی نیت لازم ہے اور عدد رکعات کی نیت شرط نہیں تعیین نیت سے یہ مراد ہے کہ نمازی عزم کرے کہ آج کی ظہر یا فرض الوقت پڑھتا ہوں اور مطلق فرض کی نیت کافی نہیں۔ نماز جمعہ کے لئے فرض الوقت کی نیت جائز نہیں بلکہ نماز جمعہ کی نیت ضروری ہے۔ دوسرے وقتوں میں فرض الوقت کی نیت جائز ہے۔ نیت کے وقت یہ جاننا ضروری ہے کہ نماز ظہر پڑھتا ہوں یا عصر یا عشاء پس اگر بالفرض کوئی پوچھ بیٹھے کہ کون سی نماز پڑھتے ہو تو وہ سوچے اور تامل کئے بغیر فی الفور بتا سکے کہ فلاں نماز پڑھتا ہوں اور اگر دل و دماغ میں یہ تعیین مستحضر نہ ہو تو نیت صحیح اور جائز نہ ہو گی۔

سوال - سُنن اور نوافل کی نیت کس طرح کی جاتی ہے؟

جواب - اگرچہ نفل اور سنت اور تراویح کے لیے بلا تعیین مطلق نماز پڑھنے کی نیت بھی جائز ہے لیکن پھر بھی بہتر یہ ہے کہ نماز تراویح یا سنت ظہر وغیرہ یا قیام اللیل وغیرہ کی نیت کی جائے۔

سوال - مقتدی کے لیے اقتداء کی نیت بھی لازم ہے یا نہیں اور امام کے لئے اپنی امامت کی نیت کرنا بھی ضروری ہے یا نہیں؟

جواب - مقتدی کو اپنے امام کے اقتداء کی نیت کرنا بھی شرط ہے اور امام کو صرف اپنی نماز کی نیت کرنا شرط ہے۔

سوال - مقتدی کے لئے اپنے امام کی شخصیت متعین کرنے کی بھی ضرورت ہے یا نہیں؟

جواب۔ مقتدی کے لئے اپنے امام کی تعیین شرط نہیں کہ وہ زید ہے یا عمرو ہے یا بکر ہے بلکہ اسی قدر نیت کافی ہے کہ میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں۔ لیکن اگر امام کی شخصیت متعین کرے گا اور پھر اس کے خلاف ظاہر ہوگا تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ مثلاً یہ نیت کی کہ میں زید کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں حالانکہ جس امام کا اس نے اقتداء کیا وہ محمود ہے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

سوال۔ ان الفاظ میں فرض اور سنت کی نیت کرنا کیسا ہے؟۔ نیت کرتا ہوں میں اس نماز کی خاص اللہ تعالیٰ کے لئے دو رکعت نماز فجر سنت رسول اللہ منہ میرا طرف کعبہ کے ہے اللہ اکبر۔ نیت کرتا ہوں میں نماز کی خاص اللہ تعالیٰ کے لئے دو رکعت نماز فرض فجر۔ فرض اللہ تعالیٰ کا منہ میرا طرف کعبہ کے ہے اللہ اکبر۔ یہ نیت صحیح ہے یا اس میں کچھ اصلاح و ترمیم ہو سکتی ہے؟

جواب۔ اوپر لکھا گیا کہ نیت دل کا فعل ہے جو دل ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اگر نمازی دل میں نیت کرلے اور زبان سے کچھ نہ کہے تب بھی نماز ہو جاتی ہے اور اگر دل سے نیت نہ کی اور زبان سے کوئی لمبی چوڑی عبارت پڑھ دی تو بھی نماز نہ ہوگی۔ البتہ عوام کے لئے مناسب ہے کہ دلی قصد و ارادہ کے ساتھ زبان سے بھی کچھ مختصر سے الفاظ کہہ لیں۔ مثلاً سنت فجر یا فرض فجر۔ اور یہ لمبی عبارتیں جو عوام میں رائج ہیں، بالکل فضول اور سخت ناپسندیدہ ہیں۔

سوال۔ نیت کی لمبی چوڑی عبارتوں میں کوئی خاص خرابی کیا لازم آتی ہے؟

جواب۔ جو لوگ ان نیتوں کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں وہ اپنی عبارتوں سے فارغ بھی نہیں ہوتے کہ اتنے میں امام قرات شروع کر دیتا ہے۔ یہ نہ تو امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنے کی فضیلت حاصل کرتے ہیں اور نہ ثنا پڑھتے ہیں۔ بلکہ امام سورۂ فاتحہ کا بیشتر حصہ پڑھ لیتا ہے تو یہ لوگ بمشکل اپنی نیت سے فراغت پاتے ہیں۔ دیکھ لو کہ یہ نادان کتنی فضیلتوں سے محروم رہ گئے۔

فصل ۳۰۔ اوقات نماز

سوال۔ نماز فجر کا وقت کیا ہے؟

جواب۔ سورج نکلنے سے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ پہلے پورب کی طرف یعنی جدھر سے سورج نکلتا ہے۔

آسمان کے کنارے پر کچھ سفیدی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ سفیدی اوپر کی طرف ایک ستون کی شکل میں بلند ہوتی ہے۔ اس سفیدی کو صبح کاذب کہتے ہیں۔ یہ سفیدی تھوڑی دیر میں غائب ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسری سفیدی نمودار ہوتی ہے جو پورب کی طرف سے دائیں بائیں جانب کو پھیلتی ہوئی اٹھتی ہے یہ سفیدی آسمان کے تمام مشرقی کنارے پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ اوپر کی طرف ستون کی شکل میں نہیں اٹھتی۔ یہ سفیدی آناً فاناً بڑھتی جاتی ہے اور تھوڑی دیر میں بالکل اجالا ہو جاتا ہے۔ اس سفیدی کو صبح صادق کہتے ہیں صبح صادق کے ظاہر ہونے پر نماز فجر کا وقت شروع ہوتا ہے اور سورج نکلنے سے پہلے تک رہتا ہے۔ جب سورج کا ذرا سا کنارہ بھی نکل آیا تو فجر کا وقت ختم ہو گیا۔

سوال۔ نماز فجر کا افضل وقت کیا ہے؟

جواب۔ صبح کی روشنی میں ایسے وقت نماز فجر پڑھیں کہ قراءت مسنون ترتیل کے ساتھ پڑھ سکیں اور اگر طہارت یا نماز میں فساد ظاہر ہو تو دوبارہ بھی اعادہ طہارت کے ساتھ قراءت مسنون پڑھی جا سکے۔ غرض نماز فجر روشنی ہی میں شروع ہو اور روشنی ہی میں ختم کی جائے۔

سوال۔ حدیث صحیح میں ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز صبح غلس یعنی اندھیرے میں پڑھا کرتے تھے اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح پڑھا چکتے تو عورتیں اس طرح اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی اپنے گھروں کو لوٹتیں کہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز صبح اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے۔

جواب۔ آپؐ کے اندھیرے میں نماز صبح پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم شب بیدار تھے اس لیے اندھیرے ہی میں مسجد میں آموجود ہوتے تھے اس لیے شفیق امت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی استراحت کے خیال سے نماز صبح اول وقت میں پڑھا دیتے تھے۔ اس کے برخلاف آپؐ نے امت مابعد کے لیے حکم دیا۔ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ (فجر میں خوب روشنی کر دو۔ اس میں بہت زیادہ ثواب ہے) اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور ہمارے نزدیک امر فعل سے راجح تر ہے اس لیے روشنی میں نماز صبح پڑھنی چاہیے۔

سوال۔ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اوقات نماز سے متعلق جو حکمنامہ ممالک محروسہ میں بھیجا تھا اس میں لکھا تھا کہ نماز فجر ایسے وقت میں جبکہ گھنے ستارے جگمگا رہے ہوں (یعنی صبح

کی تاریکی میں پڑھی جائے اور خود ہادیٔ انام علیہ التحیۃ والسلام جو امت کے لیے نمونہ بنا کر بھیجے گئے تھے اندھیرے میں نماز فجر پڑھا کرتے تھے مگر چونکہ آپ نے امت کی سہولت کے لیے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا تھا کہ نماز فجر اسفار یعنی روشنی میں پڑھیں اس لیے امام طحاویؒ حنفی کے قول کے بموجب کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ نماز فجر اندھیرے میں شروع کر کے روشنی میں ختم کی جائے تاکہ آپ کی قولی اور فعلی دونوں سنتوں پر عمل ہو جائے؟

جواب۔ بہت سے حنفی اہل علم امام طحاویؒ ہی کے مسلک پر عمل پیرا ہیں۔ چنانچہ علامہ علی قاریؒ اور شیخ عبد الحق دہلوی لکھتے ہیں:۔ امام طحاویؒ نے فرمایا ہے کہ ابتداء غلس یعنی تاریکی میں کرے اور ختم اسفار میں یعنی قراءت طویل پڑھے تاکہ پڑھتے پڑھتے صبح روشن ہو جائے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ یہ تاویل اولیٰ و احسن ہے کہ اس سے حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ شرح السنہ کی ایک حدیث سے تطبیق کی یہ وجہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ نماز صبح کا حکم باعتبار دو زمانوں کے ہے کہ جاڑے کے موسم میں نماز فجر کا اندھیرے میں پڑھنا بہتر ہے اور ایام گرما میں اسفار کرنا بہتر ہے اور اسفار کی حد ہمارے علماء نے یہ لکھی ہے کہ اتنا وقت ہو کہ اس میں قراءت مسنون کہ چالیس سے ساٹھ یا سو آیتوں تک ہے ترتیل کے ساتھ پڑھ لے اور اگر فراغت نماز کے بعد طہارت میں خلل معلوم ہو تو طلوع سے پہلے وضو کرنے کے بعد نماز کا صفت مذکور پر اعادہ ممکن ہو۔ (مظاہر حق)

سوال۔ نماز ظہر کا وقت کیا ہے؟

جواب۔ نماز ظہر کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور ٹھیک دوپہر کے وقت ہر چیز کا جتنا سایہ ہو اس کو چھوڑ کر جب ہر چیز کا سایہ اس چیز سے دوگنا ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اسی دو چند سائے کو دو مثل کہتے ہیں۔

سوال۔ ظہر کا مستحب وقت کیا ہے؟

جواب۔ موسم گرما میں اتنی دیر کر کے پڑھنا کہ گرمی کی تیزی کم ہو جائے اور جاڑے کے موسم میں اول وقت پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن اس بات کی احتیاط رہے کہ نماز ظہر بہرحال ایک مثل کے اندر پڑھ لی جائے۔

سوال۔ مثل اوّل اور دو مثلوں کا وقت معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ دو مثل کے متعلق ایک قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ طلوع آفتاب سے غروب تک جو مدت ہو اس کا ساتواں حصہ جب باقی رہے تو مثل دوم ہو جائے گا اور اگر اس میں

پانچ منٹ کی تاخیر کر لی جائے تو کسی موسم میں غلطی نہ رہے گی۔ مثلاً ۱۶ رجولائی کو چودہ گھنٹہ کا دن ہوتا ہے پانچ بجکر ۳۹ منٹ پر طلوع اور ۷ بجکر ۳۹ منٹ پر غروب ہوتا ہے پس ۵ بجکر ۳۹ منٹ پر دو مثل ہوا۔ مثل اوّل میں یہ تفصیل ہے کہ جنوری۔ فروری اور مارچ تین مہینوں میں تو دو مثل سے پچاس منٹ پہلے اور اپریل سے اگست تک یعنی پانچ مہینہ میں دو مثل سے ایک گھنٹہ دس منٹ پہلے مثل اول ہو جاتا ہے اور ستمبر سے دسمبر تک یعنی چار مہینہ میں دو مثل سے ۲۲ منٹ پہلے مثل اوّل ہوتا ہے اور یہ سب تفاوت تدریجاً ہوتا ہے۔ عمل کرنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے۔

سوال۔ نماز عصر کے وقت کی نسبت ائمۂ اربعہ اور ائمۂ حنفیہ کا کیا مسلک ہے؟

جواب۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک نماز عصر کا وقت (سایۂ اصلی کو چھوڑ کر) مثل ثانی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ لیکن امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور خود امام ابو حنیفہ رح سے بھی ایک روایت میں نماز عصر کا وقت ایک مثل کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔

سوال۔ درمختار وغیرہ کتب فقہ میں ایک مثل کی روایت کو معمول بہا قرار دیا ہے اور ملّا عابد سندھی حنفی رح کتاب مواہب لطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ میں لکھتے ہیں کہ نماز عصر کا وقت داخل ہونے کے بارہ میں علماء مختلف الآراء ہیں۔ جمہور کے نزدیک ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور خزانۃ الروایات نے ملتقی البحار سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رح نے وقت ظہر کے خروج اور وقت عصر کے داخل ہونے میں شیخین کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا اور جن لوگوں نے شیخین کے قول کی طرف امامؒ کے رجوع کرنے کا ذکر کیا ہے ان میں صاحب فتاویٰ شامی اور صاحب کتاب الانیس و صاحب الجوہر المنیر شرح تنویر الابصار بھی داخل ہیں کتاب زیادات الہند و ابی علی لمستدرک الشیبانی کے باب مایحل اکلہ و مالا یحل میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ان مسائل میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرمایا تھا (۱) گھوڑے کا گوشت حرام ہونے کے قول سے (۲) اختلاف شفق سے (۳) دو مثلوں کے بعد عصر کا وقت شروع ہونے کے فتویٰ سے۔ ان کے علاوہ چند اور اقوال سے بھی رجوع فرمایا تھا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب۔ امام ابو حنیفہ رح کا دو مثلوں کے قول سے رجوع فرمانا کسی قطعی دلیل سے ثابت نہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی رح لکھتے ہیں کہ متون کی روایات مثلین کی ہیں اور اصل مذہب متون ہی میں

ہوتا ہے۔ اور گو بعض نے مثل دُرِّ مختار وغیرہ کے ایک مثل کو ترجیح دی ہے مگر محققین نے اس ترجیح کو نہیں مانا چنانچہ علامہ شامی نے ردّ المحتار میں اس پر کلام مبسوط کیا ہے (جلد اول ص ۲۷۱) اور براءۃ ذمہ یقینی بھی اسی میں ہے۔ پس یہی احوط بھی ہوا اور عصر ایک مثل پر پڑھنے میں اس کی صحت اختلافی ہو گی۔

سوال۔ نماز عصر ایک مثل پر پڑھ لی جائے تو ہو جائے گی یا قابلِ اعادہ ہو گی؟

جواب۔ اس سوال کے جواب میں مولٰنا رشید احمد گنگوہیؒ نے لکھا کہ ایک مثل کا وقت قوی ہے لہٰذا اگر ایک مثل کے بعد نماز عصر پڑھے تو ادا ہو جاتی ہے اعادہ نہ کرے (فتاویٰ رشیدیہ مبوب حصۂ اوّل مطبوعہ کراچی صفحہ ۳۲)

سوال۔ نماز عصر کے بارہ میں احتیاط کیا ہے؟

جواب۔ اگرچہ ایک مثل پر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یہی صحیح ہے لیکن علمائے حنفیہ کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ نماز عصر دو مثل کے بعد پڑھی جائے تاکہ امام ابو حنیفہؒ کی اُس روایت پر بھی عمل ہو جائے جس میں انہوں نے عصر کا وقت دو مثل کے بعد بتایا ہے اس طرح تمام روایتوں پر عمل ہو جائیگا

سوال۔ اگر عصر کی اذان دو مثل سے پہلے کہی جائے اور نماز دو مثل کے بعد پڑھیں تو کیسا ہے؟

جواب۔ میرے نزدیک یہ مستحسن ہے۔

سوال۔ نماز عصر کا وقت کب تک رہتا ہے اور اس کا مکروہ وقت کیا ہے؟

جواب۔ سایۂ اصلی کو چھوڑ کر ہر چیز کا سایہ جب دو مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو کر نماز عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور غروب آفتاب تک رہتا ہے لیکن جب سورج بہت نیچا ہو جائے۔ دھوپ کمزور اور پیلی پیلی ہو جائے۔ سورج سُرخ ٹکیہ کی طرح ہو جائے اور اُس پر نظر ٹھیرنے لگے تو اس وقت نماز عصر مکروہ ہوتی ہے۔

سوال۔ نماز مغرب کا ابتدائی اور انتہائی وقت کیا ہے؟

جواب۔ جب سورج ڈوب جائے تو نماز مغرب کا وقت شروع ہوتا ہے اور غروب شفق تک رہتا ہے۔ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی طرف آسمان کے کنارے پر جو سرخی نمودار ہوتی ہے اسے سُرخ شفق سے موسوم کرتے ہیں۔ پھر اس سُرخی کے غائب ہونے کے بعد ایک سفیدی ظاہر ہوتی ہے اسے شفق ابیض کہتے ہیں پھر یہ سفیدی بھی غائب ہو جاتی ہے اور آسمان کا کنارہ اور آسمان کے دوسرے حصے یکساں

دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اس شفق ابیض کے غائب ہونے سے پہلے تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔ عوام میں یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ جونہی ذرا تاریکی ہوئی سمجھ بیٹھے کہ نمازِ مغرب کا وقت ختم ہوا حالانکہ ایسا نہیں

سوال۔ آپ نے اوپر بتایا کہ شفق سفید تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔ لیکن مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ شفق سُرخ کے بعد عشاء کا وقت ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ شفق سفید مغرب میں داخل ہے یا عشاء میں

جواب۔ شفق اکثر ائمہ کے نزدیک اُس سُرخی کا نام ہے جو غروبِ آفتاب کے بعد ظاہر ہوتی ہے تمام اہلِ لغت کے نزدیک شفق اسی سُرخی کا نام ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور ایک جماعت علماء کے نزدیک شفق اس سفیدی کا نام ہے جو سرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ میں مختلف فیہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شفق سفید تک اور صاحبین کے نزدیک شفق سُرخ تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے اور شرح وقایہ میں فتویٰ اسی پر لکھا ہے۔ لیکن زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ دونوں کی رعایت رکھی جائے یعنی نمازِ مغرب شفق سُرخ سے پہلے پڑھ لیں اور عشاء سفیدی چھپنے کے بعد پڑھیں تاکہ نماز بلا اختلاف ادا ہو

سوال۔ عشاء کا وقت کیا ہے۔

جواب۔ عشاء کا وقت شفق چھپنے کے بعد سے شروع ہو کر صبح صادق سے پہلے تک رہتا ہے اور عشاء کا وقت مختار آدھی رات تک کا ہے۔

سوال۔ مغرب کا افضل وقت کیا ہے؟

جواب۔ مغرب کا افضل وقت بالاتفاق یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد فوراً پڑھی جائے۔ رافع بن خدیج صحابیؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ مغرب ادا کر کے ایسے وقت میں باہر نکلتے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے تیر کے گرنے کی جگہ دیکھتا۔ رواہ البخاری ومسلم یعنی نمازِ مغرب اوّل وقت میں پڑھتے۔ ایسے وقت میں کہ ادائے نماز کے بعد کوئی اپنا تیر پھینکتا تو دیکھتا کہ کہاں گرا ہے نمازِ مغرب میں بلا عذر دیر کرنا مکروہ

سوال۔ اگر متولی یا کوئی دوسرا با اثر آدمی حکم دے کہ جب تک ہم مسجد میں نہ آئیں جماعت کھڑی نہ ہو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ جو شخص جماعت میں تاخیر کا باعث ہو وہ گناہگار ہے۔ ایسوں کا انتظار درست نہیں ہاں عامۂ مسلمین کا انتظار درست ہے بشرطیکہ دوسروں کو جو حاضر ہو چکے ہوں اس سے تکلیف نہ ہو اور افضل وقت بھی

نہ گزر جائے۔ مگر رؤساء اور بااثر آدمیوں کا انتظار نہ کریں۔

سوال۔ گھڑیوں کے مطابق نماز کے اوقات مقرر کرنا اور سختی سے اس کی پابندی کرنا کیسا ہے اور اوقات نماز سے متعلق شارع علیہ السلام کا معمول کیا تھا۔

جواب۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اوقاتِ معینہ پر نماز پڑھاتے تھے اس کا خلاف کسی عارض کے باعث ہوتا تھا اور افضل وقت پر تعیین اوقات کا مدار مقتدیوں کے حال کی رعایت تھا۔ گھنٹہ گھڑی یعنی انضباط اوقات سے کام لینا محض شناخت اوقات کا ایک آلہ ہے۔ پس گھڑی کے مطابق اوقات کی پابندی کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور موافق سنت ہے۔

سوال۔ ممالک قطب شمالی اور قطب جنوبی میں اوقات نماز کی پابندی کس طرح ہو سکتی ہے۔ ان ممالک میں کئی کئی مہینے تک آفتاب طلوع اور غروب نہیں ہوتا۔

جواب۔ ایسی سرزمین میں اندازہ کر کے نمازیں ادا کریں جیسا کہ احادیث نبویہ میں ہے کہ دجال اکبر کے ایام فتنہ میں ایک دن سال بھر کا ہوگا۔ اصحاب علیہم الرضوان نے پوچھا یا رسول اللہؐ اس وقت نمازیں کیونکر ادا کی جائیں گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اندازہ کر کے نمازیں پڑھنا۔" مطلب یہ کہ ہر چوبیس گھنٹہ میں اسی قدر فصل سے نمازیں ادا کرنا جیسے عام حالات میں نمازوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ پس یہی حکم ان بلاد کا بھی ہے جہاں چھ چھ مہینے یا کم و بیش مدت تک دن یا رات رہتی ہے۔

سوال۔ کیا یہ صحیح ہے کہ موسم گرما میں نماز ظہر میں بہت تاخیر کی جانی چاہیئے؟

جواب۔ حسب بیان ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب گرمی کی شدت ہو تو نماز ظہر کو ٹھنڈے وقت پڑھو اور بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت پڑھو۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ صحابہ علیہم الرضوان نماز ظہر ٹھنڈے وقت پڑھتے تھے یہاں تک کہ ٹیلوں کے سائے زمین پر پڑنے لگتے تھے اور ٹیلے بلند نہیں ہوتے بلکہ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے سائے بہت دیر میں زمین پر پڑتے ہیں بخلاف دراز چیزوں مثل مینار وغیرہ کے کہ ان کے سائے جلد دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اور بعض روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ صحابہؓ موسم گرما میں دیواروں کے سائے میں سے گزر نماز ظہر کو جاتے تھے۔ الغرض مبالغہ ابراد میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ اور ترمذیؒ نے کہا کہ اس شخص کا قول جو

شدتِ گرما میں تاخیر ظہر کا قائل ہے اتباع کے ساتھ اَولیٰ ہے۔

سوال۔ بعض حدیثوں سے ظہر کا جلدی پڑھنا بھی ظاہر ہوتا ہے؟

جواب۔ حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ جس وقت گرمی ہوتی اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ٹھنڈے وقت نماز پڑھتے اور جب سردی ہوتی تو نماز میں جلدی کرتے رواہ النسائی اس حدیث سے ان حدیثوں کا تعارض رفع ہو جاتا ہے جن میں ظہر کا جلد پڑھنا مذکور ہے۔ اس حدیث نے فیصلہ کر دیا کہ آپ سردی میں ظہر جلدی پڑھتے تھے اور گرمی میں دیر کرتے تھے۔

سوال۔ نماز عشاء کو اوّل وقت پڑھنا بہتر ہے یا اس میں تاخیر کرنا افضل ہے؟

جواب۔ ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنی اُمت پر مشکل نہ جانتا تو البتہ ان کو نماز عشاء میں تاخیر کرنے اور ہر نماز کے وضو میں مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ رواہ البخاری ومسلم اور ابوہریرہ رضؓ اسلمی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء دیر میں پڑھنے کو مستحب رکھتے تھے رواہ البخاری ومسلم اور ابوہریرہ رضؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت کے حق میں تکلیف دہ نہ سمجھتا تو انہیں نماز عشاء کو تہائی یا نصف رات تک تاخیر کرنے کا حکم دیتا۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ اور فرمایا کہ نماز عشاء کو تاخیر سے پڑھا کرو۔ تمہیں اس نماز کے ساتھ تمام امتوں پر فضیلت بخشی گئی ہے تم سے پہلے کسی اُمت نے نماز عشاء نہیں پڑھی تھی رواہ ابوداؤد اور نعمان بن بشیر صحابی رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء اُس وقت پڑھا کرتے تھے جب تیسری رات کا چاند غروب ہوتا ہے۔ رواہ ابوداؤد والدارمی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ کا بیان ہے کہ ایک رات ہم نماز عشا کے لیئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے آخر آپؐ تہائی رات کے وقت یا اس کے بعد تشریف لائے اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ ذات گرامی کو کیا عذر پیش آیا۔ جس کے باعث آپ کو اتنی دیر ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ نماز کے لیئے منتظر تھے اور تمہارے سوا اہل دین میں سے کوئی بھی اس نماز کا انتظار نہیں کرتا اور اگر میری اُمت پر گراں نہ ہوتا تو میں نماز عشاء لازماً اسی وقت پڑھا کرتا۔ اس کے بعد تکبیر کہی گئی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابوسعید خدری رضؓ کا بیان ہے کہ ایک رات آپ نماز عشاء کے لیئے آدھی رات کے وقت تشریف لائے اور فرمایا کہ دوسرے لوگ (اپنے اپنے محلوں کی مسجدوں میں نماز عشاء پڑھ کر) سو چکے ہیں اور تم لوگ انتظار کرنے میں نماز ہی میں ہو۔ (یعنی تمہیں نماز ہی کا ثواب مل رہا ہے) اور اگر ضعیف کے ضعف اور بیمار کی بیماری کا خیال نہ ہوتا تو میں اس نماز کے لیئے آدھی رات تک تاخیر کرتا۔ رواہ ابوداؤد

والنسائی۔ کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ عشاء کا تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ خانیہ وغیرہ میں اس تاخیر کو جاڑوں کے ساتھ مخصوص بتایا ہے اور موسم گرما میں تو عشاء کا اس سے جلد پڑھنا مستحب ہے یعنی اس خوف سے کہ مبادا غلبۂ خواب کے باعث عشاء کا وقت خارج ہو جائے کیونکہ رات بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ لیکن اگر عشاء میں اتنی تاخیر کی کہ آدھی رات سے زیادہ ہو گئی تو یہ تاخیر مکروہ تحریمی ہے۔ عشاء کی تاخیر اس واسطے مستحب ہے کہ مکروہ قسم کی قصہ خوانی ختم ہو جائے اور نامۂ اعمال نماز پر ختم ہو جیسے نماز صبح سے شروع ہوا تھا۔ عشاء سے پہلے سونا فوت جماعت کے خوف کے پیش نظر مکروہ ہے اور نماز عشاء کے بعد غیر ضروری گفتگو بھی مکروہ ہے۔ البتہ تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، دینی مذاکرہ، اپنی بیوی یا مہمان سے گفتگو کرنا مکروہ نہیں۔

سوال۔ بلغار میں غروب شفق سے پہلے فجر طلوع کرتی ہے۔ بلغار ملک صقالیہ (سسلی) کا ایک نہایت شدید البرد شہر منتہائے شمال میں ہے۔ اس جگہ سال کی اقصر لیالی میں عشاء کا وقت نہیں ہوتا۔ وہاں جاڑے کے شروع میں جب آفتاب راس سرطان میں حلول کرتا ہے، سورج زمین پر ۲۳ گھنٹے ٹھہرتا ہے اور عرض بلد کے حساب پر محض گھنٹہ بھر کے لیے غروب ہوتا ہے چنانچہ علم ہیئت میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ کذا فی الطحطاوی عن الحلبی۔ وہاں نماز عشاء اور وتر کا وقت نہیں آتا۔ ایسی حالت میں وہاں کے مسلمان نماز عشاء اور وتر کے مامور ہیں یا نہیں! اگر مامور ہیں تو قضا کی نیت کریں گے یا ادا کی؟

جواب۔ علامہ کمال الدین ابن الہمام اور بعض دوسرے علمائے حنفیہ نے کہا کہ عشاء اور وتر کا وقت نہ پانے والے پر بھی ان نمازوں کا پڑھنا لازم ہے۔ نمازی ان کے وقت کا اندازہ کر لے یعنی غروب کے جتنی دیر بعد نماز عشاء اور وتر پڑھنے کا عام معمول ہے اُسی اندازہ پر دونوں نمازیں پڑھے اور قضا کی نیت نہ کرے کیونکہ قضا اس کو کہتے ہیں جس کا وقت ہو مگر فوت ہو جائے۔ اور یہاں وقت ہی نہیں اس لیے قضا بھی نہیں۔" لیکن لزوم نماز کا یہ مسلک درست نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ عشاء اور وتر کا وقت نہ پانے والا ان کا مکلف ہی نہیں۔ کیونکہ فرضیت نماز کا سبب وقت ہے اور چونکہ وقت نہ آیا اس لیے نماز بھی فرض نہ ہوئی۔ مجتبیٰ میں ہے کہ مسلمانانِ بلغار کی طرف سے ایک استفتاء برہان الائمہ کے پاس آیا جس میں لکھا تھا کہ ہم لوگ اپنے شہر میں عشاء کا وقت نہیں پاتے تو ہم پر عشاء فرض ہے یا نہیں؛ برہان الائمہ نے جواب میں لکھا کہ تم لوگوں پر عشاء فرض نہیں۔ ظہیر الدین مرغینانی اور سیف السنۃ خوارزمی نے بھی عدم فرضیت کا فتویٰ دیا۔ لیکن شمس الائمہ حلوانی نے عشاء اور وتر قضا کرنے کے لیے لکھ بھیجا۔ جب سیف السنۃ خوارزمی کا جواب حلوانی کو پہنچا تو انہوں نے کسی کو ان کے پاس خوارزم بھیجا اور کہا کہ مجمع میں اُن سے سوال کرنا کہ اُس

شخص کے حق میں کیا کہتے ہو جو پانچ نمازوں میں سے ایک نماز کا انکار کرتا ہے۔ سیف السنۃ سوال کا منشا سمجھ گئے اور فرمایا تم اُس شخص کی نسبت کیا کہتے ہو جس کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت یا دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت کاٹے گئے۔ اس کے وضو میں کتنے فرض ہیں۔ جواب دیا کہ چوتھے فرض کا محل نہ ہونے کے باعث اس کے لیے تین فرض ہیں" جب یہ جواب حلوانی کو پہنچا تو اس جواب کو پسند کیا اور اپنے فتوے سے رجوع کر لیا۔ ابراہیم حلبی شارح مُنیہ نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور محقق کمال الدین نے فتح القدیر میں فرضیت عشاء کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ (غایۃ الاوطار)

فصل ۱۳۔ نمازوں کا مختار وقت

سوال۔ اوّل وقت میں نماز پڑھنے سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ ابن عباس رضؓ کی حدیث میں جس کی ابو داؤد اور ترمذی نے تخریج کی مذکور ہے کہ جبریل علیہ السلام جب مکہ معظمہ میں تعلیم نماز کے لیے تشریف لائے تو انھوں نے خانۂ کعبہ کے پاس پہلے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نمازیں ان کے شروع وقتوں میں پڑھائیں اور پھر دوسرے دن آکر پانچوں نمازیں ان کے اخیر وقتوں میں پڑھائیں اس کے بعد جبریلؑ نے آپ سے کہا کہ ہر نماز کا مختار وقت ان دونوں کے درمیان ہے" پس جن احادیث نبویہ میں اوّل وقت میں نمازیں پڑھنے کی فضیلت مذکور ہے اُس سے مراد شروع اور اخیر کے درمیانی اوقات ہیں نہ کہ بالکل ابتدائی وقت۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ اوّل وقت سے مراد نصف اوّل ہے معلوم ہو کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے توابع نے جو زیادہ تعجیل صلوٰۃ کا التزام نہیں فرمایا تو اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جلدی نماز پڑھنے میں نمازی کم ہوتے ہیں اور جماعت بڑی نہیں ہوتی۔ اس میں شبہ نہیں کہ بموجب قول خداوندی فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ (بھلائیوں کے بجا لانے میں جلدی کرو) تعجیل صلوٰۃ بذاتہٖ افضل ہے لیکن بہ سبب بعض عوارض خارجی کے کبھی تاخیر ہی اولیٰ ہو جاتی ہے۔ نماز کو اس کے مختار وقت سے مؤخر کرنا مذموم ہے اور اتنی دیر کر دینا کہ مکروہ وقت آجائے اور زیادہ بُرا ہے۔

سوال۔ منافق کی نماز کیا ہے؟

جواب۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عصر کی نماز

اخیر وقت میں پڑھی جاتی ہے - وہ منافق کی نماز ہے - منافق بیٹھا رہتا ہے اور آفتاب کا انتظار کرتا ہے یہاں تک کہ جب آفتاب غروب کے قریب ہوتا ہے تو وہ اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اس میں خدا کو بہت کم یاد کرتا ہے - رواہ مسلم ۔

چار ٹھونگیں مارتا ہے یعنی جلد جلد سجدے کرتا ہے بغیر طمانیت کے جیسے مرغا جلدی سے دانے چُنتا ہے - نماز عصر میں آٹھ سجدے ہیں یہاں چار فرمائے - اس لئے کہ پہلے سجدہ کے بعد جب سر اچھی طرح نہ اٹھایا تو دونوں سجدے ایک سجدے کے حکم میں ہوئے - اور دونوں سجدوں کو ایک رکن قرار دیا - بعض علماء نے لکھا ہے کہ جس نے نماز عصر میں آفتاب کے زرد ہونے تک تاخیر کی اس نے منافق کی شباہت اختیار کی - کیونکہ منافق صحت نماز کی آرزو نہیں رکھتا - بلکہ اس لئے نماز پڑھتا ہے کہ لوگ اسے مسلمان سمجھیں اور تاخیر کی اس لیے پرواہ نہیں کرتا کہ وہ طالب ثواب نہیں ہوتا پس مسلمان پر واجب ہے کہ نماز عصر جلدی پڑھنے میں منافق کی مخالفت کرے -

سوال - کیا مغرب کی نماز اذان کے متصل ہی واجب ہے ؟

جواب - نہیں - جب تک مستحب وقت باقی رہے تاخیر جائز ہے -

فصل ۳۲ - مکروہ و ممنوع اوقات نماز

سوال - نفل نماز کس کس وقت میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے ؟

جواب - صبح صادق ہو جانے کے بعد فجر کی دو رکعت سنّت مؤکدہ کے سوا نفل نماز مکروہ تحریمی ہے - فجر کی دو رکعت فرض کے بعد بھی آفتاب کے ایک نیزہ بلند ہونے تک نفل نماز مکروہ تحریمی ہے اسی طرح نماز عصر کے بعد بھی آفتاب کے متغیر ہونے سے پہلے نفل نماز مکروہ تحریمی ہے -

سوال - ان تین وقتوں میں کون سی نماز جائز ہے ؟

جواب - ان تینوں وقتوں میں فرض نماز کی قضا اور نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بلا کراہت جائز ہے -

سوال - وہ کون سے تین وقت ہیں جن میں ہر نماز مکروہ تحریمی ہے ؟

جواب - طلوع آفتاب کے وقت سے لے کر ایک نیزہ بلند ہونے تک اور نصف النہار کے وقت

اور آفتاب متغیر ہونے سے غروب تک ہر نماز مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں اگر اسی دن کی نماز عصر نہ پڑھی ہو تو اسے آفتاب متغیر ہونے اور غروب ہونے کی حالت میں بھی پڑھ سکتے ہیں گو اتنی دیر تک نماز میں تاخیر کرنا حرام ہے اور منافق ہونے کی علامت ہے۔

سوال۔ نماز عصر غروب آفتاب کے وقت جائز ہے۔ نماز صبح کا کیا حکم ہے۔ یعنی وہ طلوعِ آفتاب کے وقت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب۔ تغیرِ آفتاب کا وقت عبادت کفار کا وقت ہے۔ اس لیئے وہ ناقص وقت ہے برخلاف فجر کے کہ اس کا تمام وقت کامل ہے اس لیئے وجوب بھی کامل ہے۔ پس طلوع ہونے سے نماز صبح باطل ہو جائے گی۔ نماز عصر اور نماز فجر کے اس فرق کی علت حدیثوں کا تعارض ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عصر کی ایک رکعت قبل غروب کے پائی اُس نے پوری نماز پائی اور جس نے قبل طلوع آفتاب کے صبح کی ایک رکعت پائی اُس نے بھی صبح کی نماز پائی۔ چونکہ اس حدیث اور اُس حدیث میں جس میں اوقاتِ ثلثہ میں نماز ممنوع ہے تعارض واقع ہوا ہم نے رفع تعارض کے لیئے اس حدیث کے حکم کو نماز عصر میں ترجیح دی۔ کذا فی الطحطاوی۔

سوال۔ اگر کسی نے اوقات ثلثہ میں نفل شروع کیئے تو اُس کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ نفل نماز اوقات ثلثہ میں شروع کرنے سے کراہت تحریمی کے ساتھ منعقد ہوتی ہے۔ اس لیئے اس کا قطع کرنا اور اس کو کامل وقت میں قضا کرنا واجب ہے۔

سوال۔ طلوع اور غروب سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ طلوع سے مراد آفتاب کا کنارہ ظاہر ہونے سے اس وقت تک ہے کہ اس پر نگاہ خیرہ ہونے لگے جس کی مقدار کنارہ چمکنے سے کوئی ۲۰ منٹ تک ہے اور جب ڈوبنے سے پہلے سورج پر نظر ٹھہرنے لگے ڈوبنے تک غروب ہے۔ اس وقت کا اندازہ بھی ۲۰ منٹ ہے۔

سوال۔ نصف النہار سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ نصف النہار سے مراد نصف النہار شرعی سے نصف النہار حقیقی یعنی سورج ڈھلنے تک ہے جس کو ضحوۂ کبریٰ کہتے ہیں۔ یعنی طلوع فجر سے غروب آفتاب تک جو وقت ہو اس کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کریں۔ پہلے حصے کے اختتام پر ابتدائے نصف النہار شرعی ہے اور اُس وقت سے آفتاب ڈھلنے

تک استواء اور ہر نماز کی ممانعت کا وقت ہے۔

سوال۔ عصر اور مغرب کے درمیان آفتاب کے متغیر ہونے سے پہلے سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ اور نمازِ فرض اور وتر کی قضا یا کوئی اور نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ عصر اور مغرب کے درمیان آفتاب کے متغیر ہونے سے پہلے سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ اور قضائے فرض و وتر جائز ہے اور نوافل و سُنن ممنوع ہیں اور آفتاب کے متغیر ہونے کے بعد یہ سب چیزیں ممنوع ہیں

سوال۔ نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت وغیرہ طلوع آفتاب و استوا و غروب آفتاب کے وقت مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر کوئی پڑھے تو ادا ہوگا یا نہیں؟

جواب۔ مکروہ تحریمی ہونے کے باوجود اگر کوئی ان اوقات مذکورہ میں پڑھے تو ادا ہو جاتا اور ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ اسی وقت آیت سجدہ تلاوت کی ہو اور جنازہ حاضر ہوا ہو اور اگر وقتِ مکروہ سے پہلے آیت سجدہ پڑھی ہو یا جنازہ آیا ہو لیکن مکروہ وقت میں ادا کیا تو ادا نہیں ہوتا۔ دوبارہ پڑھنا چاہیئے۔

سوال۔ نماز صبح سے پہلے اور اس کے بعد اور نماز عصر کے بعد متصل ہی نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب۔ نہیں۔

سوال۔ آفتاب کے متغیر ہونے کے کیا معنیٰ ہیں؟

جواب۔ جب آفتاب سرخ ٹکیہ کی مانند ہو جائے اور اس پر نظر ٹھیرنے لگے تو سمجھو کہ آفتاب متغیر ہو گیا۔

سوال۔ اگر فریضۂ نماز مکروہ وقت میں پڑھی تو اس کا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟

جواب۔ اس کا اعادہ چاہیئے۔ اس سے جبر نقصان ہو جاتا ہے۔

سوال۔ کن وقتوں میں صرف نوافل مکروہ ہیں؟

جواب۔ صبح صادق سے نماز فجر تک کا وقت ایسا ہے جس میں صبح کی دو رکعت سنت مؤکدہ کے سوا سب نفل مکروہ ہیں۔ اسی طرح نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک کا وقت اور نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت۔ ہر فرض نماز کی اقامت کا وقت۔ خطبۂ جمعہ پڑھے جانے کا وقت عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن طلوع آفتاب کے بعد سے عیدین کی نماز تک۔ عرفات اور مُزدلفہ میں جن نمازوں کو جمع کرتے ہیں ان نمازوں کے درمیان کا وقت۔ اگر کسی نماز کا وقت تنگ ہو جائے تو اس وقت بھی فرض کے سوا سب نوافل مکروہ ہیں۔

فصل ۳۲- ایک وقت میں دو نمازوں کا جمع کرنا

سوال- ایک وقت میں دو نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب- تمام نمازیں ان کے معین اوقات پر فرض کی گئی ہیں- حق تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (نماز مسلمانوں پر بقید وقت فرض ہے- ۴ : ۱۰۳) اس کے سوا بیشمار آیتیں اور حدیثیں ہیں- پس ان کا ترک کرنا جائز نہیں جب تک کوئی دوسری دلیل مثل قرآن کے قطعی الدلالۃ قطعی الثبوت نہ پائی جائے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس ذات برتر کی قسم ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز اس کے وقت پر پڑھی ہے- البتہ آپ نے دو نمازیں جمع کی تھیں عرفہ میں ظہر اور عصر کی اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز- رواہ البخاری ومسلم-

سوال- ایک حدیث میں راوی نے تصریح کی ہے کہ پہلی نماز کا وقت خارج ہو گیا تھا-

جواب- اگر وہ روایت جس میں جمع کرنا مذکور ہے صحیح ہو جائے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کے آخر وقت میں اور عصر کے اول وقت میں نماز پڑھی- ایسا ہی مغرب اور عشاء میں کیا پس جمع کرنا فعل میں ہوا ایک وقت میں نہ ہوا- اور راوی نے جو تصریح کی ہے کہ پہلی نماز کا وقت خارج ہو گیا تھا تو وہ قریب الخروج ہونے کے اعتبار سے کہہ دیا جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ (جب اختتام عدت کے قریب پہنچیں تو ان کو روکو) کیونکہ عدت گزرنے کے بعد روکنے کی قدرت نہیں رہتی- الغرض سفر وغیرہ میں دو نمازوں کو صورۃً جمع کریں کہ پہلی کو اس کے آخر وقت میں اور دوسری کو اس کے اول وقت میں پڑھیں کہ فی الحقیقت دونوں اپنے وقت میں ادا ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں- البتہ عرفہ اور مزدلفہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کہ عرفہ میں ظہر و عصر بوقت ظہر اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء بوقت عشاء پڑھی جاتی ہیں-

سوال- اگر حالت مرض و سفر وغیرہ میں دو نمازیں جمع کر لیں تو جائز ہے یا نہیں کیونکہ شدت مرض اور پر مشقت سفر کی صعوبتوں میں نماز کے فوت ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور اس کے جواز پر شاہ ولی اللہ قدس سرہ

کا مسلک بھی ہے جو مصفی شرح موطا میں فرماتے ہیں۔ مختار نیز جواز است وقت عذر و عدم جواز بغیر عذر اور مولانا عبد الحی لکھنوی بھی اپنے مجموعۂ فتاوی میں جواز کے قائل ہیں۔

جواب:۔ یہ مقلد کا دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کا مسئلہ ہے۔ اگر اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنے میں دشواری ہو تو دوسرے امام کے قول پر عمل کر لے۔ اس قدر تنگی نہ اٹھائے کہ یہ ضرر اور حرج دین کا موجب ہو جاتا ہے۔ یہی مسلک اپنے اساتذہ کا ہے جیسا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے (فتاوی رشیدیہ مطبوعہ کراچی حصہ اول صفحہ ۳۲)

فصل ۳۴۔ اذان واقامت

سوال:۔ اذان کے کیا معنی ہیں؟

جواب:۔ اذان کے معنی خبر کرنے کے ہیں لیکن شریعت میں نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ کی جماعت کیلئے خاص الفاظ سے اعلان کرنے کو اذان کہتے ہیں۔

سوال:۔ اذان فرض ہے یا سنت؟

جواب:۔ اذان سنت ہے۔ لیکن چونکہ اس سے اسلام کی ایک خاص شان ظاہر ہوتی ہے اس لئے اس کی بہت سخت تاکید ہے۔

سوال:۔ اذان کے متعلق کیا کیا احکام ہیں؟

جواب:۔ اذان واقامت ادا اور قضا نمازوں کیلئے مامور ہے مسافروں کیلئے جب جماعت سے پڑھیں اس کا ترک کروہ ہے۔ جو کوئی گھر میں نماز پڑھے اس کے لئے محلے کی اذان کافی ہے۔ شہر میں جمعہ کے دن نماز ظہر کے لئے اذان ینا مکروہ ہے۔ اذان مردوں کے لئے مستحسن ہے عورتوں کے لئے نہیں۔ اگر عورت یا غیر عاقل لڑکا اذان یں تو لوٹائی جائے گی۔ جس مسجد میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ہو چکی ہو اس مسجد میں نماز با جماعت پڑھی جائے تو اذان ور اقامت کا کہنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر اس مسجد میں کوئی امام اور مؤذن مقرر نہ ہو تو مکروہ نہیں بلکہ افضل ہے۔

سوال:۔ اذان کس وقت کہی جائے؟

جواب:- ہر فرض نماز کی اذان اس کا وقت آنے کے بعد کہنی چاہیے۔ اگر وقت سے پہلے کہہ دی تو وقت آنے پر دوبارہ کہی جائے۔

سوال:- اذان میں کتنے امور مستحب ہیں؟

جواب:- اذان میں سات باتیں مستحب ہیں (۱) قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونا (۲) اذان کے کلمے ٹھہر ٹھیر کر کہنا (۳) اذان کہتے وقت شہادت کی انگلیاں کانوں میں رکھنا (۴) اذان مسجد کے باہر اونچی جگہ پر کہنا (۵) حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کہنے وقت بائیں جانب اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کہتے وقت بائیں جانب منہ پھیرنا (۶) فجر کی اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے بعد دو مرتبہ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہنا (۷) بلند آواز سے اذان کہنا۔ چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذان بلند آواز سے کہا کرو کیونکہ نہ صرف جنات اور انسان بلکہ کائنات کی ہر چیز جو مؤذن کی اذان سنتی ہے قیامت کے دن اس کے لئے گواہی دے گی۔ رواہ البخاری۔

سوال:- کانوں میں انگلیاں رکھ کر اذان دینے کا کیوں حکم ہوا؟

جواب:- اس سے آواز زیادہ بلند ہوتی ہے۔ رواہ ابن ماجہ

سوال:- اذان سننے والا اذان کا کیونکر جواب دے؟

جواب:- علقمہ بن وقاص کا بیان ہے کہ میں امیر معاویہؓ کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں مؤذن نے آواز دی معا نے وہی کلمات کہنے شروع کئے جو مؤذن کہہ رہا تھا۔ جب مؤذن نے کہا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ تو معاویہؓ نے کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور جب مؤذن نے کہا حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ تو حضرت معاویہؓ نے کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اس کے بعد ویسا ہی کہا جس طرح مؤذن نے کہا۔ پھر کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح اذان کا جواب دیتے سنا تھا۔ رواہ احمد

سوال:- اِلَّا بِاللّٰہِ کے بعد الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کہنا ضروری ہے؟

جواب:- نہیں۔ حسب بیان علی قاریؒ طیبیؒ نے کہا کہ لفظ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کی زیادتی روایات میں نادر

سوال:- لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے کیا معنی ہیں؟

جواب:- اس کے یہ معنی ہیں کہ گناہ سے نہیں بچ سکتے مگر اللہ کی توفیق سے اور اللہ کی مدد کے بغیر میں طاعت بجا لانے کی بھی طاقت نہیں۔ یہ کلمہ اس لئے پڑھا جاتا ہے کہ جب مؤذن نے نیکی کی طرف بلایا۔ تو

ننے والا یہ جواب دیتا ہے کہ یہ ایک امر عظیم ہے اور میں ضعیف ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور نصرت بخشی کے بغیر اس ار خطیر کو انجام نہیں دے سکتا۔

سوال:- اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا جواب کیا دیں؟

جواب:- کہیں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ (تو نے سچ کہا اور اچھا کام کیا)

سوال:- اذان سے متعلق دوسرے احکام کیا ہیں؟

جواب:- امام نوویؒ وغیرہ نے اذان کا جواب دینا مستحب لکھا ہے لیکن اکثر علماء نے واجب بتایا ہے۔ ر متعدد اشخاص اذان کہیں تو جواب اسی کا دینا لازم آتا ہے جس نے سب سے اوّل کہی اور اگر مختلف مساجد کی طرف سے ان کی آواز سنائی دے تو اپنی مسجد کے مؤذن کی اذان کا جواب لازم آتا ہے۔

سوال:- اگر کوئی تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو تو وہ اذان کا جواب دے یا بدستور قرآن پڑھتا رہے؟

جواب:- قرآن خوانی چھوڑ کر زبان سے اجابتِ اذان واجب ہے بدلیل ظاہر لفظ کے جو حدیثِ نبوی میں ہے جب مؤذن کی اذان سنو تو اس قول کی مانند کہو جو مؤذن کہتا ہے۔ چنانچہ صاحب بحر الرائق نے اس کو مشرح بیان ا ہے اور زبان سے جواب دینے کو نہر الفائق میں محیط وغیرہ سے نقل کر کے قوی کہا ہے اور لکھا ہے کہ اذان کا سامع بتِ زبانی کے وقت کسی کے سلام کا جواب نہ دے اور نہ خود کسی کو سلام کرے اور نہ قرآن پڑھے بلکہ قراءت کو ع کر کے اذان کا جواب دے اور اجابت کے سوا کسی فعل میں مشغول نہ ہو۔ کذا فی الدر المختار۔

سوال:- اذان کا جواب کن لوگوں پر واجب ہے؟

جواب:- اذان کا جواب ہر سننے والے پر واجب ہے خواہ طاہر ہو یا مُحدِث، جنبی ہو یا حائض وغیرہم شرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔

سوال:- کن صورتوں میں اذان کا جواب نہ دینا چاہیئے؟

جواب:- (۱) نماز کی حالت میں (۲) پیشاب پاخانہ کی حالت میں (۳) جنسی اختلاط کی مشغولی کے وقت۔) خطبہ سنتے وقت۔ خطبہ جمعہ کا ہو یا کوئی اور (۵) علم دین پڑھنے پڑھانے میں۔ مگر ان لوگوں کو چاہیئے کہ فراغت ے بعد اذان کے کلمات کہہ لیں۔ بشرطیکہ زیادہ دیر نہ گزری ہو۔ کھانا کھاتے ہوئے اذان کا جواب دیں تو جائز ہے ن ضروری نہیں۔

سوال:- اذان اور اقامت کا جواب دینے میں کیا تفصیلات ہے؟

جواب:- ایک شخص بارگاہ نبوی میں عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! موذن لوگ ہم لوگوں پر فضیلت لے گئے (یع انھیں اذان دینے کے باعث اوروں سے زیادہ ثواب ملتا ہے) آپ نے فرمایا تم بھی کہو جیسا کہ موذن کہتے ہیں۔ جب جواب اذان سے فارغ ہو تو دعا مانگو۔ تمہاری دعا مقبول ہوگی۔ رواہ ابوداؤد۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح موذن کہے تم بھی اسی طرح کہو مگر حیّ علی الصلوٰۃ اور حیّ علی الفلاح کے جواب میں لاحول پڑھو تو تمہیں بھی ان کا اصل ثواب حاصل ہوگا۔ آپ نے جواب کے علاوہ دعا کرنے کو جو فرمایا تو اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر موذن کا جواب دینے کے بعد دعا کروگے تو تم فضیلت میں اس سے بڑھ جاؤگے۔ بظاہر دعا سے دعائے وسیلہ مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال:- اگر کسی حادثہ کے وقت سب لوگوں کی نماز قضا ہو جائے تو اذان علی الاعلان کہی جائے گی یا نہیں

جواب:- اس صورت میں اعلان سے کہی جائے اور چند اشخاص کی نماز کسی خاص سبب سے قضا ہوئی تو اس کے لئے اذان آہستہ پوشیدہ طور پر کہی جائے۔ اور اگر کئی نمازیں قضا ہوں اور سب ایک ہی وقت میں پڑھی جائیں تو صرف پہلی نماز کے لئے اذان مسنون ہے اور باقی نمازوں کے لئے اقامت کافی ہے۔

سوال- اذان مغرب کے بعد فی الفور اقامت (یعنی تکبیر) کہنا کیسا ہے؟

جواب:- اذان مغرب کے بعد موذن دعائے وسیلہ (اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ) پڑھنے کے بعد تین چھوٹی آیتوں کی مقدار چپکا کھڑا رہے اس کے بعد اقامت شروع کرے۔ نماز مغرب میں اذان اور اقامت کا بلا توقف ملا دینا بالاتفاق مکروہ ہے (درمختار)

سوال:- تکبیر داہنی طرف اور اذان بائیں جانب ہونی ضرور ہے یا نہیں؟

جواب:- جس طرف اتفاق ہو اذان واقامت درست ہے۔ کسی جانب میں کوئی کراہت نہیں۔

سوال:- اقامت کا جواب امام اور مقتدی سب دیں یا صرف مقتدی؟ اور جو نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں موجود ہو وہ بھی جواب دے یا نہیں؟

جواب:- امام اور مقتدی سب دیں اور فارغ عن الصلوٰۃ بھی جواب دے۔

سوال:- اگر کوئی شخص اذان یا اقامت غلط کہے تو اذان یا اقامت کو لوٹائیں یا نہیں؟

جواب:- دوبارہ کہیں۔

سوال:- میت کو دفن کرتے وقت یا دفن کے بعد قبر کے پاس اذان کہنا کیسا ہے؟

جواب:- بدعت ہے۔ یہ اذان نہ کسی حدیث سے ثابت ہے نہ سلف سے منقول ہے۔

سوال:- اذان کا جواب دینے کے بعد کیا پڑھنا چاہیئے۔

جواب:- عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اذان سنو تو وہی کلمے کہو جو مؤذن کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ عطا کرنے کی درخواست کرو۔ جو جنت میں ایک اعلیٰ منزل ہے وہ منزل بندگانِ خدا میں سے صرف ایک بندے کے لائق ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں۔ سو جس شخص نے میرے لئے وسیلہ کی درخواست کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ رواہ مسلم والترمذی وابوداؤد والنسائی۔

سوال:- اللہ تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وسیلہ کس طرح مانگا جائے؟

جواب:- طلب وسیلہ کی دعا اس حدیث میں مذکور ہے۔ حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ
وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ
وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ
الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ۔

اے اللہ! اس پوری پکار یعنی اذان کے اور قائم ہونے والی نماز کے پروردگار محمدؐ کو وسیلہ اور فضیلت (خاص) عطا فرما اور آپ کو مقام محمود میں پہنچا۔ جس کا تو نے ان سے وعدہ فرما رکھا ہے۔

اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہو گئی۔ رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والبیہقی فی السنن الکبیر وابن حبان فی صحیحہ۔

سوال:- یہ دعا وَعَدْتَّهٗ تک ہے یا آگے بھی ہے؟

جواب:- یہ دعا وَعَدْتَّهٗ تک ہی ہے۔ البتہ بیہقی کی سنن کبیر میں الفاظ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (تو اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا) کا بھی اضافہ ہے۔

سوال:- بعض لوگ وَعَدْتَّهٗ کے بعد وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اور ہم کو قیامت کے دن آنحضرتؐ کی شفاعت نصیب کر) بھی پڑھتے ہیں۔ ان الفاظ کو بھی پڑھیں یا نہیں؟

جواب:- ہرگز نہیں۔ کیونکہ کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ شارع علیہ السلام کے کلام میں یہ اضافہ سراسر بدعت ہے۔ مزید براں اس اضافہ سے کلام بھی بے ربط ہو جاتا ہے۔

سوال :- پوری پکار اور فضیلت اور مقام محمود سے کیا مراد ہے اور وہ کون سا وعدہ ہے جو خدائے قدّوس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم سے کر رکھا ہے ؟

جواب :- پوری پکار سے دعوت توحید یا اذان کے کلمات مراد ہیں جو نماز کی طرف بلاتے ہیں۔ اور فضیلت سے مراد قدر اور مرتبہ ہے جو سب خلائق سے بلند و رفیع ہو۔ اور ظاہر یہ ہے کہ والفضیلۃ میں وسیلہ کا عطف تفسیری ہے یا ممکن ہے کہ وسیلہ کے سوا کوئی اور مرتبۂ عالی ہو۔ مقام محمود سے وہ مقام مراد ہے جہاں سب کی زبان پر آپ کی تعریف کی جائے گی۔ وہ قرب اور شفاعت کا مقام ہے کہ آپ اس مقام میں کھڑے ہو کر شفاعت کریں گے۔ "جس کا تو نے وعدہ کیا" میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

سوال :- جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما لیا اور اس ذات برتر کا وعدہ ٹل نہیں سکتا تو دُعا کی کیا حاجت رہی ؟

جواب :- دعا اس لئے ہے کہ اُمت بھی ثواب پائے یا آپ نے براہ تواضع و کسر نفسی وسیلہ کی دعا کرنے کو فرمایا ہو۔ کہ وعدۂ باری تعالیٰ کے باوجود میں خدائے بے نیاز کی عطا و بخشش کا خواستگار ہوں۔

سوال - نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی دعائے وسیلہ پڑھے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی یعنی وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ لیکن قابل دریافت یہ ہے کہ بہشت میں تو ہر مومن داخل ہوگا۔ خواہ وہ بلا عذاب یا بعد از عذاب تو دعائے وسیلہ پڑھنے میں داخلۂ جنت کی کیا خصوصیت رہی ؟

جواب :- یہاں یہ مُراد ہے کہ وہ نجات یافتہ لوگوں کے زمرہ میں داخل ہوگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ نہ صرف زبان سے کہے بلکہ دل میں اس کا اعتقاد بھی رکھے۔

سوال :- اذان اور اقامت میں کیا فرق ہے ؟

جواب :- فرض نماز کی جماعت کھڑی ہوتے وقت وہی کلمات جو اذان میں کہے جاتے ہیں اقامت میں بھی کہیں۔ اقامت کا جواب امام اور مقتدی سب دیں اور فارغ عن الصلوٰۃ بھی جواب دے۔

اذان اور اقامت میں فرق یہ ہے کہ - (۱) اذان بلند آواز سے کہی جاتی ہے۔ اقامت پست آواز سے (۲) اذان ٹھہر ٹھہر کر دی جاتی ہے اقامت تیزی کے ساتھ (۳) اذان مسجد کے باہر بلند جگہ پر کہی جاتی ہے لیکن اقامت مسجد کے اندر (۴) اقامت میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ دو مرتبہ اذان کے کلموں سے زیادہ ہے (۵) اقامت کہتے وقت کانوں کے سوراخ بند نہیں کئے جاتے (۶) اقامت میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کہتے وقت دائیں بائیں جانب منہ نہیں پھیرا جاتا۔

سوال :۔ اذان میں کس موقع پر منہ پھیرنے کا حکم ہے ؟

جواب :۔ اذان میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہتے وقت داہنی اور بائیں طرف کو منہ پھیرنا سنت ہے مگر سینہ اور قدم قبلہ سے نہ پھرنے پائے ۔

سوال :۔ فرض نمازوں کے علاوہ کس کس نماز میں اقامت کہی جائے ؟

جواب :۔ اقامت صرف فرض نمازوں کے لئے مسنون ہے ۔ کسی دوسری نماز کے لئے نہیں ۔

سوال :۔ اقامت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے مسنون ہے ؟

جواب :۔ نہیں صرف مردوں کے لئے ۔

سوال :۔ اذان اور اقامت بے وضو کہہ سکتے ہیں یا نہیں ۔ اور اگر کبھی گھر میں نماز فرض پڑھنے کا اتفاق ہو تو وہاں اذان اور اقامت کہیں یا نہیں ؟

جواب :۔ اذان بے وضو کہنا جائز ہے مگر اس کی عادت کر لینا مذموم ہے اور اقامت بے وضو مکروہ ہے ۔ مسجد محلہ کی اذان و اقامت گھر میں نماز پڑھنے والے کے لئے کافی ہے ۔ لیکن اگر اقامت کہہ لے تو اچھا ہے ۔ ۔

سوال :۔ مسافر حالتِ سفر میں اذان و اقامت کہنے کا مامور ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ مسافر کو آبادی سے نکلنے کے بعد اذان اور اقامت دونوں کہنی چاہئیں ۔ لیکن اگر اذان نہ کہے اور اقامت پر اکتفا کرے تو بھی مضائقہ نہیں ۔ لیکن دونوں کو چھوڑ دینا مذموم و مکروہ ہے ۔

سوال :۔ اذان ایک شخص اور اقامت دوسرا شخص کہہ سکتا ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ اگر اذان کہنے والا موجود نہ ہو یا موجود ہو مگر دوسرے شخص کا اقامت کہنا اُسے ناگوار نہ ہو تو جائز ہے اور اگر اس سے ناخوش ہو تو مکروہ ہے ۔

سوال :۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ مؤذن کو کسی کام کے لئے بھیجا اور برادر صُداء نے آپ کے حکم سے اذان دی ۔ اتنے میں بلالؓ بھی آ گئے ۔ جب جماعت کھڑی ہوئی تو بلالؓ تکبیر کہنے لگے لیکن آپ نے انہیں روک دیا اور فرمایا کہ جو اذان دے وہی اقامت کہے ۔ چنانچہ برادر صُداء ہی نے تکبیر بھی کہی "۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان دینے والے کی بجائے کوئی دوسرا شخص اقامت نہیں کہہ سکتا ۔"

جواب :۔ یہ حدیث ضعیف ہے ۔ کیونکہ اس میں ایک راوی افریقی مجروح ہے ۔ ترمذی نے کہا اہل حدیث

کے نزدیک افریقی ضعیف ہے۔ یحییٰ بن سعید قطان نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ میں افریقی کی حدیث قلمبند نہیں کرتا۔" دوسرا شخص مؤذن کی رضامندی سے تکبیر کہہ سکتا ہے۔ اس کے ثبوت میں عبداللہ بن زیدؓ کا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ جب انھوں نے بارگاہ نبوی میں اپنا وہ خواب بیان کیا جس میں انھیں اذان کی تعلیم دی گئی تھی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ بلالؓ کو اذان سکھا دو۔ چنانچہ اس کے بعد بلالؓ نے اذان دی اور عبداللہ بن زید نے تکبیر کہی۔ اور حدیثوں میں یہ بھی مروی ہے کہ کبھی عبداللہ ابن اُم مکتومؓ اذان دیا کرتے تھے اور بلالؓ اقامت کہتے اور کبھی بلالؓ اذان دیتے اور ابن اُم مکتوم اقامت کہتے (بذل المجہود فی حل ابی داؤد جلد اوّل صفحہ ۲۹۵) +

سوال:۔ اذان کے کتنی دیر بعد اقامت کہنی چاہیئے؟

جواب:۔ اذان مغرب کے سوا دوسرے وقتوں میں اتنا ٹھیرنا چاہیئے کہ جو لوگ پاخانہ پیشاب یا کھانے پینے میں مشغول ہوں وہ بسہولت فارغ ہو کر جماعت میں شریک ہو سکیں اور مغرب کی اذان کے بعد اتنا ٹھیرنا لازم ہے۔ کہ تین چار آیتیں پڑھی جا سکیں۔

سوال:۔ اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ سن کر کیا کہنا چاہیئے؟

جواب:۔ یہ کہنا مسنون ہے۔ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا (اللہ تعالیٰ نماز کو قائم و دائم رکھے) دو ترجمہ۔

فصل ۳۵۔ انگوٹھے چومنا

سوال:۔ بعض لوگ اذان میں کلمہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سنتے ہیں تو انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں یہ رواج یہاں تک بڑھا ہے کہ لوگ تکبیر میں بھی انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانے لگے ہیں۔ شرعی نقطۂ نظر سے یہ فعل کہاں تک درست ہے؟

جواب:۔ یہ فعل خلاف سنت اور بدعت ہے +

سوال:۔ یہ لوگ اس فعل کی تائید میں کچھ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت صدیق اکبرؓ نے مؤذن کی زبان سے اشہد ان محمداً رسول اللہ سن کر کہا رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا اور اپنی شہادت کی انگلیوں کو بوسہ دیکر آنکھوں سے لگا لیا اور کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو کوئی اسی طرح کریگا جیسا کہ میرے دوست نے کیا ہے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی (۲) آدم علیہ السلام جنت میں

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے مشتاق ہوئے تو حق تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ محمدؐ تیری صلب سے ہیں وہ آخر زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ حق تعالیٰ نے آدمؑ کے دونوں انگوٹھوں پر سورۂ محمدؐ ظاہر فرمادی۔ انھوں نے دونوں انگوٹھے اپنی آنکھوں سے لگالئے۔ پس یہ فعل اولاد آدمؑ کے لئے اصل ٹھیرا۔ جب جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص اذان میں میرا نام سُنے اور انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔ اسی طرح سات اور حدیثیں ہیں۔

جواب:۔ یہ تمام حدیثیں جھوٹی، من گھڑت اور وضعی ہیں۔ ان میں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک لفظ بھی نہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے تیسیر المقال میں لکھا ہے:۔

وَالاحادیث التی رُویت فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمهٖ صلی اللّٰه علیه وسلّم عن المؤذن فی کَلِمة الشهادة کلها موضوعات۔

مؤذن سے کلمۂ شہادت میں رسول اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سننے کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانے کے بارہ میں جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں وہ سب کی سب موضوع یعنی بناوٹی ہیں۔

قاضی محمد حسین ساکن اجرا ضلع مالوان نے سنہ ۱۲۷۱ھ میں ایک کتاب "منجی المومنین" کے نام سے لکھی تھی جو سنہ ۱۳۰۱ھ میں لاہور میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔ قاضی صاحب مرحوم اس کتاب میں بہت سے جلیل القدر علمائے ربانیین کے اقوال درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

امام شمس الدین سخاوی اور ابن طاہر فتنی اور ابن ربیع شافعی اور زرقانی مالکی اور حسن بن علی ہندی اور شیخ فتح محمد برہانپوری اور ملا علی قاری اور امام جلال الدین سیوطی اور ابو اسحٰق کابلی اور ابوالحسن عبدالغافر فارسی شارح صحیح مسلم اور شیخ الاسلام علامہ محمود بن احمد عینی اور شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی اور مرزا حسن علی محدّث لکھنوی وغیرہ محدثوں کے کلام سے بخوبی ثابت ہے کہ جو احادیث انگوٹھے چُومنے میں لائی جاتی ہیں وہ سب موضوع ہیں۔ اور انگوٹھے چومنا ممنوع اور غیر مشروع ہے اور جن فقہاء نے موضوع حدیثوں سے حجت پکڑ کر اس فعل کو جائز کیا ہے۔ ان کا قول قابل اعتبار اور لائق التفات نہیں ہے بلکہ حضور سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم پر سراسر بہتان ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جو کوئی ایسی بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو تو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ جو کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے سو وہ مردُود ہے۔"

فصل ۳۶ - اذان اور تکبیر کہنے کا ثواب اور مؤذن کے فضائل

سوال :- اذان اور تکبیر کا ثواب کس قدر ہے اور حدیثوں میں اذان دینے والے کی کیا کچھ فضیلت مذکور ہے

جواب :- اذان دینے کے بے شمار فضائل ہیں۔ یہاں چند حدیثیں درج کی جاتی ہیں :-

(۱) حضرت خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن مؤذنوں کی گردنیں سب سے زیادہ لمبی ہوں گی رواہ مسلم۔ یعنی ان کو قرب الٰہی میں جگہ ملے گی اور ان کا بہت کچھ اعزاز و اکرام ہوگا۔

(۲) اور فرمایا۔ کہ اذان دینے والے کی آواز کی انتہا کے بموجب اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور ہر تر و خشک چیز اس کے واسطے گواہی دیتی ہے۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ۔

(۳) ایک مرتبہ حضرت بلالؓ اذان سے فارغ ہوئے تو پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی یقین اور دلی اعتقاد کے ساتھ اس کی مانند کہے وہ جنت میں داخل ہوگا رواہ النسائی یعنی اذان دینے میں یا اذان کا جواب دینے میں اس کی مانند کہے۔

(۴) اور فرمایا کہ جو کوئی بارہ برس تک اذان دیتا ہے اس کے لئے بہشت واجب ہو جاتی ہے اور اس کے لئے ہر اذان کے بدلے ساٹھ نیکیاں اور ہر تکبیر کے عوض تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ رواہ ابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ بقول علی قاریؒ تکبیر کا ثواب بہ نسبت اذان کے آدھا شاید اس لئے ہے کہ تکبیر صرف حاضرین مسجد کی اطلاع کیلئے ہوتی ہے اور اذان میں دور و نزدیک والے ہر ایک کو دعوت دی جاتی ہے یا اس لئے کہ اذان میں محنت و مشقت زیادہ اور اقامت میں کم ہے۔

فصل ۳۷ - نماز کے ارکان

سوال :- ارکان نماز کسے کہتے ہیں؟

جواب :- ارکان جمع رکن کی ہے اور رکن اُس جزء داخلی کو کہتے ہیں کہ اس کے بغیر نماز کا وجود نہ پایا جا
پس رکن کے معنی فرض اور ارکان کے معنی فرائض ہیں۔

سوال :- نماز کے اندر کتنے اور کیا کیا فرض ہیں ؟

جواب :- نماز میں یہ چھ چیزیں فرض ہیں :- (۱) تکبیر تحریمہ (۲) قیام (۳) قراءت (۴) رکوع (۵) دونوں سجدے (۶) قعدۂ اخیرہ یعنی نماز کے اخیر میں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ سے عبدہ ورسولُہٗ تک پڑھنے کی مقدار بیٹھنا۔ گو تکبیر تحریمہ کو فرائض نماز میں شمار کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ شرط ہے رُکن نہیں۔ چونکہ تکبیر تحریمہ اور ارکان نماز میں کوئی فاصلہ نہیں ہے اور اسی سے نماز کا افتتاح ہوتا ہے۔ اس وجہ سے تکبیر تحریمہ کو ارکان نماز کے ساتھ بیان کرنا ہی مناسب تھا۔

سوال :- یہ تمام ارکان سب رکعتوں میں فرض ہیں یا بعض میں ؟

جواب :- ان میں سے قیام رکوع اور سجدے تین فرض ایسے ہیں جو باتفاق علماء ہر رکعت میں فرض ہیں۔

سوال :- فرائض نماز سے متعلق اور کیا کیا اختلاف ہیں ؟

جواب :- امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک قراءت فرض اور نفل کی ہر رکعت میں فرض ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک قراءۃ فرائض پنجگانہ کی دو رکعتوں میں اور وتر کی تینوں رکعتوں میں اور نفل کی ہر رکعت میں فرض ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قومہ اور جلسہ اور ارکان میں قرار پکڑنا بھی فرض ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قراءت میں فرض صرف ایک آیت ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سورۂ کوثر کے برابر تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو فرض ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ اور ان دونوں کے نزدیک بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سجدے میں پیشانی اور ناک دونوں کا رکھنا فرض ہے اور عند الضرورۃ ایک پر اکتفا کرنا جائز ہے اور صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تنہا پیشانی کا رکھنا فرض ہے اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ کذا فی العالمگیریہ اور امام ابو حنیفہؒ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ کذا فی الدر المختار۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سجدے میں پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیوں، دونوں زانوؤں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کا رکھنا فرض ہے۔ ارکان نماز میں ترتیب بھی فرض ہے سوائے سجدہ دوم کے۔ پس اگر ایک رکعت میں ایک سجدہ کرنے کے بعد نمازی دوسرا سجدہ بھول گیا تو نماز فاسد نہ ہو گی بلکہ دوسری رکعت میں اس طرح اس کی تلافی ہو سکے گی کہ دو کی بجائے تین سجدے کر لئے جائیں گے۔ اور اخیر میں سجدۂ سہو کیا جائے گا۔ امام احمدؒ کے نزدیک قعدۂ اولیٰ اور اس میں تشہد پڑھنا فرض ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا بھی

فرض ہے۔ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود پڑھنا امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض ہے۔ ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز سے نکلنا فرض اور رکن ہے۔ لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے رکوع اور سجود کو جاتے اور قومہ کے لئے سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہنا اور رکوع میں ایک بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم اور سجدے میں ایک بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنا اور قومہ میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہنا اور دو سجدوں کے درمیان رَبِّ اغْفِرْلِیْ الخ کہنا بھی امام احمدؒ کے نزدیک فرض ہے۔ لیکن دو سجدوں کے درمیان اگر بھول کر رَبِّ اغْفِرْلِیْ نہ پڑھے تو ان کے نزدیک نماز باطل نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی کے لئے بھی فرض ہے لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک فرض نہیں۔ بلکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔

سوال - ائمہ کے یہ اختلافات کس ضرورت سے معرض تسوید میں آئے؟

جواب:- تاکہ یہ امر نمازی کے ذہن نشین رہے کہ جو چیز دوسرے ائمۂ کرام کے نزدیک فرض ہے اس پر عمل پیرا ہونے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے۔ البتہ ایک مسئلہ فاتحہ خلف الامام کا ہے جس میں لامحالہ اپنے ہی امام کے صحیح مسلک کا اقتداء ناگزیر ہے۔

فصل ۳۸ - تکبیرِ تحریمہ

سوال:- تکبیر تحریمہ سے کیا مُراد ہے؟

جواب:- نماز شروع کرتے وقت کھڑے ہو کر جو اللہ اکبر کہتے ہیں اس کو تکبیر تحریمہ یا تکبیر افتتاح کہتے ہیں۔

سوال:- پہلے اللہ اکبر کو جو آغاز نماز میں کھڑے ہو کر کہا جاتا ہے تکبیر تحریمہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب:- اس لئے کہ اس سے وہ تمام امور جو اس سے پہلے مباح تھے حرام ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بولنا۔ کھانا پینا وغیرہ۔

سوال:- اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ جب مسجد میں آ کر امام اور مقتدیوں کو رکوع میں پاتے ہیں تو اس کوشش میں کہ رکعت نہ جانے پائے جلدی سے اللہ اکبر کہہ کر جھک جاتے ہیں ان کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: ۔ جو لوگ اللہ اکبر کہتے ہی معاً رکوع میں پہنچ جاتے ہیں اور اللہ اکبر کہہ کر رکوع جانے سے پہلے اطمینان سے کھڑے نہیں ہوتے ان کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ تکبیر تحریمہ میں قیام یعنی کھڑا ہونا فرض ہے اور رکن کی ادنیٰ مقدار بقدر تین تسبیح یا ایک تسبیح ہے اس لئے ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہیں اور پھر رکوع جانے سے پہلے کم از کم اتنی دیر کھڑے رہیں جس میں تین بار یا کم از کم ایک بار سُبحان اللہ کہہ سکیں۔ اور پھر اطمینان سے رکوع کریں رکعت ملے یا نہ ملے۔ اس وقت ثنا یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنا یا بقدر ثنا کھڑے رہنا ضروری نہیں۔

سوال: ۔ ہاتھوں کو اللہ اکبر کہتے کے ساتھ ہی اٹھانا چاہیئے یا مقدم مؤخر ہوں؟

جواب: ۔ شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں اکثر حدیثوں سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھاتے تھے۔ یہی امام ابو یوسف کا مسلک اور فقہائے حنفیہ کی ایک جماعت مثل طحاویؒ و قاضی خانؒ کا مختار ہے اور بعض حدیثوں میں رفع یدین سے تکبیر کی تاخیر بھی مروی ہے امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا یہی مذہب ہے اور عامہ مشائخ اسی مسلک کے پیرو ہیں اور ہدایہ میں اس کو اصح بتایا ہے اور کہتے ہیں کہ رفع یدین میں حق جل جلالہٗ کے غیر کی کبریائی کی نفی اور تکبیر میں حق سبحانہ کی کبریائی کا اثبات ہے اور نفی اثبات پر مقدم ہوتی ہے۔ چنانکہ لا الٰہ الا اللہ میں ہے اور شرح ابن الہمام میں یہاں تیسرا قول بھی نقل کیا ہے اور وہ رفع پر تکبیر کی تقدیم ہے اور اس کے موافق سُنن کبریٰ بیہقی کی ایک حدیث بھی جو حضرت انسؓ سے مروی ہے نقل کی ہے پس مجموع تین قول ہوئے اور ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں تینوں طرح کیا ہو۔ واللہ اعلم

سوال: ۔ اگر کوئی شخص اللہ کی بجائے آللہ اور اکبر کی بجائے اکبر یا اکبار کہے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: لفظ اللہ کے ہمزہ یا اکبر کے ہمزہ پر مد کرنا مفسد صلوٰۃ ہے۔

سوال: کانوں تک ہاتھ اُٹھانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ۔ بعض حدیثوں میں جو آیا ہے کہ نمازی دونوں کانوں کے برابر ہاتھ اُٹھائے اس سے یہ مراد ہے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کو لگیں اور شانوں تک اٹھانے میں کانوں کی برابری ثابت نہیں ہوتی اور جن حدیثوں میں شانوں تک اُٹھانا مروی ہے اس سے وہ حالت مراد ہے جبکہ ہاتھ سردی کے باعث کپڑے کے اندر ہوں

اور شیخ ابن الہمامؒ نے دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ کلائیوں کو مونڈھوں کے برابر کرنے سے کانوں کی محاذات انگوٹھوں سے ہو جاتی ہے۔ کذا فی الشامی

سوال:۔ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنی ہتھیلیوں کا رُخ دونوں رخساروں کی طرف رکھیں یا قبلہ کی طرف؟

جواب:۔ قبلہ کی طرف۔

سوال:۔ تکبیر تحریمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تک ہاتھ اٹھاتے تھے؟

جواب:۔ شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کانوں تک ہاتھ اُٹھاتے تھے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا یہی مذہب ہے۔ ان کا تمسک حدیث وائل بن حجر سے ہے جس کی مسلم اور ابوداؤد نے تخریج کی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہاتھ مونڈھوں تک بھی اُٹھاتے تھے۔ چنانچہ حدیث ابوحمید ساعدی میں مذکور ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل بھی مختلف اوقات میں مختلف رہا ہو (مدارج النبوت)

سوال:۔ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟

جواب:۔ زیر ناف باندھیں۔ چنانچہ محدث ابن ابی شیبہ جو امام بخاری اور امام مسلم کے استاد تھے۔ رقمطراز ہیں۔ حدیث کی ہم کو وکیع نے انھوں نے روایت کی موسیٰ بن عُمیر سے انھوں نے روایت کی علقمہ بن وائل بن حجر سے انھوں نے روایت کی اپنے والد محترم وائل بن حجر سے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھا۔”

اس حدیث کی سند جیّد ہے اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ وکیعؒ تو مانے ہوئے امام ہیں موسیٰ بن عُمیر کی ابوحاتم نے توثیق کی اور نسائیؒ نے ان سے روایت کی اور علقمہ وہ بزرگ ہیں جن سے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے احادیث کی تخریج کی اور ابن حبّانؒ نے ان کو ثقہ بتایا۔

سوال:۔ اس حدیث میں انقطاع ہے کیونکہ علقمہ نے اپنے والد وائل بن حجر کو نہیں دیکھا بلکہ وہ ان کی وفات کے چھ مہینہ بعد متولد ہوئے تھے۔

جواب:۔ یہ کسی ایک محدث کا قول ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اپنے والد کے بعد متولّد ہونے والے ان کے بھائی عبدالجبّارؒ تھے۔ لیکن علقمہ نے اپنے باپ سے روایت کی اور ان سے حدیثیں سنیں۔ کما لا یخفی علیٰ من طالع سنن النسائی وجامع الترمذی۔

سوال: - حضرات غیر مقلدین سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں کیا یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے ؟

جواب: - حافظ ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ ایک جماعت نے اپنے اسناد سفیان ثوری سے اور انھوں نے عاصم بن کلیب سے اور عاصم نے اپنے باپ کلیب سے اور کلیب نے وائل بن حجر صحابیؓ سے روایت کی۔ حضرت وائلؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ نے سینے پر اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھا" ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ سفیان ثوری کے شاگردوں میں مؤمل بن اسمٰعیل کے سوا کسی نے سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا۔ اور مؤمل بن اسمٰعیل اس زیادت میں منفرد ہے! اور یحییٰ بن معین نے گو مؤمل کی توثیق کی ہے تاہم بخاری نے اس کو منکر الحدیث بتایا ہے اور ابو حاتم نے اس کو صدوق کثیر الخطا لکھا ہے" الغرض یہ حدیث تو ضعیف ہے لیکن ممکن ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنا کسی اور حدیث سے ثابت ہو جائے۔

سوال: - نماز پڑھتے وقت ہاتھ کہاں اور کیونکر باندھیں ؟

جواب: - مرد اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے اس طرح باندھے کہ بائیں ہاتھ کی کلائی کو داہنی چھنگلی اور انگوٹھے سے پکڑے یعنی چھنگلی اور انگوٹھے کا حلقہ کرکے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑے اور باقی تین انگلیاں اس پر پھیلائے اور عورت اپنی داہنی ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھ کر سینے پر باندھے۔

سوال: - اس وقت دونوں پیروں میں ایک دوسرے سے کتنا فاصلہ چاہیئے ؟

جواب: - چار انگل کا۔ کذا فی الکبیری

سوال: - بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو دونوں پاؤں کے دونوں ٹخنے آپس میں ملادیں۔ کیا یہ قول مفتیٰ بہ ہے ؟

جواب: - مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے سعایہ میں لکھا ہے کہ الصاق کعبین سے مراد دونوں ٹخنوں کا بالمقابل رکھنا ہے نہ کہ الصاق حقیقی۔ ان لوگوں کا امام جس نے ٹخنے ملانے کا حکم دیا زاہدی ہے اور زاہدی کی نسبت نافع الکبیر اور فوائد بہیہ میں لکھا ہے کہ وہ فقہ میں امام جلیل لیکن نقل روایات میں متساہل تھا۔ علاوہ ازیں معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع تھا۔ اور صاحب ردالمحتار نے تنقیح فتاوی الحامدیہ کی کتاب الاجارہ میں لکھا ہے کہ زاہدی ضعیف روایتیں نقل کرنے میں مشہور ہے اسی بنا پر ابن وہبان وغیرہ نے کہا کہ زاہدی دوسروں کے خلاف کوئی بات کہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ۔

فصل ۳۹۔ دُعائے اِستفتاح

سوال:۔ جب اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھیں تو کیا پڑھیں؟

جواب:۔ یہ ثنا پڑھیں۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ مرفوعاً ومسلم عن عمرؓ موقوفاً الٰہی! تو پاک ہے اور ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں ساتھ تیری تعریف کے اور بابرکت ہے نام تیرا اور بلند ہے بزرگی تیری اور تیرے سوا کوئی (حقیقی معبود نہیں) طیبی شافعی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن مشہور ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہی ثنا پڑھا کرتے تھے۔

سوال:۔ فرض نمازوں میں ثنا کے علاوہ بھی کچھ پڑھا جاتا ہے؟

جواب:۔ یہ دعا پڑھیں:۔

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَآ اِلَّآ اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَآ اِلَّآ اَنْتَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ

مَیں نے اپنا مُنہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ میں حق کی طرف متوجہ ہونے والا ہوں دین باطل سے بیزار ہوں۔ مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ میری نماز اور میری عبادت، میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا خاص ربّ العالمین کے لئے ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں اسی توحید اور اخلاص کا مجھ کو حکم ہوا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ الٰہی! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو میرا پروردگار ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے (بندگی اور اطاعت میں قصور کرنے کی وجہ سے) اپنی جان پر ظلم کیا۔ میں نے (تیرے اس فرمان پر کہ جو کوئی گناہوں کا معترف ہو کر میری درگاہ میں

لَيْسَ اِلَيْكَ اَنَا بِكَ وَاِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَ
تَعَالَيْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ۔

(رواہ مسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی
وابن ماجہ

آئے ہیں اس کو بخش دیتا ہوں) اپنے گناہوں کا اعتراف کیا پس میرے تمام گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا۔ مجھ کو اچھی عادتوں کی راہ دکھا کہ اچھی عادتوں کی راہ تیرے سوا کوئی نہیں دکھاتا اور مجھ سے بُری عادتیں دُور کر۔ تیرے سوا میری بُری عادتوں کو کوئی دُور نہیں کر سکتا۔ میں تیری خدمت اور بجا آوری حکم کے لئے حاضر ہوں۔ تمام بھلائیاں تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہیں۔ تیری طرف بُرائی کی نسبت نہیں کی جاتی۔ میں تیری بخشی ہوئی قوت کے ساتھ قائم اور موجود ہوں اور میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں تو بابرکت اور بلند ہے (یعنی کوئی عقل تیری کنہ ذات وصفات کو نہیں پہنچ سکتی) تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں ؞

سوال:۔ کیا ثنا یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اور یہ طویل دُعا وَجَّهْتُ وَجْهِيَ فرض نماز میں پڑھنے کا حکم ہے یا سُنن ونوافل میں ؟

جواب:۔ شوافع کے نزدیک ان دعاؤں اور اذکار کا جو حدیثوں میں استفتاح نماز کے بارہ میں مروی ہیں فرائض اور غیر فرائض سب میں کُلًّا یا جُزءً پڑھنا مستحب ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض نمازوں میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پر اکتفا کریں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ اذکار ودعائیں نوافل میں پڑھا کرتے تھے لیکن حنفیوں میں امام ابو یوسفؒ اور امام طحاویؒ کے نزدیک فرض نمازوں میں بھی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اور وَجَّهْتُ وَجْهِيَ دونوں پڑھیں۔ ان کے نزدیک نمازی کو اختیار ہے کہ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ کو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کے بعد پڑھے یا پہلے لیکن مشہور یہی ہے کہ وَجَّهْتُ کو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کے بعد پڑھنا چاہیئے۔ (مدارج النبوۃ)

سوال:۔ تکبیر تحریمہ اور قرأت فاتحہ کے درمیان حنفی امام عام طور پر اتنی دیر نہیں ٹھہرتے کہ کوئی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اور وَجَّهْتُ دونوں پڑھ سکے۔ ایسی حالت میں اگر کوئی حنفی مقتدی امام ابو یوسفؒ کے قول کے موجب دونوں پڑھنا چاہے تو کیا کرے ؟

جواب:۔ اگر وقت ہے تو وَجَّهْتُ وَجْهِيَ کا کچھ حصّہ بھی پڑھ لے ورنہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پر اکتفا کرے طویل دُعا وَجَّهْتُ وَجْهِيَ جو اوپر درج ہوئی حضرت علیؓ کی روایت سے ہے۔ حضرت جابرؓ کی

روایت جس کی نسائی نے تخریج کی اس سے بہت مختصر ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح باب مَا یُقْرَاءُ بعد التکبیر فصل سوم۔ دعائے مندرجہ صدر کو بھی وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ تک پڑھ لینا کافی ہے۔ تہجّد اور دُوسرے نوافل میں پُوری دعا پڑھیں۔

سوال :۔ امام نے بالجہر قرأت شروع کر دی تو اب مقتدی ثنا پڑھے یا نہ پڑھے ؟

جواب :۔ مقتدی ثنا نہ پڑھے اگرچہ دور ہونے یا بہرہ ہونے کے باعث امام کی آواز نہ سنتا ہو۔

فصل ۴۰۔ قیام کا بیان

سوال :۔ قیام کسے کہتے ہیں اور اس کی کیا مقدار ہے ؟

جواب :۔ قیام کھڑے ہونے کو کہتے ہیں اور اس سے ایسا سیدھا کھڑا ہونا مراد ہے کہ گھٹنوں تک ہاتھ نہ پہنچ سکیں۔ فرض اور واجب نمازوں میں اتنا کھڑا ہونا فرض ہے جس میں بقدر فرض قرأت پڑھی جاسکے بیماری یا زخم یا خوفِ دشمن یا کسی دوسرے قوی عذر کی وجہ سے کھڑے نہ ہو سکیں تو فرض اور واجب نمازوں کا بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

سوال :۔ نفل نماز میں قیام کا کیا حکم ہے ؟

جواب :۔ نفل نماز میں قیام فرض نہیں اس لئے بلا عذر بھی بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے لیکن بلا عذر بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے میں نصف ثواب رہ جاتا ہے۔

سوال :۔ جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو نظر کہاں رکھیں ؟

جواب :۔ مستحب یہ ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو اپنی نگاہ سجدے کی جگہ پر رکھیں۔ رکو میں جائیں تو پیروں پر نگاہ رکھیں۔ سجدے میں ناک پر اور سلام پھیرتے وقت کندھوں پر نگاہ رکھیں۔

سوال :۔ ایک پاؤں پر کھڑا ہونا اور دُوسرے کو اٹھا لینا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ مکروہ تحریمی ہے اور اگر عذر اور مجبوری سے ایسا کیا تو بلا کراہت جائز ہے ؟

سوال :۔ ایک بیمار یا ضعیف العمر آدمی اتنا کمزور ہے کہ مسجد تک جاتے اور سیڑھیاں چڑھنے میں ات تھک جاتا ہے کہ کھڑے ہو کر جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکتا اور اگر گھر میں نماز پڑھے تو قیام مفروض ک

طاقت رکھتا ہے ایسا شخص اگر مسجد میں جانے کی بجائے گھر ہی میں نماز پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں ؟

جواب:۔ ایسے شخص کے لئے مسجد جا کر نماز با جماعت ادا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ قیام فرض ہے اور جماعت واجب - واجب کے لئے فرض کو ترک نہ کرے۔ گھر میں کھڑا ہو کر پڑھے۔ گھر میں جماعت میسّر ہو تو جماعت سے ورنہ تنہا پڑھے۔

سوال:۔ وہ کون سے عذرات ہیں جن کی بنا پہ فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے ؟

جواب:۔ وہ تین عذر ہیں۔ بیماری، شیخوخت اور برہنگی یعنی ستر ڈھانکنے کے لئے کپڑا میسّر نہ آنا۔ ان عذرات کے سوا کوئی شخص فرض نماز یا ملحق بفرض نماز بیٹھ کر پڑھے گا تو نماز نہ ہوگی۔

سوال:۔ ملحق بفرض نماز کون سی ہے ؟

جواب:۔ وتر اور سنت فجر اور نماز نذر

سوال:۔ معمولی تکلیف اور خفیف سی علالت میں نماز بیٹھ کر پڑھنا کیسا ہے ؟

جواب:۔ کھڑے ہونے میں معمولی سی تکلیف ہوتی ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں قیام کی فرضیت اس وقت ساقط ہوگی کہ کھڑا نہ ہو سکے یا سجدہ نہ کر سکے یا کھڑے ہونے یا سجدہ کرنے میں زخم بہتا ہو یا کھڑے ہونے میں قطرہ آتا ہو یا چوتھائی ستر کھلتا ہو۔ اگر قیام سے مرض کے شدت اختیار کرنے کا یا دیر میں اچھا ہونے کا خدشہ ہو یا نا قابل برداشت تکلیف ہوتی ہو تو بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔ اگر کچھ دیر کے لئے ہی کھڑا ہو سکتا ہو اگرچہ اسی قدر کہ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہہ لے تو فرض ہے کہ کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ لے اور پھر بیٹھ جائے۔

لیکن آج کل لوگوں کی عام عادت ہو گئی ہے کہ جہاں ذرا بخار آیا یا کوئی خفیف سی تکلیف ہوئی تو بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے حالانکہ وہی لوگ اس حالت میں بھی کتنی کتنی دیر تک کھڑے ہو کر ادھر ادھر کی باتیں کرتے اور بے تکلف چلتے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگ بیٹھ کر نماز پڑھیں تو نہیں ہوتی۔

سوال:۔ اگر مسافر گھوڑے پر سوار ہو اور کوئی آدمی ساتھ نہ ہو اور نہ کوئی باندھنے کی جگہ ہو اور گھوڑے کے بھاگ جانے کا بھی خدشہ ہو تو فرض نماز گھوڑے پر پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں ؟

جواب:۔ اُترنے سے گھوڑے کے بھاگ جانے کا خوف ہو یا رات کی تاریکی میں جان کا اندیشہ ہو۔ یا گھوڑے کے چوری ہو جانے کا گمان غالب ہو تو گھوڑے پر ہی نماز پڑھ لینا درست ہے اور اگر محض وہم یا ضعیف سا گمان ہو تو اُتر کر زمین پر نماز پڑھے پھر اگر گھوڑا بھاگنے کو ہو تو نماز قطع کر کے اس کو پکڑ لے ۔

فصل ۱۴ - قراءت

سوال:- قراءت سے کیا مراد ہے۔ اور نماز میں کتنی قراءت ضروری ہے؟

جواب:- قراءت قرآن مجید پڑھنے کو کہتے ہیں۔ نماز میں قرآن کی کم از کم ایک آیت پڑھنا امام و منفرد پر فرض ہے۔ اور سورۂ فاتحہ یعنی الحمد پڑھنا واجب ہے۔ سورۂ فاتحہ کو اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد شروع کریں۔ نماز میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ قراءت کے تابع ہیں اور مقتدی پر قراءت نہیں اس لئے اعوذ باللہ اور بسم اللہ کا پڑھنا بھی مقتدی کے لئے مسنون نہیں۔ ہاں جب مقتدی کی کوئی رکعت رہ گئی ہو تو جب وہ اپنی باقی ماندہ رکعت پڑھے تو اعوذ اور بسم اللہ پڑھے۔ تعوذ صرف پہلی رکعت میں ہے اور بسم اللہ ہر رکعت کے اول میں مسنون ہے۔ اور فرض کی پہلی دو رکعتوں میں اور نماز وتر اور سنت اور نفل کی تمام رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورۃ یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا بھی واجب ہے۔ فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت کے سوا ہر نماز کی ہر رکعت میں خواہ وہ نماز فرض ہو یا واجب یا سنت یا نفل سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

سوال:- مقتدی کے لئے جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو قراءت جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- مقتدی کو کسی نماز میں قراءت جائز نہیں۔ نہ فاتحہ، نہ کوئی اور آیت نہ آہستہ کی نماز میں نہ جہری نماز میں

سوال:- اگر کسی جاہل کو قرآن کی ایک آیت بھی یاد نہ ہو تو وہ نماز کس طرح پڑھے؟

جواب:- اس پر جلد سے جلد سورتیں یاد کرنا فرض ہے۔ قراءت فرض کی مقدار یاد کر لینا فرض اور واجب کی مقدار واجب ہے۔ اگر وہ بقدر ضرورت بھی نہ سیکھے گا تو سخت مجرم اور گنہگار ہوگا اور جب تک اسے بقدر ضرورت قرآن کی سورتیں یاد نہیں ہوتیں وہ قراءت کی بجائے سبحان اللہ یا الحمد للہ پڑھ سکتا ہے۔

سوال:- کس کس نماز میں قراءت آواز سے اور کن نمازوں میں آہستہ کرنی چاہیئے؟

جواب:- امام کو فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب کی اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں خواہ قضا ہوں یا ادا اور جمعہ اور عیدین اور تراویح کی نمازیں اور رمضان کے وتر میں بلند آواز سے قراءت کرنا واجب ہے۔ منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے کو فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب و عشا کی پہلی دو رکعتوں میں اختیار ہے کہ بلند آواز سے قراءت کرے یا آہستہ پڑھے۔ امام اور منفرد کو ظہر اور عصر کی کل رکعتوں میں اور مغرب و عشاء کی اخیر رکعتوں میں آہستہ آواز سے قراءت کرنا واجب ہے جو نفل نمازیں دن کو پڑھی جائیں، ان میں قراءت آہستہ دل میں چاہیئے اور جو نفلیں رات

کو پڑھی جائیں، ان میں آواز سے یا آہستہ پڑھنے کا اختیار ہے۔ منفرد اگر فجر، مغرب اور عشا کی قضا دن میں پڑھے تو انہیں بھی اسکو آہستہ قراءت کرنا واجب ہے۔ اگر رات کو قضا پڑھے تو منفرد آواز سے یا آہستہ پڑھنے کا مجاز ہے۔

سوال :- فجر مغرب اور عشاء کے فرضوں میں عورت بھی جہر سے قراءت کرے یا نہیں ؟

جواب :- عورت پر تمام نمازوں میں اخفاء واجب ہے۔ کیونکہ خواتین کی آواز بھی عورت ہے۔

سوال :- زور سے پڑھنے اور آہستہ پڑھنے کی حد کیا ہے ؟

جواب :- زور سے پڑھنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نمازی کی آواز اس کے پاس والے شخص کے کان میں پہنچ سکے۔ آہستہ پڑھنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود اپنے کان بھی نہ سنیں ۔

سوال :- اگر کوئی اتنا آہستہ پڑھے کہ اس کے اپنے کان بھی نہ سنیں تو نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟

جواب :- کرخی کا قول ہے کہ صرف تصحیح حروف کافی ہے۔ گو خود بھی نہ سُنے۔ اور ہندوانی نے کہا کہ جب تک اپنے کان نہ سنیں نماز نہ ہوگی۔ گو بعض علماء کے نزدیک کرخی کے قول پر عمل کرنے والے کی بھی نماز ہو جائے گی۔ لیکن اصح و ارجح ہندوانی کا قول ہے اور اسی میں احتیاط ہے۔

سوال :- اگر کوئی شخص زبان کو حرکت نہ دے۔ محض خیال میں سب کچھ پڑھ جائے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں ؟

جواب :- محض خیال دوڑا لینے سے نماز نہیں ہوتی۔ زبان سے الفاظ کا پڑھنا ضروری ہے۔

سوال :- ظہر اور عصر کی نمازوں میں قراءت بالجہر کیوں مامور نہیں ؟

جواب :- نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تمام نمازوں میں جہر فرماتے تھے۔ لیکن جب مشرکین مکہ نے قرآن خوانی پر اللہ جل شانہ کو اور حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینی شروع کیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا۔ یعنی نہ تمام نمازوں میں جہر کرو اور نہ سب میں آہستہ پڑھو۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک طریق اختیار کرو کہ رات کی نمازوں میں جہر کرو اور دن کی نمازوں میں آہستہ پڑھو۔ اس کے بعد آپ ظہر اور عصر میں آہستہ پڑھا کرتے کیونکہ کفار ان دو وقتوں میں دریدہ دہنی پر مستعد رہتے تھے۔ اور چونکہ مغرب کے وقت کھانا کھانے میں مصروف اور عشا اور فجر میں محو خواب ہوتے تھے ان تینوں نمازوں میں آپ پکار کر پڑھا کرتے۔ جمعہ اور عیدین کی نمازیں مدینہ منورہ میں قائم ہوئیں۔ اور وہاں کفار مغلوب تھے۔ اس لئے آپ ان میں بھی قرآن پکار کر پڑھتے تھے

کذا فی الطحطاوی۔

سوال:- اگر سری نمازوں (ظہر اور عصر) میں قرات باواز کی جائے تو کیا حکم ہے ؟

جواب:- ظہر اور عصر میں قرات باواز کرنے سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔

سوال:- اگر کوئی شخص نماز عشاء سورج نکلنے کے بعد قضا کرے تو قرات آہستہ چاہیئے یا آواز سے ؟

جواب:- اگر جہری نماز قضا کی جائے تو نمازی کو اختیار ہے کہ قرات آہستہ کرے یا آواز سے اور علامہ طحطاویؒ نے لکھا ہے کہ مغرب اور عشاء اور فجر کے مسبوق کا بھی یہی حال ہے یعنی وہ بھی آہستہ پڑھنے اور پکار کر پڑھنے میں مختار ہے۔

سوال:- اگر امام نے عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھی اور سورتیں ملانا بھول گیا تو کیا کرے ؟

جواب:- ضم سورہ بھول گیا یا دانستہ ترک کیا تو واجب اور بقول بعض مستحب ہے کہ پچھلی دو رکعتوں میں سورتوں کو مع الحمد کے جہر سے پڑھے اس لیئے کہ اگر سورتوں کو پکار کر پڑھے گا اور الحمد کو آہستہ تو ایک رکعت میں سر اور جہر جمع ہو گا۔ حالانکہ ایک رکعت میں دونوں کا جمع کرنا مذموم ہے۔

سوال:- بعض لوگ نماز میں بڑی تیزی سے قرآن پڑھتے ہیں۔ اس بارہ میں کیا حکم ہے ؟

جواب:- فقہاء نے لکھا ہے کہ فرض نماز میں قرات ٹھیر ٹھیر کر کریں کہ تمام حروف باہم ممیز ہوں۔ نماز تراویح میں نہ ٹھیر ٹھیر کر پڑھیں نہ تیز بلکہ متوسط رفتار رہنی چاہیئے۔ اور نماز تہجد میں نمازی اتنا تیز پڑھ سکتا ہے کہ سمجھ میں آئے۔ تہجد گزاروں کی عادت زیادہ قرآن پڑھنے کی ہوتی ہے اس لئے ان کا ورد تیز پڑھنے سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔ مگر تیزی کے یہ معنیٰ ہیں کہ مد زیادہ نہ کھینچے نہ یہ کہ سمجھ ہی میں نہ آئے غرض زیادہ تیز پڑھنا بوجہ ترک ترتیل کے حرام ہے۔

سوال:- نماز صبح کی پہلی رکعت دوسری سے کتنی لمبی ہونی چاہیئے ؟

جواب:- فقہاء نے لکھا ہے کہ فجر کی دوسری رکعت پر پہلی رکعت کی قرات بقدر تیسرے حصے کے زیادہ کی جائے۔ یعنی پہلی رکعت میں اتنی قرات کرے کہ اس کی زیادتی دوسری رکعت کی قرات سے دونوں قراتوں کے مجموعہ کا ثلث ہو جائے مثلاً رکعت اول میں چالیس آیتیں پڑھیں اور دوسری میں بیس

تو دونوں میں ساٹھ آیتیں ہوئیں۔ اس طرح اوّل میں دُوسری سے بیس زائد ہیں۔ اور وہ ساٹھ کی تہائی ہیں۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ دُوسری رکعت سے پہلی رکعت کی قرأت بقدر نصف زیادہ ہونی چاہیئے مثلاً پہلی رکعت میں ۴۵۔ اور دوسری میں پندرہ پڑھیں تو پہلی میں تیس زائد ہونگی۔ اور وہ کل قرأت کی نصف ہیں۔

سوال :- اگر دوسری رکعت کی قرأت پہلی سے بہت کم کر دی جائے مثلاً پہلی رکعت میں بعد فاتحہ کے ساٹھ آیتیں پڑھیں اور دوسری میں دس تو یہ مکروہ ہے۔ یا نہیں ؟

جواب :- اس میں کوئی کراہت نہیں۔

سوال :- کسی حالت میں نماز کے اندر زیادہ طویل قرأت کی اجازت ہے یا نہیں ؟

جواب :- یہ نمازیوں کی پسند پر موقوف ہے۔ اگر مقتدی ملول نہ ہوں تو قرأت طویل ہی پسندیدہ ہے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ امام خوش آواز اور اچھا قاری ہو تو مقتدی طویل قرأت کو پسند کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات نماز مغرب میں سورۂ طور پڑھا کرتے تھے۔ امیر المومنین حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کا نماز صبح میں سورۂ یوسف پڑھنے کا عام معمول تھا۔

سوال :- اگر جہری نمازیں (فجر مغرب اور عشاء) تنہا پڑھی جائیں تو کیا قرأت بالجہر پڑھنا واجب ہے ؟

جواب :- واجب نہیں۔ مگر ان تینوں نمازوں کا آواز سے پڑھنا افضل ہے بشرطیکہ یہ جہر کسی دُوسرے کے لئے تکلیف دہ اور عبادت میں خلل انداز نہ ہو۔ اگر ان تینوں میں سے کوئی نماز سب لوگوں کی قضا ہوگئی ہو تو امام کو جہر سے پڑھنا چاہیئے۔ منفرد کو اختیار ہے کہ آواز سے پڑھے یا آہستہ ؛

سوال :- فرض نمازوں میں کتنی کتنی قرأت مسنون ہے ؟

جواب :- سفر کی جلدی میں سورۂ فاتحہ کے بعد جونسی سُورت چاہیں پڑھ لیں اور حضر یعنی وطن کی اقامت میں مسنون قرأت یہ ہے۔ نماز فجر اور نماز ظہر میں طوال مفصل، نماز عصر اور نماز عشاء میں اوساط مفصل اور نماز مغرب میں قصار مفصّل۔ قرآن کے چھبیسویں پارہ کی سورۂ حجرات سے سورۂ بُروج تک جو سورتیں ہیں ان کو طوال مفصل کہتے ہیں۔ اور سورۂ طارق سے سورۂ لم یکن تک کی سورتوں کو اوساط مفصل کہتے ہیں۔ اور سورۂ اِذَا زُلْزِلَتْ سے آخر قرآن مجید تک کی سورتیں قصار مفصّل کہلاتی

ہیں۔ یہ قراءت امام اور منفرد دونوں کے لئے مسنون ہے لیکن حالتِ اقامت میں کبھی ضرورۃً قراءت مسنونہ ترک کی جائے تو جائز ہے۔

سوال :۔ ان سورتوں کو مفصّل کیوں کہتے ہیں ؟

جواب :۔ فصل جدا ہونے کو کہتے ہیں۔ چونکہ سورہ حجرات سے نسبتاً چھوٹی سورتیں شروع ہو گئی ہیں اور درمیان میں بسم اللہ ہونے کے باعث ایک دوسری سے جدا ہیں۔ اس لئے ان کو مفصّل کہتے ہیں۔ مفصّلوں میں تین قسم کی سورتیں ہیں۔ دراز اوسط درجہ کی اور چھوٹی۔ حجرات سے بروج تک دراز ہیں اس لئے طوال مفصّل کہلاتی ہیں۔ بروج سے لم یکن تک اوسط درجہ کی ہیں۔ اس لئے ان کو اوساط مفصّل کہتے ہیں۔ اور باقی سورتیں چھوٹی ہونے کی وجہ سے قصار مفصّل کے نام سے مشہور ہیں۔

سوال :۔ اس قراءت کے مسنون ہونے کا کیا ثبوت ہے ؟

جواب :۔ یہ قراءت اثر سے ثابت ہے۔ امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی حاکم بصرہ کو لکھ بھیجا تھا کہ فجر اور ظہر میں طوال مفصّل پڑھا کرو۔ عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل۔ کذا فی الشامی۔ اور سلیمان بن لیسار کا بیان ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ میں نے فلاں بزرگ (غالباً حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مراد ہیں) کے سوا کسی کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بہت مشابہ ہو۔ سلیمان کا بیان ہے کہ میں بھی اس بزرگ کے پیچھے نماز پڑھتا رہا۔ وہ ظہر کی پہلی دو رکعتیں دراز اور دو پچھلی ہلکی کرتے تھے۔ نماز عصر ہلکی کرتے اور مغرب میں مفصل کی چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے۔ عشاء میں اوساط مفصّل اور صبح میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔ (رواہ النسائی مشکوٰۃ)

سوال :۔ طوال مفصّل، اوساط مفصّل اور قصار مفصّل کی جو قراءت متعیّن فرمائی گئی ہے یہ پہلی رکعت میں معتبر ہے یا دونوں میں؟ یعنی پہلی رکعت میں طوال مفصّل پڑھیں تو دوسری میں بھی طوال مفصّل کی سورت ہی پڑھنا لازم ہے یا اوساط مفصل کی کوئی سورت بھی پڑھ سکتے ہیں ؟

جواب :۔ یہ پہلی رکعت میں معتبر ہے۔ نماز فجر کی پہلی رکعت میں طوال مفصّل کی سورت پڑھی تو دوسری میں اوساط کی سورت پڑھ سکتے ہیں ؟

سوال :۔ جو سورت پہلی رکعت میں پڑھی ہے اگر وہی سورت دوسری رکعت میں پڑھی تو

تو کیسا ہے ؟

جواب: ۔ ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے ؛

سوال: ۔ قرآن میں سورتوں کی جو ترتیب ہے اس میں تقدیم و تاخیر کرنا کہاں تک روا ہے ؟ مثلاً پہلی رکعت میں اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْض اور دوسری میں اَلَمْ نَشْرَح پڑھی تو یہ ممنوع ہے یا نہیں؟

جواب: ۔ قرآن میں سورتیں جس ترتیب سے درج ہیں نماز میں اسی ترتیب سے ان کی قرات ہونی چاہیئے۔ پس پہلی رکعت میں اذا زلزلت الارض اور دوسری میں الم نشرح پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن بھول سے ہو جائے تو مکروہ نہیں۔ قرات معکوس مکروہ و ممنوع ہے۔ البتہ ختم قرآن کے بعد سورۂ بقرہ سے شروع کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔ کیونکہ یہ سلف صالح کا معمول تھا۔ بچوں کی سہولت کے لئے پارۂ عم خلاف ترتیب قرآنی پڑھنا بھی جائز ہے۔

سوال: ۔ پہلی رکعت میں اَلَمْ ترکیف اور دوسری میں سہواً وَالْعصر پڑھی تو نماز مکروہ ہوئی یا نہیں ؟

جواب: ۔ مکروہ نہیں ہوئی۔ کیونکہ سورتوں کی ترتیب کے خلاف پڑھنا بالقصد مکروہ ہے نسیاناً نہیں۔

سوال: ۔ مسند امام احمدؒ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتوں میں (کبھی) مفصل کی نو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ اسود نے کہا پہلی رکعت میں الھٰکم التکاثر اور انا انزلناہ فی لیلۃ القدر اور اذا زلزلت الارض اور دوسری رکعت میں والعصر اور اِذا جاء نصر اللہ اور اِنا اعطیناک الکوثر اور تیسری رکعت میں قل یا ایھا الکفرون اور تبت یدا ابی لھب اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔ جس ترتیب سے اس نماز میں سورتیں ذکر کی گئی ہیں اس ترتیب سے پڑھنا صحیح ہے یا مقدم اور مؤخر کرنا درست ہے۔ اس طور پر کہ پہلی میں دوسری تیسری اور پہلی اور دوسری میں چوتھی چھٹی اور پانچویں اور تیسری میں ساتویں آٹھویں اور نویں سورت موافق حدیث پڑھیں یا اسی طرح پڑھنا مسنون رہے گا۔ جس طرح روایت میں مذکور ہے ؟

جواب: ۔ مولٰنا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ قبل جمع قرآن ترتیب سُوَر اختیاری تھی یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں اس ترتیب میں اختلاف تھا۔ یہ خود دلیل ہے کہ کسی خاص ترتیب کی رعایت واجب نہ تھی ورنہ صحابہ اس کو نہ چھوڑتے۔ اس کے بعد ترتیب موجودہ پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔ اور اجماع کا اتباع

ضروری ہے۔ اب اس کی مخالفت نہ چاہیئے۔ اور مقرر ہے کہ عمل مرفوع کے خلاف پر اجماع ہو جانا اس مرفوع کی منسوخیت کی علامت ہے۔ اس لئے اب اگر یہ سورتیں پڑھیں تو بہ ترتیب حال پڑھیں۔

سوال:۔ فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورت پڑھی جائے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ نہیں۔ کیونکہ ان رکعتوں میں ضم سورت کا ترک واجب نہیں مستحب ہے۔

سوال:۔ کہتے ہیں کہ گو فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا افضل ہے لیکن اگر اس کی جگہ تین دفعہ سبحان اللہ کہہ لیں یا تین تسبیح کا انداز خاموش رہ کر رکوع کو چلے جائیں تو بھی جائز ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے تسبیح بھی مروی ہے۔ اور حضرت ابن مسعود نے سکوت بھی جائز رکھا ہے۔ لیکن محیط وغیرہ میں قراءت فاتحہ کو سنت بتایا ہے اور مبسوط اور شرح مختصر کرخی میں حسن نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ فرض کی آخری دو رکعتوں میں قراءت فاتحہ واجب ہے اور اگر کوئی اس کا پڑھنا بھول جائے گا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا اور شیخ کمال الدین ابن الہمامؒ نے بحیثیت دلیل اسی کو ترجیح دی ہے۔ اور خاموش رہنے کے بارہ میں بعض نے کہا کہ مکروہ نہیں اور دوسروں نے کہا کہ مکروہ ہے اور یہی صحیح ہے (کبیری شرح منیۃ المصلیٰ مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۲۱) غرض احتیاط اسی میں ہے کہ الحمد کے سوا کچھ اور نہ پڑھیں۔

سوال:۔ کسی سورت کو بے ضرورت ادھورا چھوڑ کر دوسری رکعت شروع کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ مکروہ ہے۔

سوال:۔ کسی سورت کا کسی نماز میں مقرر کر دینا کہ اس میں ہمیشہ وہی پڑھیں بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ کسی سورت کا کسی نماز یا نمازوں میں مقرر کرکے ہمیشہ وہی پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ اکثر دیہاتی ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ قل ھو اللہ پڑھنے کے عادی ہیں۔ اور متعدد سورتیں یاد کرکے کراہت سے نکلنے کی مدت العمر کوشش نہیں کرتے۔ لیکن تعیین کی کراہت اس صورت میں ہے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے اس کی تعیین ثابت نہ ہو۔ اور جہاں شارع علیہ السلام کی طرف سے تعیین ثابت ہے وہاں کچھ

کراہت نہیں بلکہ مسنون ہے اور مطلق تعیین بھی مکروہ نہیں بلکہ تعیین دائمی اور التزامی ناپسندیدہ ہے اور جو بات شرع سے ثابت نہ ہو اس کے التزام میں یہ خرابی ہے کہ عوام اسے فرض واجب اور لازمی سمجھنے لگتے ہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ کسی مقتدا سے صادر ہو۔

سوال: مسنون قرائتیں کیا کیا ہیں؟

جواب: نماز وتر کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور دوسری میں قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھنا حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ وتر کے بعد کے دوگانہ نفل کی پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد اذا زلزلت الارض اور دوسری میں سورہ کافرون پڑھنا مسنون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنت فجر اور سنت مغرب کی پہلی رکعت میں قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن فجر کے فرض کی پہلی رکعت میں الم تنزیل السجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھتے تھے۔ فریضہ جمعہ کی پہلی رکعت میں کبھی آپ سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں ھل اتاک حدیث الغاشیہ اور کبھی پہلی میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں منافقون پڑھتے تھے۔ نماز عیدین کی پہلی رکعت میں عموماً سورۂ ق اور دوسری میں اقتربت الساعۃ پڑھنے کا معمول تھا۔ یاد رہے کہ گو مندکرۂ صدر مواقع میں بعض سورتوں کی قراءت مسنون ہے۔ لیکن ایہام وجوب سے بچنے کے لئے کبھی کبھی ان قرأتوں کو بدل بھی دینا چاہیئے۔

سوال: فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قرادت برابر ہونی چاہیئے یا کم وبیش؟

جواب: ابو قتادہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت کو دوسری سے لمبا کیا کرتے تھے رواہ البخاری ومسلم۔ اس حدیث کی بنا پر امام مالکؒ امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک تمام فرض نمازوں کی پہلی رکعت کو دراز کرنا چاہیئے۔ ائمہ حنفیہ میں سے امام محمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور عبدالرزاق محدثؒ نے اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے ہم گمان کرتے ہیں کہ اس درازی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ لوگ پہلی رکعت پالیں۔ ابو داؤد اور ابن خزیمہؒ نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قراءت کی یہ درازی نماز فجر کے ساتھ مخصوص ہے جو نیند اور غفلت کا وقت ہے۔ انکے نزدیک دوسری چار نمازوں کی پہلی دونوں رکعتوں کی قراءۃ برابر ہونی چاہیئے۔

سوال: رکعت اوّل میں ایک سورت کا رکوع پڑھنا اور اس سورت کا یا دوسری سورت کا رکوع

دوسری رکعت میں پڑھنا یا دوسری پوری سورت دوسری رکعت میں پڑھنا مثلاً پہلی رکعت میں سورۂ دہر کا پہلا رکوع اور دوسری میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھنا یا ایک سورت کو دو رکعتوں میں پڑھنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :- یہ سب صورتیں خلاف استحباب ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک مسنون و مستحب یہ ہے کہ ہر ایک رکعت میں مفصّل میں سے کوئی پوری سورت پڑھی جائے۔ پس کسی سورت کا جزو پڑھنا خلاف افضل و خلاف مستحب ہے۔ جس کا مآل مکروہ تنزیہی ہے۔

سوال :- اگر دوسری رکعت کی قراءت پہلی رکعت کی قراءت سے بڑی ہو جائے تو اس میں کیا مضائقہ ہے ؟

جواب :- پہلی پر دوسری رکعت کا بقدر تین آیتوں کے زیادہ کرنا بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ دونوں رکعتوں کی آیتیں بڑی اور چھوٹی ہونے میں قریب قریب برابر ہوں۔ اور اگر آیتیں طول و قصر میں متفاوت ہوں تو حروف اور کلمات کا اعتبار ہوگا۔ یعنی اس صورت میں دوسری رکعت کے کلمات اور حروف اول سے زیادہ نہ ہونے چاہئیں ۔

سوال :- پہلی رکعت میں قُل اَعُوذُ بِرَبِّ الفلق اور دوسری میں قُل اَعُوذُ بِرَبِّ النّاس پڑھنا کیسا ہے ؟

جواب :- دوسری رکعت کی زیادتی تین آیتوں سے کم ہو تو مکروہ نہیں۔ پہلی رکعت میں سورۂ فلق اور دوسری میں سورۂ ناس پڑھنا خود شارع علیہ السلام سے ثابت ہے۔ حالانکہ فلق میں پانچ اور ناس میں چھ آیتیں ہیں ۔

سوال :- اوّل رکعت میں انا اعطینا اور دوسری میں اذا جاء پڑھیں تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں اس لئے کہ چھوٹی سورت درمیان میں چھوٹ گئی ؟

جواب :- دو سورتوں کے درمیان چھوٹی سورت چھوڑنا مکروہ ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ سورت متروکہ پہلی سورت سے بڑی نہ ہو۔ ورنہ مکروہ نہیں۔ اور چونکہ صورت مسئولہ میں سورت متروکہ یعنی یا ایہا الکفرون سورۂ کوثر سے بڑی ہے۔ اس لئے یہ ترک مکروہ نہیں ۔

سوال :- پہلی رکعت میں انا اعطینا اور دوسری میں اذا جاء پڑھنا کیسا ہے ؟

جواب:- گو دونوں سورتیں تین تین آیتوں پر مشتمل ہیں۔ لیکن چونکہ اذا جاء کے کلمات اور حروف انا اعطینا سے دوچند ہیں اس لئے نماز مکروہ ہوگی۔

سوال:- اول رکعت میں اذا جاء اور دوسری میں سورۂ قُل ھو اللہ احد پڑھا گیا ہے؟ کیا نماز مکروہ ہوگی؟

جواب:- دو سورتوں کے درمیان میں ایک سورت چھوڑنا اس صورت میں جائز ہے کہ وہ سُورت پہلی سے بڑی ہو کہ اس کے پڑھنے سے دوسری رکعت پہلی سے طویل ہو جائے۔ چونکہ سورۂ تبّت یدا سورۂ اذا جاء سے بقدر دو آیت بڑی ہے۔ اس لئے اس کو چھوڑ کر قُل ھو اللہ احد کے پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں۔

سوال:- پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں تبّت پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:- مکروہ ہے کیونکہ درمیان میں چھوٹی سورت رہ گئی ہے۔

سوال:- بڑی چھوٹی سورتوں کا لحاظ فرض نماز ہی میں ہے یا دوسری نمازوں میں بھی؟

جواب:- نفل نمازوں میں اس کی کوئی پابندی نہیں تاہم اگر نوافل میں بھی ملحوظ رہے تو بہتر ہے۔

سوال:- پہلی رکعت میں سبح اسم ربک اور دوسری میں ھل اتٰک پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:- گو پہلی سورت میں اُنیس 19 اور دوسری میں چھبیس 26 آیتیں ہیں مگر جمعہ اور عیدین کی پہلی رکعت میں سبح اسم اور دوسری میں ھل اتٰک پڑھنا خود شارع علیہ السلام سے ثابت ہے اس لئے اس میں کوئی کراہت نہیں۔ اس قرارت کو استثنائی فعل تصور کرنا چاہیئے۔

سوال:- جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں الٓمٓ سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر بلحاظ ہونے کے ہمیشہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:- کسی سورت کا نماز کے لئے معین کرنا مکروہ ہے۔ مگر چونکہ جمعہ کی نماز فجر میں ان دونوں سورتوں کا پڑھنا خود حضرت حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس لئے کبھی کبھی ان دونوں سورتوں کا پڑھنا مستحب اور باعث ثواب ہے۔ لیکن امام طحاویؒ وغیرہ نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی معین سورت کے پڑھنے کو واجب جانے اور دوسری کو جائز نہ سمجھے تو اس طرح کی تعیین تو مکروہ ہے۔ اور اگر شارع علیہ السلام کے اتباع میں کوئی معین سورت پڑھے اور کبھی کبھی دوسری

سورتوں کو بھی پڑھ لے۔ یا معیّن سورت کے سوا اس کو بالفعل کوئی دوسری سورت یاد نہ ہو یا کسی معیّن سورت کی قراءت سہل پڑتی ہو تو مکروہ نہیں۔ اور ہدایہ میں وجہ کراہت یہ لکھی ہے کہ معیّن کرنے سے باقی قرآن کا چھوڑنا اور معیّن سورت کی افضلیت کا وہم لازم آتا ہے ۔

سوال :- لاہور کے ایک امام صاحب کو دیکھا ہے کہ وہ سات آٹھ سال سے برابر نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سبح اسم اور دوسری میں ھل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھ رہے ہیں۔ ایسا کرنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :- قراءت کی دوامی تعیین مکروہ ہے۔ امام صاحب کو کبھی کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھنی چاہئیں ۔

سوال :- سورۂ والضحٰی کی قراءت اس طرح ہو کہ سورۂ مذکورہ میں جس قدر الف مقصورہ ہیں۔ ان تمام کو یائے ساکنہ اور اس کے حرف ماقبل کو مکسور کر کے پڑھیں جیسا والضحٰی الخ تو کیا یہ قراءت درست ہے اور اس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے ؟

جواب :- اس طرح قراءت کرنا امالہ ہے اور امالہ عند القراء صحیح ہے ۔

سوال :- نماز میں ایک ہی آیت کا بار بار پڑھنا کیسا ہے ؟

جواب :- فرض نمازوں میں عذر و نسیان کے وقت جائز ہے۔ ورنہ مکروہ ہے۔ نفل نماز میں مکروہ بھی نہیں ۔

سوال :- امام کے لیے جمعہ اور ظہر اور عصر کی نمازوں میں ان سورتوں کا پڑھنا کیسا ہے۔ جن میں آیت سجدہ ہے ؟

جواب :- مکروہ ہے۔

سوال :- اگر قرآن کی کسی آیت کی بجائے اس کا ترجمہ پڑھ لیا جائے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

جواب :- کسی سورت یا آیت کا ترجمہ پڑھ لینے سے نماز نہیں ہوتی۔ البتہ کوئی نو مسلم ایسی موٹی زبان کا ہے کہ عربی الفاظ اس کی زبان سے نہیں نکلتے۔ تا وقتیکہ وہ سیکھے اور قرآن پڑھ سکے اس کے لئے ترجمہ پڑھنا درست ہے۔ کیونکہ وہ قرآن پڑھنے سے معذور ہے ۔

سوال :- اگر کوئی شخص قرآن شریف بطور راگ پڑھے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟

جواب :- مولٰنا اشرف علی تھانویؒ نے اس سوال کے جواب میں لکھا کہ اگر وہ محض تحسین صوت کرتا ہے تو عین خوبی ہے اور ایسے کے پیچھے نماز جائز بلکہ افضل ہے۔ من البراء بن عازب قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول حسّنوا القرآن باصواتکم فانّ الصوت الحسن تزید القرآن حسنًا۔ رواہ الدارمی اور اگر حروف کو اس قدر گھٹاتا بڑھاتا ہے کہ جس سے الفاظ و معانی متغیر اور غلط ہو جائیں تو ایسے کی نماز خود بھی نہیں ہوتی مقتدیوں کی کس طرح ہو گی۔ یہ اس صورت میں ہے کہ معنیٰ میں تغیر اور فساد آجائے اور اگر صرف حروف گھٹ بڑھ جائیں اور معنیٰ میں فساد نہ ہو۔ تو گو نماز ہو جائے گی مگر کراہت شدید ہو گی (امداد الفتاویٰ)

سوال :- امام بدیں نیت خوش الحانی سے قرآن پڑھتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟

جواب :- سنوار کر قرآن پڑھنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اس نیت سے پڑھنا کہ لوگ ہماری تعریف کریں تو یہ ریا ہے۔ لیکن ریا کا تعلق دل سے ہے اور اللہ کے سوا دل کا حال کوئی نہیں جانتا۔ اگر قرأت میں واقعی ریا کو دخل ہے تو اس امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ دوسری یہ نیت کہ مقتدیوں کا جی لگے گا اور محظوظ ہوں گے تو یہ نیت محمود اور یقینی عبادت ہے۔

سوال :- ایک امام صاحب جب نماز میں آیات قرآنی پڑھتے ہیں تو نماز کے اندر ہی چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیتے ہیں اور وجہ دریافت کرنے پر جواب دیتے ہیں کہ میں خوفِ خدا سے روتا ہوں جس وقت قرآن شریف میں جہنم کا ذکر آتا ہے تو مجھے رونا آجاتا ہے۔ ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ان کی طرح ایک مقتدی بھی جہنم کی آیتیں سن کر نماز میں روتے رہتے ہیں۔ ان کا کیا حکم ہے ؟

جواب :- مولٰنا محمد شفیع صاحب سابق مفتی دیوبند نے لکھا کہ اگر واقع میں یہ امام یا مقتدی دوزخ وغیرہ کے ذکر سے روتے ہیں تو نماز میں کوئی خلل نہیں آتا تاہم امام پر لازم ہے کہ حتی الامکان ضبط سے کام لے اور اگر گریہ بے اختیار طاری ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ البتہ اگر کسی تکلیف و مصیبت یا کسی دنیوی غرض سے روتا ہے تو آواز و حروف نکلنے کی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی (امداد المفتین)

لیکن معلوم ہو کہ بعض لوگ ریا و تصنع سے بھی ایسا کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ عہدِ فاروقی میں ایک شخص نماز میں روتا، نالہ و شیون کرتا اور لوگوں کے سامنے اپنی ایسی حالت زار بناتا کہ گویا دنیا

بھر کا درد اور خشوع وخضوع اسی کے حصے میں آیا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے نور فراست سے معلوم کرنے کے بعد اس کو ڈانٹا اور فرمایا اے مکّار ریاکار! کیا تو خشیت الٰہی کا اظہار کر کے لوگوں پر اپنی عظمت وبزرگی کا سکّہ جمانا چاہتا ہے"۔ اس کے بعد وہ اس نمائشی خشوع وخضوع سے باز آگیا (ازالۃ الخفاء) یہاں لاہور میں بھی ایک شخص حالت نماز میں گریہ وزاری کرتا اور بہت کچھ خشیت الٰہی ظاہر کرتا تھا اور اپنی ایسی حالت بناتا تھا کہ گویا جانور مذبوح پڑا تڑپ رہا ہے۔ راقم السطور نے اس کو عہد فاروقی کا یہ واقعہ سنایا تو وہ بتوفیق الٰہی ریا وتصنع سے باز آگیا۔ اور پھر اسے خشوع وخضوع کا کبھی دورہ نہ پڑا

سوال:- کسی شخص نے نیند کی حالت میں قرأت کی تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب:- نماز نہیں ہوئی۔ بیدار ہونے کے بعد دوبارہ پڑھے۔ اور یہی حکم دوسرے ارکان کا بھی ہے۔

سوال:- جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھتے تو فرماتے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی رواہ احمد وابوداؤد اور فرمایا کہ جو کوئی سورۂ والتّین پڑھ کر اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ پڑھے تو کہے بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ اور جو کوئی سورۂ قیامہ میں اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی پر پہنچے تو کہے بَلٰی اور جو کوئی سورۂ مرسلات میں فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ پر پہنچے تو کہے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ رواہ ابوداؤد والترمذی۔ سوال یہ ہے کہ آیتوں کے یہ جواب نماز میں بھی دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:- آیات مذکورہ کے جواب امام مالکؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز میں دینا جائز نہیں۔ نہ فرضوں میں اور نہ سُنن اور نوافل میں بلکہ خارج از صلوٰۃ یہ آیتیں پڑھیں یا سُنیں تو ان کے جواب دیں۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جوابات خارج صلوٰۃ ہی منقول ہیں۔ اگر کہیں نماز میں وارد ہے تو وہ تعلیم کے لئے ہوگا۔ یا ابتدائے اسلام میں تھا۔ جبکہ نماز میں زیادہ قیود نہ تھیں۔ مثلاً باتیں کر لیتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ امور ممنوع ہوگئے۔

سوال:- الحمد اور کسی دوسری سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں اور اگر پڑھ سکتے ہیں تو جہری نمازوں میں آہستہ دل میں پڑھیں یا آواز سے؟

جواب:۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ شیخ ابن الہمامؒ وغیرہ نے الحمد اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنے کو راجح بتایا ہے۔ لیکن امام اور مقتدی آہستہ دل میں پڑھیں۔

فصل ۴۲ - آمین بالاخفاء

سوال:۔ سورۂ فاتحہ کے اختتام پر کیا کہیں؟

جواب:۔ سورۂ فاتحہ ختم ہونے پر آمین کہنا بالاتفاق سنت ہے خواہ نماز پڑھنے والا منفرد ہو یا امام ہو یا جہری نمازوں میں مقتدی ہو امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک آمین کا پکار کر کہنا سُنت ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک آمین آہستہ دل میں کہنی چاہیئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پکار کر کہنے کا معمول ابتداء میں تعلیم کے لئے تھا۔ جب صحابۂ کرام علیہم الرضوان سیکھ گئے تو آمین آہستہ کہی جانے لگی۔ چنانچہ مسند امام احمدؒ، مسند ابو داؤد طیالسی، مسند ابو یعلیٰ، ترمذی، تہذیب الآثار، دارقطنی، معجم طبرانی، محلیٰ، شرح موطا، اور مستدرک حاکم میں باسناد صحیح یہ حدیث موجود ہے۔

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّہٗ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ اٰمِیْنَ وَاَخْفٰی بِھَا صَوْتَہٗ۔

وائل بن حجر حضرمی رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی جب آپ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ پر پہنچے۔ تو آپ نے آمین آہستہ کہی۔

سوال:۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی علقمہ ہے اور علقمہ نے اپنے والد وائل بن حجر سے نہیں سُنا۔ جیسا کہ تقریب میں ہے:۔ عَلْقَمَۃُ بْنُ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ بِضَمِّ الْمُھْمَلَۃِ وَسُکُوْنِ الْجِیْمِ اَلْحَضْرَمِیُّ اَلْکُوْفِیُّ صَدُوْقٌ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَسْمَعْ مِنْ اَبِیْہِ پس سند مذکور مجروح ہوئی اور حدیث انقطاع کے باعث قابل حجت نہ رہی۔

جواب:۔ حافظ ابن حجر کا تقریب میں علقمہ کا عدم سماع لکھنا غلطی ہے۔ ان کا یہ بیان نہ صرف جمہور علماء کے بلکہ خود ان کے دوسرے بیان کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں ترجمہ

علقمہ میں لکھتے ہیں ۔ حَکَی العسکری عن ابن مَعِین اَنَّہٗ قال عَلْقَمَۃُ بْنُ وَائِلٍ سَمِعَ عَنْ اَبِیْہِ یعنی عسکری نے امام یحییٰ بن مَعین سے نقل کیا ہے کہ علقمہ بن وائل نے اپنے باپ سے سُنا ہے، اور علقمہ کی روایت اپنے باپ سے تو باجماع محدثین محققین ثابت ہے ۔ جیسا کہ امام ترمذیؒ اپنی جامع میں کتاب الحدود کے باب مَاجَاءَ فِی الْمَرْأَۃِ میں بعد ذکر حدیث کے جو طریق علقمہ سے مروی ہے لکھتے ہیں (ترجمہ) ۔ علقمہ بن وائل بن حُجر نے اپنے باپ سے سُنا ہے اور وہ اپنے بھائی عبدالجبار بن وائل سے بڑے ہیں ۔ البتہ عبدالجبار بن وائل نے اپنے باپ سے نہیں سنا) اور عبارت تہذیب کی غلطی کی زیادہ توضیح کتاب القول الجازم فی سقوط الحد بنکاح المحارم مؤلفہ مولانا محمد عبدالحی لکھنویؒ میں ملاحظہ ہو ۔

سوال :۔ آمین آہستہ کہنے کے اور دلائل کیا ہیں ؟

جواب :۔ ایک دلیل یہ ہے کہ آمین دعا ہے اور دُعا کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ مخفی مانگی جائے ۔ عطا تابعیؒ نے فرمایا کہ آمین دعا ہے ۔ چنانچہ امام بخاری اپنی صحیح میں لکھتے ہیں ۔ قَالَ عَطَاءٌ آمِیْنَ دُعَاءٌ اور دعا کا آہستہ کہنا خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً ۔ (اپنے رب سے بتضرّع وزاری اور مخفی طریق پر دعا مانگو) حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی تو آہستہ کی اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا

ایک دلیل یہ ہے کہ امیر المؤمنین عمر فاروق اور امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما ۔ اعوذ باللہ اور بسم اللہ اور آمین میں جہر نہیں کرتے تھے ۔ رواہ الطحاوی عن ابی وائل واخرجہ الطبری فی تہذیب الآثار کذا ذکرہ العینی فی شرح البخاری فی باب قراءۃ بسم اللہ ۔

اور شیخ الاسلام نے مبسوط میں لکھا ہے کہ آمین آہستہ کہتے ہیں ہم حضرت عمرؓ ، حضرت علی مرتضیٰ رضؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے مسلک کے پیرو ہیں ۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضؓ نے پکار کر آمین کہنا اس لئے موقوف کیا کہ وہ جانتے تھے کہ جہر سے آمین کہنا منسوخ ہو چکا ہے ۔

سوال :۔ کسی اور حدیث صحیح سے بھی آمین کے آہستہ کہنے کا ثبوت ملتا ہے ؟

جواب :۔ ہاں سنو ! امام حسن بصریؒ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں سمرہ

بن جندب اور عمران بن حُصَین رضی اللہ عنہما میں علمی مذاکرہ ہوا - حضرت سَمُرہ رضؓ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سکتے کیا کرتے تھے (سکتہ کے معنی ہیں خاموش ہو جانا یعنی آپ دو موقعوں پر خاموش ہو جایا کرتے تھے) ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہوتا تھا (جس میں آپ ثنا پڑھتے تھے)۔ دوسرا سکتہ ولا الضالین کے بعد ہوتا تھا - (جس میں آپ آمین کہتے تھے) عمران بن حُصَین رضؓ کہنے لگے کہ مجھے تو آپ کا ایک ہی سکتہ یاد ہے - اس پر فیصلہ ہوا کہ رئیس القرا حضرت اُبَی بن کعبؓ سے استصواب کیا جائے - چنانچہ ان کے نام مدینہ منورہ چٹھی لکھی گئی - حضرت اُبَیؓ نے جواب دیا کہ حضرت سَمُرہؓ کی یادداشت صحیح ہے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو ہی سکتے فرمایا کرتے تھے) رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی - اس حدیث کے ایک راوی سعید کا بیان ہے کہ ہم نے (اس حدیث کے اوپر کے راوی) قتادہ سے پوچھا کہ وہ دو سکتے کون سے ہیں ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ پہلا سکتہ نماز میں داخل ہونے یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا ولا الضالین کے بعد - رواہ الترمذی - ظاہر ہے کہ ولا الضالین کے بعد کی خاموشی میں آپ آمین کہتے تھے -

علاوہ ازیں ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ آمین قرآن میں سے نہیں ہے اجماعاً - پس یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ اس کی آواز قرآن کے ساتھ ملائی جائے جیسے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ اس کو قرآن میں لکھیں - واللہ اعلم -

فصل ۳۴ - قراءتِ صلوٰۃ اور تلاوتِ قرآن میں کوتاہیاں

سوال :- ابنائے ملت کی طرف سے نماز کی قراءت اور تلاوتِ قرآن کے باب میں کیا کیا کوتاہیاں مشاہدہ میں آ رہی ہیں ؟

جواب :- مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بہت سی کوتاہیاں بیان کی ہیں - جن میں سے چند ایک کا اقتباس درج کیا جاتا ہے - مولانا موصوف لکھتے ہیں :-

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ تصحیح قرآن کی طرف اصلاً توجہ نہیں فرماتے نہ مخارج کی خبر - نہ صفات کا اہتمام نہ نقص و زیادت سے تحاشی - کوئی صاحب ض کو صاد ظ سے ادا کرتے ہیں - کوئی دال مضموم

پڑھ رہے ہیں بعض کے نزدیک ث۔ س اور ص میں کوئی فرق نہیں۔ الف کے موقع پر نرا فتحہ پڑھنا اور فتحہ کی جگہ الف بنا دینا بعض کی عادت ہوگئی ہے۔ اسی طرح بے موقع وقف کر دینے سے اجتناب نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ اس سے بعض مواقع پر معنی میں فساد ہو جاتا ہے۔ اگر سانس توڑنا ناگزیر ہو تو چاہیئے کہ جس لفظ پر وقف کیا ہے پھر آگے پڑھنے میں اس کا اعادہ کر لے اور اس کوتاہی میں اہل علم دوسروں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک عالم صاحب سورۂ ناس مِنَ الجِنَّۃِ وَالنّاسِ کو مِنَ الجِنَّۃِ وَالنَّسْ پڑھتے ہیں۔ پھر ان میں سے جو مساجد کے امام ہوتے ہیں۔ ان کی اس غلطی کا اثر دوسروں تک بھی دو طور سے پہنچتا ہے۔ ایک یہ کہ اگر کوئی مقتدی صحیح خواں ہوا تو ان کی نماز ان امام صاحب کے پیچھے نہیں ہوتی۔ اور چونکہ غلط خواں کا حکم صحیح خواں کی نسبت سے قاری کے مقابلہ میں اُمّی کا سا ہے اس لئے اس خاص صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نہ امام کی نماز ہوتی ہے نہ دوسرے مقتدیوں کی۔ ہر چند کہ وجوب تجوید کے متعلق کلام طویل و مقتضی تفصیل ہے مگر اتنی قدر کے ضروری ہونے میں کسی کو کلام نہیں کہ جس قسم کی غلطیوں کا ذکر اوپر ہوا ہے ان کی تصحیح واجب علی العین ہے۔

اس بنا پر متولی اور مجلس منتظمہ کا فرض ہے کہ جب کسی کو مسجد میں امام مقرر کریں تو کسی قاری کو اس کی متعدد سورتیں سنوا دی جائیں۔ اگر وہ صحت کی تصدیق نہ کرے تو کسی دوسرے ماہر کو تلاش کریں اگر ارزاں نہ ملے تو گراں کو لائیں کیسی ظلم کی بات ہے کہ ہر دنیوی کام کے لئے ذی ہنر اور ذی لیاقت ڈھونڈا جاتا ہے حتیٰ کہ لوہار، نجار بلکہ گانے بجانے والا تک بھی۔ لیکن خدائے قدوس کے روبرو جو سب کی طرف سے وکیل بن کر کھڑا ہوتا ہے وہ چھانٹ کر ایسا رکھا جاتا ہے جس میں نہ کمال نہ جمال۔ تمام محلہ میں جو ناکارہ، اندھا، چوندھا، فاتر الحواس، گنوار، بدتمیز، جاہل غرض جو کسی مصرف کا نہ رہے اس کو امامت کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ صرف لہجہ کا نام قراءت سمجھ کر اسی کا اہتمام کرتے ہیں۔ پھر یا تو خود کوئی طبعی لہجہ اختراع کرتے ہیں اور یا کسی مشاق کی نقل اتار لیتے ہیں۔ اور اتار چڑھاؤ اور صحت وزن میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ بعض ضروریات یا مستحسنات قراءۃ بھی فوت ہو جاتے ہیں یعنی حروف گھٹا بڑھا دیتے ہیں۔ یا غنہ یا مد حذف کر دیتے ہیں تاکہ وزن ٹھیک رہے۔ سو اس کی نسبت سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اِقرءوا القرآن بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اهل العشق واهل الکتابین (قرآن مجید کو اہل عرب کے لحن و آواز سے پڑھو۔ اور اہل عشق اور یہود و نصاریٰ

کے طرز سے بچو) حروف گھٹا بڑھا کر وزن کو ٹھیک کرنا اہل عشق اور اہل کتاب کے لحن میں داخل ہے جس کو منع فرمایا ہے۔ اس کو لحن عرب سمجھنا خطاء عظیم ہے۔ جیسا کہ شراح حدیث نے تصریح کی ہے۔ اگر یہ لحن عرب ہے تو پھر لحن اہل عشق کون سا ہے۔ غرض تجوید میں لہجہ کا اہتمام تفریط ہے۔

اور بعضے حقیقت کو صحیح سمجھتے ہیں مگر خوش لہجگی کے بڑے مخالف ہیں۔ وہ اس کا اہتمام بلیغ کرتے ہیں کہ تحسین صوت نہ ہونے پائے اور کسی کو تحسین صوت کرتا دیکھتے ہیں تو اس پر گانے کا طعن کرتے ہیں۔ اور یہ تجوید میں تفریط مذکور کی مانند سراسر افراط ہے۔ جو نصوص کے خلاف ہے۔ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زَیِّنُوا القرآن باصواتکم (قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے زینت دو) اور نحوہ حدیث قولی اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضہ کے اس عرض پر کہ "اگر مجھے خبر ہوتی کہ آپ میری قراءت سن رہے ہیں تو آپ کے لئے خوب بنا کر پڑھتا" پر آپ کا انکار نہ فرمانا حدیث تقریری اس تحسین صوت بالقصد کی مشروعیت و مطلوبیت میں نص صریح ہے اور یہی وہ تغنی ہے جس کا امر چند حدیثوں میں مروی ہے۔ اور اس میں اور گانے میں فرق ظاہر ہے۔

یعنی گانے میں تو لہجہ مقصود اور دوسرے قواعد تابع ہیں۔ اگر لہجہ کے بدلنے میں قواعد رہ جائیں تو پروا نہیں کی جاتی اور اس تحسین صوت میں قواعد مقصود اور حسن صوت تابع ہے یعنی اگر قواعد کو محفوظ رکھ کر خوش آوازی ہو سکی تو اس کی رعایت کی جاتی ہے ورنہ اس کی پروا نہیں کی جاتی۔ اور اگر بلا قصد کسی کی قراءۃ کا کوئی جزو کسی قاعدہ موسیقی پر بھی طبیعت کے تناسب یا موزونیت کی وجہ سے منطبق ہو جائے تب بھی وہ گانے میں داخل نہیں جیسا کہ خود قرآن مجید میں شعریت کی جا بجا نفی کی گئی ہے مگر بعض عبارات یقیناً اوزان شعریہ پر منطبق ہیں۔ جیسے ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات پر منطبق ہے مگر باوجود اس انطباق کے اس کے پڑھنے والے کو شعر کا پڑھنے والا ہرگز نہ کہا جائے گا۔ البتہ اگر بقصد تطبیق پڑھے گا تو شعر کا پڑھنے والا ہوگا۔ اور قرآن میں ایسا کرنے سے ناجائز فعل کا مرتکب سمجھا جائے گا۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے تجوید پر قدرت حاصل کر لیتے ہیں اور مجالس یا حالتِ امامت میں جب پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے تو اس پر عمل بھی کرتے ہیں مگر جب خلوت میں تلاوت یا حالتِ انفراد میں نماز ادا کرتے ہیں اُس وقت اس کی طرف التفات نہیں کرتے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تصحیح قرآن سے غرض ارضاء

خلق تھی۔ نہ کہ ارضاء خالق۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں قرآن کے معنی جاننے کی رغبت قریب قریب نہ ہونے کے برابر ہے۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ جو چیز اسلام کا اصل مدار علیہ ہے جو تمام دینی علوم کا منبع ہے۔ جو فلاح دارین کی اساس ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ و خطاب کا خاص علاقہ ہے۔ امت کو نہ اس کی خبر ہے نہ خبر کا شوق ہے۔ ہمارے اس جمود و خمود کی کوئی انتہا بھی ہے +

فصل ۴۴ صحتِ قراءۃ کا اہتمام

سوال :۔ قراءۃ کی صحت کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ قرآن پاک کو صحیح صحیح پڑھنا واجب ہے۔ ہر حرف کو اس کے قاعدہ کے مطابق ٹھیک ٹھیک پڑھیں۔ ہمزہ اور عین میں، حائے حطی اور ہائے ہوز میں، ض۔ ظ۔ ذ۔ ز اور س۔ ص اور ث میں جو فرق ہے ٹھیک نکال کے پڑھیں۔ اور ہر ایک کو دوسرے سے ممیز کریں۔ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنے سے بچیں۔

سوال :۔ اگر کسی کی زبان سے کوئی حرف ٹھیک طرح نہیں نکلتا جیسے ح کی جگہ ہ پڑھتا ہے۔ یا ص کو س کی طرح پڑھتا ہے۔ یا عین نہیں نکلتا تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب :۔ ایسی حالت میں صحیح پڑھنے کی مشق کرنا لازم ہے۔ اگر صحیح پڑھنے کے لئے اپنی امکانی کوشش نہیں کرے گا تو گنہ گار ہوگا۔ اور اس کی کوئی نماز صحیح نہ ہوگی۔ البتہ اگر انتہائی کوشش اور امکانی محنت سے بھی صحیح پڑھنے پر قدرت نہ پائے تو معذور ہے۔

سوال :۔ اگر کوئی شخص کوشش کرنے سے صحیح پڑھ سکتا ہو لیکن بے پروائی اور عدم التفاتی کی وجہ سے ح کی جگہ ہ اور ع کی جگہ ہمزہ پڑھا کرے تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب :۔ ایسا شخص بھی گنہ گار ہے اور اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی +

سوال :۔ مقصود محض صحیح پڑھنا ہے یا پورے مبالغہ اور تکلف کے ساتھ حروف منہ

سے نکالنا ؟

جواب :- امام ابن جوزیؒ تلبیس ابلیس میں لکھتے ہیں کہ ابلیس نے بہت سے نمازیوں پر حروف کے مخارج میں تلبیس ڈال رکھی ہے۔ بعض الحمد للہ مکرر کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس کلمہ کے بار بار اور مکرر سہ کرر کہنے کی وجہ سے نماز کے ادب سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی نمازی پر تشدید کے ٹھیک نکالنے پر تلبیس ڈالتا ہے اور کبھی غیر المغضوب کا ضاد نکالنے میں تلبیس کرتا ہے اور میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ غیر المغضوب کہتا تھا اور غایت تشدد کی وجہ سے ضاد نکالنے کے ساتھ اس کے منہ سے تھوک نکل پڑتا تھا حالانکہ مقصود تو حرفوں کو صحیح نکالنا ہے لیکن ابلیس ان لوگوں کو ایسی زیادتیوں کی طرف اس لئے لے جاتا ہے کہ فہم قرآن سے محروم رہ کر مبالغہ فی الحروف میں منہمک رہیں ؂

فصل ۴۵۔ ضادِ کا مخرج اور اس کی آواز

سوال :- ض کا مخرج کیا ہے ؟

جواب :- ض کا مخرج زبان کا دایاں یا بایاں کنارہ ہے جب اس کو اوپر کی ڈاڑھ کی جڑ سے لگائیں تو ض نکلتا ہے۔ زبان کے بائیں کنارے سے ادا کرنے میں بہ نسبت داہنے کے سہولت رہتی ہے ض کو اصعب الحروف کہا گیا ہے اس لئے اس کو کسی ماہر قاری سے صحیح کرنا نہایت ضروری ہے۔ ض کو ظ پڑھنا یا دال یا مانند دال کے پڑھنا سخت غلطی ہے۔ بہت سے مواقع میں یہ غلطی مفسد صلوٰۃ ہے۔

سوال :- حرف ضؔ ظا کے مشابہ ہے یا دال مہملہ کے ؟

جواب :- جمہور قُرّاء و فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ض کی آواز ظا معجمہ کی آواز کے مشابہ ہے۔ دال مہملہ کے ہرگز مشابہ نہیں جیسا کہ اکثر کتب فقہ و قرأۃ میں اس کی بے شمار تصریحات موجود ہیں۔ مفتی عنایت احمدؒ نے البیان الجزیل فی الترتیل میں لکھا کہ ایک بلائے عظیم اس زمانہ میں یہ ہو گئی ہے کہ ض کو بصورت دال پڑھتے ہیں۔ لوگوں نے اس کو دال کا مشتبہ الصوت کر دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ دال پُر نہیں ضاد پُر ہے۔ سو یہ بات جملہ کتب قرأۃ اور تفاسیر کے خلاف ہے۔ ض کا ظاء سے مشتبہ الصوت ہونا ثابت ہے نہ دال سے ؂

اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے رسالہ الابقاء ماہ شعبان ۱۳۵۲ھ میں فرمایا کہ ایک ہمارے دوست

ہیں حکیم صاحب انہوں نے تراویح میں قرآن سنانا چاہا۔ مگر پڑھتے تھے صحیح۔ چنانچہ ولا الضالین کو جو صحیح مخرج سے ادا کیا تو مقتدی بگڑ گئے کہ ہم ان کے پیچھے تراویح نہ پڑھیں گے۔ اب مصیبت یہ ہے کہ کوئی تصحیح کے ساتھ پڑھے تو لوگ پڑھنے نہیں دیتے۔ ایک مخلوق پریشان کرنے لگتی ہے بعضوں نے تو یہ سستا نسخہ یاد کر رکھا ہے کہ ولا الضالین کو ولا الظالین پڑھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ آخر یہ ظ اور ض باہم متشابہ ہیں اور گویا متحد الصفات ہیں۔ پھر دونوں میں مغایرت کیسی۔ اسی طرح دوسروں نے یہ سستا نسخہ یاد کر لیا ہے کہ وَلَا الضَّالِّیْنَ کو وَلَا الدَّالِّیْنَ پڑھتے ہیں اور دال اور ضاد کے فرق کے لئے ض کو ذرا موٹا سا پڑھ دیا اور جہاں دال ہے وہاں باریک سا پڑھ دیا ۔

مولانا تھانویؒ اسی رسالہ میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ مولانا فتح محمد صاحب اودنی تشریف لے گئے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں نے جو اول بار فجر کی نماز پڑھائی تو بس قیامت ارے ہی رہ گئی۔ میں نے سورۃ قیامۃ پڑھی۔ یہ خبر نہ تھی کہ قیامت نازل ہو جائے گی۔ سلام پھیرتے ہی ایک صاحب نے اعتراض جڑا کہ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ میں آپ نے دونوں جگہ ظا پڑھی ہے مولنا فتح محمد نے ہر چند فرمایا کہ نہیں بھائی میں نے ایک جگہ ظا پڑھی ہے اور دوسری جگہ ضا۔ مگر وہ نہیں مانا۔ مولنا حیران کہ اب اسے سمجھائیں کیسے۔ سمجھے تو وہ جو فن تجوید جانتا ہو۔ مگر مولنا نے ایک عجیب طریقہ سے اسے سمجھایا۔ فرمایا۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ میں نے دونوں جگہ ایک سا پڑھا تھا یا کچھ فرق تھا؟ کہا تھا تو فرق۔ خیر وہ ہٹ دھرم نہیں تھا ورنہ اس کا بھی انکار کر دیتا۔ فرمایا۔ بس اتنا ہی ض اور ظ میں فرق ہے۔" صاحبو! پڑھے لکھے لوگ بھی تو کثرت سے اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ اور اس پر اس قدر جمود ہے کہ اگر کوئی اتباع کرنا چاہے تو اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

سوال:۔ ان کے علاوہ کچھ اور حوالے بھی مل سکتے ہیں یا نہیں؟ گو احقاق حق کے لئے اسی قدر کافی ہے لیکن یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ض کی آواز ظ سے ملتی ہے دال سے نہیں ملتی کچھ اور حوالے بھی زیب رقم فرما دیئے جائیں تو مزید اطمینان کا باعث ہوگا۔

جواب:۔ ہاں بے شمار ہیں۔ نمونۃً چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

دُرِّ مختار دُرِّ مختار میں ہے:۔ وَلو زاد کلمۃً او نقص کلمۃً او حرفاً او قدّمہ او بدّلہ بآخر الٰی ان قال اما ما یشق تمییزہ کالضاد فاکثرھم لم یفسدھا اگر کوئی ایک

کلمہ یا حرف بڑھا گھٹا دے یا مقدم کر دے یا تبدیل کر دے تو معنیٰ کے بدلنے کی صورت میں نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ بجز ایسے حروف کی تبدیلی کے کہ جن میں تمیز دشوار ہے مثلاً ضؔ اور ظؔ کہ ان کے بدلنے سے اکثر فقہاء کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی)

علامہ شامی ردالمحتار شرح درمختار میں ہے۔ اِلّا مَا یشق الخ قال فی الخانیۃ والخلاصۃ الاصل فیما اذا ذکر حرفاً مکان حرفٍ وغیر المعنیٰ ان امکن الفصل بینہما بلا مشقۃٍ تفسد والا لایمکن الّا بمشقۃٍ کالظاء مع الضاد المعجمتین والصاد مع السین المہملتین والطاء مع التاء قال اکثرہم لا تفسد

قاضیخان فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ فان ذکر حرفاً مکان حرفٍ ولم یغیّر المعنیٰ فان کان الفصل بین الحرفین بلا مشقۃٍ کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلوٰتہ عند الکل وان کان لایمکن الفصل الّا بمشقۃٍ کالضاد مع الظاء والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ فیہ قال اکثرہم لاتفسد۔

بزازیہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے:۔ قال غیر المغضوب بالظاء والضالین بالذال او الظاء قیل لا تفسد لعموم البلوٰی فان العوام لایعرفون مخارج الحروف وکثیر من المشائخ افتوا بہ

فتاویٰ عالمگیری وان غیر المعنیٰ فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقۃٍ کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلوٰتہ عند الکل وان کان لایمکن الفصل بین الحرفین الّا بمشقۃٍ کالظاء مع الضاد والصاد مع السّین والطاء مع التاء اختلف المشائخ قال اکثرہم لاتفسد صلاتہٗ

طحطاوی علامہ طحطاوی رقم فرماتے ہیں:۔ اِلّا مَا یشق تمییزہٗ فی البزازیۃ قال غیر المغضوب بالظاء والضالین بالذال او الظاء قیل لاتفسد لعموم البلوٰی فان العوام لایعرفون مخارج الحروف وکثیر من المشائخ افتوا بہ واطلق البعض الفساد وقال القاضی ابوالحسن وابوالقاسم ان تعمد فسدت وان جری علیٰ لسانہٖ او کان لایعرف التمییز لاتفسد وھو اعدل الاقاویل۔

علامہ علی قاری رح

مقدمہ جزریہ میں ہے۔ ان الضاد اعسر الحروف علی اللسان فلیحسن برعایتہا اے لاتکون مشابھۃ بالظاء والذال والزاء اور علامہ علی قاری رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔ لیس فی الحروف ما یعسر علی اللسان مثلہ وآلسنۃ الناس فیہ مختلفۃ فمنہم من یخرجہ ظاءً ومنہم من یخرجہ دالاً مھملۃ او معجمۃ ومنہم من یخرجہ طاء مھملۃ ومنہم من یشمہ دالاً ومنہم من یشبھہ بالظاء المعجمۃ لکن لما کان تمییزہ من الظاء مشکلاً بالنسبۃ الی غیرہ امر الناظم بتبیینہ عنہ لفظاً

امام محمد غزالی رح

امام محمد غزالی رح اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کیمیائے سعادت" کی اصل چہارم میں لکھتے ہیں: فرق میان ض و ظ بجا آرد و اگر نتواند روا باشد (نمازی کو چاہیے کہ ضاد اور ظا میں فرق کرے یعنی اس احتیاط سے پڑھے کہ ضاد ظ نہ ہو جائے اور اگر ایسا نہ کر سکے تب بھی نماز ہو جائے گی)

امام فخر الدین رازی رح

امام فخر الدین رازی رح تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:۔ المسئلۃ العاشرۃ المختار عندنا ان اشتباہ الضاد بالظاء لا یبطل الصلوٰۃ ویدل علیہ ان المشابھۃ حاصلۃ فیہما جداً والتمییز عسیر فوجب ان یسقط التکلیف بالفرق وبیان المشابھۃ من وجوہ الاول انہما من الحروف المجھورۃ والثانی انہما من الحروف الرخوۃ والثالث انہما من الحروف المطبقۃ والرابع ان الظاء وان کان مخرجہ من اطراف اللسان واطراف الثنایا العلیا ومخرج الضاد من اول حافۃ اللسان وما یلیہا من الاضراس الا انہ حصل فی الضاد انبساط لاجل رخاوتہا ولہذا السبب یقرب مخرجہ الظاء والخامس ان النطق بحرف الضاد مخصوص بالعرب فثبت بما ذکرنا ان المشابھۃ بین الضاد والظاء شدیدۃ وان التمییز عسیر واذا ثبت ہذا فنقول لو کان الفرق معتبراً لوقع السوال عنہ فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی ازمنۃ الصحابۃ لاسیّما عند دخول العجم فلما لم ینقل وقوع السوال عن ہذا البتۃ علمنا ان التمییز بین ہذین الحرفین لیس فی محل التکلیف" (ترجمہ) دسواں مسئلہ۔ ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ ضاد کا ظا کے ساتھ

مشابہ ہونا نماز کو باطل نہیں کرتا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں باہم بڑی مشابہت ہے اور ان دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ اس وجہ سے یہ بات واجب ہوئی کہ ان دونوں کے درمیان فرق کرنے کی تکلیف ساقط ہو۔ اور ان دونوں کی باہمی مشابہت کا بیان کئی وجہوں سے ہے۔ اوّل یہ ہے کہ دونوں حرف حروف مجہورہ میں سے ہیں اور دوسرے یہ کہ دونوں حروف رخوہ میں سے ہیں۔ تیسرے دونوں حروف مطبقہ میں سے ہیں۔ چوتھے یہ کہ اگرچہ ظاء کا مخرج زبان اور ثنایا علیا کی نوک ہے۔ اور ضاد زبان کے کنارے سے نکلتا ہے۔ مع اضراس کے جو کنارۂ زبان سے متصل ہیں۔ مگر چونکہ ضاد میں اس کے رخوہ ہونے کے باعث انبساط اور کشادگی حاصل ہے۔ اس وجہ سے ضاد کا مخرج ظا کے مخرج سے قریب ہے۔ پانچویں یہ کہ نطق بحرف ضاد عرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس ہمارے اس بیان سے ثابت ہوا کہ ضاد اور ظا کے درمیان ایسی شدید مشابہت ہے کہ دونوں میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ اگر ان دونوں حرفوں میں فرق اور امتیاز کرنا ضروری ہوتا تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور صحابہ کرام کے زمانہ میں بالخصوص جب کہ عجمی لوگ مشرف باسلام ہوئے تھے اس کے بارہ میں سوال واقع ہوتا۔ پس جب اس بارہ میں سوال کیا جانا منقول نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کو ان دونوں حرفوں میں تمیز کرنے کی تکلیف نہیں دی گئی۔”

سوال:۔ ان تمام عبارتوں کا جو اوپر درج ہوئیں حاصل کیا ہے؟

جواب:۔ تحریرات مذکرۂ صدر کا حاصل و خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ ضاد اور ظا میں بلا مشقت فرق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضاد کی جگہ ظا پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ یہی مضمون فقہ حنفی کی بے شمار کتابوں میں مرقوم ہے۔ اس سے یہ امر بھی پایۂ ثبوت کو پہنچا کہ ضاد کو دُواد پڑھنا بالکل بے اصل ہے اور حسب تصریح قاضی خان ضاد کو دُواد پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

سوال:۔ ضاد اور دال میں کچھ مشابہت ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ ضاد اور دال سے کچھ مشابہت نہیں ہے نہ مخرج میں نہ صفات میں بلکہ ضاد اور دال سے سات صفتوں میں اختلاف ہے۔ ولا الضالین کی جگہ ولا الدُّالین پڑھنے سے سب کے نزدیک نماز فاسد ہوتی ہے اور ظا پڑھنے سے اکثر کے نزدیک نہیں فاسد ہوتی اور اسی پر فتویٰ ہے۔ فی الواقع بمذہب مختارِ جمہور ضاد کی جگہ پر اگر ظا پڑھے گا یا دال تو نماز فاسد نہ ہوگی، فتاویٰ

بزازیہ میں ہے۔ قال غیر المغضوب بالظاء والذّالین بالدال او الظاء لا تفسد لعموم البلوی فان العوام لا یعرفون مخارج الحروف وکثیر من المشائخ افتوا بہ۔ انتہی (اگر کسی نے مغضوب کی جگہ مغظوب ظاء یا ضالّین کو ظالّین یا ذالّین یعنی ظا یا ذال سے پڑھا، کہا گیا ہے کہ عموم ابتلاء کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ کیونکہ عوام حروف کے مخارج نہیں پہچانتے اور بہت سے مشائخ نے اسی پر فتوے دیا ہے (مجموعۂ فتاویٰ مولنٰا عبدالحی جلد اول صفحہ ۱۹۶ - ۱۹۷)

سوال:۔ سنا جاتا ہے کہ اہل عرب عموماً ضاد کو دُواد ہی پڑھتے ہیں؟

جواب:۔ جہلاء کا کوئی اعتبار نہیں۔ وہاں کے قاریوں کو دیکھو وہ لازماً اس کو مشابہ بالظاء بنائیں گے۔ ایک مرتبہ راقم السطور نے قاری عبدالوحید خاں مرحوم الٰہ آبادی سے جو زمانۂ دراز تک دیوبند میں تجوید کے مدرس تھے دریافت کیا تھا کہ کتب فقہ وتجوید سے ضاد کا ظاء سے مشتبہ الصوت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لوگ دُواد کیوں پڑھتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ فقہ اور تجوید کی کتابوں سے واقعی یہی ثابت ہوتا ہے مگر دُواد پڑھنے کا رواج پڑ گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے جہلاء سے یہ رواج پاکستان اور ہندوستان پہنچا ہے۔

سوال:۔ ض کو دال یا دُواد پڑھنے والے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ دال یا دُواد پڑھنے والے ائمہ کے پیچھے نماز پڑھنے سے حتی الامکان بچنا چاہیئے اور اگر پڑھ لی تو راقم آثم کے نزدیک بوجہ عموم بلویٰ نماز ہو جائے گی۔ مولنٰا اشرف علی لکھتے ہیں کہ عوام کا دال کے مخرج سے پڑھنا اور غیر مقلدین وغیرہم کا ظا کے مخرج سے پڑھنا محض غلط ہے۔ رہا جواز و فساد صلوٰۃ سو ہرچند کہ اس میں روایات فقہیہ مختلف ومتعارض ہیں۔ مگر ظاہراً ان سب کی نماز ہو جاتی ہے کیونکہ قصد سب کا ض ہی ادا کرنے کا ہے۔ صرف طریق ادا کے سمجھنے میں غلطی ہے۔ متاخرین فقہاء کے قول سے اسی طرح کی وسعت معلوم ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اپنی قدرت کے موافق ض کو صحیح پڑھنے کی کوشش کرے یعنی ض اور ظ کے مخرج اور صورت دونوں میں تمیز ہو۔ مگر اقرب الی الظاء ہو یعنی نکالا بھی جائے مخرج صحیح سے دونوں کی آواز میں تشابہ تام نہ ہو بلکہ من وجہٍ دون وجہٍ ہو لیکن غالب مشابہت صوت ظاء کی ہو۔ باقی غیر مشاق کی نماز بھی ہر طرح ہو جاتی ہے۔ اور مشاق کی زبان سے بھی اگر بلا قصد غلط نکل گیا تو اس کی بھی نماز ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر مشاق ہو کر اس قصد سے پڑھے کہ میں ظا پڑھتا ہوں یا دال پڑھتا ہوں تو اس

نماز بلاشبہہ فاسد ہے ۔ فی الشامیۃ عن الخزانۃ الاکمل قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذالک تفسد وان جری علی لسانہ اولا یعرف التمییز لا تفسد وھو المختار حلیہ و فی البزازیہ وھو اعدل الاقاویل وھو المختار انتہی ۔ (امداد الفتاویٰ جلد اوّل مطبوعہ کراچی ص ۱۷۴-۱۷۵)

سوال :۔ دال اور ظاء پڑھنے والوں میں ترجیح کس کو حاصل ہے ؟

جواب :۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ضاد دال کی نسبت ظاء سے زیادہ اشبہ ہے ۔ اور قصداً ظاء پڑھنا یا دال پڑھنا دونوں ناجائز ہیں ۔ پس واجب ہے کہ اس کی تصحیح کا قصد کریں ۔ صحیح پڑھنے کے قصد کی صورت میں بوجہ عموم بلویٰ غلطی معاف ہے ۔ پس نزاع کا مفسدہ اس مفسدہ سے زیادہ اقبح واشنع ہے ۔ ایسے امور کو تفریق بین المسلمین کا سبب بنانا وبال عظیم ہے ۔ امام کو چاہیے کہ ظاء پڑھنے سے احتراز کرے کیونکہ غلطی کے علاوہ جو دال پڑھنے میں مشترک ہے اہل اہواء مثل روافض خذلہم اللہ وغیر مقلدین کا تشبہ اور ان کی ہواء کا اتباع اور ان کی بدعت کی ترویج ہے ۔ واللہ اعلم ۔ (امداد الفتاویٰ مطبوعہ کراچی جلد اوّل صفحہ ۱۷۶) ۔

فصل ۴۶ ۔ قراءت کی غلطیاں

سوال :۔ وہ کون سے قاعدے ہیں جن کے جان لینے سے قراءت کی ہر غلطی کا حکم معلوم ہو سکتا ہے کہ اس سے نماز فاسد ہوئی ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ متقدمین حنفیہ نے یہ قواعد مرتب فرمائے کہ غلطی یا تو اعراب یعنی زبر زیر پیش سکون میں ہوگی ۔ اور اسی میں داخل ہے مشدّد کو تخفیف سے پڑھنا اور اس کا عکس اور مدّ والے کو قصر سے پڑھنا اور اس کا عکس (۲) یا غلطی حروف میں ہوگی یعنی ایک حرف کی جگہ دوسرا ادا کرنا یا کسی حرف کا زیادہ یا کم کرنا یا مقدم مؤخر کرنا ۔ (۳) یا غلطی کلمات میں ہوگی یعنی ایک کی جگہ دوسرے کو پڑھنا یا کم وبیش یا مقدم مؤخر کرنا (۴) یا غلطی وقف میں ہوگی کہ وصل کی جگہ وقف کیا جائے اور وقف کی جگہ وصل ۔

متقدمین حنفیہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جس غلطی سے معنیٰ ایسی بُری طرح بگڑ جائیں کہ ان کا اعتقاد

کرنا کفر ہو تو اس غلطی سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر غلطی سے معنیٰ اس درجہ نہیں بگڑتے جن کا اعتقاد کفر ہو لیکن معنوں میں بہت سا تغیّر و تبدّل آجاتا ہے۔ جیسے ھٰذَا الغرابُ (یہ کوّا ہے) کی جگہ ھٰذَا الغبارُ (یہ غبار ہے) پڑھنا یا بالکل بے معنیٰ لفظ ہو جاتا ہے جیسے سرائرَ کی جگہ سرائل پڑھنا تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور اگر غلطی سے معنوں میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں ہوتی البتہ مطلب سے دور پڑ جاتے ہیں۔ تو اس صورت میں دیکھنا چاہیئے کہ اس جیسا کوئی لفظ قرآن میں موجود ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر قرآن میں وہ لفظ ہے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فاسد نہ ہو گی۔ اور اگر زیادۃ کی غلطی سے معنیٰ نہ بگڑیں اور ویسا لفظ قرآن میں نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فاسد نہ ہو گی۔ جیسے قوامین کی جگہ قیامین پڑھنا کہ دونوں کے معنیٰ ایک ہیں۔ حالانکہ قیامین قرآن میں نہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گی۔

سوال:۔ یہ قواعد تو متقدمین کے تھے۔ متاخرین حنفیہ کا کیا مسلک ہے؟

جواب:۔ ابن مقاتلؒ، ابن سلامؒ، اسمٰعیل زاہدؒ، ابوبکر بلخیؒ، ہندوانی اور حلوانی وغیرہ متاخرین اس پر متفق الرائے ہیں کہ اعراب میں غلطی کسی طرح کی ہو وہ مفسد نماز نہیں اگرچہ اس کا اعتقاد کفر ہو کیونکہ اکثر اشخاص اعراب کی تمیز نہیں کر سکتے۔ اور اگر غلطی اس قسم کی ہو کہ حرف تبدیل ہو گیا ہو تو اگر دونوں حرفوں میں فرق بسہولت معلوم ہو سکتا ہو مثلاً ص کی جگہ ط پڑھنا تو متاخرین کے اتفاق رائے مفسد صلوٰۃ ہے اور اگر فرق مشکل سے معلوم ہوتا ہو جیسے ص کی جگہ س پڑھنا تو اکثر فقہاء کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ متاخرین کے قواعد منضبط نہیں اس لئے نماز کے باب میں متقدمین کا قول اختیار کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔ کہ ان کے قواعد بھی درست ہیں۔ اور فتاووں میں اکثر فروع انہی کے قول پر محمول ہیں۔ کذا فی الشامی عن شرح المنیہ۔

سوال:۔ وہ کون سے مواقع ہیں جن میں معنیٰ بدل جانے کے باوجود نماز فاسد نہیں ہوتی؟

جواب:۔ درمختار میں ہے کہ اگر اعراب میں غلطی ہو جیسے نَعۡبُدُ کی ب کو زبر پڑھنا یا مشدّد کو تخفیف سے پڑھنا جیسے قُتِّلُوْا کی جگہ قُتِلُوْا پڑھنا یا مخفّف کو مشدّد پڑھنا جیسے اَفَعَیِیۡنَا کو اَفَعَیَّیۡنَا پڑھنا یا ایک یا زیادہ حروف کا اضافہ کر دینا جیسے صراط الذین کی بجائے الصراط الذین یعنی الف اور لام کی زیادتی سے پڑھنا یا ایک حرف کو دوسرے کلمہ میں ملا دینا جیسے اِیَّاکَ نعبُدُ میں اِیَّا پڑھ کر سقطہ کرنا اور

ک کو نعبد میں وصل کرنا۔ یا وقف اور ابتداء کرنے کی غلطی جیسے مثلاً لَا اِلٰہ پر وقف کرنا اور اِلّا اللّٰہ سے ابتداء کرنا۔ ان تمام صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ معنیٰ بدل جائیں۔ کذا فی البزازیہ

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ درمختار کی ظاہر عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ فتاوائے بزازیہ میں سب مسائل میں عدم فساد پر فتویٰ ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ بزازیہ میں صرف اعراب کی غلطی میں اگرچہ معنیٰ بھی بگڑ جائیں عدم فساد کا فتویٰ مذکور ہے اور باقی صورتوں میں بصورت مفہوم بدلنے کے اکثر مشائخ کے نزدیک فساد مذکور ہے جیسا کہ متقدمین کا قول ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

سوال:۔ اگر کسی نے ربّ العالمین کی ب اور اِیّاکَ نَعبُدُ کی ی کی تشدید ترک کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب:۔ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

سوال:۔ اگر ایک کلمہ کو زیادہ کیا مثلاً مِنْ ثَمَرِہٖ اِذَآ اَثْمَرَ میں لفظ اِسْتَحْصَدَ بڑھا دیا۔ یا کسی کلمہ کو ناقص کر دیا جیسے جَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا میں جَزَآءُ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا پڑھا یعنی دوسری سَيِّئَةٌ کو چھوڑ دیا یا ایک حرف کو کم کر دیا جیسے تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا کو تَعَالَ جَدُّ رَبِّنَا یعنی بدون الف مقصورہ کے پڑھا یا ایک حرف کو دوسرے سے مقدم کر دیا۔ جیسے انفجرت کو انفرجت پڑھا یا کسی حرف کو دوسرے سے بدل دیا۔ یا اَوّاب کی بجائے اَیّاب پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ ان صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی جب تک معنیٰ نہ بدل جائیں۔ واضح ہو کہ تغیر معنیٰ کی صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک نماز فاسد ہوتی ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اُس صورت میں ٹوٹتی ہے کہ لفظ غلط پڑھا ہو اور وہ لفظ قرآن میں نہ ہو۔ ورنہ فاسد نہیں ہوتی۔

سوال: حروف کے بدلنے سے معنیٰ و مفہوم تبدیل ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے حروف کی تبدیلی کا کیا حکم ہے جن میں امتیاز مشکل ہے۔ مثلاً ص اور س۔ ض اور ظ۔ ت اور ط۔

جواب:۔ ان کے بدلنے سے اکثر فقہاء کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لیکن شامی میں حلیہ

سے منقول ہے کہ کوئی دانستہ ایسی تبدیلی کرے گا تو نماز فاسد ہو گی اور اگر بے اختیار منہ سے نکل گیا یا تمیز حروف سے بے بہرہ ہے تو نماز میں فساد نہ آئے گا۔

سوال:- اگر کسی نے اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (فاجر لوگ دوزخ میں ہوں گے) کی بجائے اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَنّٰتٍ (فاجر لوگ جنتوں میں ہوں گے) پڑھا تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب:- نماز ٹوٹ جائے گی۔

سوال:- اگر عَلِیْمٌ کی جگہ حَکِیْمٌ اور فٰعِلِیْنَ کی جگہ غٰفِلِیْنَ پڑھا تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب:- عَلِیْمٌ کی جگہ حَکِیْمٌ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے اور اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ میں فٰعِلِیْنَ کی جگہ غٰفِلِیْنَ پڑھا تو نماز نہ ہو گی۔

سوال:- مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ میں عِمْرٰنَ کی جگہ عَیْلَانَ پڑھا تو نماز ہوئی یا ٹوٹ گئی؟

جواب:- اگر نسب میں غلطی کی اور منسوب الیہ قرآن میں نہیں ہے تو نماز فاسد ہو گئی جیسے عمران کی جگہ عیلان پڑھنا۔ اور اگر قرآن میں ہے تو نماز فاسد نہ ہو گی جیسے عمران کی جگہ لقمان پڑھنا۔

سوال:- قراءت میں امام نے ایسی غلطی کی جس سے معنیٰ بدل گئے لیکن مقتدی کے بتلانے سے غلطی درست ہو گئی۔ تو نماز ہو گئی یا نہیں؟

جواب:- جب مقتدی کے بتلانے سے صحیح پڑھ لیا تو نماز ہو گئی۔

فصل ۴۷- تلاوتِ قرآن کے فضائل

سوال:- قرآن پڑھنے کا ثواب کیا ہے؟

جواب:- تلاوت قرآن تہذیب نفوس کا بہترین ذریعہ ہے اسی بنا پر سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں بہتر وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔ رواہ البخاری۔ قرآن پڑھنے اور پڑھانے کا ثواب دنیا کے تمام نفیس مالوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ آخرت کا ثواب باقی ہے اور دنیا کا اسباب فانی۔

اسی معنی میں مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا کہ تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ ہر روز بُطحان اور عقیق جائے اور وہاں سے بغیر کسی گناہ اور بغیر کسی قطع رحمی کے بڑے کوہان والی دو اونٹنیاں لائے۔ اصحابؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص اس کا خواہشمند ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم مسجد میں جاکر کتاب اللہ کی جو دو آیتیں پڑھتے ہو وہ دو اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ تین آیتیں تین اونٹنیوں سے اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ رواہ مسلم۔

سوال:۔ بُطحان اور عقیق سے کیا مُراد ہے؟

جواب:۔ بُطحان اور عقیق مدینہ منورہ سے دو کوس پر دو مقام تھے۔ جہاں بازار لگتے تھے۔ اہل عرب کے نزدیک سب سے عمدہ مال اونٹ ہیں اس لئے آپ نے ان کا ذکر فرمایا۔ دوسری حدیث میں حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس بات کو دوست رکھتے ہو کہ جب تم اپنے گھر واپس جاؤ تو وہاں تین فربہ حاملہ اونٹنیاں پاؤ؟ صحابہ نے التماس کی یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص اس کو پسند کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ تمہارا نماز میں تین آیتیں پڑھنا تین حاملہ فربہ اونٹنیوں سے بہتر و برتر ہیں۔ رواہ مسلم۔

سوال:۔ قرآن خوانی کے اور فضائل کیا ہیں؟

جواب:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قرآن کا ماہر نیکوکار بزرگ لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہے۔ اور جو کوئی قرآن پڑھتا ہے اور پڑھنے میں اٹکتا ہے اور قرآن اس پر مشکل ہوتا ہے اس کے لئے دو چند ثواب ہے۔ رواہ البخاری و مسلم۔ یعنی بے تکلف قرآن پڑھنے والے کا مرتبہ بڑا اعلیٰ ہے کہ وہ ثواب میں ان فرشتوں کے برابر ہے جو قرآن کو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں لیکن قرآن خوانی میں جس کی زبان نہیں چلتی اور اس کو باوجود محنت کے ادائے حروف میں دشواری ہے۔ رحمت خداوندی اس کو دوہرا ثواب عطا فرماتی ہے۔

اور فرمایا کہ دو آدمیوں کے سوا کوئی انسان قابل رشک نہیں ایک وہ شخص جس کو (پروردگار) قرآن کا علم عطا فرمایا گیا ہے اور وہ رات اور دن کے مختلف اوقات میں اس کے ساتھ نماز میں قیام کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جسے خدائے واہب نے مال و زر عطا فرمایا ہے اور وہ رات اور دن کے اوقات میں اسے (کارہائے خیر میں) خرچ کرتا ہے۔ رواہ البخاری و مسلم اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوسرے کلاموں پہ کلام اللہ کی فضیلت ایسی ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی فضیلت اس کی مخلوق پر ہے رواہ الترمذی و الدارمی و

البیہقی فی الشعب اور آپ نے فرمایا کہ جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے ہر حرف کے بدلے ایک نیکی ہے۔ اور ہر نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے۔ اور فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے۔ لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے۔ رواہ الترمذی والدارمی

سوال:۔ نماز میں قرآن پڑھنا افضل ہے یا غیر نماز میں؟

جواب:۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں قرآن پڑھنا غیر نماز میں پڑھنے سے افضل ہے اور غیر نماز میں قرآن کی قراءۃ تکبیر و تسبیح سے افضل ہے اور تکبیر و تسبیح صدقہ سے افضل ہے۔ رواہ الطبرانی والدارقطنی

سوال:۔ مختلف حالات میں قرآن خوانی کا کتنا کتنا ثواب ہے؟

جواب:۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے وضو قرآن پڑھنے سے ہر ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور غیر نماز میں باوضو تلاوت کرنے سے پچیس پچیس نیکیوں کا اور نماز میں بیٹھ کر پڑھنے سے پچاس پچاس کا اور نماز میں بحالت قیام ہر حرف کے بدلے سو سو نیکیوں کا ثواب ملتا ہے (خزینۃ الاسرار، اربعین غزالی، احیاء العلوم، تنبیہ الغافلین)۔

سوال:۔ اگر کاروبار سے فرصت نہ ملے تو پھر کیا کریں؟

جواب:۔ مولانا اشرف علیؒ لکھتے ہیں کہ بعض لوگ دوام تلاوت میں کم فرصتی کا عذر کرتے ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ جس چیز کا انسان ارادہ کر لیتا ہے کسی نہ کسی صورت سے اس کو کر ہی لیتا ہے۔ خاص کر جبکہ کام بھی آسان ہو۔ کیا یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ کہ چوبیس گھنٹے میں سے آدھا گھنٹہ کہ مجموعہ روز و شب کے ساتھ ۱/۴۸ کی نسبت رکھتا ہے نکال کر اس میں اگر ناظرہ خواں ہے تو ایک پارہ اور اگر حافظ ہے تو ایک یا ڈیڑھ پارہ بے تکلف پڑھ لیا کرے اور اتفاقاً ناغہ ہو جانا دوسری بات ہے اس سے زیادہ تو فضولیات و خرافات میں صرف ہو جاتا ہے جس میں نہ نفع دین نہ نفع دنیا۔ توبہ توبہ قرآن مجید ان فضولیات کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا کہ فضولیات کے لئے تو فرصت ہو جایا کرے اور تلاوت قرآن مجید کے لئے نہیں ہوتی۔

سوال:۔ تلاوتِ قرآن کا اصل مقصد کیا ہے؟

جواب:۔ تلاوت کا اصل مقصد تدبر اور نصیحت حاصل کرنا ہے۔ رب جلیل نے اپنے کلام پاک

میں فرمایا۔ کِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوْٓا آيَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔ (یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں۔ اور تاکہ اہلِ فہم نصیحت حاصل کریں۔ ۳۸ : ۲۹) یہ آیت کریمہ اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ پاک نے قرآن شریف کو اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگ اس کے معانی میں تفکر و تدبر کریں۔

سوال :۔ تلاوت قرآن کے آداب کیا ہیں ؟

جواب :۔ مولانا اشرف علی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے تو وضو کرکے رُو بقبلہ اگر سہل ہو ورنہ جیسا موقع ہو خشوع کے ساتھ بیٹھے اور یہ تصور کرے کہ حق تعالیٰ مجھ کو فرمائش کرتے ہیں کہ ہم کو پڑھ کر سناؤ اور یہ تصور کرے کہ اگر مخلوق میں سے کوئی شخص مجھ سے ایسی فرمائش کرتا تو میں کیسا پڑھتا۔ تو خدائے برتر کی فرمائش کی تو زیادہ رعایت چاہیئے اور اس کے بعد تلاوت شروع کرے۔ اور جب یہ تصور ضعیف ہو جائے تلاوت بند کرکے اسی مراقبہ کو پھر تازہ کرے البتہ اگر تکثیر تلاوت مقصود ہو اور اتنی مہلت نہ ہو کہ مقید ہو کر بیٹھ سکے تو ان آداب میں تخفیف ہو سکتی ہے مگر تجوید بقدر واجب میں تخفیف ممکن نہیں ۔

سوال :۔ تلاوت قرآن بلا وضو جائز ہے یا نہیں اور قبل طلوع و غروب آفتاب یعنی درمیان عصر و مغرب قرآن خوانی کیسی ہے ؟

جواب :۔ قرآن بے وضو پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ قرآن کو نہ چھوئیں۔ طلوع و غروب کے وقت تلاوت قرآن اگرچہ جائز ہے لیکن اوقاتِ مکروہہ میں قراءت قرآن کی نسبت دُعا اور درود و تسبیح میں مشغول ہونا افضل ہے ۔

فصل ۴۸ - رفع یدین

سوال :۔ حنفی مذہب کے پیرو رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت دونوں ہاتھ نہیں اٹھاتے کیا ہاتھ نہ اٹھانا حدیث صحیح سے ثابت ہے ؟

جواب :۔ ہاں۔ چنانچہ مروی ہے۔

عن علقمہ قال قال عبد اللہ بن مسعود اَلَا اُصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلّٰی فلم یرفع یدیہ اِلَّا فِی اَوّل مَرَّۃٍ۔

(رواہ الترمذی)

علقمہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو نماز نہ پڑھاؤں مثل نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ پھر نماز پڑھی اور اپنے دونوں ہاتھ تکبیر اُولی کے سوا کسی موقع پر نہ اٹھائے۔

اور محدّث ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسَن ہے۔ اور اسی مضمون کی حدیث براء بن عازب صحابیؓ سے بھی منقول ہے اور اس حدیث کو بہت سے علماء اور صحابہ اور تابعین نے تسلیم کیا اور قبول فرمایا ہے اور یہ سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ یعنی امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اتباع کا قول ہے۔ تمام ہوا کلام ترمذی کا جو صحیح ترمذی میں ہے۔

اور ابو داؤد نے تو اس امر کا جداگانہ باب منعقد کیا ہے کہ رفع یدین (دونوں ہاتھ اٹھانا) نماز میں اوّل ہی مرتبہ ہے اور ابو داؤد نے ابو سفیان اور براء بن عازب سے بھی حدیث اسی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے قریب تک اُٹھاتے۔ پھر ساری نماز میں دوبارہ نہ اٹھاتے۔ رواہ ابو داؤد

سوال:۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے رفع یدین کرنے کی روایتیں متعدد طُرق سے آئی ہیں۔ ان کا کیا جواب ہے۔

جواب:۔ علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ رکوع کو جاتے اور وہاں سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا اوائل اسلام میں معمول بہا تھا۔ پھر منسوخ ہو گیا۔

سوال:۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ رفع یدین منسوخ ہو گیا۔

جواب:۔ علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں رقم طراز ہیں:۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو رکوع اور قومے کے وقت رفع یدین کرتے دیکھ کر فرمایا یہ کام نہ کر کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا۔ پھر ترک کر دیا۔ نسخ کی دوسری دلیل یہ ہے۔ امام طحاویؒ نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی۔ حدیث بیان کی مجھ سے ابو داؤد نے۔ انہوں نے کہا مجھ کو احمد بن عبداللہ بن یونس نے خبر دی۔ انہوں نے کہا مجھ کو ابوبکر بن عیاش بن حُصَین بن مجاہد نے خبر دی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی

سو انہوں نے تکبیر اُولیٰ کے سوا کہیں رفع یدین نہ کیا۔ یہ وہی عبداللہ بن عمر ہیں جو رکوع اور قومہ کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس کو ترک کر دیا۔ سو ان کا ترک کرنا لنسخ کی قطعی دلیل ہے۔ انتہیٰ کلام العینی۔

سوال:۔ کیا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جو آسمانِ عظمت کے مہر و ماہ تھے رفع یدین کیا کرتے تھے؟

جواب:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور میں نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے اقتداء میں بھی نماز پڑھی۔ ان تینوں نفوس قدسیہ نے شروع نماز کے سوا کہیں رفع یدین نہ کیا۔ اس کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے جو بخاری اور مسلم کے اُستاد تھے۔ اپنی مصنف میں روایت کیا ہے۔ کما نقلہ ابن الہمام اور دار قطنی میں ہے۔ حماد نے ابراہیم سے اور ابراہیم نے علقمہ سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابوبکر اور عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی۔ یہ تینوں حضرات شروع نماز میں تکبیر اُولیٰ کے سوا کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

سوال:۔ سرکش گھوڑوں کی دُمیں اُٹھانے کے متعلق مشہور حدیث کیا ہے؟

جواب:۔ حضرت جابر بن سمرہ صحابی رض کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایسی حالت میں تشریف لائے کہ ہم ہاتھوں کو نماز میں اٹھانے والے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کیا ہے کہ میں تم لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ تم نماز میں اپنے ہاتھ اس طرح اٹھاتے ہو جیسے سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہلتی ہیں۔ نماز میں سکون کرو۔ یعنی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ رواہ مسلم فی صحیحہ وابوداؤد والنسائی فی سننہ، ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ انکے علاوہ اور بھی بے شمار روایتیں ہیں۔ جن کے اندراج کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔

سوال:۔ اگر تنہا نوافل میں رفع یدین محض بخلوص نیت بطور اتباع و محبت کر لیا جائے کہ یہ بھی ایک سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو حنفی کو رفع یدین کی اجازت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے اس سوال کے جواب میں لکھا کہ مقلد حنفی باتباع اپنے امام کے یہ فعل نہ کرنا چاہیے۔ کہ ان کے نزدیک یہ فعل منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا درست نہیں ہوتا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگشتری اور ریشمی کپڑا پہن کر منسوخ فرما دیا۔ اگر کوئی

شخص باتباع حدیث سونے کی انگشتری اور ریشمی کپڑا پہنے تو یہ کب حلال ہوگا۔ پس ایسا ہی اس فعل پر عمل کرنا حنفی کو نہیں چاہیئے۔ اتباع حدیث کے لئے اور بہت سے امور ہیں۔ اس مشتبہ فعل کے کرنے میں کیا بڑا ثواب امید کیا جاتا ہے۔ جو انجام اس کا فساد ہو۔ عدم رفع یدین بھی بہت صحابہ کا مذہب ہے۔ لہٰذا غیر رافع بھی حدیث اور صحابہ کا متبع ہے۔ (مقتبس)

سوال:۔ مولٰینا اسمٰعیل شہید دہلوی جو رفع یدین کے مسئلہ میں خاموش اور لاجواب ہوئے تھے۔ وہ کیا واقعہ ہے؟

جواب:۔ مولٰنا شاہ محمد اسحٰق کا بیان ہے کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا تو مولوی محمد علی صاحب اور مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ عرض کیا کہ حضرت! مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کر دیا ہے اور اس سے مفسدہ پیدا ہوگا۔ آپ ان کو روک دیجئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ میں تو ضعیف ہو گیا ہوں۔ مجھ سے مناظرہ نہیں ہو سکتا میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں تم میرے سامنے اس سے مناظرہ کر لو۔ مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے۔ مولٰنا محمد اسحٰق فرماتے ہیں میں سمجھا کہ گو اس وقت شاہ صاحب نے دفع الوقتی فرمادی ہے۔ مگر یہ مولوی اسمٰعیل سے ضرور کہیں گے۔ چنانچہ جب آپ کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر صاحب حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا میاں عبدالقادر! تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا کہ وہ رفع یدین نہ کیا کریں۔ خواہ مخواہ عوام میں شورش ہوگی۔ شاہ عبدالقادرؒ نے کہا میں تو کہہ دوں مگر وہ ماننے گا نہیں اور حدیثیں پیش کرے گا۔ مولٰنا شاہ محمد اسحٰق فرماتے ہیں کہ اس وقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا کہ گو اس وقت انہوں نے حامی نہیں بھری مگر یہ کہیں گے ضرور۔ شاہ عبدالقادرؒ نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل سے کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو۔ اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔ جب مولوی محمد یعقوب نے مولوی اسمٰعیل سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جائے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَہٗ اَجْرُ مِائَۃِ شَہِیْدٍ (جس نے میری اُمت کے فساد کے وقت میری سنت سے تمسک کیا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا) ظاہر ہے کہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کرے گا۔ عوام میں ضرور شورش ہوگی۔”

مولوی محمد یعقوب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا۔ اس کو سن کر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا۔ ہاہا۔ ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا۔ مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا۔ یہ حکم

تو اس وقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت (بدعت) ہو اور ما نحن فیہ میں سنت کے مقابل خلافِ سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے۔ کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے"۔ جب مولوی محمد یعقوب نے یہ جواب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔ (امیرالروایات) مولانا اسمٰعیل شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر رحمہما اللہ کے برادر زادہ تھے۔

اس واقعہ پہ حضرت مولانا اشرف علیؒ تھانوی فرماتے ہیں کہ مولانا اسمٰعیل شہید ایسے نہ تھے کہ غیر حق پر خاموش ہو جاتے ایسی حالت میں جواب نہ دینا صاف دلیل ہے تسلیم اور اتفاق کی لیکن وہ وضوح حق کے بعد اس کے قائل نہ رہے۔ اور یہ بہت بڑا کمال ہے۔ کہ اس سے رجوع فرما لیا۔ پہلی رائے میں ایک اجر کے مستحق تھے دوسری رائے میں دو اجر کے مستحق ہو گئے (امیرالروایات)

فصل ۲۹۔ رکوع

سوال:۔ رکوع کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ نماز کا ایک فرض رکوع ہے۔ یعنی اس طرح جھکنا کہ اگر نمازی اپنے ہاتھ پھیلائے۔ تو زانوؤں کو پکڑ لے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رکوع میں صرف سر کا جھکانا کافی نہیں۔ یہ صورت کھڑے ہو کر رکوع کرنے کی ہے۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا رکوع کے لئے اس طرح جھکے کہ پیشانی زانوؤں کے مقابل آجائے ٭

سوال:۔ قیام سے رکوع کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

جواب:۔ اس قدر جھکنا کہ سر اور کمر ہموار ہو جائیں۔ ہاتھ پسلیوں سے جدا رہیں۔ اور گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا جائے۔ اس کی یہ صورت ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں زانوؤں پر سہارا دے کر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلا دے۔ تاکہ گھٹنے اچھی طرح گرفت میں آجائیں۔ ہاتھوں کا زانوں پر رکھنا اور گھٹنوں کا پکڑنا اور انگلیوں کا کشادہ رکھنا سنت ہے۔ اگر بڑھاپے کی وجہ سے کسی کی کمر بہت جھک گئی ہو اور وہ اتنا کبڑا ہو گیا ہو کہ بدن رکوع کی شکل اختیار کر لے تو اس کے لئے رکوع کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ وہ سر کو جھکا دے صرف سر جھکا دینے سے رکوع ہو جائے گا۔

سوال:۔ رکوع میں اور کون کون سے امور مسنون ہیں؟

جواب :- رکوع میں دونوں پنڈلیوں کا سیدھا کھڑا رکھنا اور اپنی پشت کا پھیلانا اور پشت کو سُرین کے برابر رکھنا بغیر اس کے کہ سر کو ابھارا یا نیچے ڈالا جائے مسنون ہے ۔ یعنی سر بھی کمر کے برابر رہے ۔ دونوں ایک سطح پر ہوں | علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ پنڈلیوں کو کمان کی طرح کرنا جیسے عوام کرتے ہیں مکروہ ہے | یہ سب سنتیں مردوں کے حق میں ہیں ۔ عورتیں رکوع میں تھوڑا جھکیں یعنی صرف اس قدر کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں ۔ پیٹھ سیدھی نہ کریں اور گھٹنوں پر زور نہ دیں ۔ بلکہ محض ہاتھ رکھ دیں ۔ اور انگلیاں نہ پھیلائیں ۔ بلکہ ملی رکھیں ان کے لئے گھٹنوں کا پکڑنا مسنون نہیں اور اپنے گھٹنوں کو جھکالیں اور بازوؤں کو علیحدہ نہ کریں ۔

سوال :- رکوع میں کیا پڑھیں اور کتنی مرتبہ پڑھیں ؟

جواب :- رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ (پاک ہے میرا پُر عظمت پروردگار) تین مرتبہ کہیں ۔ لیکن افضل پانچ یا سات مرتبہ کہنا ہے ۔ سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ امام رکوع اور سجود کی تسبیحیں پانچ پانچ بار کہے " لیکن مناسب یہ ہے کہ امام مقتدیوں کی حالت کا لحاظ رکھے کیونکہ ان میں کمزور اور بڈھے بھی ہوتے ہیں ۔

سوال :- ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رکوع و سجود میں دس دس مرتبہ تسبیح پڑھا کرتے تھے ۔ کتاب مذکور میں ابوداؤد اور نسائیؒ کا حوالہ دیا ہے ۔ کیا یہ صحیح ہے ؟

جواب :- حدیث میں پڑھنے کا ذکر نہیں بلکہ راوی کا اندازہ اور تخمینہ ہے ۔ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رکوع و سجود میں اتنا ٹھیرتے تھے ۔ جتنی دیر میں دس مرتبہ تسبیح پڑھی جائے اگرچہ دس مرتبہ سے کم کہتے تھے ۔

سوال :- اکثر لوگ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کی بجائے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَزِیْمِ پڑھتے ہیں ۔ اس سے نماز میں کچھ خلل تو نہیں آتا ؟

جواب :- عزیم عربی زبان میں خوفناک دشمن کو کہتے ہیں ۔ اس لئے عزیم کہنے سے معنیٰ بگڑ جاتے ہیں ۔ علامہ شامیؒ ردالمحتار میں لکھتے ہیں کہ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہنا سنت ہے اگر کوئی عظیم کی ظ کو اچھی طرح ادا نہ کر سکے تو وہ عظیم کی جگہ کریم پڑھ لیا کرے ۔ تاکہ عزیم پڑھنے کی غلطی کا مرتکب نہ ہو ۔ کیونکہ عزیم پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ۔ کذا فی شرح درالبحار ۔

عوام اس سے سخت غافل ہیں۔ کیونکہ ظ کی بجائے ز پڑھ جاتے ہیں (ردّ المحتار جلد اوّل ص ۳۶۵ مطبوعہ مصر) لیکن اگر درالبحار کے فتوے کو صحیح سمجھا جائے تو ظاہر ہے کہ ایک مرض کا معالجہ دوسرے مرض کی تولید کا باعث ہو جائے گا۔ کیونکہ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْکَبِیْر پڑھنا صراحۃً بدعت ہے۔ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ شارع علیہ السلام نے یا خیر القرون کے کسی دوسرے مقتدا نے عوام الناس پر یا عجمیوں پر اس قسم کا کوئی تقیّد و تشدّد روا رکھا ہو۔

سوال:- رکوع اور سجود میں قرآن پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:- ممنوع ہے۔ ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار ہو کہ مجھے رکوع اور سجود کی حالت میں قرآن پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ رواہ مسلم

سوال:- رکوع میں سبحان ربی العظیم کے علاوہ کوئی اور اذکار بھی مسنون ہیں یا نہیں؟

جواب:- ہاں بہت سے اذکار ہیں۔ امّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ اکثر پڑھا کرتے تھے۔ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ۔ رواہ البخاری و مسلم۔ اور آپ رکوع و سجود میں یہ بھی پڑھا کرتے تھے۔ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ رواہ مسلم۔ آپ رکوع میں یہ بھی پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَکَ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَمُخِّیْ وَعَظْمِیْ وَعَصَبِیْ (یا اللہ! میں نے تیرے ہی لئے رکوع کیا اور تجھی پر ایمان لایا اور تیرے ہی لئے اسلام لایا۔ تیرے واسطے میری سماعت، میری بینائی، میرے مغز، میری ہڈی اور میرے پٹھے نے فروتنی کی) رواہ مسلم و ابوداؤد والنسائی۔ یہ کمال خشوع و خضوع سے کنایہ ہے کہ تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کے لئے فروتنی کریں۔ کتب حدیث میں رکوع کے اور اذکار بھی مروی ہیں۔ لیکن چونکہ نمازیوں میں بیمار، بڈھے، کمزور اور کاروباری لوگ بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے امام کے لئے روا نہیں کہ ان اذکار کو فرض نماز میں پڑھے۔

فصل ۵۰۔ قومہ

سوال :۔ قومہ کسے کہتے ہیں اور جب رکوع سے کھڑے ہوں تو کیا کہیں ؟

جواب :۔ قومہ رکوع سے کھڑے ہونے کو کہتے ہیں۔ رکوع سے کھڑے ہو کر کہیں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ (اللہ نے اس کا قول قبول کیا جس نے اس کی تعریف کی) اس کے بعد کہیں۔ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (اے ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے سب تعریف ہے) امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذہب میں جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو مقتدی کہیں رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (اے ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے سب تعریف ہے) اور اگر اکیلا نماز پڑھتا ہو تو دونوں کہے۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک امام بھی دونوں کہے۔ چنانچہ امام طحاویؒ نے یہی اختیار کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ لیکن امام رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کو چپکے سے کہے۔

سوال :۔ بعض لوگ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہتے ہیں۔ یہ کہاں تک صحیح ہے ؟

جواب :۔ ربنا لک الحمد سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔ مگر واؤ کا اضافہ بہتر ہے۔ اور اَللّٰھُمَّ کا بڑھانا اس سے بھی بہتر ہے یعنی اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ پڑھنا سب سے افضل ہے۔ (درمختار)

سوال :۔ بعض لوگ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کے بعد حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ بھی پڑھتے ہیں۔ یہ پڑھنا کیسا ہے ؟

جواب :۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھا کر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہا۔ تو پیچھے کی طرف سے ایک صحابی نے کہا۔ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ (اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے تعریف ہے بہت پاک تعریف (یعنی شرک و ریا سے پاک) جس میں برکت کی گئی ہے (کثرت اور اخلاص اور حضور قلب کے ساتھ) نماز کے بعد محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ان کلمات کا پڑھنے والا کون تھا۔ ایک صحابی نے کہا میں نے یہ کلمات پڑھے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تیس سے اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ ان کلمات کا ثواب

لکھنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ رواہ البخاری لیکن اسی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ تم میں سے جو کوئی دوسروں کو نماز پڑھائے تو چاہیئے کہ نماز ہلکی کرے۔ کیونکہ نمازیوں میں بیمار، کمزور اور بڈھے بھی ہوتے ہیں اور جب صرف اپنے لئے (یعنی تنہا) نماز پڑھے تو جس قدر چاہے دراز کرے رواہ البخاری ومسلم۔ اسی بنا پر ہمارے ائمۂ حنفیہ نے حکم دیا ہے کہ امام تمام غیر ضروری اوراد واذکار کو چھوڑ دے۔ البتہ منفرد بالخصوص سنن ونوافل میں جس قدر مسنون اذکار چاہے پڑھے۔ بنابریں امام کو تو عمداً کثیراً نہیں پڑھنا چاہیئے۔ ہاں مقتدی سجدہ کو جاتے جاتے پڑھ لیں تو بہت پسندیدہ ہے۔

سوال:۔ بعض لوگ رکوع سے کھڑے ہوتے اور سجدہ کو جاتے وقت دونوں ہاتھ سے پاجامہ اٹھاتے ہیں۔ اس کی ممانعت تو نہیں؟

جواب:۔ اگر نماز میں دونوں ہاتھوں سے کوئی کام کیا جائے تو عمل کثیر ہونے کی وجہ سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ پس پاجامہ اٹھانے سے احتراز لازم ہے۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اُمِرْتُ اَنْ لَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَلَا الشَّعْرَ (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہم نماز میں اپنے کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں)۔ رواہ البخاری ومسلم۔

سوال:۔ رکوع سے اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا کہاں تک ضروری ہے؟

جواب:۔ یہ قیام امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک واجب اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فرض ہے۔ حاصل اس اختلاف کا یہ ہے کہ جو شخص رکوع کے بعد اچھی طرح سیدھا کھڑا نہ ہو وہ طرفین کے نزدیک تارک واجب ہے اس لئے اس پر لازم ہے کہ دوبارہ نماز پڑھے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قومہ ترک کرنے والے کی قطعاً نماز نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ کے نزدیک بھی قومہ کی طمانینت فرض ہے۔

فصل ۵۱۔ سجدہ

سوال:۔ سجدہ سے کیا مُراد ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب:۔ سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کو کہتے ہیں۔ سجدہ سات اعضاء پر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم کیا گیا ہوں۔ پیشانی پر اور دونوں ہاتھوں پر اور گھٹنوں پر اور دونوں قدموں کے پنجوں پر۔ رواہ البخاری و مسلم سجدے کا طریقہ یہ ہے کہ نمازی پہلے گھٹنے زمین پر رکھے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔ اور اگر کسی عذر سے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھے تو مضائقہ نہیں۔ پھر پیشانی زمین پر رکھے۔ اس طرح کہ پہلے ناک رکھے پھر پیشانی کو دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں ایسے طور پر رکھے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں اور اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو اس طرح رکھے کہ سب قبلہ کی طرف متوجہ رہیں اور اپنی ناک کے اس مقام سے سجدہ شروع کرے جو سخت ہے طحطاوی بحر الرائق سے ناقل ہیں کہ اگر سجدہ میں ناک کے نرم مقام پر اکتفا کرے گا تو بالاتفاق سجدہ جائز نہ ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے کہ سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ زمین پر رکھنا فرض ہے یا کسی قدر پیشانی کا۔ اور راجح دوسرا قول ہے۔ البتہ اکثر پیشانی کا رکھنا واجب ہے اور پیشانی کے سب اطراف کا رکھنا بالاجماع شرط نہیں۔ اگر بعض اطراف پر اکتفا کرے گا گو قلیل ہو تو سجدہ جائز ہوگا۔ کذا فی الشامی۔

سوال:۔ اگر کوئی صرف پیشانی پر سجدہ کرے اور ناک نہ لگائے تو کیسا ہے؟

جواب:۔ پیشانی پر اکتفا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

سوال:۔ صرف ناک پر سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے بلا عذر صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز نہیں رکھا۔ امام ابو حنیفہؒ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرما لیا اور فتویٰ اسی پر ہے کہ بلا عذر صرف ناک پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا نہ ہوگا اور نماز ادا نہ ہوگی۔

سوال۔ اگر کسی کی ناک اور پیشانی دونوں مجروح ہوں تو وہ سجدہ کس طرح کرے۔

جواب:۔ وہ سجدہ کا اشارہ کرے (عالمگیری)

سوال:۔ سجدہ میں پیروں کی انگلیوں کا زمین پر لگنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:۔ سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کا لگنا ضروری ہے۔ شامی ناقل ہیں کہ اگر سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہیں تو سجدہ درست نہ ہوگا۔ اور اگر ایک اٹھا ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رخ رکھنا سنت ہے اور اس سنت کا ترک مکروہ ہے۔

سوال :- پگڑی کے پیچ پر سجدہ کرنے کے بارہ میں کیا حکم ہے ؟

جواب :- اگر پگڑی کا پیچ ڈھلک کر ماتھے پر آگیا ہو تو اس پر سجدہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اگر پیچ پیشانی پر نہ ہو۔ صرف نمازی کے سر پہ ہو اور اس پیچ پر سجدہ کرے، تو سجدہ نہ ہوگا کیونکہ محل سجدہ پیشانی اور ناک ہے۔ جب یہ زمین پر نہ لگے تو سجدہ جائز نہ ہوا۔ اور پیچ پر سجدہ کرنے کی بھی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ سجدہ کی جگہ پاک ہو۔ دُوسری یہ کہ نمازی کو پیچ کے نیچے سے زمین کی سختی محسوس ہو۔ بقول شامی سختی سے یہ مُراد ہے کہ اگر نمازی سجدہ میں زور کرے تو سر زیادہ نیچے کو نہ ہو۔

سوال :- گھاس یا روئی کے گدیلے یا رُوئی یا گیہوں کے ڈھیر یا چارپائی پر سجدہ درست ہے یا نہیں ؟

جواب :- اگر سجدہ کے وقت ناک اور پیشانی قرار پکڑ لے اس طرح پر کہ اگر مبالغہ کیا جائے تو سر نیچا نہ ہو جائے تو درست ہے ورنہ نہیں۔ اور اسی حکم میں وہ پیال (پرالی) ہے جو عموماً موسم سرما میں مسجدوں میں بچھاتے ہیں (عالمگیری)

سوال :- کمانی دار گدے پر نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

جواب :- کمانی دار گدے پر سجدے میں پیشانی نہیں جمتی اس لئے نماز نہیں ہوتی۔

سوال :- ہر رکعت میں ایک سجدہ فرض ہے یا دونوں ؟

جواب :- دونوں سجدے فرض ہیں۔

سوال :- نماز جمعہ یا عیدین یا کسی بڑی جماعت میں نمازیوں کی کثرت و ہجوم کی وجہ سے جگہ تنگ ہوگئی اور پچھلی صف والے شخص نے اپنی اگلی صف والے کی پیٹھ پر سجدہ کر لیا تو جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :- جائز ہے۔

سوال :- کیا ایسی چیز پر سجدہ ہو جاتا ہے جو نمازی سے ملی ہو۔

جواب :- ہر چیز پر جو نمازی سے ملی ہو سجدہ صحیح ہے بشرطیکہ اس کے نیچے کی جگہ پاک ہو اگرچہ متصل چیز نمازی کا جز نہ ہو۔ مثلاً اس کی ہتھیلی صحیح تر قول میں اور اس کی ران اگر کسی عذر سے

ران پر سجدہ کرے۔ مثلاً درد پشت کی وجہ سے زانو پر سجدہ صحیح نہیں ہے لیکن حلبی نے تصحیح کی ہے کہ گھٹنا بھی ران کی مثل ہے یعنی عذر سے اس پر بھی سجدہ درست ہے اور بلا عذر دونوں پر درست نہیں۔ کذا فی الطحطاوی۔

سوال:۔ سجدہ کے لیئے آستین وغیرہ منفصل چیز کا بچھانا کیسا ہے؟

جواب:۔ اگر سجدہ کی جگہ پر مٹی یا کنکر یا گرمی یا سردی کا اثر نہ ہو تو مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ متکبروں کا فعل ہے۔ شامی نے کہا کہ بقصد تکبر بچھانا مکروہ تحریمی ہے۔

سوال:۔ سجدے کی جگہ پر چادر یا رومال بچھانا کیسا ہے؟

جواب:۔ زیلعیؒ کہتے ہیں کہ اگر اس غرض سے کپڑا بچھایا کہ پیشانی کو مٹی نہ لگے تو مکروہ ہے کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے اور اگر اپنے عمامے سے خاک دور کرنے کو ہے تو مکروہ نہیں کیونکہ اس میں مال کی حفاظت ہے لیکن حلبی نے لکھا ہے کہ سجدہ کے لیئے کپڑا بچھانے میں کوئی کراہت نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خرما کا ایک بوریا رہتا تھا جس پر آپ سجدہ کرتے تھے۔

سوال:۔ اگر نمازی کے سجدہ کی جگہ اس کے قدموں کی جگہ کی نسبت اونچی ہو تو سجدہ درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر نمازی کے سجدہ کی جگہ اس کے قدموں کی جگہ سے ایک بالشت سے زیادہ اونچی ہو تو اس پر بلا عذر سجدہ جائز نہ ہوگا۔ مثلاً جماعت زیادہ ہو اور لوگ اس قدر مل کر کھڑے ہوں کہ زمین پر سجدہ ممکن نہ ہو تو اگلی صف کے نمازیوں کی پیٹھ پر سجدہ کرنا جائز ہے اور اگر زمین ہی اونچی ہو تو قدموں کے مقام سے بالشت بھر سے زیادہ بلند نہ ہونی چاہیئے۔

سوال:۔ بعض لوگ سجدہ میں کف دست کے علاوہ کلائی اور کہنیاں بھی زمین پر بچھا دیتے ہیں۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ پوری بانہہ بچھا دینے کی سخت ممانعت ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ اس طرح نہ بچھائے جیسے کتا بیٹھتے وقت اپنی پوری بانہہ بچھا دیتا ہے۔ رواہ البخاری و مسلم اور فرمایا کہ جب سجدہ کرو تو زمین پر اپنی ہتھیلیاں ہی رکھو اور اپنی کہنیاں زمین سے بلند رکھو۔ رواہ مسلم۔ اور فرمایا کہ سجدہ میں اعتدال رکھو۔ رواہ البخاری و مسلم اعتدال کے یہ معنی

ہیں کہ نمازی سجدہ میں خاطر جمعی سے ٹھیرے۔ اپنی پیٹھ کو ہموار رکھے۔ دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور کلائیاں اور کہنیاں زمین سے اور پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے۔ اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ فرق سے رکھتے (یعنی دونوں بازو پہلوؤں سے اور پیٹ کو رانوں سے الگ رکھتے) یہاں تک کہ اگر بکری کا بچہ ہاتھوں کے نیچے سے گزرنا چاہتا تو گزر جاتا رواہ ابو داؤد۔ اور آپ سجدہ میں اپنے ہاتھوں کو اتنا کھولتے کہ بغلوں کی جگہ کی سفیدی دکھائی دیتی۔ رواہ البخاری ومسلم۔ یعنی اس صورت میں کہ پیراہن مبارک نہ پہن رکھا ہوتا۔

سوال:۔ کہنیوں کو اتنا اٹھانا اور فراخ کرنا کہ بکری کا بچّہ نیچے سے نکل سکے اور بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے یا جماعت نماز پڑھنے والے مقتدی بھی اپنے ہاتھ اتنے کشادہ رکھیں

جواب:۔ یہ حکم منفرد کے لئے ہے۔ جماعت کی صفوں میں اپنے بازو چمٹائے رکھے تاکہ اس کی کہنیاں اور باہیں ساتھ والے نمازیوں کی کہنیوں اور باہوں سے نہ ٹکرائیں۔ اور ان کی تکلیف کا باعث نہ بنئے

سوال:۔ عورت کس طرح سجدہ کرے؟

جواب:۔ عورت سمٹ کر سجدہ کرے یعنی بازو کروٹوں سے اور پیٹ ران سے ملادے اسی طرح رانوں کو پنڈلیوں سے اور پنڈلیوں کو زمین سے ملائے رکھے۔

سوال:۔ سجدے میں دونوں گھٹنوں کا باہمی فاصلہ کتنا چاہیئے؟

جواب:۔ تنہا نماز پڑھنے والا جتنا چاہے گھٹنوں میں فاصلہ رکھ سکتا ہے۔ مقتدی چار پانچ انگل سے زیادہ فاصلہ نہ رکھے۔ گھٹنوں میں زیادہ فاصلہ رکھنے والوں کی کہنیاں دوسروں کی تکلیف کا باعث بنی رہتی ہیں۔

سوال:۔ سبحان ربی الاعلیٰ کے علاوہ سجدہ میں کوئی اور ذکر بھی مسنون ہے؟

جواب:۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ بھی پڑھا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ کُلَّہٗ دِقَّہٗ وَجِلَّہٗ وَاَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ وَعَلَانِیَتَہٗ وَسِرَّہٗ۔ رواہ مسلم (الٰہی میرے سب گناہ بخش دے۔ چھوٹے بڑے پہلے پچھلے ظاہر اور مخفی) حدیثوں میں سجدہ کے اور اذکار بھی مذکور ہیں۔

سوال:۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سجدہ کی حالت میں دُعا قبول ہوتی ہے۔ رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی۔ اس سجدہ سے نماز کا سجدہ مراد ہے۔ یا اکیلا سجدہ جو نماز سے

علیحدہ ہو ؟

جواب :۔ حالت سجدہ میں قبولیت دعا کی بڑی امید ہوتی ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ حالت سجدہ میں اپنے پروردگار سے بہت قریب ہوتا ہے۔ مگر اس سے نماز کا سجدہ مراد ہے نہ یہ کہ اکیلا سجدہ بدون نماز کے تقرّب کے طور پر کیا جائے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک اکیلا سجدہ بدون نماز کے تقرّب نہیں۔ جیسے قیام اور رکوع اکیلا تقرب نہیں ہوتا۔ اور علماء اس میں باہم مختلف الخیال ہیں کہ تنہا سجدہ کرنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں ؟

فصل ۵۲۔ جلسہ

سوال :۔ جلسہ کسے کہتے ہیں ؟

جواب :۔ نماز میں بیٹھنا۔

سوال :۔ پہلا سجدہ کرنے کے بعد کس طرح اور کم از کم کتنی دیر بیٹھنا ضروری ہے ؟

جواب :۔ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر اس طرح بیٹھیں کہ داہنا قدم کھڑا رہے اور داہنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں۔ اور ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھیں کہ انگلیوں کی پوریں گھٹنوں کے کناروں سے جا ملیں۔ ہاتھوں کی انگلیوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں۔ کہ نہ کھلی ہوئی ہوں نہ ملی ہوئی۔ دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے کم از کم بقدر ایک بار سبحان اللہ کہنے کے بیٹھنا ضروری ہے۔

سوال :۔ عورت کس طرح بیٹھے ؟

جواب :۔ عورت دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور بائیں سرین پر بیٹھے۔

سوال :۔ دو سجدوں کے درمیان بیٹھ کر کیا پڑھا جاتا ہے ؟

جواب :۔ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان بیٹھ کر یہ پڑھا کرتے تھے

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ رواہ ابوداؤد والترمذی

سوال :۔ کیا حنفیوں کو بھی یہ دُعا پڑھنی چاہیئے ؟

جواب :۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک اس دُعا کا پڑھنا فرض ہے۔ ان کے

نزدیک جو کوئی اس کو دانستہ ترک کر دے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ اس دعا کو دونوں سجدوں کے درمیان پڑھنا چاہیئے تاکہ حنفی امام احمد رحمہ اللہ کے خلاف سے بچ جائیں جن کے نزدیک اس کے دانستہ چھوڑنے والے کی نماز باطل ہوتی ہے اور ان مسنون دعاؤں کے التزام میں کوئی ضرر بھی نہیں گو مشائخ نے اس کی تصریح نہیں کی۔ اس لئے کہ قواعد شرعیہ اس التزام کے مخالف نہیں (رد المحتار جلد اول ص ۳۷۳ - ۳۷۴ -) دو سجدوں کے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف رَبِّ اغْفِرْ لِیْ پڑھنا بھی ثابت ہے (رواہ النسائی والدارمی کذا فی المشکوٰۃ)

سوال:- جب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم صغیرہ و کبیرہ تمام گناہوں سے پاک تھے۔ تو آپ اس دعا میں اپنے کن گناہوں کی مغفرت چاہتے تھے؟

جواب:- آپ اپنے لئے دعائے مغفرت اس لئے کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی ظاہر کریں اور باوجود اس رتبہ کے اس مولائے کریم کی طرف اپنی حاجت ثابت ہو اور نعمت مغفرت کا شکر ادا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ استغفار امت کی تعلیم کے لئے ہو۔

سوال:- بعض لوگ کہتے ہیں کہ فرض نمازوں میں رکوع و سجود کی تسبیحات کے سوا کچھ اور پڑھنا اور قومہ میں حمداً کثیراً الخ قسم کے اذکار اور دو سجدوں کے درمیان اللّٰھم اغفر لی وارحمنی الخ پڑھنا حرام ہے۔

جواب:- یہ سب جہالت و کوری کی باتیں ہیں۔ جو کوئی ان اذکار مسنونہ کا پڑھنا حرام بتلائے جو بذریعہ صحیح روایات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہم تک پہنچے ہیں اسے اپنے ایمان کا فکر کرنا چاہیئے کیونکہ ایسے شخص کو سوءِ خاتمہ کا خدشہ لاحق ہے۔

فصل ۵۳۔ سجدۂ تلاوت

سوال:- تلاوت کا سجدہ کب واجب ہوتا ہے؟

جواب:- قرآن میں سجدے کی چودہ آیتیں ہیں۔ ان میں سے چار قرآن کے نصف اول میں ہیں۔ اور دس نصف دوم میں۔ جب ان میں سے کوئی آیت پڑھی جائے تو ایک سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی آیت سجدہ کو لکھے یا اس کے ہجے کرے تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ساری آیت میں سے صرف کلمۂ سجدہ کو پڑھے یا اکثر آیت پڑھے مگر کلمۂ سجدہ کو چھوڑ دے تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔ کذا فی الطحطاوی اور یہ وجوب عام ہے خواہ آیت کی تلاوت نماز میں ہو یا نماز سے خارج۔

سوال:- پوری آیت پڑھنے پر ہی سجدہ واجب ہوتا ہے یا آیت کا کچھ حصہ پڑھنے پر بھی؟

جواب:- اس میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جب حرف سجدہ پڑھا اور اس کے قبل اور بعد ایک ایک کلمہ ہے تو بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ اور بعض کے نزدیک آیت سجدہ کا اکثر حصہ مع حرف سجدہ پڑھنے سے سجدہ لازم آتا ہے۔

سوال:- آیات سجدہ کون کون سی ہیں اور ان میں کیا کیا اختلاف ہیں؟

جواب:- سورۂ نمل میں سجدہ رب العرش العظیم پر اور سورۂ صٓ میں حُسْنَ مَاٰبٍ پر اور حٰم سجدہ میں لا یسئمون پر ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے پہلی آیت کے اخیر میں لفظ تعبدون پر ہے۔ مگر چونکہ وائل بن حجر اور ابن عباسؓ سے لا یسئمون پر سجدہ مروی ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ لَا یَسْئَمُوْنَ پر سجدہ کیا جائے۔ کیونکہ سجدہ میں ایک آیت کی تاخیر نماز میں مضر نہیں البتہ ایک آیت کی تقدیم سے نماز فاسد ہوتی ہے۔ اور یہی دلیل سورۂ ص میں بھی ہے۔ گو زیلعیؒ نے اَنَاب پر سجدہ لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک سورۂ حج میں صرف ایک سجدہ ہے جو اٹھارویں آیت میں اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ پر ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ حج میں دو سجدے ہیں۔ ان کے نزدیک سورۂ حج کا دوسرا سجدہ ۷۷ ویں آیت میں تُفْلِحُوْنَ پہ ہے اور ایک سجدہ سورۂ صٓ کی پچیسویں آیت میں حُسْنَ مَاٰبٍ پر ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک سورۂ صٓ میں سجدہ نہیں۔ غرض سجدوں کا شمار ہماری طرح امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بھی چودہ ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک قرآن میں صرف گیارہ سجدے ہیں۔ ان کے نزدیک سورۂ نجم اور اذا السماء انشقت اور اقرأ میں سجدہ نہیں۔

سوال:- حنفیہ کے نزدیک سورۂ حج کی ۷۷ ویں آیت پر سجدہ نہیں۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک وہاں بھی سجدہ ہے۔ اگر کوئی حنفی اس آیت پر بھی سجدہ کر لے تو اس پر کچھ ملامت تو نہیں؟

جواب:- مولانا تھانویؒ رقم فرمائیں کہ حنفیہ کے نزدیک سورۂ حج کا پہلا سجدہ واجب ہے اور

دوسرا سجدہ ثابت نہیں۔ لیکن حنفیہ نے یہ کلیہ لکھا ہے کہ مسائل اختلافیہ میں اختلافات کی مراعات افضل ہیں۔ بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے۔ سو اس قاعدہ کی بنا پر نماز کے خارج تو دوسرے سجدہ کا کر لینا بھی بہتر ہو گا۔ البتہ نماز کے اندر چونکہ سجدۂ زائدہ بغیر سبب خلاف موضوع صلوٰۃ ہے اس لئے نماز کے اندر نہ کیا جائے۔ البتہ ایک خاص طریق سے کر لیا جائے تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا۔ اور وہ طریق یہ ہے کہ سجدۂ ثانیہ کی (۷۷ ویں) آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا جائے تو سجدۂ نماز میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جائے گا۔

سوال:۔ اگر حنفی نے شافعی المذہب امام کے پیچھے نماز پڑھی اور امام نے اپنے مذہب کے بموجب سورۂ حج کی ۷۷ ویں آیت پر سجدہ کیا تو حنفی مقتدی اس کی پیروی کرے یا نہیں؟

جواب:۔ متابعت واجب ہے اور اگر خارج نماز سنے گا تو اس پر سجدہ نہیں۔ کذا فی الطحطاوی۔

سوال:۔ سجدہ کے سبب کیا کیا ہیں؟

جواب:۔ سجدہ کے سبب تین ہیں:۔ اوّل تلاوت اگرچہ سماع نہ پایا جائے۔ جیسے پڑھنا بہرے آدمی کا۔ دوم آیت سجدہ کا سُننا۔ یہ شرط پڑھنے والے کے سوا ہے جبکہ اس کو خبر دی گئی ہو۔ اور اگر اس کو خبر نہ ہو کہ آیت سجدہ ہے تو معذور ہے اور سجدۂ تلاوت کا تیسرا سبب بشرط مقتدی ہونے کے اس شخص کے پیچھے ہے جو آیت سجدہ کو پڑھے کہ اقتدا بھی سجدہ کے واجب ہونے کا سبب ہے۔ اگرچہ مقتدی آیت سجدہ کو نہ سُنے اور آیت سجدہ کے وقت موجود نہ ہو یعنی اگرچہ امام نے اقتدا سے پہلے آیت سجدہ پڑھ لی ہو۔ تب بھی امام کی متابعت واجب ہونے کی وجہ سے مقتدی پر سجدہ واجب ہے۔ اقتدا سے واجب ہونے میں یہ بھی شرط ہے کہ امام سجدہ کرے اور اگر امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی پر واجب نہیں اگرچہ آیت سُنی ہو۔ کذا فی شرح المنیہ۔

سوال:۔ بے وضو آدمی سجدۂ تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بلا وضو سجدۂ تلاوت جائز نہیں۔ اس کے لئے بھی وہ شرطیں ہیں جو نماز کی ہیں۔ یعنی باوضو ہونا اور ستر کا چھپانا۔ جگہ بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا اور قبلہ رُخ ہونا البتہ اس کے لئے جدا اللہ اکبر کہنا اور نیت تعیین کہ یہ فلاں آیت کا سجدہ ہے شرط نہیں۔ البتہ اتنی نیت ضروری ہے۔ کہ یہ سجدۂ

تلاوت ہے۔

سوال:۔ سواری پر سجدۂ تلاوت کرنے کی کیا صورت ہے؟

جواب:۔ اگر سوار پر حالت سواری میں شہر کے باہر سجدہ واجب ہوا ہو تب تو سواری پر اشارہ سے ادا ہو جائے گا۔ گو بیچ میں اُتر پڑا ہو۔ اور اگر سجدہ زمین پر واجب ہوا ہو تو اس کا سواری پر ادا کرنا کافی نہ ہوگا۔ کذا فی الشامی۔

سوال:۔ سجدۂ تلاوت کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:۔ ایک بار اللہ اکبر سجدہ کرنے کے لئے کہے اور دوسری بار سجدہ سے سر اٹھانے کے لئے اللہ اکبر کہے اور اکیلا ہو تو اللہ اکبر کہنے میں اتنا جہر کرے کہ اپنے کان سنیں اور امام اتنا جہر کرے کہ اوروں تک آواز پہنچے۔ سجدۂ تلاوت کے لئے مستحب ہے کہ کھڑا ہو کر سجدہ میں جائے اور سجدہ کرکے کھڑا ہو جائے اور پھر بیٹھنا ہو تو بیٹھ جائے۔ اور اگر بیٹھے بیٹھے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلا جائے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر بیٹھ جائے کھڑا نہ ہو تو بھی درست ہے۔ نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔ سجدۂ تلاوت کے لئے اللہ اکبر کہتے وقت نہ ہاتھ اٹھائے اور نہ تشہد اور سلام کرے۔ بعض نادان قرآن شریف ہی پر سجدہ کر لیتے ہیں۔ اس سے سجدہ ادا نہیں ہوتا اور سر سے نہیں اُترتا۔

سوال:۔ سجدۂ تلاوت میں کیا پڑھیں؟

جواب:۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجود قرآن میں یہ پڑھا کرتے تھے۔ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَ شَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَ قُوَّتِهٖ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔ (ترجمہ:۔ میرے چہرے نے اس ذات کے لئے سجدہ کیا جس نے اپنی قوت اور طاقت سے اس کو پیدا کیا اور صورت بنائی اور کان اور آنکھیں کھولیں) اور ایک روایت میں ابوداؤد نے اس کا کئی بار پڑھنا نقل کیا ہے اور حاکم نے ایک روایت میں فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ زیادہ کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ پیدا کرنے والوں میں بابرکت اور نیک تر ہے۔

قرآن کے سجدوں کے بارہ میں ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر آیت سجدہ فرض نماز کے اندر پڑھی جائے تب تو تین مرتبہ یا زیادہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى پڑھیں اور اگر نفل نماز ہو یعنی سنت مؤکدہ

یا سنن زائدہ یا نماز تراویح ہو۔ تو سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ الخ پڑھیں اور اگر وہ یاد نہ ہو تو سبحان ربی الاعلیٰ ہی پڑھیں۔

سوال:- کن کن لوگوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں؟

جواب:- کافر اور نابالغ اور دیوانہ اور حیض و نفاس والی عورت پر سجدہ واجب نہیں۔ خواہ وہ آیت سجدہ کو پڑھیں یا سنیں۔ اور سجدۂ تلاوت ان سب مذکورین کے پڑھنے سے سننے والوں پر واجب ہو جاتا ہے سوائے اس مجنون کے جس کو افاقہ نہ ہوتا ہو کہ اس کے پڑھنے سے سننے والوں پر سجدہ واجب نہ ہوگا اور نابالغ لڑکے کے پڑھنے سے سننے والوں پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور یہاں مجنون سے وہ مجنون مراد ہے جس کو چھ نمازوں میں یا زیادہ دیر تک جنون رہے۔ اور اگر مجنون کا جنون ایک دن رات یا اس سے کم ہو تو اس پر سجدہ لازم ہے۔ خواہ خود پڑھے یا دوسرے سے سنے۔

سوال:- اگر توتے یا مینا یا کسی دوسرے سدھے ہوئے پرندے نے آیت سجدہ پڑھی یا کسی نے پہاڑ میں یا جنگل میں آیت سجدہ پڑھی اور گونج کی آواز سے پلٹ کر ویسی ہی سنائی دی تو سننے والوں پر سجدہ واجب ہے یا نہیں؟

جواب:- نہیں۔

سوال:- امام نے آیت سجدہ پڑھی تو اس شخص پر سجدہ واجب ہے یا نہیں جو نماز سے خارج ہے یعنی مثلاً وضو کر رہا ہے۔

جواب:- اس پر سجدہ واجب ہے۔

سوال:- اگر آیت سجدہ سننے کا قصد نہ ہو یوں ہی کان میں آواز پڑ جائے تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب:- سننے کا قصد ہو یا نہ ہو سجدہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے تلاوت کرنے والے کے لئے مناسب یہ ہے کہ آیت سجدہ کو آہستہ پڑھے۔

سوال:- اگر جنبی نے آیت سجدہ سنی تو وہ کب سجدہ کرے اور اگر بیمار ایسی حالت میں سنے جب اسے اٹھنے اور سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو کیا کرے؟

جواب:- جنبی شخص پر نہانے کے بعد سجدہ کرنا واجب ہے۔ بیمار جس میں سجدہ کرنے کی طاقت نہیں وہ اشارہ سے سجدہ کر لے۔

سوال:- اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے بعد فی الفور سجدہ نہ کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب:- نماز میں سجدہ کی آیت پڑھنے کے بعد فوراً نماز ہی میں سجدہ کرنا چاہیئے اور سجدے کے بعد سورت کا باقی ماندہ حصہ پڑھ کر رکوع میں جانا چاہیئے۔ اگر آیت سجدہ کو پڑھ کر فی الفور سجدہ نہ کیا اس کے بعد دو تین آیتیں پڑھ کر سجدہ کیا تو بھی مضائقہ نہیں اور اگر اس سے بھی زیادہ آیتیں پڑھ کر سجدہ کیا تو سجدہ ادا ہو گیا۔ لیکن گنہگار رہا۔ اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھ کر نماز میں سجدہ نہ کیا تو نماز کے بعد سجدہ کرنے سے ادا نہ ہوگا اور تارک سجدہ گنہگار رہے گا۔ اب توبہ و استغفار کے سوا معافی کی کوئی صورت نہیں۔

سوال:- نماز میں سجدہ والی آیت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا۔ کیا یہ رکوع سجدے کا بھی بدل ہو سکتا ہے؟

جواب:- رکوع میں یہ نیت کر لے کہ سجدۂ تلاوت کی طرف سے بھی یہی رکوع کرتا ہوں تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔ اگر رکوع میں یہ نیت نہ کی تو رکوع کے بعد جب سجدہ کرے گا تو یہی سجدۂ تلاوت کا بھی بدل ہو جائے گا۔ چاہے کچھ نیت کرے یا نہ کرے۔

سوال:- نماز پڑھنے میں کسی بیرونی شخص سے آیت سجدہ سُنی اب وہ کیا کرے؟

جواب:- نماز میں سجدہ نہ کرے بلکہ فراغت کے بعد کرے۔ اگر نماز ہی میں سجدہ کیا تو ادا نہ ہوگا اور گناہ بھی ہوگا۔

سوال:- اگر آیت سجدہ ایک ہی جگہ بہت دفعہ پڑھی تو سجدہ ایک مرتبہ کرنا ہوگا یا زیادہ دفعہ؟

جواب:- ایک ہی سجدہ واجب ہے۔ خواہ بہت دفعہ پڑھ کے اخیر میں سجدہ کرے یا پہلی دفعہ پڑھ کر سجدہ کر لے۔ پھر آیت سجدہ کو بار بار پڑھتا ہے اور اگر جگہ بدل گئی تو جتنی مرتبہ جگہ بدلے گی اتنی ہی مرتبہ سجدہ کرنا ہوگا۔ اگر ایک جگہ سجدے کی کئی آیتیں پڑھیں تو ہر آیت کے لئے الگ الگ سجدہ کیا جائے گا۔

سوال:- کوٹھڑی یا دالان یا مسجد کے ایک کونے میں کوئی آیت سجدہ پڑھی پھر دوسرے کونے میں جا کر وہی آیت پڑھی تو اس صورت میں ایک ہی سجدہ کافی ہے یا نہیں؟

جواب:- ایک ہی سجدہ کافی ہے خواہ ایک ہی جگہ بار بار پڑھے یا ادھر ادھر ٹہل کر پڑھتا ہے

سوال:۔ نماز میں ایک ہی آیت سجدہ کو زیادہ دفعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ایک ہی سجدہ واجب ہے خواہ سب کے اخیر میں سجدہ کرے یا ایک دفعہ پڑھ کے سجدہ کر لے پھر اسی رکعت یا دوسری رکعت میں وہی آیت پڑھے۔

سوال:۔ اگر تلاوت کے کئی سجدے کرنے ہوں تو ایک ہی مرتبہ بیٹھ کر سب کو ادا کر لینا چاہیئے یا بار بار کھڑے ہو کر علٰحدہ علٰحدہ ادا کریں اور کانوں تک ہاتھ اٹھائیں یا نہیں؟

جواب:۔ اگر ایک ہی دفعہ بیٹھ کر سب کو ادا کر لے تو یوں بھی جائز ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ بار بار کھڑے ہو کر علٰحدہ علٰحدہ ادا کرے۔ ہاتھ کانوں تک اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

سوال:۔ اگر سورت میں سے آیت سجدہ کو چھوڑ دیا جائے تو کیسا ہے؟

جواب:۔ ایسا کرنا مکروہ و ممنوع ہے کیونکہ اس میں سجدہ سے گویا انکار ہے۔

سوال:۔ سجدۂ تلاوت میں تاخیر کرنا کہاں تک جائز ہے؟

جواب:۔ امام محمدؒ کے نزدیک غیر نماز کے سجدۂ تلاوت میں تاخیر جائز ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ بھی فوراً واجب ہے ان کے نزدیک تاخیر کرنے والا گنہگار ہو گا اور نماز کے اندر کا سجدہ بالاتفاق واجب ہے۔ اس سجدہ کے جزو نماز ہو جاتے کے باعث اس کا فی الفور بجالانا واجب ہے۔ جب تک بعد سلام کے نماز کے مخالف کوئی فعل نہ کیا ہو۔ اس کو بعد از نماز فوراً قضا کر لینا چاہیئے۔ جو سجدۂ تلاوت نماز کے اندر کا نہ ہو اس میں تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

فصل ۵۴۔ تعدیل ارکان

سوال:۔ تعدیل ارکان کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ارکان واجزاء نماز کو اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کو تعدیل ارکان کہتے ہیں تسکین جوارح رکوع اور سجود میں واجب ہے۔ اسی طرح رکوع اور سجدہ سے سر اٹھانے میں یعنی قومہ اور جلسہ کی تعدیل بھی واجب ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رکوع اور سجود کو سیدھا کرو (یعنی ان میں جلدی نہ کرو) رواہ البخاری و مسلم۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضنے فرمایا کہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور سجدے سے سر اٹھاتے تو تسلی سے بیٹھ جاتے تھے۔ رواہ مسلم اور ابو مسعود انصاری رضی کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی نماز اس وقت تک کفایت نہیں کرتی اور مقبول نہیں ہوتی جب تک رکوع اور سجدے میں اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔ اور فرمایا چوری کے اقسام میں سب سے بڑی چوری وہ ہے جو نماز میں کی جائے۔ صحابہ رضی نے پوچھا یا رسول اللہ! نماز میں چوری کس طرح ہوتی ہے۔ فرمایا کہ رکوع و سجود کو پورا نہ کرے۔ رواہ مالک واحمد والدارمی + حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہہ کر اتنی دیر کھڑے رہتے کہ ہم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے کہ آپ نے یہ رکعت جس کا رکوع کیا ہے ترک کر دی۔ پھر سجدہ کرتے تو دو سجدوں کے درمیان اتنا بیٹھتے کہ ہمیں یہ گمان ہوتا کہ آپ نے دوسرا سجدہ چھوڑ دیا ہے۔ رواہ مسلم

سوال:- تعدیل ارکان اور طمانیت کی نسبت حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کیا فرمایا تھا۔ جو نہ تو رکوع سجود اچھی طرح ادا کرتا تھا اور نہ قومہ اور جلسہ میں تسکین و اطمینان سے کام لیتا تھا؟

جواب:- بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رض سے روایت کی کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک دیہاتی مسجد میں آکر نماز پڑھنے لگا۔ اس نے دو رکعت پڑھی اور رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ پورا نہ کیا۔ فراغت کے بعد آکر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا۔ کہ صَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ (نماز دوبارہ پڑھو کہ تم نے نماز نہیں پڑھی ہے یعنی تمہاری نماز نہیں ہوئی) اس نے آکر دوبارہ نماز پڑھی۔ پھر بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ آپ نے فرمایا کہ نماز دوبارہ پڑھو کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔" اس نے تین مرتبہ ایسا ہی کیا۔ اور اخیر میں عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! اب آپ خود ہی فرما دیجئے کہ کس طرح نماز پڑھوں۔ آپ نے وضو کا طریقہ اور استقبال قبلہ اور قیام اور قراءت وغیرہ بتا کر فرمایا کہ اس کے بعد رکوع کرو۔ یہاں تک کہ رکوع میں قرار و ثبات حاصل ہو جائے۔ پھر سر اٹھاؤ۔ اور اطمینان کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ اسی طرح سجدہ بھی پورے اطمینان سے کرو۔ اور سجدہ کر کے اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔

سوال:- حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ نے تعدیل ارکان نہ کرنے والے سے کیا فرمایا تھا؟

جواب:- شقیق رح کا بیان ہے کہ حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں رکوع

سجود اور قومہ جلسہ پوری طرح ادا نہیں کر رہا تھا۔ انہوں نے نماز کے بعد اس کو بلا کر فرمایا کہ یہ کچھ بھی نماز نہیں ہے۔ جو تم نے پڑھی ہے۔ اور اگر تم ایسی نماز سے توبہ کئے بغیر مر جاؤ تو تم اس فطرت پر نہیں مرو گے جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا تھا۔ رواہ البخاری۔ دوسری روایت میں حضرت حذیفہؓ نے ان سے پوچھا کہ تم کب مسلمان ہوئے ہو؟ اس نے کہا چالیس سال سے۔ فرمایا کہ چالیس سال سے اسی نمونے کی نماز پڑھ رہے ہو؟ اُس نے کہا ہاں۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ بدنصیب! چالیس سال میں تمہاری کوئی نماز نہیں ہوئی۔ کیونکہ نہ تو تم رکوع سجود پورا کرتے ہو اور نہ قومہ و جلسہ۔ رواہ الحاکم فی المستدرک۔

سوال:۔ تعدیلِ ارکان کے مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کے آراء کیا کیا ہیں؟

جواب:۔ شرح منیۃ المصلی میں ہے کہ رکوع سجود میں اتنا ٹھیرنا کہ تمام اعضاء اپنے ٹھکانے پر آجائیں امام ابو یوسفؒ امام مالکؒ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک فرض ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک واجب ہے۔ اسی طرح رکوع سے اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا اور دونوں سجدوں میں طمانیت و سکون بھی امام ابو یوسفؒ امام مالکؒ امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض اور امام اعظم ابوحنیفہ رح اور امام محمد کے نزدیک واجب ہے۔

سوال:۔ جلدی میں ایسی نماز پڑھی کہ نہ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہوا اور نہ دو سجدوں کے درمیان تسلی سے بیٹھا۔ کیا اخیر میں سجدہ سہو کر لینے سے یہ کمی پوری ہو سکتی ہے؟

جواب:۔ سجدۂ سہو اس فعل سے واجب ہوتا ہے جو بھول چوک سے سرزد ہو لیکن جو لوگ بے پروائی سے یا بے حسی کے عالم میں عادۃً قومہ جلسہ پورا نہیں کرتے۔ اس میں سجدہ سہو نہیں ہے۔ ایسی نمازوں کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ کیونکہ ترکِ واجب سے اعادۂ نماز واجب ہوتا ہے۔

فصل ۵۵ جلسۂ استراحت

سوال:۔ بعض لوگ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد ذرا سا بیٹھے بغیر کھڑے نہیں ہوتے۔ ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

جواب:- شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ جب حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو اس کے بارہ میں دو قول ہیں اول یہ کہ آپ زمین پر بیٹھ جاتے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دیتے۔ اس کے بعد دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ اس نشست کو جلسۂ استراحت کہتے ہیں۔ اس جلسہ کے حکم کی نسبت فقہا میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ جائیں مگر یہ نشست بالکل سبک ہو۔ اس کے بعد دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کا یہ بیٹھنا عذر کبر سنی اور حاجت کی بنا پر تھا۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام احمد کے مذہب میں مختار یہی ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ بیٹھنا سنت نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کا تمسک ایک حدیث سے ہے جس کو بخاری ترمذی اور نسائی نے مالک بن حویرث سے نقل کیا ہے۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے بغیر پہلی اور تیسری رکعت سے نہیں اُٹھتے تھے۔

لیکن حسب روایت ابن ابی شیبہ نعمان بن ابی عباس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اصحاب کو دیکھا کہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے بیٹھے بغیر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ حضرات عبداللہ بن مسعود، علی بن ابی طالب، عمر بن خطابؓ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کا اسی پر عمل تھا۔ اور یہ سب صحابہ کرام میں خاص امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ اور ان کو آنحضرتؐ کے اتباع میں بڑا اشتغف تھا۔ علاوہ ازیں یہ تمام حضرات مالک بن حویرث کی نسبت بارگاہ نبوی میں بہت زیادہ حاضر باش تھے۔" (مدارج النبوۃ)

اور امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اکثروں کے نزدیک جلسۂ استراحت مستحب نہیں۔ اس عدم استحباب کو ابن منذر نے علی مرتضیٰ، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، ابوالزناد، سفیان ثوری، امام نخعی، امام مالک، امام احمد اور اسحٰق رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ باب صفۃ الصلوٰۃ) اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھے بغیر اپنے صدور قدمین پر اٹھا کرتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی، حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول نقل کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے شعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کرام نماز میں قدموں کی انگلیوں ہی پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ (فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ) عبدالرزاق اور بیہقی نے بھی یہ روایتیں اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ پس جو حضرات تفصیل کے طالب ہوں وہ فتح القدیر کی طرف رجوع کریں۔ ترمذی نے

لکھا ہے کہ اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے کہ نماز میں اپنے قدموں کی انگلیوں پر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔“ پس مالک بن حویرث کی حدیث حالت کبر سنی پر محمول کی جائے گی۔ چنانچہ اسی معنیٰ میں خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رکوع اور سجود میں مجھ سے سبقت نہ لے جایا کرو۔ اس لئے کہ جس قدر میں تم سے رکوع کے وقت سبقت کر جاؤں گا۔ میرے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد تم اسی قدر پاؤ گے اور حقیقت یہ ہے کہ میرا بدن بھاری ہو گیا ہے۔ رواہ ابوداؤد

فصل ۵۶ ۔ قعدہ

سوال:۔ قعدہ کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ نماز میں دوسری رکعت کے اخیر میں بیٹھنے کا نام قعدہ ہے۔ تین اور چار رکعت والی نمازوں میں دو رکعتوں کے بعد تشہد کی مقدار بیٹھنا واجب ہے۔ اور نماز کی آخری رکعت میں تشہد یعنی التحیات کے آخری الفاظ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تک پڑھنے کی مقدار بیٹھنا فرض ہے۔ تمام نمازوں میں خواہ فرض ہوں یا واجب سنت ہوں یا نفل آخری قعدہ فرض ہے۔ دونوں قعدوں میں التحیات کا پڑھنا واجب ہے۔

سوال:۔ اگر کوئی شخص ہزار رکعت نفل ایک سلام سے ادا کرنا چاہے تو اس میں کتنے قعدے ہوں گے؟

جواب:۔ پانسو تشہد ہوں گے۔ جن میں آخری تشہد قعدۂ اخیرہ ہوگا۔

سوال:۔ پہلے اور آخری قعدہ کے حکم میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ پہلا قعدہ واجب ہے۔ اس لئے اس کے ترک ہو جانے سے سجدۂ سہو لازم آئیگا۔ اور آخری قعدہ چونکہ فرض ہے اس کے رہ جانے سے نماز ہی نہ ہوگی اگر پہلے قعدہ کے چھوٹ جانے پر سجدۂ سہو نہ کیا جائے گا تو نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔

سوال: قعدۂ اخیرہ فرض ہے تو اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قعدۂ اخیرہ میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک رکن اصلی ہے اور بعض کے نزدیک

شرط اور بعض کے نزدیک رُکن زائد اور اس میں بھی اختلاف ہے۔ کہ فرض ہے یا واجب؟ مگر اصح یہ ہے کہ فرض اور رُکن زائد ہے۔ اور سراجیہ میں ہے کہ قعدۂ اخیرہ کا منکر کافر نہیں۔ شامی نے لکھا ہے کہ منکر سے اس کی فرضیت کا منکر مراد ہے۔ اس لئے کہ بعض کے نزدیک قعدۂ اخیرہ واجب ہے البتہ اگر کوئی اس کی اصل یعنی اس کے مشروع ہونے کا منکر ہوگا تو کافر ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ اس کا ثبوت بالاجماع حق ہے۔

سوال:۔ اگر کوئی چار رکعتیں پڑھنے کے بعد قعدہ میں بیٹھا۔ پھر یہ گمان کر کے کہ تین پڑھی ہیں کھڑا ہو گیا۔ پھر یاد کر کے کہ چار ہو چکیں بیٹھا اور بیٹھتے ہی سلام پھیر دیا تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب:۔ اگر دونوں مرتبہ کا بیٹھنا مجموعی طور پر بقدر تشہد ہو گیا تو فرض ادا ہو گیا۔ ورنہ نہیں ٭

سوال:۔ پورا قعدہ اخیرہ سوتے میں گزر گیا۔ بیداری کے بعد کیا کرے؟

جواب:۔ بیداری کے بعد التحیات اور درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیرے۔ اور پھر سجدۂ سہو کرے۔

سوال:۔ پوری رکعت سوتے میں گزر گئی۔ یا قیام، قراءت، رکوع اور سجود میں سے کسی رُکن میں اوّل سے آخر تک سوتا ہی رہا۔ تو اُسے بیداری کے بعد کیا کرنا چاہیئے۔

جواب:۔ پوری رکعت نیند میں گزر گئی تو نماز فاسد ہو گئی۔ اور اگر کوئی رُکن بوجہ غلبۂ نوم رہ گیا تو بیداری کے بعد اس کو ادا کرے اور اخیر میں سجدۂ سہو ادا کرے۔

سوال:۔ اگر کوئی چار رکعت والے فریضہ میں چوتھی رکعت کے سرے پر قعدہ میں نہ بیٹھا اور کھڑا ہو گیا تو کیا کرے؟

جواب:۔ جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو بیٹھ جائے اور نماز پوری کر کے اخیر میں سجدہ سہو کر لے۔ اور اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا یا نماز فجر میں دُوسری رکعت پر نہیں بیٹھا اور کھڑا ہو گیا اور تیسری رکعت کے قیام اور رکوع کے بعد اس کا سجدہ کر لیا یا مغرب میں تیسری پر نہ بیٹھا اور چوتھی کا سجدہ کر لیا تو ان سب صورتوں میں فریضہ باطل ہو گیا۔ مغرب کے سوا اور نمازوں میں ایک رکعت اور ملا لے اور اخیر میں سجدۂ سہو کر لے یہ سب نفل ہو جائے گی۔ فرض نماز پھر سے پڑھے ٭

سوال:- قعدہ میں بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:- مرد اپنا داہنا پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں بقدر استطاعت قبلہ رُخ کرے اور بایاں پاؤں بچھا کے اس کے اوپر بیٹھے اور ہاتھوں کو زانوؤں پر اس طرح رکھے کہ انگلیوں کے سرے گھٹنوں تک پہنچ جائیں اور ہاتھوں کی انگلیوں کو نہ تو کشادہ رکھے اور نہ بالکل ملائے بلکہ تھوڑی سی کھلی رکھے اور عورت اس طرح بیٹھے کہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے۔ اور زمین یعنی مصلّے پر بیٹھے اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ لے اور ہاتھوں کی انگلیاں خوب ملا کر رکھے۔

سوال:- دُوسری رکعت کا دوسرا سجدہ کر چکنے کے بعد قعدہ میں کیا پڑھیں؟

جواب:- اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ ۝ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

فصل ۷۵۔ نماز میں نبیؐ کو خطاب

سوال:- یہ عجیب بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو مدینہ طیبہ میں مشاہدۂ جمال ایزدی میں مستغرق ہیں۔ اور ہم یہاں نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہہ کر آپ سے اس طرح خطاب کر رہے ہیں۔ کہ گویا آپ ہمارے سامنے حاضر و موجود ہیں۔

جواب:- اس سوال کے جواب میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مدارج النبوت میں رقم فرما ہیں:- اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کے خطاب پر دو سوال کیے گئے ہیں کہ ایک یہ کہ نماز میں بشر کو خطاب کرنا منہی عنہ اور نماز کا مفسد ہے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے اور در حقیقت یہ نماز میں ایک جملہ ہے۔ گو صیغہ خطاب میں ہے چونکہ یہ معراج کا واقعہ ہے اس کو اُنہی لفظوں میں محفوظ رکھا گیا جس طرح واقع ہوا تھا۔ اس تقریر سے دُوسرے سوال کا جواب بھی حاصل ہو گیا جو کہا کرتے ہیں کہ غیبت سے خطاب کی طرف عدول کرنے میں کیا حکمت ہے۔ حالانکہ مقتضائے سیاق لفظ غیب تھا اصل یہ ہے کہ درود میں ایک لفظ کی نگہداشت کی گئی ہے جس کی رسولِ خدا نے صحابہ کو تعلیم دی تھی اور کرمانی نے شرح صحیح

بخاری میں کہا کہ یہ خطاب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانِ حضور و حیات میں تھا۔ آپکے وصال کے بعد صحابۂ کرام عل الرضوان اسکی بجائے یوں سلام بھیجتے "اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ" (مدارج النبوۃ جلد اول

سوال :- کیا واقعی کسی حدیث سے ثابت ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے وصال نبوی کے بعد اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کی بجائے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کہنا شروع کر دیا تھا؟

جواب :- ہاں۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ حدیث ابن مسعودؓ کے بعض طرق میں وارد ہوا ہے کہ "اَيُّهَا النَّبِيُّ" کا خطاب حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان برکت اقتران میں تھا۔ صحیح بخاری میں ابو معمر کے طریق سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہم لوگوں نے آپ کے وصال کے بعد تشہد میں اَيُّهَا النَّبِيُّ کی بجائے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کو ابو عو نے بھی اپنی صحیح میں اور سراج اور جوزقی اور ابو نعیم اصبہانی اور بیہقی نے امام بخاریؒ کے استاد ابو نعیم تک متعدد طرق سے اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے ابو نعیم سے روایت کیا ہے۔ سبکی نے شرح منہاج میں ابو عوانہ کی روایت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر صحابہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنحضرت کو اَيُّهَا النَّبِيُّ سے خطاب کرنا غیر واجب ہے بلکہ اس کی جگہ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کہنا چاہیے۔" یہ لکھ کر علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کا اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ پڑھنا بلا ریب ثابت ہے۔ اور اس کا قوی متابع بھی موجود ہے۔ چنانچہ محدث عبد الرزاق نے کہا۔ مجھے ابن جریج نے خبر دی۔ انہوں نے عطا تابعی سے سنا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دارِ دنیا میں تشریف فرما تھے تو صحابۂ کرامؓ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کہا کرتے تھے اور جب آپ اس دارِ دنیا سے رحلت فرما ہوئے تو اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کہنے لگے۔ اور یہ اسناد صحیح ہے (فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۲۱۳)

سوال :- تو اب ہم لوگ کیا پڑھیں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ یا اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ ؟

جواب :- نیازمند راقم الحروف کے خیال میں اَيُّهَا النَّبِيُّ پڑھنا ہی افضل ہے۔ کیونکہ یہ تعلیم نبوی کے مطابق ہے۔ آپ کو ایہا النبی کے ساتھ اس توقع پر خطاب کیا جاتا ہے کہ ہمارا اسلام آپ کو مرقد منور میں پہنچ جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کسی کو چٹھی بھیجتا ہے تو اس میں السلام علیکم لکھ کر خطاب کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔ حالانکہ مکتوب الیہ سامنے موجود نہیں ہوتا بلکہ کہیں بعید

سافت پر ہوتا ہے لیکن ذلیل بندہ یہ گمان کرتا ہے کہ یہ مکتوب اور یہ سلام مکتوب الیہ کو پہنچ جائے گا ہمارا بی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایہا النبی سے خطاب کرنا ایسا ہی ہے جیسا خود عہد رسالت میں مدینہ منورہ سے دُور کے رہنے والے نمازیں آپ کو ایہا النبیّ سے خطاب کیا کرتے تھے۔

فصل ۵۸۔ رفع سبّابہ

سوال :- کیا ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام تشہد یں انگلی اٹھایا کرتے تھے ؟

جواب :- ہاں۔ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے۔ عبداللہ بن زبیر رض سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ میں اپنا داہنا ہاتھ اپنی داہنی ران پر اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھتے۔ ور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے۔ انگوٹھا بیچ کی انگلی پر رکھتے رواہ مسلم۔ نافع کا بیان ہے ہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رض نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے۔ اور انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے۔ حضرت ابن عمر رض نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا (شیطان کے لئے) حدید یعنی نیزہ مارنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ رواہ احمد

سوال :- انگلی اٹھانے سے پہلے انگلیاں باندھنے اور کھولنے کی کیا صورت ہونی چاہیئے ؟

جواب :- شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح لکھتے ہیں کہ شوافع کے نزدیک ترپن ۵۳ پر عقد ہے جس کی صورت یہ ہے کہ چھنگلیا اور اس کے پاس کی انگلی اور درمیانی انگلی کو بند کریں اور مسبحہ یعنی شہادت کی انگلی کو کھلا رکھیں۔ پھر انگوٹھے کے سر کو انگشت شہادت کی جڑ میں رکھیں اور ان کی سند ابن عمر رض کی حدیث ہے۔ جس کی مسلم نے تخریج کی ہے۔ اور حنفیوں کے نزدیک نوّے پر عقد ہو جس کی یہ صورت ہے کہ خنصر اور بنصر (یعنی چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی) کو بند کریں اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھیں اور سبّابہ سے اشارہ کریں یہ طریقہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن زبیر رض سے مروی ہے۔ امام احمد کے مذہب میں اور امام شافعی رح کے نزدیک ان کے قول قدیم میں یہی طریقہ مختار ہے اور امام مالک رح کے نزدیک داہنے ہاتھ کے سبابہ کو کھلا رکھیں اور چاروں کو بند کرکے سبابہ سے اشارہ کریں

(مدارج النبوت)

سوال:- کس موقع پر شہادت کی انگلی اٹھائیں اور کب گرا دیں؟

جواب:- لا اِلٰہ کہتے وقت انگلی اٹھائیں اور اِلّا اللّٰہ کہتے کے وقت جھکا دیں +

سوال:- بعض لوگ اِلّا اللّٰہ کہتے ہی انگلیاں کھول کر ہاتھ کو معاً اس کی اصلی حالت پر لے آتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:- نہیں۔ عقد و حلقہ کی ہیئت کو نماز کے اخیر تک باقی رکھنا چاہیئے۔

سوال:- بعض علمائے حنفیہ شروع میں کھول کر ہاتھ رکھتے ہیں اور اشارہ کے وقت عقد کرتے ہیں اور بعض اوّل سے ہی انگلیاں بند کر لیتے ہیں۔ ان میں سے کون سا طریقہ صحیح ہے؟

جواب:- دونوں طرح پر عمل درست ہے۔

سوال:- انگلی اٹھانے کے بارہ میں امام اعظم رح کا مذہب و مسلک کیا ہے؟

جواب:- شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ ائمۂ حدیث اور فقہائے مجتہدین اور کثیر التعداد صحابہ و تابعین کا مسلک یہی ہے کہ انگلی اٹھائی جائے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ متقدمین حنفیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ البتہ متاخرین حنفیہ میں اس سے متعلق خلاف ہو گیا ہے۔ اگر میں رفع سبابہ کی ساری حدیثیں لکھوں تو طوالت ہو جائے گی اس لئے یہاں اپنے علمائے مذہب کے اقوال پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ سود مند ہو۔ شمنیؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ نے اپنی امالی میں ذکر فرمایا ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کریں اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائیں۔ اور سبّابہ سے اشارہ کریں اور امام محمدؒ لکھتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم انگلی سے اشارہ فرماتے تھے اس لئے ہم بھی اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ شیخ امام عالم اجل علی متقی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک رسالہ جمع کیا ہے جس میں حنفی مذہب کی تمام روایات فقہ درج کی ہیں اور ان میں جو اختلاف ہیں ان کا بھی ذکر کیا ہے اور احادیث صحیحہ قلمبند کر کے عقد و اشارات کی جانب کو ترجیح دی ہے میں نے اس رسالے کا ترجمہ مشکوٰۃ کی دونوں شرحوں اور شرح سفر السعادت میں درج کر دیا ہے وباللہ التوفیق۔

(مدارج النبوۃ مطبوعہ مطبع ناصری دہلی جلد اول صفحہ ۲۰۹ - ۲۱۰)

سوال:- سبابہ سے اشارہ کرتے وقت اس کو حرکت دینی چاہیئے یا نہیں؟

جواب :- مولانا عبدالحیؒ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ابو داؤد نے عبداللہ بن زبیر سے روایت کی کہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے۔ اور بعض روایتوں میں جو جنبش دینے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد محض اٹھانا ہے۔ جو اس کی جگہ سے جنبش دینے کو مستلزم ہے۔

سوال :- انگلی سے اشارہ کرتے وقت انگلی پر نظر رکھنی چاہیئے یا کسی دوسری طرف؟

جواب :- اشارہ کرتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم انگلی پر نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ ابو داؤد نے عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرتے وقت نہ تو انگلی کو جنبش دیتے تھے اور نہ آپ کا بصر اشارہ سے تجاوز کرتا تھا۔

سوال :- کیا انگلی اٹھانے پر ائمہ اربعہ اور حنفی مذہب کے تمام اکابر متفق ہیں؟

جواب :- شیخ ابو المکارم نے شرح مختصر وقایہ میں مضمرات سے نقل کیا ہے کہ امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے قول کے بموجب رفع سبابہ سنت ہے اور علامہ نجم الدین زاہدی نے نقل کیا ہے کہ ہمارے تینوں اماموں کی روایتیں اس کے سنت ہونے پر متفق ہیں۔ اور محیط میں ہے کہ نماز کی سنتوں میں سے ہے داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت کا التحیات میں اٹھانا۔ امام اعظمؒ اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ اس پر متفق ہیں امام ابو یوسفؒ۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ بن حنبل وغیرہم سے یہی مروی ہے اور اسی پر فتوےٰ ہے۔ کذا فی الدرؒ۔ اسی طرح بے شمار روایتیں ہیں۔ اختصار کے لئے انہی پر اکتفا کیا گیا۔

سوال :- حنفی فقہ کی عام مستند کتابوں میں کیا لکھا ہے؟

جواب :- مولانا عبدالحی مرحوم لکھتے ہیں کہ اشارہ بالسبابہ کا استحسان حنفی علماء سے درجۂ صحت کو پہنچا اور معتمد علیہ ٹھیرایا گیا ہے اور یہ حقیقت اس شخص پر واضح ہو جائے گی جو نوازل الفقیہ ابی اللیث اور ذخیرہ اور قنیہ اور حلیہ اور فتح القدیر اور بحر الرائق اور نہر اور خانیہ اور مجتبیٰ شرح قدوری اور دُرمختار اور اس کے حواشی اور مواہب الرحمٰن اور اس کی شرح برہان اور محیط اور شروح مجمع البحرین اور مراقی الفلاح اور درر البحار اور اس کی شرح غرر الافکار اور تزیین العبارہ اور تحفہ اور سقایہ وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے اور ہمارے بعض مشائخ پر نہایت تعجب ہے جنہوں نے رفع سبابہ کے عدم استحسان کا فتوےٰ دیا بلکہ اس پر کراہت کا حکم لگایا ہے۔ باوجودیکہ ان کے پاس اپنے قول کی کوئی دلیل نہیں۔ نہ کوئی سند ہے۔ نہ روایت نہ درایت

سوال :- بعض معترضین کہتے ہیں کہ انگلی اٹھانا وقار کے خلاف ہے۔

جواب :- حضرت حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو وقار کے خلاف کہنا کمال نادانی اور بے ادبی ہے۔ اتنی روایتوں کو جو متواتر کے قریب ہیں پس پشت ڈالنا اور ان کے مقابلہ میں اپنی سخن پروری کے لئے ایسی سنّت کو ترک کرنا جو شیطان کے لئے تیر سے بھی سخت ہے۔ نفسانیت کا کمال اور انتہا درجہ کی جراءت وبیباکی ہے۔

سوال :- حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح حنفی تھے باوجود اس کے انہوں نے رفع سبابہ کے مسئلہ میں محققین حنفیہ کا خلاف کیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب :- اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مجدد رحمہ اللہ کے پاس صحیح اور معتبر کتب حنفیہ کا ذخیرہ کم تھا ورنہ وہ ہرگز ایسا نہ کرتے اور افسوس ہے کہ اس مسئلہ میں ان کا کشف صحیح بھی کام نہ دے سکا مولانا مرزا شمس الدین معروف بہ مظہر جان جاناں شہید دہلوی رحمہ اللہ مقاماتِ مظہری (کے پندرھویں مکتوب) میں ایک سوال کے جواب میں رقم فرمائیں :- (ترجمہ) :-

" حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے مکتوبات کے ایک مکتوب میں رفع سبّابہ سے منع فرمایا ہے۔ اور تم ان سے محبت کا دعوے رکھنے کے باوجود انگلی اٹھاتے ہو حالانکہ محب کو محبوب کا اتباع لازم ہے۔" مخدوما! اللہ جل شانہٗ نے اپنے بندوں پر کتاب وسنت کا اتباع فرض کیا ہے چنانچہ فرمایا :-
مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ اور رسول صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ اور حضرت مجدد الف ثانی رح نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کامل ہیں اپنے طریقے کی بنا کتاب وسنت کے اتباع پر رکھی ہے اور علماء نے رفع سبّابہ کے اثبات میں رسالے جو احادیث صحیحہ اور روایات فقہیہ پر مشتمل ہیں تصنیف فرمائے ہیں یہاں تک کہ حضرت مجدد رح کے فرزند اصغر حضرت یحییٰ نے بھی اس باب میں ایک رسالہ تالیف فرمایا۔ اور انگلی اٹھانے کی نفی میں ایک حدیث بھی ثبوت کو نہیں پہنچی اور حضرت مجدد رح کا ترک رفع بنا پر اجتہاد واقع ہوا ہے۔ سنت نبوی جو نسخ سے محفوظ ہو مجتہد کے اجتہاد پر مقدم ہے اور سنت رفع کے ثبوت کے بعد اس کا ترک محض اس حجّت پر کہ حضرت مجدد رح نے اس کو ترک کیا تھا معقول نہیں ہے۔ خود حضرت مجدد رح نے ترک سنت پر بڑی تحذیر فرمائی ہے۔ اور اگر آپ سوال کریں

کہ کیا حضرت مجددؒ علم واسع کے باوجود ثبوت رفع کی حدیثوں سے بے خبر تھے تو میں کہتا ہوں کہ ان کے زمانِ مبارک تک یہ کتابیں اور رسالے ان اطراف میں مشہور نہ ہوئے تھے۔ اگر یہ کتابیں اور رسالے حضرت مجددؒ کی نظر سے گزرے ہوتے تو آپ ہرگز ترک رفع نہ فرماتے کیونکہ آپ اتباع سنت کے بڑے حریص تھے اور اگر کہو کہ آپ کو کشف سے اس مسئلہ کی حقیقت کیوں نہ معلوم ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ کشف امور طریقت میں معتبر ہے احکام شریعت میں حجت نہیں۔ باوجود اس کے حضرت مجددؒ نے اس مکتوب میں کشف سے احتجاج نہیں کیا ہے۔"

سوال ۱۔ لطف اللہ نسفی نے اپنی کتاب خلاصۂ کیدانی میں انگلی اٹھانے کو حرام لکھا ہے۔

جواب :۔ مؤلف خلاصۂ کیدانی کی نسبت مشہور ہے کہ اخیر میں انکا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ اگر یہ کتاب اختلال حواس کی حالت میں لکھی تو معذور تھے۔ اور اگر سلامتی حواس میں لکھی تھی تو میں نہیں کہہ سکتا کہ سنت نبوی کو حرام بتلانے والا دنیا سے اپنا ایمان سلامت لے گیا یا نہیں ٭

فصل ۵۹۔ نماز میں مومنوں کا حق

سوال :۔ نماز میں مومنوں کا کیا حق ہے ؟

جواب :۔ تشہد میں پڑھا جاتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔ اس میں اُمت کو تنبیہ ہے کہ وہ لباس صلاح و تقویٰ سے آراستہ ہوں، تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمامہ خلائق کی تسلیم سے مشرف و محظوظ ہو سکیں اور اس فضل عظیم سے حرمان کے حصہ دار نہ بنیں۔ شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ اس سے لازم آتا ہے کہ نماز میں جس طرح خدائے عزوجل کا حق ہے مسلمانوں کا بھی حق ہے اور جس نے نماز کو ترک کیا اس نے ان تمام مومنوں کے حق میں کوتاہی کی جو ازمنہ گزشتہ میں گزر چکے ہیں۔ یا آئندہ قیامت تک خطۂ شہود میں جلوہ گر ہوں گے

سوال :۔ کلمہ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا کہنے کا ثمرہ کیا ہے ؟

جواب :۔ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب نمازی اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ کہتا ہے تو اس کی برکت آسمان اور زمین کے ہر صالح بندے کو پہنچتی ہے

رواہ البخاری ومسلم

سوال:- اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا (ہم پر سلامتی ہو) میں ہم سے کون لوگ مراد ہیں اور عباد صالحین سے کون؟

جواب:- اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا سے امام اور مقتدی اور ملائکہ موجودین اور صالحین سے انبیاء، ملائکہ صدیقین، شہداء اور مومنین مراد ہیں۔

فصل ۶۰ - درود

سوال:- حق تعالیٰ نے سورہ احزاب کی ۵۶ ویں آیت میں فرمایا کہ "اللہ اور اس کے فرشتے اس نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی ان پر صلوٰۃ اور سلام بھیجا کرو" صلوٰۃ سے کیا مراد ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟

جواب- اللہ کا صلوٰۃ بھیجنا تو رحمت فرمانا ہے اور اس سے مراد رحمت خاصہ ہے جو آپ کی شان رفیع کے شایاں ہے۔ اور فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا اور اسی طرح جس صلوٰۃ کے بھیجنے کے ہم مامور ہیں اس سے مراد اس رحمتِ خاصہ کی دعا کرنا ہے اور اسی کو ہمارے محاورہ میں درود کہتے ہیں۔ ہمارے درود سے حضور کے مراتب عالیہ میں ترقی ہوتی ہے اور ہمیں بھی اس کا ثواب ملتا ہے۔

سوال:- اس ثواب موعود کی نوعیت کیا ہے؟

جواب:- ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے حق تعالیٰ اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے۔ رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے اور اس کے دس گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔ اور اس کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں۔ رواہ النسائی و ابن حبان والحاکم والبزار والطبرانی اور نسائی اور طبرانی کی ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ اس کے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں میں مجھ سے قریب وہ ہوگا جو ان میں مجھ پر زیادہ درود بھیجتا ہوگا۔ رواہ الترمذی وابن حبان۔ یعنی اس شخص کا رتبہ مجھ سے

نسبتہً زیادہ قریب ہوگا اور فرمایا کہ اللہ نے ایسے فرشتے متعین کر رکھے ہیں جو زمین پر پھر رہے ہیں وہ مجھ کو میری اُمّت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔ رواہ النسائی و ابن حبان والحاکم والدارمی۔ یعنی لوگ بُعد اور دُوری کا خیال نہ کریں۔ جہاں کہیں سے مجھ پر درود و سلام بھیجیں مجھے پہنچ جاتا ہے اور پہنچ جائے گا۔ حضرت اُبَیّ بن کعب صحابی رضؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! میں آپ پر درود بھیجنا چاہتا ہوں۔ سو جو وقت میں نے اپنی دُعا کے لئے مقرر کیا ہے اس میں سے آپ پر درود بھیجنے میں کس قدر مقرر کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ جس قدر چاہو۔ حضرت اُبَیؓ نے التماس کی کہ کیا اپنے ورد کے وقت میں سے چوتھا حصّہ درود پر خرچ کر دوں؟ آپ نے فرمایا جس قدر چاہو۔ لیکن اس سے زیادہ کرو تو بہتر ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ آدھا وقت درود میں خرچ کر دوں؟ آپ نے فرمایا کہ جتنا چاہو لیکن زیادہ کرنا تمہارے حق میں بہتر ہے۔ پھر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! دو تہائی صرف کر دوں؟ فرمایا جس قدر چاہو۔ لیکن اگر اس سے بھی زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ وہ کہنے لگے کہ میں اپنے ورد کا تمام وقت آپ پر درود بھیجنے میں خرچ کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس صورت میں تمہاری تمام دینی اور دُنیوی مہمات کفایت کی جائیں گی اور ساری حاجتیں پوری ہوں گی۔ اور تمہارے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔" رواہ احمد والترمذی والحاکم۔

سوال:۔ کیا ہمارے ہادی مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درود کا جواب دیتے ہیں؟

جواب:۔ ہاں۔ چنانچہ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ پیشوائے اُمّت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مجھ پر درود و سلام بھیجے گا تو حق تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دے گا۔ یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں گا۔ رواہ ابوداؤد والبیہقی فی الکبیر

سوال:۔ رُوح لوٹانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں زندہ ہیں لیکن یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ زندہ نہیں ہیں بلکہ جب کوئی شخص سلام کرتا ہے تو اس وقت رُوح بدن مبارک میں لے آتے ہیں۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ رُوح بھیجنے سے یہ مراد نہیں کہ وہ پہلے جسد پاک میں نہیں تھی۔ اب بھیجتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ روح جو مشاہدۂ رب العزت میں مستغرق ہے اُسے اُس حالت سے عالم ناسوت کی طرف متوجہ کرتے ہیں تاکہ درود و سلام سن لیں

اس توجہ روح کو رُوح لوٹانے سے تعبیر فرمایا اور انبیاء علیہم السلام سب اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

سوال:- اگر کوئی آپ کے مرقد منوّر پر جاکر درُود کہے آپ اس کو سنتے ہیں یا نہیں؟

جواب:- ہاں سنتے ہیں۔ چنانچہ ابوہریرہ رضؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے گا میں اس کو سنوں گا اور جو کوئی دُور سے مجھ پر درود بھیجے گا وہ مجھے پہنچا دیا جائے گا۔ رواہ البیہقی فی الشعب۔

سوال:- کیا دعا کی قبولیت درود بھیجنے پر موقوف ہے؟

جواب:- حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہر دعا اُس وقت تک قبولیت سے رُکی رہتی ہے (یعنی قبول نہیں ہوتی) جب تک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ محمدؐ پر درود نہ بھیجا جائے۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا کہ دُعا آسمان اور زمین میں ٹھیری رہتی ہے۔ اس میں سے کچھ بھی اُوپر نہیں چڑھتی جب تک تم اپنے پیغمبر پر درود نہ بھیجو۔ رواہ الترمذی۔ یعنی دُعا کا قبول ہونا درود بھیجنے پر موقوف ہے۔ اور درود تو لازماً قبول ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے دُعا بھی موقفِ اجابت پر جا پہنچتی ہے۔

سوال:- دُعا درود سے پہلے ہونی چاہیئے یا پیچھے؟

جواب:- درود دُعا سے پہلے بھی ہونا چاہیئے اور پیچھے بھی۔ چنانچہ ابوسلیمان دارانی رحؒ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت مانگو تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے دُعا کا آغاز کرو۔ پھر اپنی حاجت طلب کرو۔ اور درُود پر اپنی دعا کو ختم کرو۔ کیونکہ خدائے ودُود نے اوّل و آخر کے دونوں درودوں کو تو لازماً قبول فرماتا ہے اور وہ اس سے زیادہ کریم ہے۔ کہ ان دونوں کے درمیان کی چیز کو چھوڑ دے۔" یعنی اوّل و آخر کے درود کے طفیل سے بیچ کی دُعا بھی قبول کر لیتا ہے۔

سوال:- وہ کون سا دن ہے جس میں درود بھیجنا نسبتاً زیادہ پسندیدہ ہے۔

جواب:- وہ جمعہ کا دن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش ہوتا ہے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ وابن حبان یعنی جمعہ کی فضیلت کی وجہ سے اس دن خصوصیت کے ساتھ درود پیش ہوتا ہے اور جمعہ کو آپ سے مناسبت بھی ہے کہ جمعہ دنوں کا سردار ہے اور آپ اوّلین و آخرین کے سردار ہیں۔ مولٰنا شاہ محمد اسحٰق رحؒ

نے فرمایا کہ کثرت کا ادنیٰ درجہ اسّی یا سو مرتبہ درود بھیجنا ہے۔ شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ شیخ اجل و اکرم قطب الوقت عبدالوہاب متقی گجراتی رح نے مجھ سے فرمایا تھا کہ طالب حق کو چاہیئے کہ درود ایک معین تعداد میں ہر روز پڑھا کرے۔ بہتر یہ ہے کہ ہزار بار سے کم نہ ہو ورنہ پانسو مرتبہ تو لازم آتا ہے اس کی آسان صورت یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد سو سو بار پڑھ لیا کرے اور تین سو مرتبہ سے تو کسی طرح کم نہ ہونا چاہیئے۔

سوال:۔ تارک درود کے خلاف کیا کیا وعیدیں وارد ہوئی ہیں؟

جواب:۔ حضرت سیّد موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم کسی ایسی مجلس میں بیٹھی جس میں نہ تو اللہ کو یاد کیا اور نہ اپنے نبی پر درود بھیجا تو یہ مجلس قیامت کے دن ان پر حسرت کا سبب ہوگی۔ رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی والنسائی والحاکم۔ یعنی موقف قیامت میں ترک درود پر پچھتائیں گے کہ اگر انہیں درود کا یہ ثواب معلوم ہوتا تو ہرگز اس سے غافل و بے پروا نہ رہتے۔ اگرچہ جنت ہی کی طرف جا رہے ہوں گے۔ اور آپ نے فرمایا بڑا بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے (یعنی میرا نام لیا جائے) اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ رواہ الترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم۔ شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ بخیل عرف میں اس شخص کو کہتے ہیں جو بذل اموال اور ان کے صرف میں خسّت کرے۔ لیکن سخت تر اور کامل تر بخیل وہ ہے جو حضور کا اسم گرامی سُن کر آپ کی محبّت اور شکر نعمت میں اتنا وقت بھی خرچ نہیں کر سکتا اور زبان کو اتنا بھی استعمال نہیں کرتا کہ آپ پر درود بھیجے حالانکہ درود کا ثواب صرف مال سے زیادہ عظیم و وافر اور عتق رقاب سے افضل اور باوجود اس کے نہایت آسان ہے اور آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو یعنی اس کا بھلا نہ ہو جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا اور اس کی ناک خاک آلود ہو جس نے رمضان کو پایا اور اُسے بخشوائے بغیر گزر گیا اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین (یا کسی ایک) کو کبر سنی کی حالت میں پایا اور انہوں نے اسے جنت میں داخل نہ کرایا۔ رواہ احمد والترمذی والحاکم وصححہ

سوال:۔ درود پڑھنا فرض ہے یا واجب ہے یا سنت یا مستحب؟

جواب:۔ عمر بھر میں ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض اور جتنی مرتبہ ذکر نام مبارک کا ہو واجب ہے جس وقت کوئی شرعی مانع نہ ہو اس میں درود پڑھنا مستحب ہے آخری تشہد کے سوا جس میں درود

مسنون ہے۔ نماز میں درود پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن نماز جنازہ میں مسنون ہے۔ وجوب درود میں وہ اسم مبارک مستثنیٰ ہے جو درود شریف کے ضمن میں ہو۔ کیونکہ کوئی درود نام مبارک سے خالی نہیں۔ اگر ہر نام پہ درود واجب ہو تو درود کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ قرارت اور خطبہ میں نام مبارک آئے تو سامعین درود نہ پڑھیں کیونکہ قرارت اور خطبہ کا سننا واجب ہے۔ تلاوت قرآن میں نام مبارک آئے تو افضل یہ ہے کہ درود نہ پڑھے۔ قرارت سے فارغ ہونے کے بعد اختیار ہے کہ چاہے درود پڑھے یا نہ پڑھے۔ اسی طرح نماز کی اقامت میں جب اشہد انّ محمداً رسول اللہ کہا جائے تو جواب میں اشہد انّ محمداً رسول اللہ کہیں اور درود نہ پڑھیں کیونکہ اس وقت ہم اشہد انّ محمداً رسول اللہ ہی کہنے کے مامور ہیں۔

سوال:- پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی امام یا اہل بیت یا اصحاب کے نام کے بعد علیہ السلام یا صلی اللہ علیہ وسلم کہنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- علی قاری رح شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رح نے فرمایا کہ انبیاء اور ملائکہ کے سوا کسی پہ درود نہ بھیجا جائے۔ اور جس نے ان انبیاء و ملائکہ کے سوا کسی پہ وجہ تبعیت کے بغیر درود بھیجا وہ شیعی غالی ہے جنہیں روافض کہتے ہیں۔" غرض آنحضرت کی تبعیت کے بغیر کسی پہ درود بھیجنا جائز نہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رح نے فتح الباری میں فرمایا کہ غیر نبی پہ درود بھیجنا اس صورت کے ساتھ مقیدّ ہے کہ تبعاً واقع ہو۔ بلا تبعیت مستقل طور پر ممنوع ہے۔ مستقل طور پہ درود بھیجنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شعار ہو گیا ہے۔ اس میں کوئی اور آپ کا مشارک نہیں ہو سکتا۔ ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم کہنا جائز نہیں۔ اگرچہ اس کے معنی صحیح ہیں۔ اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ محمد عزّ و جلّ نے یہ فرمایا ہے اگرچہ اس کے معنی صحیح ہیں کیونکہ عزّ و جلّ خدائے برتر کے لئے شعار ہو گیا ہے۔

سوال:- بعض لوگ پورا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھنے کے بجائے صلعم یا عم یا ؐ یا ؑ لکھ دیتے ہیں۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- نہیں بعض نادان ان لوگوں کے ناموں پر جن کے نام محمد یا احمد ہوتے ہیں ؐ یا ؑ لکھ دیتے ہیں یہ لکھنا بھی ممنوع ہے۔ کیونکہ اس جگہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد نہیں ہوتی بلکہ وہ مسمی

مراد ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے نام پر درود کا اشارہ کرنا سخت بیہودگی ہے۔

سوال:۔ نماز کے آخری قعدہ میں درُود نہ بھیجنے پر کیا وعید ہے؟

جواب:۔ ابن ماجہ دارقطنی اور طبرانی نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی کوئی نماز نہیں جو اپنے پیغمبر پر درُود نہ بھیجے۔

سوال:۔ نماز میں کون سا درود پڑھا جائے؟

جواب:۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

سوال:۔ محمد اور ابراہیم کے اسمائے گرامی کے ساتھ لفظ سیّدنا بڑھا سکتے ہیں یا نہیں اس طرح اس درود میں آٹھ جگہ سیّدنا کا اضافہ ہو گا۔

جواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسم شریف کے ساتھ سیّدنا بڑھانا جائز ہے۔ لیکن چونکہ ماثور کے خلاف ہے اس لئے افضل یہی ہے کہ دونوں اسماء مبارکہ بلا اضافہ سیّدنا پڑھیں۔ چنانچہ طحطاویؒ نے فرمایا کہ لفظ سیّدنا کا ترک کرنا ہی بہتر ہے۔

سوال:۔ صلوٰۃ و برکت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل سے تشبیہ کیوں دی گئی۔ اس سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل تھے۔ حالانکہ ہمارے آقا و مولٰنا حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سید الاوّلین والآخرین ہیں۔

جواب:۔ اس تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کے جدا مجد ہیں۔ اور فضائل میں باپ دادوں کے ساتھ تشبیہ مرغوب ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں مشبّہ بہ کبھی مشبّہ سے کمتر بھی ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں نورالٰہی کی مشابہت چراغ سے واقع ہوئی ہے حالانکہ چراغ کی روشنی کو نورالٰہی سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ مگر چونکہ نور چراغ وجہ شبہ میں محسوس اور واضح تر ہے اس کو مشبّہ بہ کر دیا۔ اسی طرح یہاں ابراہیم اور آل ابراہیم علیہ السلام پر رحمت و برکت کا ہونا جملہ ملّتوں میں واضح اور مشہور تھا۔ اس لئے اس سے تشبیہ دی گئی۔

سوال:۔ میں درودوں کا مجموعہ "دلائل الخیرات" پڑھا کرتا ہوں۔ لیکن ان درودوں سے دل مطمئن نہیں

ہوتا کیونکہ جو برکت اور نورانیت اور ثواب اس درود میں ہو سکتا ہے جو خود محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہو وہ لوگوں کے بنائے ہوئے درودوں میں نہیں ہو سکتا۔ درود ابراہیم جو نماز میں پڑھا جاتا ہے ہر چند کہ وہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمایا ہوا ہے مگر طویل ہے اور مجھے روزانہ ہزار مرتبہ درود پڑھنے کا اشتیاق ہے اس لئے حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کیا ہوا کوئی مختصر درود حدیثوں میں ہو تو زیب رقم فرمایا جائے۔

جواب:۔ حضرت ابوہریرہ رض سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اس بات کا آرزومند ہو کہ اُسے پورے پیمانے کے ساتھ درود کا ثواب حاصل ہو وہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر یہ درود بھیجا کرے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ (رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ) بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ درود تمام درودوں سے افضل ہے۔

سوال:۔ اس درود میں آل ابراہیم سے پہلے ابراہیم کا لفظ کیوں نہیں ہے؟

جواب:۔ آل ابراہیم میں خود ابراہیم علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ چنانچہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا۔ وَاَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (ہم نے تمہارے دیکھتے دیکھتے پیروان فرعون کو غرق کر دیا) حالانکہ خود فرعون بھی غرق ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آل ابراہیم میں خود جناب ابراہیم خلیلؑ بھی داخل ہیں۔

فصل ۶۱۔ دُعا

سوال:۔ درود کے بعد کیا پڑھا جائے؟

جواب:۔ نماز کے قعدۂ اخیرہ میں درود کے بعد عربی زبان میں دُعا پڑھیں غیر عربی میں دعا مکروہ بلکہ بعض کے نزدیک حرام ہے۔ یہ دعا اُن دعاؤں میں سے ہونی چاہیئے جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں۔ طحطاوی رح نے فرمایا کہ اگر قرآن کی دعاؤں میں سے کوئی دُعا پڑھے تو اس سے قرآن ہونے کی نیت نہ کرے کیونکہ قیام کے سوا کسی دوسرے رکن میں قرأت مکروہ ہے۔

سوال:۔ نماز میں کس قسم کی دُعا کی ممانعت ہے؟

جواب: - نماز میں بحالات عادیہ اور بحالات شرعیہ کی دُعا ممنوع ہے۔ ایسے الفاظ میں دعا کرنے سے بھی بچے جو آدمی ایک دوسرے سے مانگا کرتے ہیں۔ مثلاً اس قسم کی دعائیں اَللّٰھُمَّ زَوِّجْنِیْ (یا اللہ! میری شادی کر دے) یا اللہ میری نوکری لگ جائے۔ الٰہی مجھے تعمیر مکان کے لئے روپیہ عطا فرما۔ وغیر ذالک

سوال: - احادیث نبویہ میں تشہد کے بعد پڑھنے کے لئے کیا کیا دعائیں مروی ہیں؟

جواب: - ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب اور اہل بیت کو یہ دعا اسی طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح آپ انہیں قرآن کی سورتوں کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ آپ فرماتے کہو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَ الْمَمَاتِ رواہ مسلم بخاری اور مسلم نے اُم المومنین حضرت عائشہ رض سے بھی یہی دُعا نقل کی ہے۔ لیکن اس میں وَالْمَمَاتِ کے بعد اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَ الْمَغْرَمِ (الٰہی! میں گناہ سے اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں) کا بھی اضافہ ہے۔ اس اضافہ کے بعد یہ بھی ہے کہ ایک شخص عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ آپ قرض سے بہت پناہ مانگتے ہیں۔ فرمایا جب آدمی قرضدار ہوتا ہے تو بات کرنے میں جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کر کے اس کا خلاف کرتا ہے"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے التماس کی یا رسول اللہ! مجھے کوئی دعا سکھا دیجئے جو نماز میں پڑھا کروں۔ فرمایا کہو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْٓ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ رواہ البخاری و مسلم حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی نماز میں پڑھا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَۃَ عَلَی الرُّشْدِ وَ اَسْئَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَ حُسْنَ عِبَادَتِکَ وَ اَسْئَلُکَ قَلْبًا سَلِیْمًا وَّ لِسَانًا صَادِقًا وَّ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَ اَسْتَغْفِرُکَ لِمَا تَعْلَمُ رواہ النسائی و روی احمد نحوہٗ (مشکوٰۃ) (ترجمہ) الٰہی! میں تجھ سے دینی امور میں ثبات و استقلال کا اور رشد و ہدایت میں عزیمت و التزام کا خواستگار ہوں۔ اور تجھ سے تیری نعمتوں کی شکر گزاری کا اور تیری عبادت میں حسن و خوبی کا طالب ہوں۔ اور تجھ سے قلب سلیم اور لسان صادق کا مستدعی ہوں اور تجھ سے ہر چیز کی بھلائی کا سوال کرتا

ہوں اور تجھ سے اُس چیز کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے علم میں ہے۔ اور تجھ سے اپنے اُن گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں جو تیرے علم میں ہیں۔"

سوال:۔ والدین کی مغفرت کے لئے نماز میں کون سی دُعا پڑھی جائے ؟

جواب:۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ط رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (فتاوٰی عالمگیری) (ترجمہ)۔ "اے میرے پروردگار مجھ کو اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا دے۔ اے میرے رب! میری دُعا قبول فرما۔ اے رب! قیامت کے دن میری اور میرے والدین کی اور اہل ایمان کی مغفرت فرما۔"

سوال:۔ اُوپر کی ادعیۂ ماثورہ اور اس قسم کی دُوسری دعائیں جن میں حضرت سیّد الاوّلین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت ذنوب اور عذاب قبر، عذاب جہنم اور فتنۂ دجّال سے استعاذہ فرمایا ان میں یہ اشکال ہے کہ آپ مغفور و معصوم تھے ایسی حالت میں طلب مغفرت اور استعاذہ کے کیا معنیٰ ہیں ؟

جواب:۔ مقصود تعلیم اُمت یا اُمتیوں کے لئے سوال ہے۔ شیخ عبدالحق رحؒ نے اس طلب مغفرت و استعاذہ کا مقصد یہ بھی بتلایا ہے کہ آپ اس میں تواضع اور اظہار عبودیت، التزام خوفِ الٰہی، اعظام باری تعالیٰ اور حق تعالیٰ وتقدس کی طرف اپنے افتقار و احتیاج کے طریق پر گامزن تھے۔

سوال:۔ قعدۂ اخیرہ میں غیر عربی زبان کی دُعا کیسی ہے ؟

جواب:۔ نماز کے اندر غیر عربی زبان میں دعا کرنا حرام یا مکروہ تحریمی ہے۔ رسول اکرم صلیّ اللہ علیہ وسلّم نے کبھی کسی عجمی کو اس کی اجازت نہ دی۔

فصل ۶۲ - اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کہہ کر نماز سے نکلنا

سوال:۔ انقطاع نماز یعنی نماز سے باہر نکلنے کا کیا طریقہ ہے ؟

جواب:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے اور بائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر سلام پھیرتے تھے۔ حتیٰ کہ دونوں طرف آپ کے

رخسار مبارک کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ والترمذی۔ لیکن ترمذی کی روایت میں سفیدئ رخسار کے دکھائی دینے کا کوئی ذکر نہیں۔

سوال:۔ اگر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے موقع پر نمازی نے سلام نہ پھیرا بلکہ اس کی جگہ کسی سے بات کر لی یا اٹھ کے چل دیا یا کوئی اور ایسا کام کیا جو مفسد نماز ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اس سے فرض تو ادا ہو جائے گا، لیکن نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ اگر دوبارہ نماز نہ پڑھے گا تو سخت گنہ گار ہوگا۔ کیونکہ السلام علیکم کہہ کر نماز سے نکلنا واجب ہے۔ اور واجب کے ترک پر نماز لوٹانا واجب ہے۔

سوال:۔ کتب فقہ میں خروج بصنعہ (نمازی کے اپنے کسی فعل کے ساتھ نماز سے نکلنے) کو بھی فرائض نماز میں شمار کیا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ زیلعیؒ نے کہا صحیح یہ ہے کہ خروج بصنعہٖ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ میں سے کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں" اور اپنے فعل کے ساتھ نماز سے باہر آنے کی فرضیت امام اعظمؒ سے صراحۃً ثابت نہیں ہے۔ اس خامنۃ الورود غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ احمد بن حسین بردعی نے ان بارہ مسئلوں سے جو در مختار میں مفسدات نماز سے پہلے مذکور ہیں اور جن میں امام اعظمؒ کے نزدیک نماز باطل ہوتی ہے اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) کے نزدیک باطل نہیں ہوتی یہ نکالا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنعہ فرض ہے۔ مگر بردعی کی رائے غلط ہے کیونکہ ان مسائل میں نماز کا باطل ہونا اس وجہ سے نہیں کہ خروج بصنعہ نہ پایا گیا تو ایک فرض چھوٹ گیا بلکہ اس وجہ سے بطلان ہے کہ نماز کے اندر ایسے عوارض پیش ہوتے ہیں جن سے فرض ادا کا ادا ہو جاتا ہے

سوال:۔ امام اور مقتدی سلام میں کیا نیت کریں؟

جواب:۔ امام داہنی طرف سلام پھیرنے میں ان مقتدیوں کی نیت کرے جو داہنی طرف ہیں اور بائیں سے بائیں طرف والوں کی۔ ان کے علاوہ کراماً کاتبین اور ان ملائکہ کی نیت کرے جو حفاظت کے لئے مقرر ہیں۔ مقتدی بھی ہر طرف کے سلام میں اس طرف کے مقتدیوں اور ملائکہ کی نیت کرے اور جس طرف امام ہو اس طرف کے سلام میں امام کی نیت بھی کرے اور امام مقتدی کے محاذ میں ہو تو دونوں سلاموں میں امام کی بھی نیت کرے۔ اور منفرد صرف کراماً کاتبین اور محافظ فرشتوں کی نیت کرے۔

فصل ۶۳- فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اور ذکر بعد از دعا

سوال :- کیا فرض نماز کا سلام پھیرنے کے بعد دُعا مانگنا مسنون ہے ؟

جواب :- فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا مستحب ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب فض الوعانی احادیث رفع الیدین فی الدعا صفحہ ۴-۵) میں محمد بن یحییٰ اسلمی سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ دعا کیلئے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے نہیں اُٹھاتے تھے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ محمد بن یحییٰ اسلمی کا ہی یہ بھی بیان ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو فراغت نماز سے پہلے دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔ جب وہ دعا سے فارغ ہوا تو اُس سے فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فراغت پانے سے پہلے دُعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ رواہ الطبرانی و رجالہ ثقات (مجمع الزوائد) اور ابو داؤد اور ترمذی میں ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تو ہاتھوں کو چہرۂ مبارک پر پھیرے بغیر دُعا کو ختم نہیں کرتے تھے۔۔ اور حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تو اپنے چہرے کو مسح کئے بغیر نہیں چھوڑتے تھے۔ رواہ الترمذی والحاکم فی المستدرک۔ اور حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا رب زندہ جاوید اور کریم ہے اپنے بندے سے شرم کرتا ہے۔ کہ جب وہ دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تو اس کے ہاتھ خالی پھیرے۔ رواہ الترمذی وابوداؤد و احمد بن ابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔

سوال :- کیا فرض نماز کے سلام کے بعد دُعا مانگنا بھی ان احوال میں داخل ہے۔ جن میں دُعا قبول ہوتی ہے ؟

جواب :- ہاں- ترمذی شریف میں مروی ہے کہ بارگاہ نبوی میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ ! ایّ الدّعا اسمع قال جَوْفَ اللّیل الآخِر وَ دُبرالصّلوٰۃ (کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے ؟ فرمایا- آخری رات کے نصف کی دُعا اور نماز کے بعد کی دعا) اسی طرح حصن حصین میں ترمذی اور نسائی سے نقل کیا ہے کہ فرض نمازوں کے پیچھے بھی دُعا قبول ہوتی ہے۔ اور یہ وقت فرض سے متصل سلام کے بعد

ہے۔ اور اگر سنتوں اور ذکر ماثور کے بعد مُراد لیں تب بھی توقع ہے کہ یہی حکم ہو۔

سوال:۔ فریضۂ نماز کے بعد کون کون سے اذکار مسنون ہیں؟

جواب:۔ اختتام نماز پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اللہ اکبر کہتے تھے۔ رواہ بخاری و مسلم۔ سلام کے بعد آپ تین مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اور ایک مرتبہ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ پڑھا کرتے تھے۔ رواہ مسلم۔ مُغیرہ بن شعبہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے پیچھے کہتے تھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔ رواہ البخاری و مسلم۔ (ترجمہ) اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے۔ اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ الٰہی! اس چیز کا کوئی مانع نہیں جو تو نے عطا کی اور کوئی اس چیز کا عطا کرنے والا نہیں جس میں تو مانع ہے اور کسی دولت مند کو اس کا تموّل تیرے عذاب سے فائدہ نہیں دیتا۔ رواہ البخاری و مسلم

سوال:۔ حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقرائے مہاجرین کے شکوہ پر ان کی کس طرح تسکین فرمائی تھی؟

جواب:۔ یہ واقعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے سنیئے:۔ وہ کہتے ہیں کہ فقرائے مہاجرین رضی اللہ عنہم بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! غنیا بلند درجے لے گئے اور نعیم مقیم کے مستحق ہوئے۔ لیکن ہمارا کیا انجام ہوگا؟ آپ نے پوچھا معاملہ کیا ہے؟ انھوں نے التماس کی اے اللہ کے رسول! غنیا بھی ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔ مزید براں وہ صدقہ خیرات کرتے ہیں۔ غلام آزاد کرتے ہیں۔ ہم افلاس و ناداری کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتے اور ثواب سے محروم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا میں تم لوگوں کو کوئی ایسی چیز بتا دوں جس کے باعث تم لوگ ان کے مدارج کو پالو۔ مالدار لوگوں میں سے کوئی شخص تم سے بہتر و برتر نہ رہے گا بجز اُن شخص کے جو تمہارے جیسا عمل کرے۔ انھوں نے کہا بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد ۳۳-۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھ لیا کرو۔ چند روز کے بعد فقرائے مہاجرین دوبارہ

آستانِ نبوت میں حاضر ہوئے اور التماس کی یا رسول اللہ ہمارے غنی بھائیوں نے بھی وہ وظیفہ سن کر پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ اور وہ ہم سے پھر گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اس فضل سے نوازتا ہے۔ رواہ البخاری و مسلم۔ یعنی میں اس فضل الٰہی کو اغنیاء سے روک نہیں سکتا۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ غنی شاکر غریب صابر سے افضل ہے لیکن دولت مند طرح طرح کے خوف عصیاں کے حصار میں گھرے ہوئے ہیں اور غرباء و مساکین اس سے مامون ہیں امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ غنی اور فقیر میں سے افضل کون ہے۔ جنیدؒ اور خواصؒ اور اکثر بزرگوں نے فقر و فاقہ کو افضل کہا ہے۔ لیکن ابن عطاءؒ کے نزدیک غنی شکر گزار جو غنا و ثروت کا حق ادا کرتا ہو فقیر صابر سے افضل ہے (علی قاریؒ)

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمدُ للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہے۔ یہ ننانوے ہوئے پھر یہ کلمہ پڑھ کر سو پورے کرے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اس کے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اگرچہ مثل جھاگ دریا کے ہوں۔ رواہ مسلم۔

سوال:- پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کون سا ذکر بلند آواز سے پڑھتے تھے؟

جواب:- آپ فرض نماز کا سلام پھیر کر باواز بلند کہا کرتے تھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ رواہ مسلم

سوال:- حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک سفر میں ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف ہمراہی حاصل تھا۔ لوگوں نے باواز تکبیر پکارنی شروع کی۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو (یعنی آہستہ ذکر کرو) نہ تم بہرے کو پکار رہے ہو۔ اور نہ غائب کو۔ تم سمیع و بصیر کو پکار رہے ہو۔ جو (باعتبار علم و قدرت) تمہارے ساتھ ہے۔ تم

اُس ذات برتر کو یاد کر رہے ہو جو تمہاری سواری کی گردن سے بھی کہیں زیادہ تم سے قریب ہے رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ باب ثواب التسبیح والتحمید والتہلیل والتکبیر) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر جہر پسندیدہ نہیں لیکن مسلم کی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ سلام پھیر کر بآواز بلند لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الخ پڑھا کرتے تھے۔ تو اس رفع صوت کی کیا وجہ تھی؟

جواب:- یہ رفع صوت حضرات صحابہ علیہم الرضوان کی تعلیم کے لئے تھا۔ حسب بیان علی قاری رح امام محی الدین نووی رح نے کتاب مہذب میں لکھا ہے کہ اس ذکر اور دوسرے ادعیہ واذکار کو امام اور منفرد سب کے لئے آہستہ پڑھنا افضل ہے۔ مگر جب ان کی تعلیم کی حاجت ہو تو پکار کر پڑھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پکار کر پڑھنا تعلیم ہی کے لئے تھا۔ جب لوگوں کو یاد ہو جائے تو چپکے پڑھنا افضل ہے۔

سوال:- ان کے علاوہ اور کون سے وظائف نماز کے سلام کے بعد پڑھے جائیں؟

جواب:- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کو یہ کلمات سکھایا کرتے اور فرماتے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے پیچھے ان الفاظ کے ذریعہ سے پناہ چاہتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ (رواہ البخاری) (**ترجمہ**) الٰہی! میں نامردی (یعنی بزدلی اور کم ہمتی) سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور بخیلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور (بڑھاپے کی) ناکارہ عمر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور فتنۂ دنیا اور عذاب آخرت سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن عامر صحابی رض کو حکم دیا تھا کہ ہر نماز کے پیچھے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھا کریں۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔

آپ نے نماز کے بعد یہ پڑھنے کے لئے بھی ارشاد فرمایا ہے:- اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (الٰہی! میرے وہ گناہ بخش دے جو میں نے پہلے کئے اور جو پیچھے کئے۔ (یعنی اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر) اور جو میں نے پوشیدہ کئے اور جو ظاہر کئے اور وہ جو میں نے اپنے نفس پر زیادتی کی (گناہوں کے ارتکاب سے یا لوگوں کے حقوق دبانے سے) اور وہ گناہ جن کو تو میری نسبت زیادہ جاننے والا ہے۔ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے (یعنی مومنوں کا رتبہ) اور تو ہی (کافروں کو رتبہ میں) پیچھے

ڈالنے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں) رواہ مسلم وابو داؤد والترمذی + اور ایک دعا یہ ہے اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ (یا اللہ اپنے ذکر اور اپنے شکر اور حسن عبادت میں میری مدد کر۔ یعنی یہ کام بحسن وخوبی اور بکثرت ادا کروں) رواہ ابو داؤد والنسائی والحاکم + ایک یہ ہے:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ (الٰہی! میں کفر سے اور محتاجی اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں) رواہ النسائی والحاکم وابن ابی شیبہ

سوال:۔ فرض کے سلام کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنے کے بارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارشاد ہے

جواب:۔ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی ہر نماز کے پیچھے آیۃ الکرسی پڑھے اس کے داخلۂ جنت میں موت کے سوا کوئی مانع نہیں اور جو کوئی اسے بستر پر سوتے وقت پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے گھر کو اور اس کے ہمسایہ کے گھر کو اور ارد گرد کے کئی گھروں کو امن دیتا ہے رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال اسنادہ ضعیف۔ گو یہ حدیث ضعیف ہے لیکن نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنا بزرگوں کا عام معمول چلا آتا ہے۔

سوال:۔ طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک اور عصر سے غروب تک ذکر الٰہی کرنے کا کیا ثواب ہے؟

جواب:۔ حضرت انس رضی سے مروی ہے کہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا اس قوم کے پاس بیٹھنا جو صبح سے طلوع آفتاب تک یاد الٰہی میں مصروف رہے مجھے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلام آزاد کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ رواہ ابو داؤد اور فرمایا کہ جو کوئی نماز صبح جماعت سے پڑھ کر طلوع آفتاب تک اللہ کی یاد میں بیٹھا رہے اور طلوع کے کچھ دیر بعد دو رکعت نماز پڑھے، اس کو حج اور عمرے کا ثواب ہوگا۔ پھر آپ نے تین بار فرمایا کہ پورے حج اور عمرے کا۔ رواہ الترمذی +

سوال:۔ یہ سب اذکار جو اوپر زیب رقم ہوئے ہیں۔ فرض کا سلام پھیرنے کے بعد پڑھے جائیں یا سنتوں اور نفلوں کے بعد نماز پوری کر کے؟

جواب:۔ فرضوں کے سلام کے بعد۔

سوال:۔ لیکن حدیث سے تو مترشح ہوتا ہے کہ پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم فرض کا سلام پھیرنے کے بعد اتنی دیر نہیں بیٹھتے تھے جس میں متذکرہ صدر اذکار میں سے نصف یا ثلث ہی پڑھے جا سکیں۔ چنانچہ مروی ہے:

عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم لم یقعد الا مقدار ما یقول اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔ رواہ مسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا سلام پھیرتے تو اس سے زیادہ مقدار نہ بیٹھتے کہ اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام کے برابر کچھ پڑھ سکیں۔

(مشکوٰۃ)

جواب:- اس حدیث کا یہ مطلب نہیں جو سمجھا گیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:- اَولیٰ یہ ہے کہ ان اذکار کو سنتِ مؤکدہ سے پہلے ادا کرے۔ کیونکہ بعض اذکار میں تو اس کی تصریح ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جو شخص نماز مغرب اور صبح کے بعد کو ٹلنے اور پاؤں موڑنے سے پہلے یہ کہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الخ اور جیسے راوی کا یہ قول کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا سلام پھیرتے تو بلند آواز سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الخ کہتے۔ اور بعض اذکار میں ظاہراً اس پر دلالت ہے جیسے یہ بیان کہ نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے۔ رہا حضرت عائشہ رض کا یہ قول کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے تو اس سے زیادہ نہیں بیٹھتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ پڑھیں تو اس قول کے کئی احتمال ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے کہ آپ نماز کی ہیئت پر اس مقدار سے زیادہ نہیں بیٹھتے تھے بلکہ داہنے یا بائیں رُخ مُڑ جاتے تھے۔ یا لوگوں کی طرف منہ کر لیتے تھے تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اذکار و ادعیہ بھی نماز میں داخل ہیں۔ اور ازاں جملہ یہ ہے کہ آپ سوائے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ اور اذکار احیاناً چھوڑ دیتے تھے۔ اس سے یہ جتلانا مقصود ہوتا تھا کہ اذکار و ادعیہ فرض نہیں ہیں۔ (النفائس المرغوبہ)

فصل ۴۲- واجباتِ نماز

سوال:- واجبات نماز سے کیا مراد ہے؟

جواب:- واجبات نماز ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا نماز میں ادا کرنا ضروری ہے اگر ان میں

سے کوئی چیز سہواً چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو کر لینے سے نماز درست ہو جاتی ہے۔ اگر سجدۂ سہو نہ کیا یا قصداً کوئی واجب چھوڑا تو نماز کا لوٹانا واجب ہے۔ اگر کوئی ایسی نماز کو نہ دہرائے گا تو فاسق اور گنہ گار ہوگا۔ کیونکہ ترک واجب مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے انسان فاسق اور گنہ گار ہوتا ہے۔ اسی طرح جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے مثلاً بول و براز کو بدقّت روک کر یا جاندار کی تصویروں والا کپڑا پہن کر نماز ادا کی جائے۔ تو ایسی نماز کا دُہرانا واجب ہے۔

سوال:- واجبات نماز کتنے ہیں اور کیا کیا ہیں؟

جواب:- واجبات نماز پندرہ ہیں:- (۱) تمام نمازوں کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا (۲) فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور واجب اور سنت اور نفل نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت یا ایک بڑی آیت یا چھوٹی تین آیتیں یا دو آیتیں جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہوں پڑھنا۔ سورت جس کا پڑھنا واجب ہے اس سے بہت چھوٹی سورت مثل سورۂ کوثر کے مُراد ہے۔ یا جو چھوٹی سورت کے قائمقام ہو جیسے سورۂ مدثّر کی یہ تین آیتیں ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ۔ چھوٹی تین آیتوں سے کم ملانا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر کوئی شخص مغرب یا عشاء کی پہلی یا دُوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دُوسری سُورت ملانا بھول جائے تو اُسے تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دُوسری سورت پڑھ لینی چاہیئے! اخیر میں سجدہ سہو کرلے۔ فرض کی پچھلی دو رکعتوں میں سورت کا ملانا خلاف سنت ہونے کے باعث مکروہ تنزیہی ہے۔ (۳) فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں کو قراءت کے لئے معیّن کرنا۔ فرض قراءت کے باب میں مشہور قول دو ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ قراءت کی جگہ خاص پہلی دو رکعتیں ہیں۔ بدائع میں اسی کی تصحیح کی ہے۔ دُوسرا قول یہ ہے کہ محل قراءت بلاتعیین دو رکعتیں ہیں تو اس صورت میں تعیین پہلی دو رکعتوں میں واجب ہے اور مذہب مشہور یہی ہے۔ (۴) سورۂ فاتحہ کو دوسری سورت سے پہلے پڑھنا پس دُوسری سورت کا ایک حرف بھی سُورۂ فاتحہ سے پہلے پڑھا جائے گا۔ تو سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ شامی نے کہا کہ حرف سے مراد اتنی دیر پڑھنا ہے جس میں ایک رکن ادا ہو جائے۔ اگر ادائے رکن سے کم دیر لگے گی تو سجدۂ سہو لازم نہ آئے گا۔ (۵) قراءت اور رکوع میں اور سجدوں اور رکعتوں میں ترتیب قائم رکھنا۔ ترتیب رکعات کی صورت مسبوق میں ظاہر ہوتی ہے۔

مثلاً چار رکعتوں میں اگر کسی کو صرف آخری رکعت ملی تو اب وہ کھڑا ہو کر پہلے قرأت والی دوگانہ کو ادا کرے۔ پھر بلا قرأت والی کو۔ اگر پہلی رکعت کا ایک سجدہ بھول گیا تو اس کو قضا کرے اگرچہ سلام پھیرنے کے بعد ہو۔ لیکن کلام کرنے سے پیشتر قضا کرے یعنی اس وقت تک کوئی مفسدِ صلوٰۃ کام نہ کیا ہو۔ لیکن اس سجدہ کی قضا کے بعد فقط التحیات یعنی عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ تک پڑھے پھر سجدۂ سہو کرے۔ پھر التحیات اور درود اور دُعا پڑھ کر سلام پھیرے۔ (۶) تعدیل ارکان یعنی رکوع اور سجدہ کو اچھی طرح اطمینان سے ادا کرنا (۷) قومہ کرنا یعنی رکوع سے اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا (۸) جلسہ یعنی دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے سیدھا بیٹھ جانا لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک رکوع اور سجود کی طمانینت اور قومہ اور جلسہ میں اطمینان سے ٹھیرنا۔ یہ چاروں فرض ہیں ان کے نہ ہونے سے نماز درست نہیں ہوتی ۔

(۹) قعدۂ اُولیٰ یعنی تین اور چار رکعت والی نماز میں دو رکعتوں کے سر پر تشہد کی مقدار بیٹھنا۔ امام محمدؒ نفل میں ہر دوگانہ کے بعد قعدہ فرض کہتے ہیں۔ لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ نفلوں میں بھی قعدۂ اُولیٰ واجب ہے نہ کہ فرض (۱۰) دونوں قعدوں میں تشہد یعنی التحیات پڑھنا (۱۱) امام کو نماز فجر، مغرب، عشاء، جمعہ، عیدین، تراویح اور رمضان المبارک کے وتروں میں آواز سے قرأت کرنا اور ظہر اور عصر اور دن کے نفلوں میں آہستہ پڑھنا۔ (۱۲) السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز سے علیحدہ ہونا (۱۳) نماز وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے اللہ اکبر کہہ کر دعائے قنوت پڑھنا۔ (۱۴) عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز میں زائد تکبیریں کہنا (۱۵) ارکان کا پے بہ پے ادا کرنا۔ پس اگر رکوع مکرر کیا یا تین سجدے کئے یا پہلے تشہد کے بعد درود پڑھا جس کی وجہ سے تیسری رکعت کے قیام میں دیر ہو گئی تو ارکان کو پے در پے ادا نہ ہونے کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم آئے گا۔

سوال ۱:- فرض اور واجب میں عملاً کیا فرق ہے ؟

جواب:- فرض کے ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور واجب کے ترک سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ اگر سجدۂ سہو کر لیا تو نماز درست ہو گئی اور اگر سجدۂ سہو نہ کیا یا کوئی واجب دانستہ ترک کیا تو نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے۔ دوسرے ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ نے فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں کیا ہاں بعض واجبات اور بعض سُنن کے ترک پر سجدۂ سہو کے وہ بھی قائل ہیں ۔

فصل ۶۵ - نماز کی سُنّتیں

سوال ۱۔ نماز کی سنّتوں سے کیا مُراد ہے اور ان کے تارک کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ نماز میں جو افعال حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور ان کی تاکید فرض اور واجب کے برابر نہیں انہیں سنت کہتے ہیں۔ ان امور میں سے کوئی کام سہواً چھوٹ جائے تو اس سے نہ نماز فاسد ہوتی ہے نہ کوئی گناہ لازم آتا ہے۔ اور نہ سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اور قصداً چھوڑنے سے گو نماز نہیں ٹوٹتی اور سجدۂ سہو بھی لازم نہیں آتا لیکن چھوڑنے والا ملامت کا مستحق ضرور ہے۔

سوال ۱۔ نماز میں کتنی اور کیا کیا سنتیں ہیں؟

جواب:۔ نماز میں پچیس (۲۵) سنتیں ہیں (۱) تکبیرِ تحریمہ کہنے سے پہلے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا (۲) تکبیر کے وقت ہتھیلیوں کو اور ہاتھوں کی انگلیوں کو اپنے حال میں کھلی اور قبلہ رُخ رکھنا۔ انگلیوں کو اپنے حال پر چھوڑنے سے مُراد یہ ہے کہ نہ تو بالکل ملائیں اور نہ بہ تکلّف کشادہ رکھیں (۳) تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت سر کو نہ جھکانا۔ (۴) امام کا تکبیرِ تحریمہ اور ایک رُکن سے دُوسرے میں جانے کی تمام تکبیریں بقدرِ حاجت بلند آواز سے کہنا (۵) تکبیرِ تحریمہ کے بعد فی الفور اس طرح ہاتھ باندھ لینا کہ داہنی ہتھیلی بائیں ہتھیلی پر ہو۔ داہنے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں کلائی کو پکڑیں اور تین انگلیاں بائیں کلائی پر بچھائیں۔ (۶) ثنا یعنی سُبحانکَ اللّٰھُمَّ اخیر تک پڑھنا (۷) ثنا کے بعد تعوّذ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا (۸) اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا (۹) فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت کے قیام میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا۔ (۱۰) ہر مرتبہ سورۂ فاتحہ ختم کر کے آمین کہنا (۱۱) سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اور بِسْمِ اللّٰہِ اور آمین سب کو آہستہ دل میں پڑھنا (۱۲) بقدرِ مسنون قراءت کرنا یعنی جس نماز میں جس قدر قرآن مجید پڑھنا مسنون ہے اس کے مطابق قراءت کرنا (۱۳) رکوع اور سجود میں تین تین مرتبہ تسبیح پڑھنا (۱۴) تکبیراتِ انتقالی یعنی رکوع اور سجدہ وغیرہ کو جاتے ہوئے اللہ اکبر کہنا (۱۵) رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ تین بار کہنا (۱۶) رکوع میں سر اور پیٹھ کو ایک سیدھ میں رکھنا اور ہاتھوں کی کھلی انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑنا (۱۷) قومہ میں امام کا سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور مقتدی کا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ اور تنہا کا دونوں کہنا (۱۸) سجدے

میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ اور پھر پیشانی رکھنا اور ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی قبلہ رُخ رکھنا (۱۹) سجدوں میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھنا (۲۰) جلسہ اور قعدہ میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور داہنے پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھنا کہ اس کی انگلیوں کے سرے قبلہ رُخ رہیں (۲۱) تشہد میں دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا (۲۲) تشہد میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ پر کلمہ کی انگلی سے جسے انگشت سبّابہ بھی کہتے ہیں اشارہ کرنا (۲۳) قعدۂ اخیرہ میں تشہد یعنی عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تک پڑھنے کے بعد درود پڑھنا (۲۴) درود کے بعد دُعا پڑھنا (۲۵) پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرنا ❊

بعض کتب فقہ میں یہ سنن بھی مذکور ہیں (۱) رکوع میں دونوں ہاتھوں کا پہلوؤں سے جُدا رکھنا (۲) حالت سجدہ میں مردوں کو اپنے پیٹ کا زانوؤں سے اور کہنیوں کا پہلوؤں سے علیحدہ رکھنا اور ہاتھوں کی باہوں کو زمین سے اُٹھا ہوا رکھنا (۳) دوسرے سجدے سے پنجوں کے بل گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھنا۔ کمزوری اور بڑھاپے میں زمین پر ہاتھ کر اُٹھنے میں حرج نہیں (۴) قعدۂ اُولیٰ کے بعد تیسری رکعت کے لیئے زمین پر ہاتھ رکھ کر نہ اُٹھنا۔ حالت عذر میں اس کی بھی اجازت ہے۔ (۵) امام کو سلام میں اپنے تمام مقتدیوں کی اور ساتھ رہنے والے فرشتوں کی نیت کرنا اور مقتدیوں کو اپنے ساتھ نماز پڑھنے والوں کی اور ساتھ رہنے والے فرشتوں کی اور اگر امام داہنی طرف ہو تو داہنی طرف کے سلام میں اور بائیں طرف ہو تو بائیں طرف کے سلام میں اور سامنے ہو تو دونوں طرف کے سلاموں میں امام کی بھی نیت کرنا (۶) امام کا پہلے سلام کی نسبت دوسرے سلام کو پست آواز میں کہنا۔

فصل ۶۶ نماز کے آداب و مستحبات

سوال:۔ نماز کے مستحبات کیا کیا ہیں؟

جواب:۔ نماز میں یہ افعال مستحب ہیں:۔ (۱) مرد کو تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ آستینوں سے باہر نکال لینا۔ عورت کپڑے کے اندر ہی رکھے (۲) حالت قیام در رکوع میں دونوں قدموں کے درمیان بقدر چار انگشت فاصلہ چھوڑنا (۳) منفرد کو رکوع اور سجدے میں تین مرتبہ سے زیادہ تسبیح کہنا۔ لیکن تعداد میں طاق عدد کا لحاظ رکھے۔ مثل پانچ سات یا نو مرتبہ کے۔ اور اگر امام رکوع و سجود میں کافی دیر ٹھیرتا ہو تو مقتدیوں کو بھی

تین سے زیادہ مرتبہ تسبیحات کہنا چاہیے (۴) حالت قیام میں سجدہ کی جگہ پر اور رکوع میں قدموں کی پیٹھ پر اور جلسہ اور قعدہ میں اپنی گود پر اور سلام کے وقت اپنے مونڈھے پر نظر رکھنا (۵) اپنی طاقت بھر کھانسی کو روکنا (۶) جمائی میں منہ بند رکھنا اور کھل جائے تو حالتِ قیام میں داہنے ہاتھ کی پشت سے اور باقی حالتوں میں بائیں ہاتھ کی پشت سے یا دونوں حالتوں میں آستین سے منہ ڈھانکنا۔ منہ بند کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں اور خارج نماز کے جمائی لینا مکروہ ہے اور کھڑے ہونے میں داہنا ہاتھ اس لئے کہا کہ ایک ہی ہاتھ میں حرکت ہو۔ نچلے ہونٹ کو دانتوں کے نیچے دبانے سے جمائی عموماً رک جاتی ہے اگر ہونٹ کو دانتوں کے نیچے دبا کر جمائی روکنے کی کوشش نہ کی تو مکروہ ہوگا۔ کذا فی الخلاصہ۔ جمائی کے دور کرنے کی عمدہ ترکیب یہ ہے کہ اپنے دل میں سوچے کہ انبیاء علیہم السلام نے جمائی نہیں لی۔ قدوری اور شامی کا بیان ہے کہ ہم نے بارہا تجربہ کیا جمائی فوراً دور ہوگئی ۔

فصل ۱۷۔ نماز پڑھنے کی پوری ترکیب

سوال:۔ نماز پڑھنے کی پوری ترکیب کیا ہے ؟

جواب:۔ پاک کپڑے پہن کر پاک جگہ پر قبلے کی طرف منہ کر کے باوضو اس طرح کھڑے ہوں کہ دونوں قدموں میں تقریباً چار انگل کا فاصلہ رہے۔ پھر جو نماز پڑھنی ہے اس کی نیت دل سے کریں۔ مثلاً یہ کہ فجر کے فرض پڑھتا ہوں اور زبان سے بھی کہہ لیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلیاں اور انگلیاں قبلہ رخ رہیں۔ اور ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل ہوں۔ اور انگلیاں کھلی رہیں۔ اب اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لیں۔ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رہے اور انگوٹھے اور چھنگلیا سے بطور حلقہ گٹے کو پکڑ لیں۔ اور باقی تین انگلیاں کلائی پر رہیں۔ اب آہستہ آہستہ ثنا پڑھیں۔ اس وقت نگاہ مقام سجدہ پر رہے۔ پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورۂ الحمد پڑھیں۔ اور اختتام پر دل میں آمین کہیں۔ پھر کوئی اور سورت یا کوئی ایک بڑی آیت یا چھوٹی چھوٹی تین آیتیں یا دو ایسی آیتیں جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہوں پڑھیں ۔

لیکن اگر امام کے اقتدا میں نماز پڑھ رہے ہوں تو صرف سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھ کر خاموش

کھڑے رہیں۔ اعوذ باللہ، بسم اللہ اور الحمد اور دوسری سورت کچھ نہ پڑھیں۔ قراءت ٹھیر کر نہایت صحیح صحیح پڑھیں۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائیں۔ اور ہاتھ کی انگلیوں کو کھول کر ان سے گھٹنوں کو اس طرح پکڑیں کہ ہاتھ کی انگلیاں قبلہ کی سیدھ میں رہیں۔ اس وقت سر کو پیٹھ کی سیدھ میں رکھیں اور پیٹھ کو ایسا سیدھا اور ہموار کریں کہ اگر اس پر پانی کا پیالہ رکھ دیا جائے تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہ گرے۔ رکوع میں ہاتھ پسلیوں سے علیحدہ اور پنڈلیاں سیدھی کھڑی رہیں۔ رکوع میں تین یا پانچ یا سات مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم پڑھیں۔ پھر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جائیں اور اکیلے نماز پڑھیں یا مقتدی ہوں تو اس کے بعد اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہیں۔ اور اگر منفرد ہوں اور زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہیں تو اس کے بعد حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ بھی پڑھیں بلکہ اگر مقتدی کو موقع ملے تو وہ بھی حمداً کثیراً الخ پڑھ لے۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جائیں ۔

سجدہ میں پہلے دونوں گھٹنے، پھر دونوں ہاتھ، پھر ناک، پھر پیشانی زمین پر رکھیں۔ سجدہ میں چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اور انگوٹھوں کے سرے کانوں کی لَو کے بالمقابل رہیں۔ اس وقت ہاتھوں کی انگلیاں ملائے رکھیں تاکہ سب کے سر قبلہ جانب رہیں۔ کہنیاں پسلیوں سے اور پیٹ رانوں سے الگ رکھیں۔ صرف کفِ دست یعنی ہتھیلیاں زمین پر ہوں۔ کلائیاں اور کہنیاں زمین سے اٹھی رہیں۔ پیشانی اور ناک کو خوب زمین پر جما دیں اور دونوں پاؤں کی سب انگلیوں کے سرے قبلہ رُو جمے ہوں ۔

سجدے میں تین یا پانچ یا سات مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہیں۔ پھر پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ سے اٹھیں اور اطمینان سے بیٹھ جائیں۔ اگر منفرد ہوں تو دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھ کر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ پڑھیں اور اگر مقتدی ہوں اور امام دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر نہ بیٹھتا ہو جس میں یہ دُعا پڑھی جا سکے تو دُوسرے سجدے کو جاتے ہوئے پڑھ لیں۔ اور اگر اتنا بھی موقع نہ ہو تو صرف اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ کہہ لیں پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کریں۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے اُٹھیں۔ اُٹھنے میں پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے اُٹھا کر پنجوں کے بل سیدھے کھڑے ہو جائیں اور ہاتھ باندھ لیں اور بسم اللہ اور الحمد للہ اور کوئی دوسری سورت پڑھیں امام کے پیچھے ہوں تو کچھ نہ پڑھیں۔ خاموش کھڑے رہیں۔ پھر حسب سابق رکوع اور سجدہ اور جلسہ اور دوسرا سجدہ کریں ۔

دُوسرے سجدے سے اُٹھ کر بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں اور داہنا پاؤں کھڑا رکھیں اور

دونوں ہاتھ رانوں پر رکھیں اور التحیّات پڑھیں۔ جب اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ پر پہنچیں تو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور درمیانی انگلی سے حلقہ باندھ لیں۔ اور چھنگلیا یعنی سب سے چھوٹی انگلی اور اس کے پاس والی انگلی کو بند کر لیں۔ اور سبّابہ یعنی انگشت شہادت اٹھا کر اشارہ کریں۔ لَا اِلٰہَ پر سبّابہ اُٹھائیں اور اِلَّا اللّٰہ پر جھکا دیں۔ اور اسی طرح اخیر تک حلقہ باندھے رکھیں۔ اگر دو رکعت والی نماز ہے تو التحیات ختم کرنے کے بعد پہلے درود اور پھر دُعا پڑھیں۔ پھر داہنی اور بائیں طرف سلام پھیریں۔ اور اگر تین یا چار رکعت والی نماز ہے تو تشہد یعنی التحیات کے بعد درُود نہ پڑھیں بلکہ تکبیر کہتے ہوئے کھڑے ہو جائیں۔ اور اگر یہ نماز فرض ہے تو تیسری اور چوتھی رکعت کے قیام میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھیں۔ اور اگر وتر یا سنت یا نفل ہے تو سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورت بھی ملائیں۔ اور تیسری اور چوتھی رکعت پوری کر کے دونوں طرف سلام پھیر دیں ؂

فصل ۶۸۔ رکعاتِ نماز

سوال۔ نماز پنجگانہ میں فرض کی کتنی کتنی رکعتیں ہیں ؟

جواب۔ فجر میں دو رکعت، ظہر اور عصر میں چار چار رکعت، مغرب میں تین اور عشاء میں چار رکعت

سوال۔ واجب کی کتنی کتنی رکعتیں ہیں ؟

جواب۔ واجب صرف نماز وتر ہے۔ جس کی تین رکعتیں ہیں اور نماز عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

سوال:۔ کون کون سی نمازیں سنت موکّدہ ہیں ؟

جواب۔ دو رکعتیں فریضۂ فجر سے پہلے۔ چار رکعتیں (ایک سلام سے) فرض ظہر سے پہلے اور چار رکعتیں فریضۂ جمعہ سے پہلے۔ دو رکعتیں فرض ظہر کے بعد اور چار رکعتیں فریضۂ جمعہ کے بعد۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فرض جمعہ کے بعد سنّت موکّدہ کی چھ رکعتیں ہیں۔ پہلے چار (ایک سلام سے) اور پھر دو۔ اور احتیاط بھی اسی میں ہے کہ چار رکعتوں کی بجائے چھ رکعت سنت موکّدہ پڑھی جائیں۔ مغرب کے فرض کے بعد اور فریضۂ عشاء کے بعد بھی دو دو رکعت سنت موکّدہ ہیں۔ ماہ صیام میں نماز تراویح کی بیس رکعتیں بھی سنت موکّدہ ہیں۔

سوال۔ کون کون سی نمازیں سنت غیر موکّدہ ہیں ؟

جواب: ۔ نماز عصر سے پہلے چار رکعتیں عشاء کی سنت مؤکدہ کے بعد دو رکعتیں مغرب کی سنتِ مؤکدہ کے بعد چھ رکعتیں۔ یہ چھ رکعتیں نماز اوابین کہلاتی ہیں۔ بعد از فریضہ جمعہ کی چھ رکعت سنت مؤکدہ کے بعد دو رکعتیں۔ تحیۃ الوضو کی دو رکعتیں۔ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں۔ نماز چاشت کی چار یا آٹھ رکعتیں۔ نماز وتر کے بعد دو رکعتیں۔ ان دو رکعتوں کے پڑھنے میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ تہجد نہ پڑھنے والوں کے لیے یہ دو رکعتیں تہجد کا بدل ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ رات کی بیداری مشکل اور بھاری ہے۔ سو چاہیئے کہ جب (سونے سے پہلے) وتر سے فراغت حاصل کرو تو دو رکعت نفل پڑھ لو۔ اگر رات کو تہجد کے لیے اُٹھے تو بہتر۔ ورنہ یہ دو رکعتیں ثواب میں تہجد متصور ہونگی۔ رواہ الترمذی والدارمی۔ نماز تہجد کی چار یا چھ یا آٹھ رکعتیں ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر تہجد کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ اور سنت یہی ہے۔ کہ جس کسی کو اپنی ذات پر اعتماد ہو وہ وتر تہجد کے بعد آخر رات میں پڑھے اور اگر اعتماد نہ ہو تو سونے سے پہلے پڑھ لے کہ احتیاط اسی میں ہے۔ تہجد کے علاوہ نماز استخارہ، صلوٰۃ التسبیح، نماز توبہ اور نماز حاجت وغیرہا بھی سُنن غیر مؤکدہ ہیں۔

سوال: عشاء کی دو رکعت سنت مؤکدہ کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا عام رواج ہے اس کا ثبوت حدیث سے مل سکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ اُم المومنین حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی نماز عشاء پڑھ کر میرے پاس تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعتیں ضرور پڑھتے۔ رواہ احمد و ابوداؤد۔ ان چار یا چھ رکعتوں میں دو مسئولہ نفل بھی داخل ہیں۔

سوال: فریضہ عشاء سے پہلے چار رکعت سنت پڑھنے کا عام رواج ہے۔ حدیث سے ان چار رکعتوں کا کوئی ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے مدارج النبوت میں لکھا کہ فریضہ عشاء سے پہلے چار رکعتیں کسی حدیث میں نظر سے نہیں گزریں اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے باشندے ان کو قطعاً نہیں پڑھتے مگر کتب حنفیہ میں ان کو مستحب لکھا ہے" صغیری شرح منیۃ المصلّی میں ہے کہ حلبی نے غنیہ میں لکھا کہ عشاء سے پہلے چار رکعت سنت غیر مؤکدہ کسی حدیث میں مروی نہیں۔ البتہ اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بَیْنَ کُلِّ اَذَانَیْنِ صَلٰوۃٌ ثُمَّ قَالَ لِمَنْ شَاءَ (ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے پھر فرمایا اس کے لیے جو پڑھنا چاہے) اس سے نماز کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ اور چار رکعتیں اس بناء پر اختیار کی گئیں کہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک چار رکعتیں ہی افضل ہیں۔ (امداد الفتاوی)

سوال۔ باعتبارِ اہمیت سُنن مؤکّدہ میں کیا ترتیب ہے؟

جواب۔ شیخ عبدالحق مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ یہ کہیں مروی نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے سفر میں سنت فجر کے سوا کوئی اور سنت مؤکّدہ پڑھی ہو۔ اور بعض روایتوں میں دو رکعت سنت ظہر بھی آئی ہیں۔ بعض کے نزدیک سنت فجر وتر کی طرح واجب ہے اور کہتے ہیں کہ سنت فجر ابتدائے عمل ہے اور وتر ختم عمل۔ اس لیے ان دونوں کا اہتمام زیادہ تھا۔ ان دونوں کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ غرض سُنن میں سب سے زیادہ اہم واقویٰ فجر کی دو رکعت ہے۔ اس کے بعد دو رکعت سنت مغرب۔ اس کے بعد دو رکعت بعد از فریضۂ ظہر۔ اس کے بعد دو رکعت بعد العشاء۔ اس کے بعد چار رکعت قبل از فرض ظہر۔ کذا فی الشمنی۔

تمام سنتوں اور نفلوں کو مسجد کے بجائے گھر میں پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔ سوائے چند سنتوں اور نفلوں کے کہ ان کو مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔ جیسے نماز تراویح، تحیۃ المسجد، سورج گرہن کی نماز وغیرہ۔ شیخ عبدالحق سفر السعادت سے ناقل ہیں کہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم تمام سنن و نوافل اپنے آستان مبارک ہی میں پڑھا کرتے تھے اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو اسی کی ترغیب و تحریک فرماتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ مکتوبہ کو چھوڑ کر مرد کی محبوب تر نماز وہ ہے جو گھر میں ادا کی جائے۔

فصل ۶۹۔ نمازِ وتر

سوال۔ نماز وتر فرض ہے یا واجب؟

جواب۔ نماز وتر واجب ہے لیکن اس کے پڑھنے کی تاکید فرضوں کے برابر ہے۔ اور اگر چھوٹ جائے تو اس کی قضا واجب ہے۔ اور وتر کو بلا عذر چھوڑنا بڑا جرم ہے۔ بُریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ وتر حق (یعنی واجب) ہے۔ جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ اس کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ رواہ ابوداؤد اور خارجہ بن حُذافہ سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ خدائے عزیز و برتر نے ایک ایسی نماز سے تمھاری امداد فرمائی جو تمھارے واسطے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ نماز وتر ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کو تمھارے واسطے نماز عشا اور طلوع فجر کے درمیان مقرر فرمایا ہے۔ رواہ الترمذی وابوداؤد۔ یعنی اس کے درمیان جب چاہو پڑھ لو۔

سوال: ۔ نماز وتر کی کتنی رکعتیں ہیں اور اس کے پڑھنے کی کیا ترکیب ہے؟

جواب: ۔ نماز وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ نماز مغرب کی طرح اس میں بھی دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھتے ہیں۔ اور التحیّات پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر تیسری رکعت پڑھ کر قعدہ میں بیٹھتے ہیں۔ اور التحیات، درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں۔ نماز وتر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ تیسری رکعت میں سورۂ الحمد اور دوسری سورت سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہیں اور ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور پھر ہاتھ باندھ کر دعائے قنوت آہستہ دل میں پڑھیں۔ پھر رکوع میں جائیں اور باقی نماز حسب معمول پوری کریں۔

سوال: ۔ نماز وتر کی مسنون قراءت کیا ہے؟

جواب: ۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى اور دوسری میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اور قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھا کرتے تھے۔ رواہ الترمذی وابوداؤد۔ اس حدیث کو نسائی نے عبدالرحمٰن بن ابزیٰ خزاعی رضہ سے اور امام احمد نے اُبَیّ بن کعب رضہ سے اور دارمی نے ابن عباس رضہ سے روایت کیا ہے لیکن اُبَیّ بن کعب رضہ اور ابن عباس رضہ کی روایت میں قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کا پڑھنا مذکور نہیں۔ شیخ ابن الہمام نے فرمایا کہ احناف نے آخری روایت پر عمل کیا ہے۔ کہ تیسری رکعت میں صرف قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھتے ہیں۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضہ سے یہ روایت بھی آئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ ہی پڑھتے تھے۔ آپ کبھی وتر میں قصار مفصل کی نو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے جن کی قراءت مفصل کی نو سورتیں ہوتی تھیں۔ ہر رکعت میں تین سورتیں ہوتیں جن میں آخری قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ہوتی تھی رواہ الترمذی۔ شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ بعض روایتوں میں اس مجمل کی تفصیل اس طرح آئی ہے کہ آپ پہلی رکعت میں إِنَّا أَنْزَلْنَا۔ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ اور أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ اور دوسری میں عصر، نصر اور کوثر۔ اور تیسری رکعت میں کافرون اور تبّت اور قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے۔

سوال: ۔ نماز وتر اول شب میں پڑھنی چاہیئے یا آخر شب میں؟

جواب ۔ گو پہلی رات میں بھی نماز وتر کا پڑھنا جائز ہے لیکن پچھلی رات میں ادا کرنا افضل ہے چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو خدشہ ہو کہ آخر رات میں بیدار نہ ہو سکے گا وہ نماز وتر اول شب میں پڑھ لے۔ اور جس کو آخیر رات میں جاگنے کا وثوق ہو وہ نماز وتر آخیر رات میں پڑھے۔ کیونکہ آخیر رات کی نماز حاضر کی گئی ہے۔ اور افضل ہے۔ رواہ مسلم

سوال ۔ وتر کا سلام پھیرنے کے بعد کیا پڑھنا مسنون ہے؟

جواب ۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وتر کا سلام پھیرتے تو تین بار سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ کہتے۔ رواہ النسائی وابو داؤد وابن ابی شیبہ والدارقطنی۔ اور دارقطنی کی روایت میں رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ بھی آیا ہے۔ اور وتر کے بعد یہ پڑھنا بھی مسنون ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ (الٰہی! میں تیری خوشنودی کے ساتھ تیرے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ (یعنی چاہتا ہوں کہ تو راضی ہو غصہ نہ کرے) اور تیری عافیت کی تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور تیری رحمت کی تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف کی) رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجہ۔ آخری الفاظ کے یہ معنی ہیں کہ یہ امر میرے امکان میں نہیں کہ تیری تعریف تیرے لائق بتفصیل ادا کر سکوں۔ مختصر یہ کہ تو ایسا ہے جیسا تو نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ مرقات شرح مشکوۃ میں اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ کے یہ معنی لکھے ہیں کہ تیری ذات کی تیرے آثار صفات سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس میں آیت وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ کی طرف اشارہ ہے۔

سوال ۔ نماز وتر رمضان میں جماعت کے ساتھ پڑھنا مسنون ہے اب سوال یہ ہے کہ جس شخص نے رمضان میں نماز عشاء جماعت سے نہیں پڑھی وہ وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب ۔ شامی نے قہستانی سے نقل کیا ہے کہ جس نے فریضہ امام کے ساتھ نہیں پڑھا وہ وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے۔ لیکن علامہ طحطاوی نے اس کو غلط ٹھیرایا ہے۔ غرض جس طرح تراویح کو جماعت سے نہ پڑھنے والا وتر کو جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح فرض کو تنہا پڑھنے والا بھی وتر کو جماعت سے ادا کر سکتا ہے۔

فصل ۰۷ ۔ دُعائے قنوت

سوال ۔ دعائے قنوت جو وتر کی تیسری رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس کے الفاظ کیا ہیں؟

جواب ۔ دعائے قنوت یہ ہے :۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ ○

رواہ ابن ابی شیبۃ والبیہقی فی السنن الکبیر موقوفاً۔

الٰہی! ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تیرے اُوپر بھروسہ رکھتے ہیں اور تیری بہتر تعریف کرتے ہیں اور تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے اور ہم اس شخص کو علیحدہ کر دیتے اور چھوڑ دیتے ہیں جو تیری نافرمانی کرے۔ الٰہی! ہم تیری ہی عبادت کرتے اور خاص تیرے لیے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے اور تیری عبادت کی طرف کوشش کرتے ہیں۔ اور تیری خدمت کی طرف دوڑتے ہیں۔ تیری رحمت کے اُمیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے :.

سوال :۔ اللہ تعالیٰ کے وہ کون سے نافران ہیں جن سے مومن بندہ دُعائے قنوت میں قطع تعلق کرنے کا اقرار کرتا ہے؟

جواب ۔ مقاطعۂ فاجر کے بارے میں یہ تفصیل ہے۔ کہ اگر اس کا فجور کفر و شرک تک پہنچا ہُوا ہے تو اس سے دوستی اور موالات حرام ہے۔ گو دُنیوی معاملات اور ظاہری برتاؤ میں حُسنِ سلوک ممنوع نہیں۔ اور اگر فاسق و فاجر اپنے فسق کو حلال سمجھتا ہے تو بھی اس سے ترک موالات ضروری ہے۔ اور اگر فاسق مسلمان اپنے گناہ کو گناہ سمجھتا ہے تو اس سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلق ممنوع ہے

سوال ۔ متذکرۂ صدر دُعائے قنوت کے علاوہ وتر میں پڑھنے کی کوئی اور بھی دعائے قنوت ہے؟

جواب - شوافع کے نزدیک قنوتِ وتر یہ ہے :-

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَآ اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ اِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ وَ اِنَّہٗ لَایَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَ لَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَ تَعَالَیْتَ نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ -

رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ و الحاکم فی المستدرک وابن حبان وصححہ

الٰہی! مجھ کو راہ دکھا ان لوگوں میں جن کو تو نے راہ دکھائی - یعنی مجھ کو ہدایت یافتہ لوگوں میں سے کر اور مجھ کو عافیت دے ان لوگوں میں جن کو تو نے عافیت بخشی اور مجھ کو دوست رکھ اُن لوگوں میں جن کو تو نے دوست رکھا - اور میرے لیے اس چیز میں برکت دے جو تو نے مجھے عطا فرمائی - اور مجھے اُس چیز کی بُرائی سے بچا جس کو تو نے مقدّر کیا - تو حکم کرتا ہے جو چاہتا ہے - اور تجھ پر حکم نہیں کیا جاتا - اور وہ شخص ذلیل نہیں ہوتا جس کو تو نے دوست رکھا - اور وہ شخص عزّت نہیں پا سکتا جس سے تو نے عداوت کی - اے ہمارے پروردگار! تو بابرکت ہے اور برتر ہے اور ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔

نسائی کی روایت میں وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ بھی آیا ہے - اور سیوطی نے کتاب عمل الیوم واللیلہ میں قنوت کے بعد یہ درود بھی روایت کیا ہے - صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَسَلَّمَ - امام نووی رح نے فرمایا ہے کہ اس قنوت کے بعد اسی درود کا پڑھنا مستحب ہے - اور امام نووی رح نے لکھا ہے کہ امام قنوت پڑھنے میں جمع کی ضمیریں کہے مثلاً اَھْدِنِیْ کی جگہ اِھْدِنَا اور عَافِنِیْ کی جگہ عَافِنَا اور اگر امام مفرد ضمیریں پڑھے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے کیونکہ امام کو فقط اپنی ذات کے لیے دعا نہ کرنی چاہیئے۔

سوال - کیا شوافع کی اس دعائے قنوت کی روایت صحیح ہے؟

جواب - ابن حبان نے دعائے قنوت اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ الخ کو صحیح بتایا ہے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رح لکھتے ہیں - لیس کما قال بل ھو ضعیف لان فی اسنادہ عبداللہ بن سعید المقبری (ایسا نہیں جس طرح ابن حبان نے لکھا بلکہ وہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی اسناد میں عبداللہ بن سعید مقبری ہے)

سوال - کیا حنفی قنوت کی یہ دونوں دعائیں پڑھیں یا پہلی اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ پر اکتفا کریں؟

جواب - طحطاوی اور شارح منیہ نے کہا بہتر یہ ہے کہ نمازی ان دونوں دعاؤں کو قنوت میں ملا لیا

کرے اور علامہ علی قاریؒ رقم فرماتے ہیں کہ قنوت شافعیہ اَللّٰھُمَّ اھدنی ہے اور ہمارے نزدیک اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَستَعِینُکَ ہے۔ ہمارے علمائے حنفیہ نے اس کو طریق صحیح کے ساتھ طبرانی وغیرہ سے روایت کیا ہے اور شیخ ابن الہمامؒ ابوداؤد سے لائے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جب قبیلہ مُضر پر بد دعا کرتے تھے تو جبرئیل علیہ السلام نے آکر آپ کو سکوت کا اشارہ کیا۔ اور کہا اے محمدؐ! حق تعالیٰ نے آپ کو بُرا کہتے اور لعنت کرنے کو نہیں بھیجا بلکہ آپ ؐ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ بعدازاں جبرئیلؑ نے آپ کو یہ دعا سکھائی اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَستَعِینُکَ الخ۔ اور سیوطی نے بھی اس کو عمل الیوم واللیلہ میں بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ یہ دونوں قنوت پڑھے جائیں اور شیخ ابن الہمامؒ نے فرمایا کہ علماء کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ نمازی دُعائے قنوت میں توقیت نہ کرے یعنی ایک ہی دُعا کا پڑھنا متعین نہ کر دے کیونکہ متعین کرنے میں دعا صدق و رغبت کے بغیر زبان پر جاری ہوتی ہے۔ اور دُوسرے علماء نے فرمایا کہ یہ حکم اللّٰھُمَّ انّا نستعینک کے سوا دُوسری دعاؤں کے بارہ میں ہے یعنی اس کا مقرر کرنا منع نہیں۔ اس لیے کہ صحابہؓ نے اس کے پڑھنے پر اتفاق کیا ہے۔ محیط میں اَللّٰھُمَّ اھْدِنِی کو بھی مستثنیٰ کیا ہے۔ یعنی اس کی توقیت بھی منع نہیں۔

سوال:۔ جس شخص کو کوئی بھی دُعائے قنوت یاد نہ ہو وہ کیا کرے؟

جواب:۔ جس کو دُعائے قنوت یاد نہ ہو وہ اس وقت تک کہ یاد نہیں کر لیتا رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ پڑھے اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِی تین بار بھی پڑھ سکتا ہے۔ اور یہ بھی نہ ہو سکے تو تین بار یا ربّ کہہ لے۔ ذکرہ فی الذخیرۃ۔

سوال:۔ اگر مقتدی نے پوری دعائے قنوت نہیں پڑھی تھی کہ امام نے رکوع کر دیا تو مقتدی کیا کرے؟

جواب:۔ بقیہ دُعائے قنوت چھوڑ دے اور رکوع میں چلا جائے اور اگر مقتدی نے دعائے قنوت میں سے کچھ نہ پڑھا ہو اور خوف ہو کہ امام کے ساتھ رکوع نہ ملے گا تو قنوت کو ترک کر دے۔

سوال:۔ اگر نمازی قرات کے بعد قنوت کو بھول گیا لیکن رکوع میں یاد آگیا تو رکوع میں دُعائے قنوت پڑھے یا نہ پڑھے؟

جواب:۔ نہ پڑھے۔ کیونکہ اس کا محل قیام تھا جو جاتا رہا اور رکوع کو چھوڑ کر قنوت پڑھنے کے لیے قیام کی طرف رجوع نہ کرے۔ کیونکہ دوبارہ کھڑا ہونے میں قنوت واجب کیلئے فرض رکوع کا چھوڑنا لازم آتا ہے اور اگر قیام کی طرف عَود کیا اور قنوت پڑھ کر دوبارہ رکوع نہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ رکوع سابق پوری قرات

کے بعد کیا تھا۔ لیکن اس لحاظ سے کہ دعائے قنوت اپنے موقع سے ٹل گئی سجدۂ سہو کرنا ہوگا۔ اگرچہ دعائے قنوت پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو۔ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) رکوع میں قنوت پڑھا (۲) رکوع سے سر اٹھا کر پڑھا اور رکوع دوبارہ کیا۔ (۳) سر اٹھا کر پڑھا اور رکوع دوبارہ نہ کیا۔ (۴) بالکل قنوت نہ پڑھا۔ نہ رکوع میں نہ اس سے کھڑے ہو کر۔ تو چاروں صورتوں میں سجدۂ سہو اس وجہ سے ہے کہ قنوت اپنی جگہ پر نہ رہا۔ کذا فی الحلبی۔

سوال: مسبوق نے وتر کی تیسری رکعت کا رکوع پایا۔ امام اس سے پہلے قراءت پڑھ چکا تھا۔ مسبوق قنوت کب پڑھے؟

جواب: مسبوق صرف اپنے امام کے ساتھ قنوت پڑھے اور اگر ایک مرتبہ امام کے ساتھ پڑھ چکا تو دوبارہ پڑھنا مشروع نہیں اور جب مسبوق تیسری رکعت کے رکوع میں جماعت سے ملا تو اس کو پوری رکعت مل گئی۔ جس میں قنوت بھی داخل تھا۔ اب باقی ماندہ نماز میں قنوت نہ پڑھے۔ اگر باقی دو رکعتوں میں پڑھے گا تو قنوت بے محل ٹھیرے گا۔ کیونکہ اس کا محل تیسری رکعت تھا۔ جو اس کو مل چکی کذا فی الطحطاوی۔

فصل ا۔ قنوتِ نازلہ

سوال: قنوتِ نازلہ سے متعلق حکم شرعی کیا ہے؟

جواب: جب غلبۂ دشمن یا قحط یا وبا وغیرہ کوئی غیر معمولی حادثہ پیش آئے تو چاہیئے کہ نماز فجر میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد سمع اللّٰہُ لِمَن حمدہ کہہ کر امام اور مقتدی سب ہاتھ باندھ لیں اور امام با آواز دعا مانگے۔ اور مقتدی آمین کہتے رہیں۔ دشمن کے خلاف امام ان الفاظ میں دعائے قنوت مانگے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْنَا عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ ۝ اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَاءَكَ ۝ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَاَنْزِلْ بِهِمْ بَاْسَكَ الَّذِيْ لَا تَرُدُّهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ اس کے علاوہ ائمہ مساجد اپنی زبان میں حسب ضرورت جس قدر چاہیں دعا مانگیں۔ اور مقتدی ہر فقرہ پر آمین کہیں۔ دعا

سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جائیں۔ واضح ہو کہ قنوت میں امام ابویوسف رح سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی منقول ہے۔

سوال۔ کیا قنوتِ نازلہ سنتِ نبوی سے ثابت ہے؟

جواب۔ عاصم احول کا بیان ہے کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ قنوت رکوع سے قبل ہے یا بعد؟ تو انھوں نے فرمایا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم نے قنوت بعد از رکوع کبھی نہیں پڑھی مگر مہینہ بھر جبکہ کفار نے آپؐ کے بھیجے ہوئے ستر قاریوں کو شربتِ شہادت پلایا تھا۔ آپ نے مہینہ بھر قنوت بعد الرکوع پڑھا جس میں قاتلین قُرّاء پر بد دعا کرتے تھے۔ رواہ البخاری و مسلم۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر ایک مہینہ تک پانچوں نمازوں میں دعائے قنوت پڑھی۔ جب آخری رکعت میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہہ چکتے تو بنو سُلَیم کے قبیلوں رِعل، ذکوان اور عُصَیَّہ پر بد دعا کرتے اور مقتدی آمین کہتے رواہ ابوداؤد۔

سوال:۔ آپ لکھتے ہیں کہ قنوت نازلہ صرف صبح کی نماز میں پڑھی جائے حالانکہ فقہ کی مشہور کتاب ''درمختار'' میں لکھا ہے۔ کہ وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت نہ پڑھیں۔ البتہ کسی مصیبت کے وقت امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے اور بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ سب نمازوں میں پڑھے۔ جہری ہوں یا سرّی۔ صحیح کیا ہے؟

جواب۔ نماز جہری میں قنوت پڑھنا بحر الرائق میں شرح نقایہ سے منقول ہے مگر اشباہ میں غایہ سے منقول ہے کہ مصیبت کے وقت امام نماز فجر میں قنوت پڑھے اور شارح مُنیہ کی عبارت سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حنفیوں کے نزدیک قنوتِ مصیبت خاص فجر کی نماز میں ہے۔ نہ کسی دوسری جہری یا سرّی نماز میں بلکہ سرّی نمازوں میں تو امام شافعیؒ کے سوا کوئی امام قنوت پڑھنے کا قائل نہیں۔ تاہم اگر اہل محلہ بوقت مصیبت و پریشانی پانچوں نمازوں میں دعائے قنوت پڑھنا چاہیں تو ان کو منع نہ کیا جائے۔ اور مخالفت نہ کی جائے۔ وَمَا یفعلوا من خیر فلن یکفروہ۔

فصل ۲۔ تین رکعت وتر ایک سلام سے

سوال۔ وتر کی تین رکعتوں میں دو سلام ہیں یا ایک؟

جواب:۔ احناف اور شوافع اس بات پر متفق ہیں کہ وتر کی تین رکعتوں میں دوسری رکعت پر قعدہ

کر کے تشہد پڑھا جائے لیکن تشہد کے بعد یہ اختلاف ہے کہ حنفی تشہد کے بعد اللہ اکبر کہہ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور شافعی المذہب تشہد کے بعد درود اور دعا پڑھ کر دوگانہ پر سلام پھیر دیتے ہیں اور پھر فی الفور کھڑے ہو کر تکبیر کہتے اور ایک اور رکعت پڑھتے ہیں۔ اور اس کو مکمل کر کے دوسرا سلام پھیرتے ہیں۔ غرض احناف وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے پڑھتے ہیں اور شوافع دو سلام سے

سوال :۔ حنفیہ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ تین وتر کو ایک ہی سلام سے پڑھنا چاہیئے

جواب۔ حنفیہ کے پاس بے شمار دلائل ہیں (۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز تہجد) رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے پہلے چار رکعت اس خوبی سے پڑھتے تھے کہ ان کے حسن اور طول کا کچھ نہ پوچھو۔ پھر مزید چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ ان کے بھی حسن اور طول کا کچھ نہ پوچھو۔ پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ ام المومنین کہتی ہیں میں نے التماس کی یا رسول اللہ! کیا آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں؟ فرمایا۔ اے عائشہ! میری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر دل نہیں سوتا۔ رواہ البخاری ومسلم والترمذی وقال حدیث صحیح۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ تین وتر دو سلام سے پڑھتے تو یوں فرماتیں کہ پھر آپ پہلے دو رکعت اور پھر ایک رکعت پڑھتے ہیں۔ (۲) ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا۔ انه علیه الصلوٰة والسلام کان یوتر بثلٰث لا یفصل فیهن (نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتوں میں فصل و انقطاع نہیں کرتے تھے) رواہ النسائی۔ (۳) ام المومنین حضرت عائشہ نے فرمایا۔ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِیْ آخِرِهِنَّ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھا کرتے تھے اور سلام نہ پھیرتے مگر ان کے آخر میں) رواہ الحاکم وقال علی شرط الشیخین (۴) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ حَدَّثَنَا حَفْصٌ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنِ الْحَسَنِ قَالَ اِجْتَمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى اَنَّ الْوِتْرَ ثَلٰثٌ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِیْ آخِرِهِنَّ (امام حسن بصریؒ نے فرمایا۔ کہ مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔ نہ سلام پھیرا جائے مگر ان کے آخر میں) (فتح القدیر باب الوتر) (۵) ثابت کا بیان ہے کہ حضرت انس صحابی رضؓ نے ہم کو تین رکعت نماز پڑھائی۔ انھوں نے صرف آخری رکعت میں سلام پھیرا۔ رواہ الطحاوی۔

فصل ۷۳ ۔ وتر کی دُوسری رکعت پر تشہّد کیلئے بیٹھنا

سوال ۔ حضرات غیر مقلّدین اعتراض کرتے ہیں کہ حنفیہ تین رکعت نماز وتر پڑھتے وقت دُوسری رکعت میں تشہّد کے لیے بیٹھتے ہیں ۔ حالانکہ دوسری رکعت کا دوسرا سجدہ کر کے تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جانا چاہیئے ۔ وتر کی دُوسری رکعت پر تشہّد کے لیے بیٹھنے کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ حنفیہ اور شوافع سب ہی دوسری رکعت کے بعد تشہّد کے لیے بیٹھتے ہیں ۔ اگر اعتراض ہے تو ان پر بھی ہونا چاہیئے ۔ امام محمد بن نصر مروزی شافعی کتاب قیام اللیل میں شافعی مسلک کی تائید میں لکھتے ہیں ؛ ۔

فالذی نختارہ لمن صلّی باللیل فی رمضان وغیرہ ان یسلم بین کل رکعتین حتّی اذا اراد ان یوتر صلّی ثلاث رکعات یقرأ فی الرکعۃ الأُولیٰ بسبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الثانیۃ بقل یا ایھا الکٰفرون ویتشھد فی الثانیۃ ویسلم ثم یقوم فیصلی رکعۃً یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب وقل ھو اللہ احد والمعوذتین ۔

ہمارا پسندیدہ طریق یہ ہے کہ جو شخص رات کو رمضان یا کسی دوسرے مہینے میں وتر پڑھے وہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرے اور جب تین رکعت وتر پڑھنے کا ارادہ کرے تو پہلی رکعت میں سورت سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھے اور دوسری میں قل یا ایھا الکٰفرون پڑھے ، اور پھر دوسری رکعت کے اخیر میں تشہد یعنی التحیات پڑھے اور سلام پھیر دے ۔ پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت ادا کرے جس میں سورۂ فاتحہ اور سورت فلق اور ناس پڑھے ۔

(قیام اللیل مطبوعہ ملتان صفحہ ۱۱۹)

اب دو رکعت پر تشہد کرنے اور سلام نہ پھیرنے کے دلائل سنیئے ؛ ۔

(۱) اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ۔ کان النبّی صلی اللہ علیہ وسلم لا یُسَلِّمُ فی رکعتی الوتر (نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے) یعنی تشہّد کے بعد تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے ۔ (رواہ النسائی واخرجہ احمد وقال النوری اسنادہ حسن ورواہ البیہقی فی السنن الکبیر باسناد صحیح ۔

یعنی رکعت وتر کو نماز مغرب سے مشابہت ہے۔ جس طرح نماز مغرب میں دوگانہ پر تشہد کے لیے بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح وتر میں بھی دوگانہ پر بیٹھنا لازم ہے۔ ابو خالد کا بیان ہے کہ میں نے ابوالعالیہ سے وتر کی نسبت دریافت کیا۔ انھوں نے کہا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے تعلیم دی ہے کہ وتر نماز مغرب کی مانند ہے۔ یہ وتر شب کا اور وہ دن کا۔ رواہ الطحاوی۔ اور امام محمدؒ رقم فرماتے ہیں۔ عن عطاءِ بن یسار الوتر کصلوٰۃ المغرب (یعنی عطا سے روایت ہے کہ ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ وتر مثل نماز مغرب کے ہے رواہ فی الموطاء اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ الوتر ثلاث رکعات کوتر النہار صلوٰۃ المغرب (وتر تین رکعات دن کے وتر یعنی نماز مغرب کی طرح ہے) رواہ البیہقی وقال ہذا صحیح

سوال:۔ مروزی کی کتاب قیام اللیل جو ملتان کے اہل حدیث حضرات نے ملتان میں طبع کرائی تھی اس میں اس مسئلہ میں کیا لکھا ہے۔

جواب:۔ امام محمد بن نصر مروزی رہ باب ذکر الوتر بثلاث عن الصحابۃ والتابعین میں فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ سے کہا گیا کہ عبداللہ بن عمر رضؓ وتر کی دوسری رکعت میں (قعدہ بیٹھنے کے بعد) سلام پھیر دیتے تھے تو انھوں نے فرمایا کہ ان کے والد محترم حضرت عمرؓ ان سے زیادہ افقہ (یعنی حدیث دان) تھے۔ وہ دوسری رکعت کا تشہد پڑھ کر تکبیر کے بعد تیسری رکعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ وتر کی نماز مغرب کی طرح پڑھتے تھے۔ دُوسری رکعت کے قعدہ پر سلام نہیں پھیرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ نماز مغرب دن کا وتر ہے اور رات کا وتر دن کے وتر کی مانند ہے۔ اور ثابت بنانیؒ کا بیان ہے۔ کہ میں ایک رات حضرت اُنس رضؓ کے مشکوئے معلّیٰ میں تھا۔ وہ رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھے آپ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے۔ تہجد کے بعد اُنھوں نے وتر کی تین رکعتیں نماز مغرب کی طرح پڑھیں۔ انھوں نے دو رکعت کے قعدہ پر سلام نہیں پھیرا اور ابوالعالیہؒ کا بیان ہے کہ رات کا بھی وتر ہے۔ اور دن کا بھی وتر ہے۔ دن کا وتر نماز مغرب ہے اور رات کا وتر اسی کی مانند ہے (یعنی دو رکعت کے اخیر میں تشہد بیٹھا جاتا ہے) اور حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کے تلامذہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد وتر کی دُوسری رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (قیام اللیل مروزی مطبوعہ ملتان ص ۱۲۳-۱۲۴)

فصل ۴۷ - وتر کے بعد دو رکعت نفل

سوال ؛- کیا وتر کے بعد کوئی سنت یا نفل نماز بھی ہے ؟

جواب ؛- ہاں - نفل کی دو رکعتیں ہیں - اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے - رواہ الترمذی - لیکن ابن ماجہ کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ آپ یہ دو رکعتیں ہلکی بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے اور ثوبان کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کی بیداری مشکل اور بھاری ہے - سو چاہیئے کہ جب تم میں سے کوئی (سونے سے پہلے) وتر پڑھ لے تو پھر دوگانہ ادا کر لے - اس کے بعد نماز تہجد کے لیے اٹھا تو بہتر ہے - ورنہ یہی دو رکعتیں ثواب میں اس کے لیے تہجد کا کام دیں گی - رواہ الدارمی اور ابو امامہ رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر ادا فرماتے تھے - اس دوگانہ کی پہلی رکعت میں آپؐ اذا زلزلت الارض اور دوسری میں قل یا ایہا الکافرون پڑھا کرتے تھے - رواہ احمد

سوال ؛- سنت نبوی یہی ہے کہ یہ دوگانہ بیٹھ کر پڑھا جائے لیکن بعض لوگ کھڑے ہو کر پڑھنے کو افضل بتاتے ہیں - صحیح کیا ہے ؟

جواب - تمام نوافل خواہ بعد الوتر ہوں یا کوئی اور ان کا کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے - اُم المومنین حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں ادا فرماتے تھے جن میں آپ بیٹھ کر قرآن پڑھتے تھے - پھر جب آپ رکوع کا قصد فرماتے تو کھڑے ہو جاتے پھر رکوع میں جاتے رواہ ابن ماجہ اور مسلم کی حدیث میں حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ آپ نماز میں بیٹھ کر قرآن پڑھا کرتے تھے - جب آپ کی قراءت میں سے تیس چالیس آیتیں باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہو کر قراءت کرتے - پھر رکوع میں جاتے ابن ماجہ کی حدیث سے بالتخصیص نوافل بعد الوتر میں آپ کا قیام ثابت ہوا - رہا یہ کہ رکوع کے قبل آپؐ جلوس فرماتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی قراءت طویل ہوتی تھی اور آخر عمر میں ضعف بڑھ گیا تھا اس لیے نوافل بیٹھ کر پڑھتے تھے - البتہ رکوع کے قریب آپ کھڑے ہو جاتے تھے - اس قیام سے معلوم ہوا کہ مقصود اصل میں قیام ہی تھا - مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے دوگانہ بعد الوتر کے قیام کو افضل بتا کر لکھا ہے کہ

عوام بلکہ خواص میں جو اس کے خلاف مشہور ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ۔ اور اردو فارسی کے بعض رسائل میں جو لکھا ہے کہ دو رکعت نفل بعد الوتر کا بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے وہ کسی معتبر جگہ سے نقل نہیں کیا گیا ۔

(امداد الفتاویٰ مطبوعہ دہلی جلد اوّل ص ۵۲ ۔ ۵۳)

فصل ۷۵ ۔ سجدۂ سہو

سوال :۔ سہو کسے کہتے ہیں اور سجدۂ سہو کیا ہے ؟

جواب :۔ سہو بھول جانے کو کہتے ہیں کبھی کبھی بھول چوک کی وجہ سے نماز میں کمی بیشی ہو کر نقصان آ جاتا ہے ۔ اس نقصان کی تلافی کے لیے نماز کے آخری قعدہ میں دو سجدے کیے جاتے ہیں ۔ ان کو سجدۂ سہو کہتے ہیں ۔

سوال :۔ کن غلطیوں سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے ؟

جواب :۔ (۱) کسی واجب کے چھوٹ جانے سے (۲) یا کسی واجب میں تاخیر ہو جانے سے (۳) یا کسی فرض میں تاخیر ہو جانے سے (۴) یا کسی فرض کو مقدم کر دینے سے (۵) یا کسی فرض کو دوبارہ ادا کرنے سے مثلاً دو رکوع کر لئے ۔ (۶) یا کسی واجب کی کیفیت بدل دینے سے جیسے اخفا کی جگہ جہر پڑھنے یا مقام جہر کی بجائے اخفاء پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے ۔

سوال : سجدۂ سہو صرف فرض نمازوں میں واجب ہے یا تمام نمازوں میں ؟

جواب :۔ تمام نمازوں میں ۔

سوال :۔ وہ امور جن کو سہواً کرنے سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے اگر قصداً و دانستہ کیے جائیں تو کیا حکم ہے ؟

جواب : دانستہ کرنے سے نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے ۔

سوال : اگر ایک نماز میں کئی ایسے امور جمع ہو جائیں جن سے ہر ایک پر سجدۂ سہو لازم آتا ہو ۔ تو کتنے سجدے کرنے لازم ہیں ؟

جواب :۔ سب کے لیے صرف ایک مرتبہ سہو کے دو سجدے کر لینا کافی ہے ۔

سوال :۔ اگر مقتدی سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جائے جس سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے تو کیا کرے ؟

جواب ۔ مقتدی کی غلطی سے اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں آتا ۔

سوال ۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق اپنی باقی ماندہ نماز پوری کرتے ہوئے کوئی سہو کرے تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ اس صورت میں اس پر اپنی باقی ماندہ نماز کے آخری قعدہ میں سجدۂ سہو کرنا واجب ہوگا

سوال ۔ سجدۂ سہو کا کیا طریقہ ہے ؟

جواب ۔ آخری رکعت میں تشہد عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ تک پڑھ کر داہنی طرف سلام پھیریں پھر دو سجدے کریں ۔ پھر بیٹھ جائیں ۔ اور التحیات اور درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دیں ۔ بعض علماء نے احتیاطاً یہ پسند کیا ہے کہ سجدۂ سہو سے پہلے عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ کے بعد درود اور دعا بھی پڑھیں ۔ اور دو سجدوں کے بعد بھی تشہد اور درود اور دعا پڑھیں ۔ نمازی کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے عمل میں لائے ۔

سوال :۔ حضرات غیر مقلدین سہو کا سجدہ بلا تشہد کرتے ہیں ۔ ایک غیر مقلد صاحب کہتے تھے کہ سجدۂ سہو سے پہلے کے تشہد کا ثبوت کسی حدیث صحیح سے نہیں ملتا ۔ اس کا کیا جواب ہے ؟

جواب :۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ رقم طراز ہیں :۔ فی الحدیث المتفق علیہ عن ابن مسعودؓ قال علیہ السلام اذا شک احدکم فی صلوتہ فلیتحر الصواب فلیتم علیہ ثم لیسلم ثم لیسجد سجدتین (جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شک کرے تو اس پر لازم ہے کہ صواب کا قصد کرے تو اس کو پورا کرے ۔ پھر دو سجدے کرے ۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے) و ایضاً فی المتفق علیہ مرفوعاً حتی اذا قضی الصلوٰۃ وانتظر الناس تسلیمہ کبر وھو جالس فسجد سجدتین قبل ان یسلم ثم سلم (یہاں تک کہ جب آپ نماز پڑھ چکے اور لوگ سلام پھیرنے کے منتظر ہوئے تو آنحضرت ؐ نے تکبیر کہی اس حالت میں کہ آپ بیٹھے تھے پس آپ نے سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا ۔ اس حدیث کو بھی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے) و فی حدیث الترمذی عن عمران بن حصین

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلّٰی بھم فسہا فسجد سجدتین ثم تشھد ثم سلم کذا فی المشکوٰۃ) اور ترمذی نے عمران بن حُصین رض سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی جس میں آپ بھول گئے۔ پھر آپ نے دو سجدے کیے۔ پھر التحیات پڑھی۔ پھر سلام پھیرا۔ مشکوٰۃ) حدیث اول میں فَلْیُتِمَّ عَلَیْہِ سے تشہد قبل سجدہ سہو ثابت ہوتا ہے کیونکہ بدون تشہد کے صلوٰۃ ناقص ہے۔ اسی طرح حدیث ثانی سے کیونکہ بدون تشہد کے سلام کا انتظار نہیں ہو سکتا اور تیسری حدیث سے تشہد بعد سجدۂ سہو ثابت ہے پس مجموعہ سے مجموعہ ثابت ہو گیا۔ اسی طرح کتاب رحمۃ مہداۃ میں ابوداؤد ونسائی کی روایت سے ایک حدیث درج ہے جس میں مجموعۂ تشہدین مصرح ہے۔ عن عبداللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا کنت فی صلوٰۃ فشککت فی ثلاث او اربع واکثر ظنک علی اربع تشہدت ثم سجدت سجدتین وانت جالس قبل ان تسلم ثم تشہدت ثم تسلم (امداد الفتاوی مطبوعہ مجتبائی دہلی جلد اول صفحہ ۹۰ بحوالہ رحمۃ مہداۃ صفحہ ۵۳)

سوال:۔ سجدۂ سہو واجب تھا لیکن نمازی نے بھول کر دونوں طرف سلام پھیر دیا۔ اُسے اب کیا کرنا چاہیئے؟

جواب۔ دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد اگر نمازی وہیں بیٹھا ہے اور سینہ قبلہ کی طرف سے نہیں پھیرا ہے اور نہ کسی سے ہم کلام ہوا ہے۔ اور نہ کوئی ایسا کام کیا جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو اب سجدۂ سہو کر لے بلکہ اگر اسی طرح بیٹھے بیٹھے کچھ اور ورد وظائف بھی پڑھنے لگا تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ اب سجدۂ سہو کر لے تو نماز ہو جائے گی۔

سوال۔ اگر شک ہو جائے کہ سجدۂ سہو کیا ہے یا نہیں تو کیا کرے؟

جواب۔ غلبۂ ظن پر عمل کرے اور اگر غلبہ نہ ہو بلکہ دونوں گمان مساوی ہوں تو سجدۂ سہو کر لے۔

سوال:۔ اگر بلا ضرورت سجدۂ سہو کر دیا تو کیا حکم ہے؟

جواب۔ نماز دوبارہ پڑھے۔

سوال:۔ سجدۂ سہو کے وجوب میں تردد ہو گیا تو کیا کرے۔ احتیاطاً سجدۂ سہو کر لینا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۔ غلبۂ ظن پر عمل کرے۔ اگر غلبۂ ظن یہ ہے کہ سجدہ واجب نہیں تو پھر سجدہ سہو کرنے میں احتیاط نہیں بلکہ ترک میں احتیاط ہے۔

سوال ۔ سجدۂ سہو واجب نہ ہوا اور کسی وہم پر سجدہ کر لے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اکثر لوگ ذرا سے وہم پر مثلاً ترک سنت ہی پر سجدۂ سہو کر لیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ۔ نماز ہو جاتی ہے۔

سوال ۔ اگر کوئی ایک رکعت کے بعد شریک جماعت ہوا۔ جب امام نے سلام پھیرا تو اس نے بھی بھولے سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا۔ اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب ۔ اس کی نماز صحیح ہے۔ کھڑا ہو کر ایک رکعت پڑھ لے اور اخیر میں سجدۂ سہو کر لے۔

سوال ۔ نماز مغرب میں امام نے سہواً دو رکعت پر سلام پھیر دیا لیکن سلام پھیرتے وقت اس کو شبہ ہوا کہ شاید دو رکعتیں پڑھی ہیں مگر عدم تیقّن کی وجہ سے کچھ توجہ نہ کی۔ سلام پھیرنے کے بعد ایک مقتدی بول پڑا کہ دو رکعتیں ہوئی ہیں۔ یہ سن کر امام فی الفور کھڑا ہو گیا اور سب مقتدی بھی کھڑے ہو گئے اور امام نے تیسری رکعت پر سلام پھیر کر سجدۂ سہو کیا۔ نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب ۔ امام اور مقتدیوں کی نماز ہو گئی۔ البتہ اس مقتدی کی نماز جس نے کہا تھا کہ دو رکعتیں ہوئی ہیں بوجہ کلام کے فاسد ہو گئی۔ گو حدیث سے ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے مقتدیوں سے اور مقتدیوں نے آپ سے اس قسم کا کلام کیا مگر فساد نماز کا حکم نہیں دیا گیا۔ لیکن مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام فرمانا آپ کی خصوصیات میں داخل ہے اور صحابہ کا کلام رسولؐ کے ساتھ تھا۔ اور کلام مع الرسول مفسد صلوٰۃ نہیں۔ جیسا بعض علماء نے اس حدیث میں لکھا ہے کہ آپ نے حضرت اُبَیّ بن کعب صحابی رضؓ کو پکارا تھا۔ پھر بعد نماز کے آپ نے انھیں یہ آیت یاد دلائی تھی۔ اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ الآیہ۔ یا کلام بالایماء ہو جیسا ابوداؤد میں ہے اومؤا اے نعم عدم فساد بالکلام مع الرسول اور ایماء کو نوویؒ نے شرح مسلم کے صفحہ ۲۱۴ میں نقل کیا ہے۔

سوال ۔ امام کو شک ہوا کہ ایک ہی سجدہ کیا ہے یا دو تو اس صورت میں سجدۂ سہو کرے یا نماز لوٹائے؟

جوٰب ۔ اگر ظن غالب کسی جانب نہیں تو ایک سجدہ ادا کر کے سجدۂ سہو کرے

سوال - ایک رکعت میں نمازی نے ایک ہی سجدہ کیا۔ دُوسرا بھول گیا۔ دوسری اور تیسری رکعت میں یاد آیا تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟

جواب - جب یاد آئے اُسی وقت ادا کرے۔ پھر جس رُکن سے اس سجدے میں آیا ہے اس کی طرف چلا جائے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

سوال - اگر کسی رکعت میں بھُول کر تین سجدے کر لیے تو سجدۂ سہو اس غلطی کی تلافی کر دے گا یا نہیں ؟

جواب - سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی۔

سوال - اگر فرض یا سنت نماز میں سورت کے بجائے التحیات پڑھ جائے اور پھر یاد آئے تو سُورت ملائے یا نہیں ؟ اور سجدۂ سہو کرے یا نہ کرے ؟

جواب - سورت پڑھے اور سجدۂ سہو کرے۔

سوال - اگر کوئی شخص پہلے قعدہ میں التحیّات کی بجائے قُل ہُو اللہ یا اَلحمد پڑھنے لگے اور یاد آنے کے بعد التحیّات پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو یا بغیر التحیّات پڑھے کھڑا ہو جائے اور سجدہ سہو کر لے۔ اسی طرح آخری قعدے میں التحیات کی بجائے الحمد پڑھنے لگے تو بعد یاد آنے کے التحیات پڑھ کر سجدۂ سہو کرے یا اسی وقت سجدۂ سہو کر کے پھر التحیات پڑھے۔ نیز کوئی امام جہری نماز میں نصف الحمد سرّاً پڑھ گیا۔ یاد آنے کے بعد شروع سے الحمد پڑھے یا جہاں سے باقی ہے وہاں سے بالجہر پڑھنا شروع کرے ؟

جواب - ان اکثر صورتوں میں تاخیر واجب یا ترک واجب ہے۔ اگر یہ افعال قصداً نہیں کیے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیا تو نماز درست ہو جائے گی ورنہ واجب الاعادہ ہو گی۔ اور نصف الحمد سرّاً پڑھنے کے بعد جب یاد آئے تو شروع سے جہراً پڑھے۔

سوال - امام پہلے قعدے میں بیٹھنے کی بجائے تیسری رکعت کے لیے نصف کھڑا ہونے پایا تھا کہ لقمہ دینے پر بیٹھ گیا۔ اب امام کو سجدۂ سہو کرنا چاہیئے یا نہیں۔ اگر نہ کیا تو نماز باطل ہوئی یا نہیں ؟

جواب - اگر امام اتنا کھڑا ہو چکا تھا کہ ٹانگیں سیدھی ہو گئی تھیں اگرچہ پشت وغیرہ سیدھی نہیں ہوئی تھی اور اس حالت کے بعد بیٹھ گیا تو سجدۂ سہو واجب ہے اگر نہ کیا اور نماز پڑھ لی تو وقت کے اندر اندر اس نماز کا اعادہ واجب ہے اور اگر نماز کو نہ لوٹایا اور نماز کا وقت گزر گیا تو پھر بطور قضا اس نماز کو لوٹایا

نہ جائے گا۔ اور اگر امام اس قدر کھڑا نہیں ہوا تھا بلکہ تھوڑا سا اٹھ کر بیٹھ گیا تھا تو سجدۂ سہو کرنے کی ضرورت نہیں۔

سوال۔ اگر نمازی التحیات پڑھے بغیر تیسری رکعت کے لیے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں یاد آ گیا کہ التحیات نہیں پڑھی ہے تو نیچے بیٹھ جائے یا نہیں اور اگر بیٹھ جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب۔ اگر سیدھا کھڑا ہو چکا ہے تو نہ بیٹھے بلکہ قرات وغیرہ پڑھ کر تینوں یا چاروں رکعتیں پڑھ لے۔ فقط اخیر میں بیٹھے اور سجدۂ سہو کرے اور اگر سیدھا کھڑا ہونے کے بعد پھر لوٹ آیا اور بیٹھ کر تشہد پڑھا تو گنہ گار ہو گا اور سجدہ سہو کرنا اب بھی واجب ہو گا۔ یہ حکم فرض اور وتر میں ہے۔ اور اگر نفل ہو تو قیام سے عود کر کے بیٹھ جائے اور تشہد پڑھے لیکن نفل میں کھڑا ہونے کے بعد بیٹھ جانے کی یہ شرط ہے کہ قیام کو سجدہ سے مقید نہ کیا ہو۔

سوال۔ (۱) نمازی التحیات پڑھ کر بیٹھا بیٹھا سو گیا۔ پانچ چھ منٹ کے بعد ہوش میں آیا۔ سجدۂ سہو کیے یا نہ کرے (۲) نماز میں کوئی شخص اس طرح سو گیا جو مفسد صلوٰۃ نہیں اور اس اثنا میں بقدر تین تسبیح ادائے فرض میں تاخیر ہو گئی۔ تو سجدۂ سہو لازم ہو گا یا نہیں (۳) مقتدی جماعت میں سو گیا اور امام کے ساتھ ایک سجدہ کرنا رہ گیا تو نماز ہو گئی یا نہیں؟

جواب۔ (۱) و (۲) سجدۂ سہو کریں۔ (۳) سونے والے کو چاہیئے کہ جونہی بیدار ہو فوراً ایک سجدہ کر کے امام کے ساتھ ہو جائے۔ ورنہ امام کے سلام کے بعد ایک سجدہ ادا کر کے پھر سجدہ سہو کرے۔ فوت شدہ سجدہ ادا کیے بغیر اس کی نماز نہ ہو گی۔

سوال۔ اگر نماز کا کوئی فرض یا سنت چھوٹ جائے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اور سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟

جواب۔ اگر نماز کا کوئی فرض چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو کرنے سے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ نماز از سر نو پڑھے۔ اور اگر نماز کی کوئی سنت چھوٹ جائے مثلاً ثنا یا تعوذ وغیرہ رہ جائے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔

سوال۔ اگر سرّی نماز میں کوئی نمازی امام یا منفرد بلند آواز سے قرات کرے یا بلند آواز کی نماز میں امام آہستہ آواز سے قرات کرے تو سجدۂ سہو لازم آتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ سجدۂ سہو لازم ہے۔ ہاں اگر سرّی (یعنی ظہر اور عصر کی) نماز میں مقدار ما یجوز بہ الصلوٰۃ سے

کم بہت تھوڑی سی قراءت بلند آواز سے کرے جو نماز صحیح ہونے کے لیے کافی نہ ہو مثلاً دو تین لفظ بلند آواز سے پڑھ دیئے یا جہری نماز میں امام دو چار لفظ آہستہ پڑھ دے۔ تو سجدۂ سہو لازم نہیں۔ یہی زیادہ صحیح قول ہے۔

سوال۔ اگر منفرد نے نماز جہری شروع کی۔ قدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ سے کم قرأت خفی کر چکا تھا کہ کسی نے آکر اس کا اقتداء کیا تو جتنی قراءت کر چکا ہے اس کا اعادہ کرے یا نہ کرے اور اگر اعادہ کرے تو سجدۂ سہو لازم آتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ اعادہ نہ کرے اور اگر اعادہ کیا تو گو سجدۂ سہو لازم نہیں آتا مگر اعادہ کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔

سوال۔ اگر نمازی سورۂ فاتحہ پڑھ کے سوچنے لگا کہ اب کون سی صورت پڑھوں اور اس سوچ بچار میں اتنی دیر لگ گئی جتنی دیر میں تین مرتبہ سبحان اللہ یا ایک مرتبہ اللھم صل علیٰ محمد پڑھا جا سکتا ہے تو سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟ اسی طرح قراءت ختم کرلے کے بعد کسی سوچ میں کھڑا رہ گیا اور رکوع کرنے میں اتنی دیر ہوگئی جتنی دیر میں ایک مرتبہ اللھم صل علیٰ محمد یا تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جا سکتا ہے تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب۔ دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو لازم ہے۔ اور یہی حکم ہے جب نمازی کسی اور موقع پر اتنی دیر سوچ بچار میں مشغول رہے۔

سوال۔ تین رکعتی یا چار رکعتی فرض نماز میں دو رکعت پر التحیات کے لیے بیٹھا تو التحیات کے بعد پورا درود یا اس کا کچھ حصہ بھی غلطی سے پڑھ لیا تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا یا نہیں؟

جواب۔ اگر اللھم صلّ علیٰ محمدٍ یا اس سے زیادہ الفاظ پڑھ لیے تو سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ ہاں نفل میں غلطی سے درود پڑھا جائے تو سجدہ واجب نہیں ہوتا۔ نفل نماز میں دو رکعت پر بیٹھ کر التحیات کے ساتھ درود پڑھنا بھی جائز ہے۔

سوال۔ (۱) اگر قعدہ میں التحیات دو دفعہ پڑھا یا (۲) پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کو مکرّر پڑھا۔ تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

جواب۔ واجب ہے۔ البتہ اگر پچھلی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کو مکرّر پڑھا تو سجدۂ سہو نہ کرنا پڑیگا کذا فی الطحطاوی۔

سوال۔ شروع نماز میں غلطی سے سبحانک اللھم کی جگہ دعائے قنوت پڑھنے لگا یا وتر میں دعائے قنوت کی بجائے سبحانک اللھم پڑھ گیا۔ لیکن پھر یاد آنے پر دعائے قنوت پڑھ لی یا فرض کی تیسری یا چوتھی رکعت میں الحمد کی جگہ التحیات یا کچھ اور پڑھنے لگا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں ؟

جواب۔ ان سب صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے۔

سوال۔ اگر قعدہ میں تشہد پورا یا اس کا بعض حصہ چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں ؟

جواب۔ دونوں قعدوں میں التحیات پڑھنا واجب ہے۔ اگر تشہد نہیں پڑھا تو سجدہ سہو لازم ہے اور اگر نصف سے زیادہ پڑھا اور نصف سے کم چھوڑا تو بھی سجدۂ سہو واجب ہے =

سوال۔ اگر الحمد پڑھ کر رکوع میں چلا گیا۔ سورت ملانی بھول گیا تو اب وہ کیا کرے ؟

جواب۔ اگر رکوع میں یاد آیا تو سورت کی قراءت کے لیے لوٹے اور سورت پڑھ کر پھر رکوع کرے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لے۔ اور اگر رکوع سے نہ لوٹے اور اخیر میں سجدۂ سہو کر لے تب بھی نماز ہو جاتی ہے اگر فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانا بھول گیا تو پچھلی دو رکعتوں میں سورت ملائے اور سجدۂ سہو کرے۔ اور اگر پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورت نہ ملائی تو تیسری رکعت میں سورت ملائے اور سجدۂ سہو کرے اور اگر پچھلی رکعتوں میں بھی سورت ملانا یاد نہ رہا بالکل آخری رکعت کے قعدہ میں یاد آیا کہ کسی رکعت میں سورت نہیں ملائی تو بھی سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی۔ یاد رہے کہ وتر اور سنت اور نفل کی سب رکعتوں میں سورت کا ملانا واجب ہے۔ پس اگر کسی رکعت میں سورت ملانا بھول جائے تو سجدۂ سہو کرے۔

سوال۔ سہ رکعتی یا چہار رکعتی نماز میں سہواً دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو اس غلطی کی تلافی کیونکر ہوگی ؟

جواب۔ اب اٹھ کر اس نماز کو پورا کرے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرے۔ البتہ اگر سلام پھیرنے کے بعد کسی سے بات کر لی یا کوئی ایسا امر سرزد ہوا جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو نماز کا اعادہ کرے۔

سوال۔ نماز وتر میں یاد نہ رہا کہ یہ دوسری رکعت ہے یا تیسری اور دونوں طرف گمان یکساں ہے۔ تو کیا کرے ؟

جواب۔ اسی رکعت میں دعائے قنوت پڑھے اور بیٹھ کر تشہد پڑھنے کے بعد کھڑا ہو کر ایک اور رکعت پڑھے اور اس میں بھی دعائے قنوت پڑھے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرے۔ اگر وتر کی پہلی یا دوسری

رکعت میں سہواً دعائے قنوت پڑھ لی تو تیسری رکعت میں از سر نو دعائے قنوت پڑھے اور قعدہ کے اختتام پر سجدۂ سہو کرے۔

سوال - اگر نمازی کو پہلی یا دوسری رکعت ہونے میں اشتباہ ہے تو کیا کرے؟

جواب۔ اگر مدت العمر میں ایسا شک کبھی نہیں ہوا تو نماز کو لوٹائے ورنہ گمان غالب پر عمل کرے اگر گمان جانبین کی طرف یکساں ہے تو ایک ہی سمجھ کر بیٹھ جائے۔ لیکن اس احتمال پر کہ شاید یہ دوسری رکعت ہو۔ التحیات پڑھے اور عبدہٗ و رسولہٗ پڑھنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور دوسری رکعت پڑھے۔ جس میں الحمد کے ساتھ سورت بھی ملائے۔ پھر بیٹھ کر التحیات پڑھے۔ پھر تیسری رکعت پڑھ کر بھی اس احتمال پر بیٹھے کہ شاید یہ چوتھی ہو۔ پھر چوتھی رکعت پڑھے اور سجدۂ سہو کرکے سلام پھیرے۔

سوال - اگر یہ شک ہو کہ یہ دوسری رکعت ہے یا تیسری تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب - اگر دونوں طرف کے گمان مساوی درجہ میں ہوں تو بیٹھ کر تشہد پڑھے۔ پھر کھڑا ہو کر تیسری رکعت پڑھے اور بیٹھ کر اس احتمال پر التحیات پڑھے کہ شاید یہی چوتھی ہو۔ پھر چوتھی رکعت پڑھے اور سجدۂ سہو کرکے سلام پھیرے۔

۔ اگر تین اور چار رکعتوں میں اشتباہ واقع ہو تو زندگی کے پہلے اشتباہ میں نماز از سر نو پڑھے اور اگر شک ہونے کا معمول ہو تو گمانِ غالب پر عمل کرے۔ اگر تین رکعت پڑھنے کا گمان غالب ہو تو ایک اور رکعت پڑھ کر سلام پھیرے۔ اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور اگر گمان غالب چاروں رکعتیں پڑھ لینے کا ہو تو اور رکعت نہ پڑھے اور اگر گمان کسی طرف راجح نہ ہو۔ تو تین ہی سمجھے لیکن اس امکان پر کہ شاید چوتھی ہو التحیات پڑھے اور کھڑا ہو کر چوتھی رکعت ادا کرے اور آخیر میں سجدۂ سہو کرے

سوال چار رکعت فرض میں چوتھی رکعت کے قعدہ کے لیے بیٹھا اور سہواً پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا آخر پانچویں رکعت کے دونوں سجدے کرنے کے بعد یاد آیا۔ اب وہ کیا کرے؟

جواب - اگر چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھا تھا تو فرض نماز نہیں ہوئی۔ اگر ایک رکعت اور پڑھ لے تو چھ نفل ہو جائیں گے اور فرض نماز از سر نو ادا کرے۔

سوال۔ اگر چوتھی رکعت پر بیٹھا اور التحیات درود اور دُعا پڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ تو اب نماز کو کیونکر پورا کرے؟

جواب۔ پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے جب یاد آجائے بیٹھ جائے اور دوبارہ التحیات نہ پڑھے بلکہ بیٹھتے ہی سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا۔ تب یاد آیا تو ایک رکعت ملا کر چھ کرے۔ اور سجدۂ سہو کر لے۔ چار رکعتیں فرض ہو گئے اور دو نفل۔ اور اگر چھٹی رکعت نہ پڑھی بلکہ پانچویں ہی پر سلام پھیر کر سجدۂ سہو کر لیا تو چار فرض ہو گئے۔ اور ایک رکعت اکارت گئی۔

سوال۔ چار رکعت نفلی نماز پڑھی اور دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا تو کیا کرے؟

جواب۔ جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو یاد آنے پر بیٹھ جانا چاہیئے اور اگر سجدہ کر لیا۔ تو سجدۂ سہو سے تلافی کرے۔

سوال۔ اگر نماز پڑھ چکنے کے بعد یہ شک ہوا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو پھر کیا کرنا چاہیئے

جواب۔ اس شک کی طرف نمازی کچھ التفات نہ کرے نماز ہو گئی۔ البتہ اگر ٹھیک یاد آجائے کہ تین ہی پڑھی ہیں تو پھر کھڑے ہو کر ایک اور رکعت پڑھ لے اور سجدۂ سہو کرے لیکن اگر پڑھ کے بول پڑا یا کوئی ایسا امر سرزد ہوا جو مفسد نماز ہے تو نماز کا اعادہ کرے اِسی طرح اگر التحیات پڑھ چکنے کے بعد یہ شک ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ کہ جب تک ٹھیک یاد نہ آئے وہ قابل التفات نہیں۔ البتہ اگر از راہ احتیاط نماز کا اعادہ کرے تو یہ مستحسن ہے۔

سوال۔ سجدۂ سہو کرنے کے بعد کوئی ایسا امر حادث ہوا جس سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب۔ اس صورت میں وہی پہلا سجدۂ سہو کافی ہے دوبارہ سجدۂ سہو کرنے کی حاجت نہیں۔

سوال۔ جن امور کو بھول کر کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اگر ان کو بالارادہ اور دانستہ کرے تو کیا حکم ہے؟

جواب۔ اس صورت میں سجدۂ سہو نہیں بلکہ نماز کا اعادہ واجب ہے اگر سجدہ سہو کر لیا تو بھی نماز نہیں ہوئی۔

سوال - نماز میں ایک دو باتیں بھول کر رہ گئیں اور پھر سجدۂ سہو کر لیا تو نماز ہو گئی یا نہیں؟

جواب - اس صورت میں سجدۂ سہو کی ضرورت نہ تھی لیکن اگر کر لیا تو نماز ہو گئی۔

سوال - مسافر امام ہو اور وہ نماز میں بھول جائے تو مقتدی مقیم بھی سجدۂ سہو میں اس کی متابعت کریں یا نہیں؟

جواب - اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مقتدی مقیم بھی اس کے ساتھ سجدہ کریں۔ اور کرخیؒ نے کہا کہ وہ سجدہ میں متابعت نہ کریں۔ بلکہ باقی ماندہ دو رکعتیں پڑھ کر آخر میں سجدہ کریں۔

سوال - بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ مقتدی امام کو سجدۂ سہو میں لقمہ دیتا ہے جب امام پہلا سلام پھیرتا ہے تو مقتدی آواز سے تکبیر کہہ کر سجدہ میں جاتا ہے اور امام اس کی پیروی میں سجدۂ سہو کرتا ہے۔ ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب - ایسا کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں۔

سوال - حنفی مقتدی نے شافعی المذہب امام کی متابعت میں سلام سے پہلے سجدۂ سہو کر لیا۔ اور سلام پھیر دیا۔ اور تشہد نہیں پڑھا۔ مقتدی حنفی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب - حنفی مقتدی کی نماز ہو گئی۔

سوال - اگر جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں امام سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جو سجدۂ سہو کو مستلزم ہو۔ تو سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟

جواب - یوں تو سجدۂ سہو لازم تھا لیکن متاخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر جمعہ اور عیدین میں مجمع زیادہ ہو تو سجدۂ سہو نہ کرنا بہتر ہے۔ تاکہ پچھلے لوگ تشویش اور فتنہ میں نہ پڑیں۔

سوال - حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضور سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کبھی نماز میں سہو ہو جاتا تھا۔ تو کیا ہماری طرح معاذ اللہ حضور کو بھی نماز کی طرف توجہ نہ ہوتی تھی جو سہو ہو جاتا تھا؟ ظاہر ہے کہ اگر کسی چیز کی طرف انسان کی کامل توجہ ہو تو سہو کا وہاں کوئی احتمال نہیں ہوتا۔

جواب - حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ واقعی سہو کا سبب عدم توجہ الی الصلوٰۃ ہے۔ مگر اس عدم توجہ کے دو سبب ہیں۔ ایک توجہ الیٰ مافوق الصلوٰۃ (یعنی توجہ الی اللہ) جو ذکر کا اعلیٰ درجہ ہے اور حضور کی یہی شان تھی۔ دوسرا توجہ الیٰ مادون الصلوٰۃ جس

میں ذکر کا ادنیٰ درجہ بھی نہیں اور ہماری یہ حالت ہے کہ غفلت میں مبتلا ہیں۔ پس آپ کا متوجہ الی الصلوٰۃ نہ ہونا اور ہے ہمارا اور ہے۔ اور سہو دونوں کا خاصہ مشترکہ ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔ ع

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر

فصل ۷۶۔ مفسداتِ نماز

سوال۔ مفسداتِ نماز کس کو کہتے ہیں؟

جواب۔ مفسداتِ نماز ان چیزوں کو کہتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یعنی ٹوٹ جاتی ہے۔ اور نماز کا لوٹانا ضروری ہو جاتا ہے۔

سوال۔ مفسداتِ نماز کیا کیا ہیں؟

جواب۔ نماز کو توڑنے والی دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک قسم کو اقوال اور دوسری کو افعال کہتے ہیں۔

سوال۔ وہ کون سے اقوال ہیں جن سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

جواب۔ (۱) نماز میں کلام کرنا قصداً ہو یا سہواً۔ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ بیداری میں ہو یا خواب میں۔ اپنی مرضی سے کلام کیا ہو یا کسی کے مجبور کرنے سے عام ہے اس سے کہ اصلاح نماز کے لیے ہو جیسے امام کو جو بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہونے لگا ہو کہنا کہ بیٹھ جائیے یا اصلاح نماز کے لیے نہ ہو اور اس قسم کا کلام ہو جو لوگوں سے خطاب کیا جاتا اور سننے میں آتا ہے۔ لیکن اگر نہ سنا جائے اور حروف کی تصحیح نہ ہوئی ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور اگر کتے بلی کے لیے محض آواز نکالی جائے جس میں حروف نہ ہوں تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(۲) سلام کرنا یعنی کسی شخص کو سلام کرنے کے قصد سے السلام علیکم یا سلام یا تسلیم یا اس قسم کا کوئی اور لفظ کہنا۔ (۳) کسی کے سلام کا جواب دینا یا چھینکنے والے کو یَرْحَمُكَ اللّٰہ کہنا۔ یا نماز سے باہر والے کسی شخص کی دعا پر آمین کہنا۔ (۴) اذان کا جواب دینا۔ (۵) نماز میں کوئی بشارت سن کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا یا کوئی رنجیدہ خبر سن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھنا یا کسی

عجیب خبر پر سُبْحَانَ اللّٰہ یا کسی چیز کے گرنے پر بِسْمِ اللّٰہ کہنا (۶) درد یا رنج کی وجہ سے آہ یا اوہ یا اُف یا ہائے کہنا (۷) درد یا کسی دنیاوی مصیبت میں آواز سے رونا۔ اگر گریہ و بکا خوف و رجا اور رغبت و رہبت وغیرہ کسی امر آخرت کی جہت سے ہو تو مفسد نماز نہیں بلکہ حضور اور خشوع کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں آستانِ نبوت پر حاضر ہوا اس وقت آپ مصروف نماز تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے اندر سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے دیگ میں جوش آتا ہے (مشکوٰۃ) یعنی آپ نماز میں (آواز کے بغیر) اس طرح روتے تھے جیسے پکتے وقت دیگ میں جوش آتا ہے۔ اگر نمازی اس طرح آواز کے بغیر روئے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ نمازی حالت خشوع و خضوع میں ضبط و تحمل کی طاقت رکھنے کے باوجود آواز سے روئے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اور اگر تحمل و طاقت سے باہر ہو تو نہیں ٹوٹتی (مدارج النبوت)

(۸) قراءت میں زیر زبر پیش کو نغموں کی رعایت سے بڑھا کر پڑھنا (۹) قراءت میں کوئی فاحش غلطی کرنا (۱۰) حالت نماز میں اپنے امام کے سوا کسی دوسرے کو لقمہ دینا یعنی قراءت کی غلطی بتانا۔ (۱۱) قرآن کو دیکھ کر یا کسی کتاب یا چٹھی کو لفظاً پڑھنا (۱۲) نماز کی دعا میں جو قعدے میں پڑھی جاتی ہے کوئی ایسی حاجت مانگنا جو آدمیوں سے مانگی جاتی ہے (۱۳) اللہ اکبر کہتے وقت لفظ اللہ کے الف کو بڑھا کر آللہ اکبر کہنا یا اللّٰہُ اکبر کہنا اسی طرح اکبر کی ب کو کھینچ کر پڑھنا یعنی اللہ اکبار کہنا۔

سوال۔ وہ کون سے افعال ہیں جن کے ارتکاب سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

جواب۔ (۱) نماز میں اس طرح اِدھر اُدھر دیکھنا کہ سینہ قبلہ سے پھر جائے۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضہ نے حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ فعل اُچک لینا ہے یعنی شیطان اس کو بندے کی نماز سے اُچک لیتا ہے رواہ البخاری ومسلم۔ یعنی اس حرکت سے شیطان بندے کی نماز سے اس کا کمال اُچک لیتا ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھنے سے اس طرح گردن پھیر کر دیکھنا مراد ہے کہ منہ قبلہ کی طرف سے پھر جائے یہ مکروہ ہے۔ اور اگر اس طرح دیکھے کہ سینہ بھی بالکل قبلہ سے پھر جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھے تو نہ نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ مکروہ البتہ خلافِ اَولیٰ ہے۔

(۲) عمل کثیر یعنی نماز میں کوئی ایسا کام کرنا جس سے دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔

(۳) کھانا یا پینا قصداً ہو یا بھولے سے (۴) دو صفوں کی مقدار کے برابر چلنا۔

(۵) امام سے آگے بڑھ جانا (۶) ناپاک جگہ پر سجدہ کرنا (۷) ستر کھل جانے کی حالت میں ایک رکن کی مقدار ٹھیرنا (۸) حدث کے بعد نمازی کا مقام حدث پر ایک رکن کی مقدار ٹھیرنا (۹) بالغ آدمی کا نماز میں قہقہہ مار کر یا آواز سے ہنسنا (۱۰) تنحنُح یعنی کھنکارنا یا گلا صاف کرنا بھی بلا عذر ہو تو نماز کا مُفسد ہے۔ اگر عذر ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ عذر یہ ہے کہ نمازی احتراز و اجتناب کی طاقت نہ رکھے۔ اگر طبیعت کا تقاضہ ہو یا علتِ مرض متقاضی ہو تو یہ چھینک یا آروغ کے حکم میں ہے۔ اگر امام یا مقتدی تحسین صوت کے لیے کرے یا امام سے غلطی ہو گئی اور مقتدی اس لئے کھنکارتا ہے کہ درست کرے یا اس لیے کھنکارتا ہے کہ دُوسرے شخص کو اس کا نماز میں ہونا معلوم ہو جائے تو ان صورتوں میں نماز فاسد نہیں ہوتی (۱۱) نماز میں عورت کا مرد کے ساتھ اس طرح کھڑے ہو جانا کہ ایک کا کوئی عضو دوسرے کے کسی عضو کے مقابل ہو جائے بشرائط نماز کو فاسد کرتا ہے۔

(۱۲) امام کا حدث یعنی بے وضو ہونے کے بعد کسی کو خلیفہ کیے بغیر مسجد سے نکلنا مقتدیوں کی نماز فاسد کر دیتا ہے۔ (۱۳) امام نے کسی ایسے شخص کو خلیفہ کر دیا جس میں امامت کی صلاحیت نہیں مثلاً کسی دیوانے یا نابالغ بچے یا عورت کو اپنی جگہ امامت پر متعین کیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی (۱۴) بچے نے آکر مصروف نماز ماں کا دودھ پی لیا تو نماز جاتی رہی۔ البتہ اگر دودھ نہیں نکلا تو نماز نہیں ٹوٹی۔ ہاں خالی تین چسکیوں کے ساتھ نماز ٹوٹ جائے گی۔ دودھ پستان سے نکلے یا نہ نکلے۔ (۱۵) عورت نماز پڑھ رہی ہو اور اس کا شوہر اس کا بوسہ لے لے تو عورت کی نماز ٹوٹ جائے گی گو مرد اس وقت بلا شہوت ہی ہو۔ اور خواہ عورت کو شہوت ہوئی ہو یا نہ (۱۶) کسی رکن میں تین بار کھجانا اور ہر مرتبہ ہاتھ اُٹھانا بھی کتب فقہ کی رُو سے مفسد صلوٰۃ ہے۔ اور بلا عذر ایک بار کا کھجانا مکروہ ہے (۱۷) جنون اور بیہوشی کا عارض ہونا (۱۸) مقتدی کا کسی رکن کو امام سے پہلے ادا کرنا۔ (۹) اس رکن کو دوبارہ ادا نہ کرنا جس کو نیند میں ادا کیا ہو۔

سوال۔ نماز میں کس مقدار میں کھانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

جواب۔ حالتِ نماز میں کھانا پینا مطلقاً مفسد صلوٰۃ ہے یعنی تھوڑا ہو یا بہت دانستہ ہو یا بھول کر۔ اگرچہ بھول کر ایک تِل ہی کھالئے یا پانی کا ایک قطرہ پیئے۔ البتہ اگر نمازی کے دانتوں میں کھانے کے ریزے ہوں اور وہ ان کو نگل جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ مگر شرط یہ ہے کہ ان ریزوں کا مجموعہ چنے سے کم ہو۔ اور اگر چنے کے برابر یا زیادہ حلق سے اتار لیا تو نماز ٹوٹ گئی۔ نمازی نے کوئی میٹھی چیز کھائی۔ پھر کلّی کر کے نماز پڑھنے لگا لیکن منہ میں اس کی کچھ مٹھاس باقی ہے اور لعاب دہن کے ساتھ حلق میں جاتی ہے تو اس سے نماز میں کوئی خلل

نہیں آتا۔ اگر منہ میں پان دبا ہوا ہے اور اس کی پیک حلق میں جاتی ہے تو نماز نہیں ہوئی۔ اسی طرح منہ میں مصری کی ڈلی ہے اس کو چبایا نہیں لیکن اس کا لعاب شکم میں جا رہا ہے تو نماز فاسد ہو گئی۔ دانتوں سے خون نکلا۔ اگر حلق میں اس کا ذائقہ محسوس ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر تھوک خون پر غالب ہے تو اس کے نگلنے سے نماز فاسد نہ ہو گی۔ اور اگر خون غالب ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ غلبۂ خون کی یہ علامت ہے کہ حلق میں خون کا مزہ محسوس ہو۔ نماز توڑنے میں مزے کا اور وضو توڑنے میں رنگ کا اعتبار ہے۔

سوال۔ اگر حالت نماز میں کسی تحریر پر نظر پڑی اور اس کو دل میں پڑھ کر مفہوم سمجھا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

جواب۔ کسی تحریر کے دیکھنے اور اس کا مفہوم سمجھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ دانستہ سمجھا ہو۔ گو دانستہ سمجھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ لکھے کو سمجھنا اعمال نماز میں سے نہیں۔ ہاں اگر اتفاقاً لکھے پر نظر پڑ گئی اور بدون قصد کے اس کا مفہوم سمجھ میں آ گیا تو مکروہ بھی نہیں۔

سوال۔ نماز میں کتنا چلنا مفسد صلوٰۃ ہے۔ مثلاً امام اور ایک مقتدی نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک اور مقتدی آ شامل ہوا۔ امام کتنے قدم آگے بڑھ سکتا ہے؟

جواب۔ اگر بلا ضرورت امام یا منفرد اپنے مقام سجود تک آگے بڑھ جائے یا پیچھے ہٹ جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی بشرطیکہ سینہ قبلہ کی طرف سے نہ پھرے۔ اگر سجدہ کی جگہ سے آگے بڑھ جائے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ دو قدم تک بڑھتے ہٹنے کی گنجائش ہے۔ درمختار میں اس کی مزید تفصیل یہ لکھی ہے کہ اگر نمازی بقدر ایک صف کے چلا۔ پھر بقدر ایک رکن کے (یعنی اتنی دیر تک جس میں تین مرتبہ سبحان اللّٰہ کہا جا سکے) ٹھیرا۔ پھر چلا اور اسی طرح ٹھیرا یعنی بقدر ایک صف چلا اور ایک رکن کی مقدار ٹھیرا اور اسی طرح چلا گیا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ اگرچہ کئی مرتبہ چلا اور ٹھیرا۔ جب تک کہ مکان مختلف نہ ہو جائے گا۔ یعنی اگر مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو تو جب تک مسجد سے باہر نہ ہوگا اور جنگل میں ہے تو جب تک صفوں سے باہر نہ ہوا ہو گا فاسد نہ ہو گی ورنہ ٹوٹ جائے گی جیسے یکبارگی دو صفوں کی مقدار چلنے سے فاسد ہو جاتی ہے۔ کذا فی الشامی۔ اور میدان جہاد میں چلنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اگرچہ نمازی بہت چلے اور جگہ بھی مختلف ہو جائے بشرطیکہ قبلہ کی طرف پشت نہ کرے کذا فی الطحطاوی۔

سوال۔ اگر کوئی نماز پڑھتے ہوئے داہنی یا بائیں طرف چلے تو کیا حکم ہے؟

جواب۔ اگر نمازی موضع سجود سے زیادہ فاصلہ یا یوں سمجھو کہ تین قدم داہنی یا بائیں طرف چلے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

سوال۔ مرد کے ساتھ عورت کے محاذات سے نماز فاسد ہونے کے کیا شرائط ہیں ؟

جواب۔ کسی عورت کا کسی مرد کے ساتھ نماز میں اس طرح کھڑا ہو جانا کہ ایک کا کوئی عضو دوسرے کے کسی عضو کے مقابل ہو جائے مندرجہ ذیل شرطوں سے نماز کو فاسد کرتا ہے اگرچہ سجدہ کو جاتے وقت عورت کا سر مرد کے پاؤں کے بالمقابل ہو جائے۔ (۱) عورت بالغہ ہو خواہ جوان ہو یا بوڑھی ہو یا قریب البلوغ قابل جماع ہو لیکن اگر کوئی کمسن نابالغہ نماز میں محاذی ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۲) دونوں نماز میں ہوں۔ پس اگر ایک نماز میں اور دوسرا شریک نماز نہ ہو تو محاذات سے نماز فاسد نہ ہوگی (۳) دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو اگر درمیان میں کوئی ستون یا پردہ یا سترہ حائل ہو یا بیچ میں اتنی جگہ چھوٹی ہو جس میں ایک آدمی بے تکلف کھڑا ہو سکے تو بھی نماز میں کوئی خلل نہ آئیگا (۴) عورت میں نماز پڑھنے کی شرطیں پائی جائیں۔ اگر عورت مجنون اور پاگل ہو یا حالت حیض و نفاس میں ہو تو اس کے ساتھ کھڑے ہونے سے نماز نہ ٹوٹے گی کیونکہ ان صورتوں میں وہ خود نماز میں متصور نہیں۔ (۵) محاذات بقدر ایک رکن کے باقی رہے۔ اس سے کم مفسد نماز نہیں۔ بقدر ایک رکن سے اتنا دفعہ مراد ہے جس میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جا سکے۔ (۶) تحریمہ دونوں کی ایک ہو یعنی یا تو عورت اس مرد کی مقتدی ہو یا دونوں کسی تیسرے کا اقتدار کر رہے ہوں۔ اگر بغیر اقتداء کے انفرادی حیثیت سے اپنی اپنی نماز پاس ہو کر پڑھیں تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۷) امام نے نماز شروع کرتے وقت عورت کی امامت کی بھی نیت کی ہو۔ اگر عورت بعد میں آکر شریک جماعت ہوگی تو محاذات سے خود اس کی نماز فاسد ہوگی۔ (۸) ایک شرط اتحاد مکان ہے۔ اگر مرد قد آدم چبوترے پر ہو اور عورت نیچے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۹) یہ بھی شرط ہے کہ دونوں رکوع و سجود والی نماز میں شریک ہوں۔ پس نماز جنازہ میں محاذات مفسد نماز نہیں (۱۰) دسویں شرط دونوں کی نماز کا ایک جہت ہونا ہے۔ پس اگر عورت شب تاریک میں تحری سے دوسری طرف کو نماز پڑھے تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی ۔

سوال۔ مرد اور عورت کے درمیان کتنا فاصلہ ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی ؟

جواب۔ اگر دونوں کے درمیان ایک آدمی کا بھی فاصلہ چھوٹا ہوا ہو۔ تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

سوال۔ کن عذرات کی بنا پر نماز میں کھنکارنے سے نماز نہیں ٹوٹتی ؟

جواب۔ امام کو تحسین صوت یعنی آراستگی آواز کا عذر۔ مقتدی کو امام کی غلطی پر متنبہ کرنے کا عذر

دوسرے کو اپنے مصروف نماز ہونے کے اعلام کا عذر۔ اس کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص دروازے کی زنجیر لگا کر کمرے میں نماز پڑھ رہا ہے۔ کسی نے آکر باہر سے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔ نمازی اپنے مصروف نماز ہونے کی اطلاع دینے کے لیے کھنکار سکتا ہے۔ حسب روایت سنن ابن ماجہ حضرت علیؓ نے فرمایا میں سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روزانہ دو بار حاضر ہوتا تھا۔ جس وقت میں آتا اور آپ نماز پڑھتے ہوتے تو میرے لیے کھنکار دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غرض صحیح کے لیے کھنکارنا مفسد نماز نہیں۔

سوال۔ سلام تحلیل کیا ہے اور وہ کون سی صورتیں ہیں جن میں نماز تحلیل سے فاسد ہو جاتی ہے؟

جواب۔ سلام تحیت تو وہ ہے جو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو السلام علیکم کہتے ہیں۔ اور سلام تحلیل وہ ہے جو نماز سے باہر آنے کے لیے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ سلام تحیت تو ہر طرح سے مفسد نماز ہے اور سلام تحلیل اس وقت مفسد صلوٰۃ ہوتا ہے جب اصل نماز میں سہو ہو۔ مثلاً مقیم اپنے کو مسافر گمان کر کے یا نماز ظہر ادا کرنے والا اپنے کو نماز جمعہ پڑھنے والا تصور کر کے دوسری رکعت میں سلام پھیر دے۔ اس سلام سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کو اصل نماز ہی میں سہو ہو گیا اور اگر وصفِ نماز میں محل تحلیل پر سہو ہو تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ مثلاً دوسری رکعت کے قعدہ میں اس کو چوتھی رکعت گمان کر کے سلام پھیر دیا تو نماز فاسد نہیں ہوئی۔ اپنی نماز پوری کر کے آخر میں سجدۂ سہو کر لے۔ یا نماز جنازہ میں غلطی سے چوتھی تکبیر سے پہلے سلام پھیر دیا تو پھر دعا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا پڑھ کر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیرے کیونکہ نماز جنازہ میں قیام ہی سلام تحلیل کا محل ہے۔

سوال۔ عمل کثیر جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے کس کو کہتے ہیں؟

جواب۔ عمل کثیر کی تعریف میں پانچ اقوال ہیں۔ جن میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ اس عمل کے پیش نظر دُور سے دیکھنے والا گمان کرے کہ یہ شخص مصروف نماز نہیں۔ دُور سے دیکھنے والے سے وہ شخص مراد ہے جس کے سامنے اس نے نماز نہ شروع کی ہو۔ دُوسرا قول یہ ہے کہ جو کام عادتاً دو ہاتھوں سے کیا جاتا ہو وہ کثیر ہے اگرچہ نمازی اُس کو ایک ہاتھ سے کرے۔ جیسے پگڑی باندھنا یا پاجامہ پہننا اور جو ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہو وہ قلیل ہے اگرچہ نمازی اس کو دونوں ہاتھوں سے کرے جیسے ٹوپی کا پہننا یا اُتارنا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ تین متصل وپیہم اور پے درپے حرکتیں کثیر ہیں۔ اور اس سے کم قلیل۔ چوتھے قول میں عمل کثیر وہ ہے کہ کرنے والے کا مقصود ہو۔ یعنی جس کے لیے جداگانہ مجلس کرتا ہو۔ پانچواں قول یہ ہے کہ جس اقدام کو نمازی خود بہت سمجھے وہ عمل کثیر ہے۔

یاد رہے کہ عمل کثیر جو مفسد نماز ہے ہر وہ عمل ہے جو نماز کی اصلاح کے لیے نہ ہو۔ جو عمل کثیر نماز کی اصلاح کے لیے ہو۔ اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ جیسے نماز میں وضو ٹوٹ جانے سے وضو کو جانا حالانکہ اس اقدام سے دور کا دیکھنے والا ہرگز گمان نہیں کر سکتا کہ یہ شخص مصروف نماز ہے۔ مگر چونکہ یہ عملِ کثیر اصلاح نماز کے لیے ہے اس لیے مفسد نماز نہیں ۔

سوال۔ غیر اختیاری امور کے صادر ہونے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں؟

جواب۔ غیر اختیاری افعال میں بھی عمل کثیر ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ جیسے کسی کے دھکّے سے نمازی اپنی نماز گاہ سے چند قدم ہٹ گیا یا سواری کے جانور نے نمازی کو گھسیٹ لیا اور اس سے وہ چند قدم چلا۔ یا کسی نے نمازی کو اس کی جائے نماز سے اٹھا کر سواری پر رکھ دیا۔ یا بچے نے مصروف نماز ماں کی پستان تین بار چُوسی یا ایک بار کے چوُسنے سے اس کا دودھ اُتر آیا یا شوہر نے مصروف نماز بیوی کو شہوت سے چھُوا یا بدون شہوت کے اس کا بوسہ لیا تو ان سب صورتوں میں نماز ٹوٹ گئی۔ حالانکہ کسی فعل میں بھی نمازی کا اپنا اختیاری عمل نہیں پایا گیا۔

سوال۔ اگر بیوی نے مصروف نماز شوہر کا بوسہ لیا تو مرد کی نماز رہے گی یا ٹوٹ جائے گی؟

جواب۔ اگر عورت نماز پڑھتی تھی اور شوہر نے بوسہ لیا یا شہوت سے ہاتھ لگایا تو عورت کی نماز اس لیے فاسد ہوئی کہ جماع کا فاعل مرد ہوتا ہے۔ جب شوہر دواعیٔ جماع میں سے کوئی حرکت عورت کے ساتھ کرے گا تو عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر مرد مصروف نماز ہے اور بیوی نے اس کا بوسہ لیا تو چونکہ عورت جماع کی فاعل نہیں اس لیے اس کی طرف سے دواعیٔ جماع کا پایا جانا داخل جماع نہیں۔ جب تک مرد کو شہوت نہ ہو۔ اس لیے مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

سوال۔ لوگوں کی گفتگو کے مشابہ دعا جو مفسد نماز ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟

جواب۔ لوگوں کی گفتگو کے مشابہ وہ دعا ہے جو نہ قرآن میں ہو اور نہ حدیث میں اور اس کا مانگنا بندوں سے محال نہ ہو۔ جیسے نماز میں اس قسم کی دعا مانگنا کہ خدایا! مجھے نمک دے۔ تیل دے۔ یا اتنے روپے عطا کر۔ اور اگر ایسی دعا ہو جو قرآن یا حدیث میں ہو یا اس کا طلب کرنا بندوں سے محال و ممتنع ہو تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

سوال۔ نماز میں مصیبت کے وقت یا درد کی حالت میں آہ و بکا کرنا جو مفسد صلوٰۃ ہے اس

کی تفصیل کیا ہے ؟

جواب ۔ درد یا مصیبت کی حالت میں نمازی کا اُہ یا آہ یا اُف یا تُف کرنا یا ایسی آواز سے رونا مفسد صلوٰۃ ہے کہ جس سے حروف پیدا ہوں ۔ مگر اس مریض کے لیے مفسد نہیں جو بوقت شدّتِ کرب اپنے کو آہ کرنے سے نہیں روک سکتا ۔ کیونکہ شدّت کرب میں اس کا آہ کرنا ایسا ہے جیسے چھینکنا اور ڈکار لینا اور جمائی لینا اگرچہ حروف پیدا ہوں ۔ کہ ان اُمور سے انسان مجبور و بے بس ہے ۔ اور حالت بے بسی میں بلا آواز یا آواز کے ساتھ آنسوؤں سے رونا مفسد نہیں ۔ اسی طرح جنت اور دوزخ کا تذکرہ سُن کر رونا اور آہ کرنا بھی مفسد نماز نہیں بشرطیکہ ضبط و تحمل پر قدرت نہ ہو ۔ اور اگر نمازی امام کے خوش لہجہ ہونے کی بنا پر مزہ لے کر آواز سے روئے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی ۔ اور بغیر انتہائی بے بسی و مجبوری کے درد اور مصیبت کے لیے آہ کرنا چونکہ لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے اس لیے مفسد ٹھیرا ۔ کذا فی الشامی

سوال ۔ اگر نمازی کسی موزون و مناسب آیت قرآنی سے سائل کے استفسار کا جواب دے تو کیا حکم ہے ؟

جواب ۔ ہر وہ فقرہ جس سے نمازی نے سائل کے استفسار کا جواب دینے کا قصد کیا ہو مفسدِ نماز ہے ۔ اگرچہ وہ جملہ قرآن حکیم ہی کی کوئی آیت ہو ۔ مثلاً کسی نے کہا کہ تمہاری ملک میں کیا مال ہے تو نمازی نے جواب دیا ۔ وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ (گھوڑے اور خچر اور گدھے) یا کسی نے کہا تم کہاں سے آئے تو نمازی نے کہا بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِیْدٍ (بے کار پڑے ہوئے کنوئیں اور ویران پکّے محل سے) کسی نے کہا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے ؟) تو نمازی نے جواب دیا ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه (سوائے خدائے برتر کے کوئی سچا معبود نہیں) اگر کسی فقرہ سے خطاب مقصود ہو تو بھی مفسد نماز ہو گا ۔ جیسے نمازی کا اس شخص سے جس کا نام یحیٰی ہے کہنا یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ط (اے یحیٰی ! کتاب (توراۃ) کو مضبوطی سے لیے رہنا) یا جس کا نام موسیٰ ہے اس سے پوچھنا ۔ مَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی (اے موسیٰ ! تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے ؟) خطاب کی صورت میں سب کے نزدیک نماز فاسد ہوتی ہے ۔ کیونکہ قرآن اُس شخص کے خطاب کے لیے موضوع نہیں جس کے لیے نمازی خطاب کرتا ہے ۔ کذا فی الشامی ۔

سوال ۔ اگر نماز میں خدائے برتر کا نام پاک سُن کر جلّ جلالہٗ کہا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی

سُن کر آپ پر درُود پڑھا یا امام کی قراءت سُن کر بولا اللہ اور اُس کے رسول ؐ نے سچ کہا تو ان کلمات سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ اگر نمازی نے متکلّم کے جواب کا قصد کیا ہو تو فاسد ہو جائے گی ۔ اور اگر بقصد حمد و ثنا کہے گا تو نماز میں کوئی خلل نہ آئے گا ۔ اور کہنا اس قدر معتبر ہے کہ خود سُن لے اور اگر خود بھی نہ سُنا تو فاسد نہ ہوگی ۔

سوال ۔ اگر نمازی نے شیطان کا تذکرہ سُن کر اس پر لعنت کی تو نماز رہے گی یا ٹوٹ جائیگی ؟

جواب ۔ ٹوٹ جائے گی ۔

سوال ۔ نماز میں قرآن دیکھ کر قراءت کرنا مفسد نماز ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ نمازی کا مُصحف کو دیکھ کر قراءت کرنا مفسد نماز ہے ۔ خواہ تھوڑا پڑھے یا زیادہ ۔ اس کے لیے بدون دیکھے پڑھنا ممکن ہو یا نہ ۔ ہر صورت میں مفسد ہے ۔ مُصحف وہ ہے جس میں قرآن لکھا ہو ۔ خواہ قرآن ہو یا محراب یا دیوار وغیرہ ۔ ہاں اگر ان آیتوں کا جن کو دیکھ کر پڑھا حافظ ہو اور قرآن اٹھائے بغیر پڑھا تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہو گی ۔ اور امام شافعی ؒ نے دیکھ کر قراءت کرنا بلا کراہت جائز رکھا ہے ۔ اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف ؒ اور امام محمد ؒ کے نزدیک بالکراہت جائز ہے کیونکہ اس میں اہل کتاب کی مشابہت ہے ۔ جو اپنی نماز میں توراۃ و انجیل دیکھ کر پڑھتے ہیں ۔ لیکن ان دونوں کے نزدیک بھی کراہت اس صورت میں ہے کہ نمازی یہود و نصاریٰ سے تشبہ کرنے کا قصد کرے ۔ یاد رہے کہ اہل کتاب سے مشابہت کرنا ہر فعل میں مکروہ نہیں ۔ مثلاً کھانا پینا اور دوسری ضروریات بدنی مسلمانوں اور اہل کتاب میں یکساں ہیں ۔

سوال ۔ کتنی دیر تک ستر کا کھلا رہنا مفسد نماز ہے ؟

جواب ۔ اگر نمازی کا اندام نہانی بقدر ربع عضو کہ مانع نماز ہے نماز میں کھُل گیا اور اس اثنا میں اس نے کوئی رکن ادا کر لیا تو امام ابو یوسف ؒ اور امام محمد ؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو گئی ۔ اور اگر ادا نہیں کیا لیکن اتنی دیر تک اندام نہانی کھُلا رہا جس میں تین بار سبحان اللہ کہہ سکتا تھا تو امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے کم دیر تک شرمگاہ کا کھُلا رہنا کسی کے نزدیک بھی مفسد نماز نہیں ۔ اور یہی حالت ہے اگر نجاست بدن پر لگ گئی یا اتفاقاً نجاست پر کھڑا ہو گیا یا امام سے آگے نکل گیا ۔

تو ان صورتوں میں کوئی رکن یعنی رکوع سجود وغیرہ ادا کرے گا تو بالاتفاق نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر اتنا ٹھیرا کہ رکن ادا کر سکتا تھا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز میں فساد آئے گا۔

سوال۔ اگر ناپاک زمین پر پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھی تو ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب۔ ناپاک زمین یا فرش وغیرہ پر کوئی پاک کپڑا بچھایا اگر یہ کپڑا ایسا باریک ہے کہ اس میں سے نجاست کا رنگ یا اس کی بو محسوس ہوتی ہے تو نماز نہ ہوگی۔ اور اگر کپڑا خوب گاڑھا اور دبیز ہے تو درست ہوگی۔ شامیؒ لکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ اس جگہ سے متعلق ہے جہاں نجاست سجدہ یا قدم کی جگہ پر ہو۔ کیونکہ اس صورت میں سجدہ یا قیام نجاست پر ہوگا۔ ورنہ محض بو آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ نجاست دور ہو یا نزدیک۔

سوال۔ اگر نمازی اپنا سینہ جانب قبلہ سے بلا عذر پھیر لے تو نماز ہو جائے گی۔ یا جاتی رہے گی؟

جواب۔ نمازی کا اپنے سینے کو بلا عذر قبلہ کی طرف سے پھیر لینا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ (درمختار) سینے کا پھیرنا مفسد نماز ہے لیکن منہ کا پھیرنا مفسد نہیں مکروہ ہے خواہ سارا منہ پھیرے یا تھوڑا۔ واللہ اعلم۔ درمختار میں ہے کہ اگر نمازی نے اپنے کو بے وضو گمان کر کے تجدید وضو کے لیے قبلہ سے پشت پھیری۔ پھر اسے احساس ہوا کہ حدث نہیں ہوا۔ تو اگر یہ علم مسجد سے نکلنے سے پہلے ہو گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر مسجد سے نکلنے کے بعد ہوا تو فاسد ہو جائے گی۔

سوال۔ اگر مقتدی نماز کا کوئی رکن امام سے پہلے ادا کر لے تو نماز ٹوٹ جائے گی یا صحیح ہوگی؟

جواب۔ مقتدی کا کسی رکن نماز کو پہلے ادا کر لینا نماز کا مفسد ہے۔ مثلاً مقتدی نے رکوع امام سے پہلے کیا اور امام کے رکوع کرنے سے پہلے اپنا سر بھی اٹھا لیا۔ اور اس رکوع کو امام کے ساتھ یا اس کے بعد دوبارہ نہ کیا۔ تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

سوال۔ ارکان نماز کی جو ترتیب ہے اگر اس کے خلاف کیا جائے تو نماز صحیح ہوگی۔ یا ٹوٹ جائے گی؟

جواب۔ تقدیم قیام کی رکوع پر اور رکوع کی سجدوں پر اور سجدوں کی آخری قعدہ پر فرض ہے اس ترتیب کے خلاف کیا جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی ÷

سوال :- اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ وہ سجدہ کو جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے پاجامہ یا چادر کو اوپر اٹھاتے ہیں ان کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

جواب - ایک تعریف کے رُو سے عمل کثیر وہ ہے جو دونوں ہاتھوں سے کیا جائے۔ چونکہ لوگ پاجامہ یا چادر دونوں ہاتھوں سے اٹھاتے ہیں اس لیے اس تعریف کے بوجب ان کی نماز فاسد ہو جاتی ہے ورنہ اس فعل کے مکروہ ہوتے ہیں تو کوئی کلام نہیں۔ اس لیے اس سے بچنا ضرور ہے۔ اور اگر ایسا کرنے کی کوئی مجبوری ہو جیسے بعض اوقات کپڑا اس طرح تن جاتا ہے کہ یا تو سجدے میں اس سے تکلیف ہوتی ہے یا پھٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ تو اس مجبوری سے کبھی چادر یا پاجامہ اُوپر اُٹھانے کی نوبت آجائے تو مضایقہ نہیں۔

سوال - حالت نماز میں قطرہ نکل جائے تو نماز رہتی ہے یا ٹوٹ جاتی ہے اگر قطرہ نکلنے کا وسواس ہوتا ہو تو کیا کرے ؟

جواب - اگر قطرہ نکلا تو وضو بھی گیا اور نماز بھی ٹوٹی اور اگر وسوسہ ہو تو سلام پھیرنے کے بعد دیکھ لے اگر نکلا ہے تو اعادہ کر لے ورنہ نماز ہو گئی۔

سوال - مسافر امام نے بھول کر دو رکعتوں کی بجائے چار رکعتیں پڑھ لیں مقیم مقتدیوں کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں ؟

جواب - مقتدیوں کی نماز فاسد ہو گئی۔ کیونکہ امام نے بلا نیت اقامت چار رکعتیں پڑھائیں جن میں اس کی آخری دو رکعتیں نفل ہو گئیں اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔

سوال - کھجلانے سے نماز کے فاسد ہونے کی کیا صورت ہے ؟

جواب - فقہا نے لکھا ہے کہ ایک رکن میں تین بار کھجلانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس طرح کہ کھجا کر ہاتھ ہٹا لیا۔ پھر کھجایا۔ پھر ہاتھ ہٹا لیا۔ اسی طرح تین مرتبہ کیا۔ اور اگر ایک مرتبہ ہاتھ اٹھا کر چند جگہ حرکت دی تو ایک ہی مرتبہ کا کھجانا متصور ہو گا رکن سے فرائض نماز مُراد ہیں یعنی قیام۔ رکوع سجود قعدۂ اخیرہ۔ اگر ان میں سے کسی کے اندر کھجانے کی تعداد تین تک پہنچ جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی ؛

سوال ۔ کیا یہ مسئلہ صحیح اور متفق علیہ ہے کہ تین یا زیادہ دفعہ کھجانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

جواب ۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ وَ امّا ما اشتھر بینھم من کون الحرکات الثلاث او الفعل بکلتا یدیہ مفسدًا للصّلوٰۃ فلیس بشئ الخ (اور یہ جو ان میں مشہور ہے کہ اگر حرکتیں تین تک پہنچ جائیں یا کوئی کام دونوں ہاتھوں سے کیا جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ بات غلط ہے کیونکہ روایتیں اس کو غلط ٹھیراتی ہیں (الکوکب الدری علیٰ جامع الترمذی مطبوعہ سہارنپور صفحہ ۱۶۹)

سوال ۔ سواری پر نماز پڑھنے میں فساد نماز کی کیا صورتیں ہیں ؟

جواب ۔ جانور پر سوار ہو کر نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک یا دو بار ہانٹھ یا ایڑی سے ہانکنے میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ پے در پے تین مرتبہ کرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ ایک پاؤں سے ایڑ لگائی۔ اگر پے در پے تین بار کیا تو نماز جاتی رہی ورنہ نہیں۔ اور دونوں پاؤں سے لگائی تو فاسد ہو گئی۔ لیکن اگر پاؤں ایسی آہستگی سے ہلائے کہ دوسرے کو بغور دیکھے بغیر پتہ نہ چل سکے ۔ تو فاسد نہ ہوگی۔ گھوڑے کو چابک سے راستہ بتایا اور مارا ابھی تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ نماز پڑھتے میں گھوڑے پر سوار ہو گیا تو نماز جاتی رہی اور سواری پر نماز پڑھتے پڑھتے اُتر آیا تو فاسد نہ ہوئی۔

سوال ۔ نماز میں قہقہہ کرنے سے وضو اور نماز دونوں میں فساد آتا ہے یا صرف نماز ٹوٹتی ہے ؟

جواب ۔ وضو اور نماز دونوں فاسد ہوتی ہیں۔

سوال ۔ پکارنے والے کو مطلع کرنے کے لیے اگر عورت اپنی ہتھیلی پر ہتھیلی مارے تو نماز ٹوٹ جائے گی یا رہے گی ؟

جواب ۔ اگر کوئی نماز گھر میں پڑھتا ہے۔ اس کو کسی نے پکارا یا گھر میں آنے کے لیے اذن مانگا اور وہ نہیں جانتا کہ یہ نماز میں ہے۔ تو اس صورت میں مرد کو چاہیے کہ سبحان اللہ کہہ کر آگاہ کر دے اور عورت دستک بجائے کیونکہ اس کی آواز بھی عورت ہے۔ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پُشت پر مارے مُغنّیہ عورتوں کی طرح ہتھیلی پر ہتھیلی نہ مارے۔ اگر اس طرح مارے گی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

سوال ۔ اگر سجدہ میں دونوں پاؤں اُٹھ جائیں تو نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟

جواب ۔ پورے سجدے میں دونوں قدم اُٹھے رہیں تو نماز نہ ہوگی۔ کم از کم پاؤں کی ایک اُنگلی

کسی وقت سجدہ میں زمین پر ٹھہرنی چاہیئے۔

سوال ۔ جنون و بیہوشی سے نماز جاتی رہتی ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب ۔ اگر وقت کے اندر افاقہ ہو گیا تو ادا کرے۔ ورنہ قضا کرنی ہو گی۔ بشرطیکہ بیہوشی ایک دن رات سے متجاوز نہ ہو۔

سوال ۔ فساد نماز کی بعض اور مشہور صورتیں کیا ہیں؟

جواب ۔ کوئی امر موجب غسل پایا گیا یا قصداً وضو توڑا یا کسی رکن کو توڑنے کے بعد اسے نماز ہی میں ادا نہ کیا یا مسبوق نے فوت شدہ رکعت کا سجدہ کر کے امام کے سجدۂ سہو میں اس کی متابعت کی یا قعدۂ اخیرہ کے بعد سجدۂ نماز یا سجدۂ تلاوت یاد آیا اور اس کے ادا کر لینے کے بعد پھر قعدہ نہ کیا۔ ان سب صورتوں میں نماز فاسد ہو گئی۔

سوال ۔ سانپ بچھو کے مارنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب ۔ سانپ اور بچھو کو تین قدم چل کر یا تین ضرب سے مارا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اس سے کم میں نہیں۔ خطرے کے وقت سانپ بچھو کو مارنا موجب گناہ نہیں۔ اگرچہ نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ سانپ بچھو کو نماز میں مارنا اس وقت مباح ہے جب سامنے سے گذریں اور ان کی ایذا رسانی کا خوف ہو۔ اگر ایذا رسانی کا خدشہ نہ ہو تو نماز میں ان کے درپئے ہلاکت ہونا مکروہ ہے۔

سوال ۔ نغموں کی رعایت سے قرات کرنا کس صورت میں مفسد نماز ہے؟

جواب ۔ قرآن کو الحان یعنی زبر زیر پیش کو نغموں کی رعایت سے کھینچ کر پڑھنا۔ الحان سے پڑھنا۔ اس وقت مفسد ہے جب معنی کو بدل دے۔ مثلاً رب العلمین کو راب العلمین پڑھے اور اگر معنی نہ بدلیں تو مفسد نہیں۔ لیکن اگر نمازی حروف مد اور لین میں حد سے زیادہ الحان کرے گا تو باوجود معنی نہ بدلنے کے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر حد سے زیادہ نہ ہو گا تو فاسد نہ ہو گی۔

سوال ۔ مد اور لین کس کو کہتے ہیں اور ان میں کیا فرق ہے؟

جواب ۔ مد اس حرفِ علت کو کہتے ہیں جس کی پہلی حرکت اس کے موافق ہو۔ حروف علت تین ہیں۔ و۔ ا۔ ی۔ اگر ان کے پہلے کی حرکت ان کے موافق ہو یعنی واؤ کے پہلے پیش اور الف کے پہلے زبر اور ی کے پہلے زیر ہو تو ان کو حرفِ مد کہتے ہیں اور اگر حرکت ناموافق ہو یعنی واؤ کے پہلے ی تو اس کا نام لین

ہے مد کی مثال جیسے خالدین میں حرف دال کے نیچے زیر حرف یٰ کے موافق ہے اور خ پر زبر الف کے موافق اور لفظ مُسْلِمُوْنَ میں مِ پر پیش وٗ کے موافق ہے۔ لین کے دو حرف ہیں وَ اور یَ جیسے خَالِدَیْنِ میں دال پر زبر یٰ کے خلاف حرکت ہے اور لفظ قَوْل میں وْ سے پہلے حرکت زبر واؤ کے خلاف ہے۔ غرض حروف علت میں حد سے زیادہ اشباع مفسد نماز ہے۔ اشباع کہتے ہیں فتحہ ضمہ یا کسرہ کو اس طرح پر پڑھنا کہ حروف علت میں سے ایک حرف جو اس کے مناسب ہو ظہور میں آئے جیسے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کو اِیَّاکَا نَعْبُدُ اور اِھْدِنَا کو اِھْدِیْنَا پڑھنا۔

سوال قرأت میں غلطی سے نماز فاسد ہونے کے کیا قواعد و ضوابط ہیں؟

جواب۔ غلطی یا تو اعراب میں ہوتی ہے یعنی زبر زیر پیش اور سکون میں۔ مشدّد کو تخفیف سے پڑھنا اور اس کا عکس اور مد والے کو قصر سے پڑھنا اور اس کا عکس بھی اسی میں داخل ہے۔ (۲) یا غلطی حروف میں ہو یعنی ایک حرف کی جگہ دوسرا ادا کرنا یا کسی حرف کو کم و بیش یا مقدم مؤخر کرنا (۳) یا کلمات میں ہو کہ ایک کی جگہ دوسرا کلمہ پڑھا جائے یا کم و بیش یا مقدم مؤخر کیا جائے۔ (۴) یا غلطی جملوں میں ہو (۵) یا غلطی وقف میں ہو کہ وصل کی جگہ وقف کیا جائے اور وقف کی جگہ وصل۔ اب متقدمین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جس غلطی سے معنیٰ ایسے بگڑ جائیں کہ ان کا اعتقاد کرنا کفر ہو۔ تو اس غلطی سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ خواہ پانچوں اقسام میں سے کسی قسم کی غلطی ہو۔ اور اگر غلطی سے معنیٰ ایسے نہیں بگڑتے جن کا اعتقاد کفر ہو لیکن مطلب و مفہوم میں بہت سی تبدیلی آجائے جیسے ھٰذَا الْغُرَابُ (یہ کوّا) کی جگہ ھٰذَا الْغُبَارُ (یہ غبار) پڑھنا یا لفظ بالکل مہمل اور بے معنیٰ ہو جائے جیسے سرائر کی جگہ سرائل پڑھنا تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر غلط پڑھنے سے معنوں میں زیادہ تبدیلی نہیں ہوئی مگر مطلب سے دور جا پڑتے ہیں تو اس صورت میں دیکھنا چاہیئے کہ قرآن میں ویسا لفظ ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تب بھی نماز فاسد ہو گی۔ اور اگر قرآن میں وہ لفظ ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک نماز فاسد ہو گی اور اسی قول میں زیادہ احتیاط ہے۔ اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک فاسد نہ ہو گی۔ اور اگر غلط پڑھنے سے معنیٰ نہ بگڑیں اور ویسا لفظ قرآن میں نہ ہو تو نماز طرفین (یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ) کے نزدیک فاسد نہ ہو گی جیسے قوامین کی جگہ قیامین پڑھنا کہ دونوں کے معنیٰ ایک ہیں حالانکہ لفظ قیامین قرآن میں نہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گی۔

یہ قاعدے متقدمین کے ہیں اور ابن مقاتل اور ابن سلام اور اسمٰعیل زاہد اور ابو بکر بلخی اور ہندوانی اور

حلوانی رحمہم اللہ اور دوسرے متاخرین حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اعراب کی غلطی کسی نوع کی ہو مفسد صلوٰۃ نہیں۔ اگرچہ اس کا اعتقاد کفر ہو کیونکہ اکثر افراد اعراب میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اور اگر غلطی تبدیلی حروف میں ہو تو اگر دونوں حرفوں میں بسہولت فرق معلوم ہو سکتا ہو مثلاً ص کی جگہ ط پڑھنا تو بالاتفاق متاخرین مفسد ہے اور اگر فرق مشکل سے معلوم ہوتا ہو جیسے ص کی جگہ س پڑھنا تو اکثر کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن متاخرین کے قواعد منضبط نہیں۔ اس وجہ سے متقدمین کا قول اختیار کرنے میں زیادہ احتیاط ہے کیونکہ ان کے قواعد بھی درست ہیں اور اکثر فروع فتووں میں انہی کے قول پر محمول ہیں۔ کذا فی الشامی عن شرح المنیہ

سوال۔ اعراب کی غلطی میں معنی بگڑ جائیں تو نماز صحیح ہوگی یا فاسد ہو جائے گی؟

جواب۔ علماء نے اعراب کی غلطی میں اگرچہ معنی بھی بگڑ جائیں عدم فساد کا فتویٰ دیا ہے۔ جیسے نَعْبُدُ کی جگہ نَعْبَدُ پڑھنا۔

سوال۔ مندرجہ ذیل صورتوں میں نماز جاتی ہے یا رہتی ہے؟ مشدّد کو تخفیف سے پڑھنا جیسے قُتِّلُوْا کو قُتِلُوْا پڑھنا اور مخفف کو مشدّد جیسے اَفَعَیِیْنَا کو اَفَعَیَّیْنَا پڑھنا۔ یا ایک یا زیادہ حروف کا اضافہ کر دینا جیسے صِرَاطَ الَّذِیْنَ کو اَلصِّرَاطَ الَّذِیْنَ پڑھنا یعنی الف اور لام کا اضافہ کر دینا۔ یا ایک حرف کو دوسرے کلمہ میں ملا دینا جیسے اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں اِیَّا کو جدا پڑھ کر ٹھیر جانا اور کَ کو نَعْبُدُ میں وصل کرنا یعنی اِیَّا کَنَعْبُدُ پڑھنا یا وقف کرنے اور ابتداء کرنے میں غلطی کرنا جیسے لَا اِلٰہَ پر وقف کرنا اور اِلَّا اللہ سے اگلی عبارت کو شروع کرنا۔

جواب۔ حسب بیان شامی اس قسم کی تمام صورتوں میں معنی بگڑنے سے اکثر مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ متقدمین کا قول ہے اور احتیاط اسی میں ہے۔ لیکن اس پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ ربّ العالمین کی ب کی تشدید اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ کی ی کی تشدید کے ترک کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

سوال۔ اگر ایک کلمہ کو زیادہ کر دیا یا کسی کلمہ کو ناقص کر دیا یا ایک حرف کم کر دیا یا ایک حرف کو دوسرے سے مقدم کر دیا یا کسی حرف کو دوسرے سے بدل دیا تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب۔ اگر ایک کلمہ کو زیادہ کر دیا مثلاً کُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖ اِذَآ اَثْمَرَ میں کلمہ وَاسْتَحْصَدَ زیادہ کر دیا یا کسی کلمہ کو ناقص کیا جیسے جَزَآءُ سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا میں جَزَاءُ سَیِّئَۃٍ مِّثْلُھَا

ت

پڑھا۔ دُسری سَبِّئَۃ کو چھوڑ دیا۔ یا ایک حرف کم کر دیا۔ جیسے تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا کو تَعَالَ جَدُّ رَبِّنَا بدون ی کے پڑھا۔ یا ایک حرف کو دوسرے سے مقدّم کیا۔ جیسے اِنْفَجَرَتْ کی بجائے اِنْفَرَجَتْ پڑھا یا کسی حرف کو دوسرے سے بدل دیا۔ جیسے اَوَّاب کی بجائے اَیَّاب پڑھا تو اُس وقت تک نماز فاسد نہ ہو گی جب تک کہ معنیٰ نہ بدلیں۔ لیکن یاد رہے کہ تغیّرِ معنیٰ کی صورت میں نماز طرفین یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فاسد ہوتی ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں نماز ٹوٹتی ہے جب لفظ مُقْرُوّ کے مفہوم کا یا ملتے جلتے مفہوم کا لفظ قرآن میں موجود نہ ہو ورنہ نہیں۔

سوال۔ حرف کے بدلنے سے بدیں شرط نماز فاسد ہوتی ہے کہ معنیٰ بدل جائیں۔ مگر ایسے حروف کے مبادلہ سے بھی جن میں تمیز دشوار ہے نماز ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں؟

جواب۔ ایسے حروف کے بدلنے سے جن میں تمیز دشوار ہے مثلاً ض اور ظ اکثر فقہاء نماز کو فاسد نہیں کہتے۔ البتہ اگر دانستہ ایسی تبدیلی کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر بے اختیار زبان سے نکل گیا یا اسے حروف کے فرق کی تمیز نہیں تو فاسد نہ ہو گی۔

سوال۔ کسی کلمہ کو مکرّر پڑھنے یا ایک کلمہ کو دوسرے سے بدل دینے پر نماز رہتی ہے۔ یا جاتی ہے؟

جواب۔ اگر معنیٰ بدل جائیں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ مثلاً ربّ العالمین (پروردگارِ عالمیان) کو ربّ ربّ العالمین (پروردگار عالمیان کا رب) پڑھ دیا۔ اسی طرح ایک کلمہ کو دوسرے سے بدل دیں اور معنیٰ بگڑ جائیں تو بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے جیسے اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ کی جگہ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَنّٰتٍ پڑھ دیا۔ شامی نے کہا کہ ظہیریہ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کلمہ کا مکرّر پڑھنا اس صورت میں مفسد ہے کہ پڑھنے والا مضاف اور مضاف الیہ کو جانتا ہو۔ اور اگر نہ جانتا ہو۔ یا اُس نے اضافت کا قصد نہ کیا ہو۔ بلکہ تصحیح مخارج کے لیے کسی کلمہ کو دوبارہ ادا کیا ہو یا زبان سے بے ساختہ نکل گیا ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی ۔

فصل ۔ ۔ نماز کے مکروہات تحریمی

سوال ۔ مکروہ کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی اور کون سی قسمیں ہیں ؟

جواب ۔ مکروہ (یعنی شرعی نقطۂ نظر سے ناپسندیدہ) وہ کام ہے جس سے نماز نہیں ٹوٹتی لیکن ثواب کم ہو جاتا ہے۔ اور گناہ لازم آتا ہے۔

بحر الرائق میں ہے کہ مکروہ دو قسم ہے۔ ایک مکروہ تحریمی جو واجب کے رتبہ میں ہے یعنی جس طرح واجب کا ثبوت دلیل ظنی سے ہوتا ہے اسی طرح مکروہ تحریمی کا ثبوت دلیل ظنی سے ہوتا ہے۔ مکروہ کی دوسری قسم تنزیہی ہے۔ مکروہ تنزیہی وہ ہے جو مکروہ تحریمی سے کم درجہ میں مکروہ و ناپسندیدہ ہو جس کا مآل ترکِ اَولیٰ ہے۔ جب فقہاء کی کسی تحریر میں لفظ مکروہ پایا جائے تو اس کی دلیل کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر دلیل مذکور نہی ظنی ہو تو تحریمی ہے ورنہ تنزیہی۔ شامی کا بیان ہے کہ بدون دلیل کے اس کا حال اس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر مکروہ ترک واجب کو متضمن ہو تو تحریمی ہوگا۔ اور اگر ترک سنت کو متضمن ہو تو تنزیہی ہوگا۔

سوال ۔ نماز میں کیا کیا کام مکروہ تحریمی ہیں ؟

جواب ۔ نماز میں یہ امور مکروہ تحریمی ہیں :۔ (۱) سَدَل یعنی کپڑے کو لٹکانا مثلاً چادر یا کوئی دوسرا کپڑا سر یا مونڈھوں پر رکھ کر اس کے دونوں کنارے لٹکا دیں۔ یا اچکن یا چوغہ بغیر اس کے کہ آستینوں میں ہاتھ ڈالیں مونڈھوں پر ڈال دیں۔ اگر کپڑا مونڈھے پر اس طرح ڈالا کہ ایک کنارہ پیٹھ پر لٹکتا رہا اور دوسرا پیٹ پر جیسے چند سال پہلے تک مونڈھوں پر رُومال رکھنے کا عام رواج تھا تو نماز میں یہ بھی مکروہ ہے۔ رُومال یا دُوسرے کپڑے دونوں مونڈھوں سے لٹکتے ہوں تو یہ بھی مکروہ تحریمی ہے۔ گلوبند یا مفلر کا ایک سرا گردن پر لپیٹ کر دُوسرا سرا اگلی طرف گرا دیا۔ تو اس میں مضائقہ نہیں۔ (۲) کپڑے کا اُوپر اٹھانا یا سمیٹنا مثلاً بعض لوگ سجدہ میں جاتے ہوئے یا اس سے کھڑے ہوتے ہُوئے آگے یا پیچھے سے پائنچے دامن وغیرہ کو سمیٹتے ہیں۔ اگر یہ حرکت عمل کثیر تک پہنچے تو مفسد نماز ہے ورنہ مکروہ ہے۔ البتہ حاجت شدید ہو۔ تو کراہت نہیں۔

(۳) آستین یا دامن چڑھا کر نماز پڑھنا۔ اگر کہنیاں کھلی ہوئی ہوں تو بالاتفاق نماز مکروہ ہوتی ہے

اس سے کم میں علماء کا اختلاف ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آستینیں آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہوئی ہوں تو نماز مکروہ ہوتی ہے۔ شامی لکھتے ہیں کہ آستین چڑھانے میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ آستین کسی اور کام کے لیے یا وضو کے لیے چڑھائی تھی۔ یا رکعت ملنے کے لیے جلدی میں آستین اُتارنے کا موقع نہ ملا اور شریک جماعت ہوگیا۔ ایسی حالت میں افضل یہ ہے کہ عمل قلیل سے آستین نماز کے اندر ہی اُتار لے۔ (۴) نمازی کا اپنے کپڑوں یا بدن یا داڑھی سے کھیلنا مگر حاجت کے لیے کھجانا مکروہ نہیں۔ مثلاً بدن کو خارش کے سبب کھجایا یا پسینے کو جو تکلیف دیتا تھا پونچھ ڈالا۔ تو عمل قلیل سے یہ اُمور مکروہ نہ ہوں گے۔ عبث کی نہی میں وہ حدیث ہے جو قضاعہ سے مروی ہے۔ کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین امر مکروہ کیے۔ نماز کے اندر عبث کرنا۔ روزہ میں فحش باتیں کرنا اور قبرستان میں ہنسنا (شامی)۔ (۵) پاخانہ اور پیشاب کی حاجت کے وقت نماز پڑھنا۔ عبداللہ بن ارقم صحابی رضؓ سے مروی ہے کہ سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جماعت قائم کی جائے اور کسی کو بیت الخلا جانا ہو تو پہلے بیت الخلا کو جائے۔ رواہ الترمذی اور فرمایا جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے لیے ایسی حالت میں نماز پڑھنا حلال نہیں جب پیشاب کو دبائے ہو۔ یہاں تک کہ اس سے ہلکا ہو جائے ۔

(۶) کمر یا کوکھ یا کولے پر ہاتھ رکھنا حالت نماز میں مکروہ تحریمی اور باہر نماز کے مکروہ تنزیہی ہے۔ نماز میں کولے پر ہاتھ رکھنے کے امتناع میں بخاری مسلم وغیرہما نے روایت کی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کولے پر ہاتھ رکھنے سے ممانعت فرمائی (۷) نماز میں قبلے کی طرف سے منہ پھیر کر یا صرف نگاہ سے اِدھر اُدھر دیکھنا۔ ترمذی نے انس رضؓ سے روایت کی کہ حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں اِدھر اُدھر التفات کرنے سے بچو کیونکہ نماز میں التفات موجب ہلاکت ہے۔ کذا فی الشامی۔ نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ حسب بیان ابو ہریرہ رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاہیئے کہ لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھانے سے باز رہیں۔ ورنہ ان کی آنکھیں اُچک لی جائیں گی۔ رواہ مسلم۔ (۸) اِقعاء یعنی نمازی کا کُتے کی مانند بیٹھنا۔ اِقعاء کی تفسیر طحطاوی نے یہ بیان کی ہے کہ سرین پر بیٹھے اور رانوں کو کھڑا کر کے دونوں گھٹنے چھاتی سے لگائے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔ چونکہ یہ نشست کُتے کی نشست کے مشابہ ہے حدیث میں اس کی ممانعت ہے اور کرخی نے یہ تفسیر کی ہے

کہ دونوں پاؤں کو کھڑا کر کے ان کی ایڑیوں پر بیٹھے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔ زیلعیؒ نے کہا کہ یہ نشست مکروہ تحریمی نہیں بلکہ نشست مسنون کی مخالف ہونے کے باعث مکروہ تنزیہی ہے۔ کذا فی الطحطاوی۔

(۹) کسی ایسے آدمی کی طرف نماز پڑھنا جو نمازی کی طرف منہ کیے ہوئے بیٹھا ہو۔ اگرچہ منہ کرنے والا دور بیٹھا ہو اور نمازی میں اور اس میں کوئی ایسی آڑ ہو کہ قیام میں بھی سامنا نہ ہوتا ہو۔ اور اگر قیام میں مواجہہ ہو قعود میں نہ ہو۔ مثلاً کوئی نمازی کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گیا کہ اس صورت میں قعود میں تو مواجہہ نہ ہوگا مگر قیام میں ہوگا۔ تو اس صورت میں بھی کراہت ہے۔ (۱۰) منہ میں چونی اٹھنی یا کوئی اور چیز لیے ہوئے نماز پڑھنا یا پڑھانا بھی جو قرات سے مانع نہ ہو مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر وہ چیز اس طرح مانع قرات ہوگی کہ بالکل پڑھا نہ جا سکے یا ایسے الفاظ منہ سے نکلیں جو قرآن کے الفاظ نہ ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (۱۱) کرتے یا چادر کی موجودگی میں صرف پاجامہ یا تہبند باندھ کر نماز پڑھنا اور اگر پاجامے یا تہبند کے سوا کوئی اور کپڑا نہیں تو کراہت نہیں۔ (۱۲) نماز میں انگلیاں چٹخانا یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کا دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنا جسے تشبیک کہتے ہیں۔ اس کو انگلیوں کی قینچی بنانے سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

(۱۳) جس کپڑے پر جاندار کی تصویر ہو اسے پہن کر نماز پڑھنا نماز کے علاوہ بھی ایسا کپڑا پہننا ناجائز ہے۔ تصویر والے کپڑے پر کوئی دوسرا کپڑا پہن لیا کہ تصویر چھپ گئی تو اب نماز مکروہ نہ ہوگی۔ تھیلی یا جیب میں تصویر چھپی ہوئی ہو تو بھی نماز میں کراہت نہیں۔ (۱۴) نمازی کے سر پر یعنی چھت میں یا سامنے یا برابر داہنے یا بائیں یا سجدہ کی جگہ میں کسی جاندار کی تصویر کا ہونا۔ اگرچہ کھڑے گدے میں ہو جس پہ چلتے یا تکیہ نہ کرتے ہوں اور اگر بچھے ہوئے گدے پہ تصویر ہو تو مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اس میں تصویر کی ذلت ہے۔ جاندار کی تصویر کا گھر میں رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ (رحمت کے) فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔" برابر ہے کہ تصویر کپڑے میں ہو یا برتن میں یا دیوار میں اور اگر تصویر نمازی کے پیچھے ہو تو اس کے مکروہ یا غیر مکروہ ہونے میں علماء مختلف البیان ہیں۔ اور ظاہر تر اس میں بھی کراہت ہے چنانچہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں اس کی کراہت کی تصریح فرمائی ہے۔ اور اگر تصویر نمازی کے دونوں پاؤں کے نیچے یا نشست گاہ

میں دبی ہو تو بنا بر اس کی ذلت کے مکروہ نہیں ہے۔

جو تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر پڑی ہوئی ہو تو اس کے اعضاء کی تفصیل و تشریح کھڑے ہو کر دیکھنے والے کو نہ سوجھتی ہو یعنی اتنے فاصلے سے اس کے اعضا جدا جدا معلوم نہ ہوتے ہوں تب بھی مکروہ نہیں یا تصویر سر کٹی ہو یا چہرہ کٹا ہوا ہو یا اس کا کوئی عضو اس طرح مٹا دیا ہو کہ اس صورت کا جانور زندہ رہ سکے شامی کہتے ہیں کہ سر کا کاٹنا عام ہے اس سے کہ اس کو مٹا دیا ہو یا سرے سے بنایا ہی نہ ہو یا پیشانی پھیر دی ہو یا کھرچ ڈالا ہو ان حالات میں کراہت نہ رہے گی۔ اگر جاندار کی تصویر کسی ذلت کے مقام پر مثلاً جوتیاں اتارنے کی جگہ میں ہو یا فرش پر ایسے موقع پر رکھی ہو کہ لوگ اسے روندتے ہوں یا ایسے تکیہ پر ہو جو زانو وغیرہ کے نیچے رکھا جاتا ہو تو ایسی تصویر کا مکان میں رکھنا مکروہ نہیں اور نہ اس سے نماز میں کراہت آتی ہے۔ جب کہ اس پر سجدہ نہ کیا جائے۔

سوال۔ اگر کسی کے پاس ایسا روپیہ اشرفی ہو جس پر تصویر ہو تو کیا اس کی وجہ سے بھی ملائکۂ رحمت گھر میں نہیں آتے؟

جواب۔ قاضی عیاض مالکیؒ نے اس امتناع کی نفی کی ہے اور امام نوویؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی ملائکۂ رحمت گھر میں قدم نہیں رکھتے۔ مگر حسب بیان شامی علمائے احناف نے قاضی عیاضؒ کی تائید کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ گھر میں اتنی چھوٹی تصویر کا رکھنا مکروہ نہیں جو نماز میں کراہت نہیں پیدا کرتی اور جس سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔ اُس کا رکھنا بھی مکروہ ہے۔ یہ حکم گھر میں تصویر رکھنے کا ہے۔ لیکن جاندار کی تصویر بنانا یا بنوانا چھوٹی ہو یا بڑی ہر طرح سے حرام ہے۔ دستی اور عکسی تصویر کا ایک حکم ہے۔

(۱۵) چادر یا کوئی کپڑا ایسی طرح لپیٹ کر نماز پڑھنا کہ جلدی سے نمازی کے ہاتھ باہر نہ نکل سکیں (۱۶) اعتجار یعنی دوپٹے یا پگڑی کو اس طرح سر سے باندھنا کہ بیچ میں سے سر کھلا رہے (۱۷) اس طرح ڈھاٹا باندھنا کہ منہ اور ناک ڈھک جائے۔ اس کراہت کی وجہ یہ ہے کہ آتش پرست آگ کی عبادت کے وقت ایسا ہی کرتے ہیں۔ طحطاویؒ نے ابوالسعودؒ سے نقل کیا ہے کہ نماز میں ڈھاٹے کا باندھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (۱۸) نماز میں انگڑائی لینا یعنی سستی اتارنا (۱۹) اسبال یعنی کپڑے کا حد معتاد سے دراز کرنا۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز پڑھو تو لٹکتے کپڑے کو اٹھا لو۔ کہ اس میں سے جس قدر کپڑا زمین کو پہنچے گا وہ آگ میں ہے۔ رواہ البخاری فی التاریخ والطبرانی فی الکبیر۔ عمامہ

میں اسبال یہ ہے کہ بیٹھنے میں دبے۔ آستینوں میں یہ ہے کہ انگلیوں سے متجاوز ہوں۔ دامنوں اور پائچوں میں اسبال یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسبال (یعنی درازی) تہ بند اور کرتے اور عمامہ (سب) میں ہے۔ جو شخص ازراہ تکبّر ان میں سے کسی کو لٹکا کر کھینچے حق تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ۔ اور فرمایا کہ ازار (تہبند) جو ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہے۔ رواہ البخاری۔ آگ میں ہے یعنی ٹخنے سے نیچے لٹکانے والے کی سزا دوزخ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی نماز میں تکبّر سے تہبند لٹکائے اس کے لیے اللہ کی رحمت نہ حلّ میں ہے نہ حرم میں۔ رواہ ابوداؤد۔ اور ابوہریرۃ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۔ حضور نے اس کو حکم دیا کہ جاؤ وضو کر کے آؤ۔ وہ وضو کر کے واپس آیا۔ حاضرین میں سے کوئی شخص عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! آپ نے کس بنا پر وضو کا حکم دیا؟ فرمایا وہ تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا اور بے شک خدائے عزیز و برتر اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جو (ٹخنوں سے نیچے) تہبند لٹکائے ہوئے ہو۔ رواہ ابوداؤد۔ شیخ عبدالحق نے لمعات میں فرمایا۔ کہ وضو کا حکم اس لیے دیا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ معصیت ہے۔ آپؐ نے صحابہ کو بتا دیا تھا کہ وضو گناہوں کا کفّارہ اور اسباب معصیت کا زائل کرنے والا ہے۔

(۲۰) اگر امام ڈاڑھی مونڈاتا یا کتاتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ اگر کبھی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہو تو نماز کو لوٹا لینا چاہیئے۔ کتانے سے یہ مُراد ہے کہ ایک مشت سے کم رکھے مشت سے زیادہ کٹوا دینا بلا کراہت جائز ہے۔ شامیؒ لکھتے ہیں وَاَمَّا الْاَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُوْنَ الْقُبْضَةِ فَلَمْ يُبِحْهُ اَحَدٌ لہذا بالاجماع ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنا جائز نہیں اور اس کا خلاف فسق ہے (شامی جلد اوّل ص ۱۸۲)

(۲۱) خطبہ شروع ہو جانے کے بعد سنت، نفل، قرآن، درود یا کچھ اور پڑھنا (۲۲) سجدہ میں کلائیوں اور کہنیوں کو زمین پر بچھانا۔ حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ سیّد موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدہ میں اعتدال طمانیت سے کام لو اور تم میں سے کوئی شخص سجدہ میں اس طرح اپنی باہیں نہ بچھائے جس طرح کتا بیٹھتا ہے۔ تو اپنی پوری بانہہ بچھا دیتا ہے رواہ البخاری ومسلم اور فرمایا کہ جب سجدہ کرو تو دونوں

ہاتھوں کو زمین پر رکھو اور کہنیوں کو زمین سے اُٹھائے رکھو۔ رواہ مسلم (۲۳) رکوع سجود اور قومہ جلسہ میں طمانینت کا چھوڑنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ بخاری و مسلم نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے ایسے وقت میں نماز ادا کی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ اس نے نماز میں تعدیل ارکان اور قومہ و جلسہ کی طمانینت کو نظر انداز کر دیا تھا۔ جب وہ فارغ ہو کر جانے لگا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ پھر پڑھو۔ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ اُس نے دوبارہ پڑھی اور جانے لگا تو آپؐ نے فرمایا۔ پھر پڑھو تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ تین چار بار ایسا ہی ہوا۔ آخر وہ کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ بتا دیجیے۔ چنانچہ آپؐ نے اُسے نماز پڑھنے کی پوری ترکیب بتائی۔ جس میں فرمایا۔ کہ رکوع میں اطمینان سے ٹھیرو۔ پھر پوری طرح سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدے میں جاؤ اور کامل اطمینان سے سجدہ کرو۔ پھر پورے اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ اس طمانینت کے بعد دوسرا سجدہ بھی کامل اطمینان سے کرو اور ساری نماز اسی سکون و اطمینان سے ادا کرو۔”

اسی طرح ابومسعود انصاری رض سے مروی ہے کہ حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کی نماز کفایت نہیں کرتی اور مقبول نہیں ہوتی جب تک کہ رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو سیدھا نہ کرے۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی۔ اور ابوقتادہ رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے۔ صحابہ رض عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! نماز میں چوری کیوں کر ہوتی ہے؟ فرمایا کہ نماز کا رکوع و سجود پوری طرح نہ کرے۔ رواہ احمد

سوال ۔ تعدیل ارکان اور قومہ و جلسہ کی طمانینت فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟

جواب ۔ تعدیل ارکان یعنی رکوع و سجود میں اتنا ٹھیرنا کہ سب اعضا اپنے ٹھکانے پر آ جائیں۔ امام ابویوسف، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک فرض اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک واجب ہے۔ اسی طرح رکوع سے اٹھ کر اطمینان سے سیدھا کھڑا ہو جانا اور دونوں سجدوں میں طمانینت حاصل کرنا بھی امام ابویوسف رحؒ اور ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک فرض اور امام ابوحنیفہ رحؒ اور امام محمد رحؒ کے نزدیک واجب ہے۔

(۲۴) مقتدی کا امام سے پہلے رکوع و سجود وغیرہ میں جانا یا اس سے پہلے سر اٹھانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔

(۲۵) امام کو کسی آنے والے کی خاطر کسی رکن کو طول دینا۔ اگر اس کو پہچانتا ہو اور اس کا پاس خاطر منظور ہو تو مکروہ

تحریمی ہے اور اگر نماز پر اس کی اعانت کے لیے کچھ برائے نام طول دیا تو کراہت نہیں (۲۶) قیام کے علاوہ نماز کے کسی دوسرے موقع پر قرآن مجید پڑھنا (۲۷) عجلت میں صف کے پیچھے ہی تکبیر کہہ کر جماعت میں شامل ہو جانا اور پھر ایک یا دو قدم چل کر صف میں آملنا (۲۸) جلدی میں قرارت ختم ہونے سے پہلے رکوع میں جانا اور باقی ماندہ دو ایک کلمے رکوع میں پڑھنا (۲۹) اگر کرتے کے نیچے بنیان یا صدری وغیرہ نہ ہو تو کھلے سینہ نماز پڑھنا۔ اسی طرح کوٹ یا شیروانی کے نیچے کرتا یا بنیان وغیرہ کچھ نہ ہو تو ان کے بٹن لگائے بغیر کھلے سینہ نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے (۳۰) قبر کا سامنے ہونا اور نمازی اور قبر کے درمیان کسی چیز کا حائل نہ ہونا (۳۱) فرض نماز میں ترتیب قرآنی کے خلاف الٹا قرآن مجید پڑھنا جب کہ سہواً نہ ہو۔

(۳۲) نماز میں بالقصد جمائی لینا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی نماز میں جمائی لے تو اس پر لازم ہے کہ حتی الامکان اس کو روکے۔ جمائی داخلۂ شیطانی کا اثر ہے۔ رواہ مسلم۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی نماز میں جمائی لے تو جہاں تک ہو سکے اسے روکے اور جمائی کے وقت لفظ ہا منہ سے نہ نکالے۔ شیطان بلاشبہ جمائی میں آدمی سے دل لگی کرتا ہے۔ اور ایک حدیث میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں جمائی اور اونگھ شیطان کی طرف سے ہے رواہ الترمذی۔ اگر جمائی نہ رکے تو نمازی کو چاہیئے کہ ہونٹ کو دانتوں سے دبائے اور اس پر بھی نہ رکے تو ہاتھ منہ پر رکھ دے۔ یا آستین سے منہ چھپالے۔ قیام میں منہ داہنے ہاتھ سے ڈھانکے اور دوسرے مواقع میں بائیں سے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جمائی کے روکنے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ جب اس کا احساس ہو تو دل میں خیال کرے کہ انبیاء علیہم السلام اس سے محفوظ تھے۔ فوراً رک جائے گی۔ یہ عمل راقم کا بھی مجرّب ہے۔ شامیؒ لکھتے ہیں کہ جمائی کی کراہت کو کسی نے تحریمی یا تنزیہی نہیں بتایا۔ مگر ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر اپنے آپ آئے تو کراہت تنزیہی ہے۔ اور اگر دانستہ جمائی لے تو تحریمی ہے۔ کیونکہ یہ ایک عبث فعل ہے۔ اور عبث فعل مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔

(۳۳) امام کا تنہا چبوترے پر کھڑا ہونا۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ امام مقتدیوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہو۔ رواہ الحاکم۔ اس بلندی کا اندازہ ایک ہاتھ یا اس سے کچھ کم کیا گیا ہے۔ اور بعض علماء کا قول مقدار ارتفاع میں یہ ہے کہ جس سے سرسری نظر سے امتیاز ہو جائے۔ علامہ کمال الدین ابن الہمامؒ وغیرہ نے اسی کو قول موجّہ بتایا ہے۔ اور بدائع میں کہا کہ ظاہر الروایۃ یہی دوسرا قول ہے

اور یہی اطلاق حدیث کے مناسب ہے۔ اور مقتضائے حدیث یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہو۔ کذافی الشامی۔ اور صحیح تر قول میں اس کا عکس یعنی مقتدیوں کا بلندی پر اور صرف امام کا پستی میں ہونا بھی مکروہ ہے۔ طحطاوی لکھتے ہیں کہ دوسری صورت میں کراہت غالباً تنزیہی ہے۔ اس لیے کہ نہی تو خاص پہلی ہی صورت میں وارد ہے۔ اور وجہ کراہت یہ ہے کہ اس میں امام کی حقارت ہے۔ راقم السطور کے زعم میں اگر امام کی بلندی دیکھنے میں ممتاز ہو تو کراہت تحریمی ہے اور قلیل ہو تو تنزیہی۔

اور دونوں مسئلوں میں یہ کراہت اس صورت میں ہے جب کوئی عذر نہ ہو۔ جمعہ کے دن بھیڑ زیادہ اور جگہ کی تنگی ہو تو مقتدی بالائی منزل پر اور امام زمین پر یا محراب میں کھڑا ہو سکتا ہے اس میں کوئی کراہت نہیں۔ اسی طرح اگر امام چبوترے پر ہو اور اس کے ساتھ کچھ مقتدی بھی ہوں تو مکروہ نہیں۔ اور جامع مسجدوں میں یہ عام معمول ہے کہ جگہ کی تنگی کے باعث جب امام محراب میں یا بلندی پہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ چند مقتدی بھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ایک مقتدی اس لیے بلند مقام پہ کھڑا ہو کہ تکبیر پکار کر کہے تو بھی مکروہ نہیں۔ کذافی الشامی

(۳۴) ان مواضع میں نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ قبرستان میں۔ شارع عام پر۔ کوڑے کرکٹ کی جگہ۔ مولیشی خانہ۔ مذبح۔ حمام۔ غسل خانہ۔ اصطبل۔ سرگین گاہ اور بیت الخلاء میں۔ بیت الخلاء کی چھت پر۔ گھاٹ پر جہاں مولیشی پانی پی کر بیٹھتے ہوں۔ صحرا میں بلا سترہ جب کہ لوگوں کے آنے جانے کا خدشہ ہو۔ حسب روایت جناب ابن عمرؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مقامات میں نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی۔ نجاست پڑنے کی جگہ پر۔ مذبح میں۔ مقبرہ میں۔ راہ کے بیچ میں۔ حمام میں۔ اونٹوں کے بندھنے کی جگہ پر۔ خانۂ کعبہ کی چھت پر۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ یاد رہے کہ امام احمد کے نزدیک مقبرہ یعنی قبرستان اور حمام میں نماز قطعاً حرام ہے۔

(۳۵) سجدہ گاہ سے کنکریاں ہٹانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ مگر جب پوری طرح بروجہ سنت سجدہ نہ ہو سکتا ہو تو ایک بار ہٹانے کی اجازت ہے۔ اور بہتر تو یہ ہے کہ ایک دفعہ بھی نہ ہٹائیں۔ صحاح ستہ میں حضرت مُعَیقیب صحابیؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سجدہ کی جگہ ہموار کرتے دیکھ کر فرمایا۔ کہ اگر ہموار کرنے سے چارہ نہ ہو تو ایک دفعہ کر لو۔" شامی لکھتے ہیں کہ اگر نشیب و فراز کی وجہ سے ہٹائے بغیر بالکل سجدہ نہ ہو سکے تو کنکریوں کو ہٹا دے۔ گو دوبارہ بھی ہٹانی پڑیں۔ (۳۶) تکبیر تحریمہ میں بجائے اللہ اکبر

کے کسی دوسرے لفظ سے جو خاص تعظیمِ الٰہی کے لیے ہیں۔ مثلاً اَللّٰہُ اَجَلُّ یا اَللّٰہُ اَعْظَمُ یا اَللّٰہُ کَبِیْرٌ سے نماز کی ابتداء کرنا۔

(۳۷) نمازِ عشاء کی تاخیر نصف شب سے زیادہ، نمازِ عصر کی تاخیر آفتاب کے زرد ہونے تک اور نمازِ مغرب کی تاخیر تاروں کے چھٹک جانے تک مکروہ تحریمی ہے۔ (۳۸) طلوعِ آفتاب کے ساتھ نماز مکروہ تحریمی ہے قضا ہو یا واجب۔ نفل ہو یا نمازِ جنازہ یا سجدۂ تلاوت۔ یاد رہے کہ جب تک آفتاب بقدر نیزہ بلند نہ ہو وہ طلوع کے حکم میں ہے۔ اور امام فضلیؒ نے فرمایا کہ جب تک آدمی آفتاب کے دیکھنے پر قدرت رکھتا ہے وہ طلوع میں داخل ہے۔ اس وقت تک نماز حلال نہیں۔ پھر آنکھ آفتاب کے دیکھنے سے عاجز ہو تو نماز حلال ہوگئی اور یہی صحیح ہے۔ لیکن عوام الناس کو اس وقت نماز پڑھنے سے نہ روکا جاتے کیونکہ اس ممانعت کی شہ پا کر وہ ادائے نماز سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اور بالکل ادا نہ کرنے کی نسبت مکروہ وقت میں پڑھنا اولیٰ ہے (۳۹) استواء یعنی آفتاب کے آسمان میں متوسط ہونے کے وقت نماز مطلق مکروہ تحریمی ہے مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دوپہر کے وقت جمعہ کی سنت مؤکدہ پڑھنا مکروہ نہیں۔ اور اسی پر فتویٰ ہے (۴۰) آفتاب کے غروب ہوتے وقت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ اس دن کی نماز عصر ہنوز نہ پڑھی ہو تو اُس وقت اس کا ادا کرنا لازم ہے۔ (۴۱) کفار کے عبادت خانوں میں (۴۲) یا زمین مغصوب یا پرائے کھیت میں جس میں زراعت موجود ہو یا جُتا ہوا ہو نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے ؞

فصل ۸۷ ۔ نماز کے مکروہاتِ تنزیہی

سوال ۔ تنزیہی مکروہات کیا کیا ہیں ؟

جواب ۔ فصل سابق میں جو مکروہات سپردِ قرطاس ہوئے ان کا مکروہ تحریمی ہونا کتب فقہ میں مصرّح ہے۔ گو بعض نے ان میں سے کسی میں اختلاف بھی کیا ہے۔ اب اس فصل میں ان مکروہات پر روشنی ڈالی جائے گی جو تنزیہی گمان کیے گئے ہیں۔ گو ان میں بھی بعض کی حیثیت مختلف فیہ ہے۔ تاہم ان کا تنزیہی ہونا راجح ہے۔

(۱) کام کاج کے متبذل لباس میں جس کو پہن کر معزز لوگوں کے پاس جانا گوارا نہ ہو نماز پڑھنا مکروہ

ہے۔ محدّث عبدالرزاق نے مصنّف میں روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نافعؒ کو دو کپڑے پہننے کو دیئے۔ اس کے بعد مسجد میں گئے اور ان کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس دو کپڑے نہیں کہ انہیں پہنتے؟ نافع عرض پیرا ہوئے کہ ہاں ہیں۔ فرمایا۔ کہ بتاؤ اگر گھر سے باہر تمہیں بھیجیں تو دونوں پہن کے جاؤ گے یا ایک؟ انھوں نے کہا کہ دونوں پہنوں گا۔ فرمایا تو کیا اللہ عزّوجل کے دربار کی حاضری کے لیے زینت زیادہ مناسب ہے۔ یا آدمیوں کے لیے؟ عرض کی۔ اللہ کے لیے۔" غرض جس قسم کے لباس میں کوئی شخص معزز اور اہلِ وجاہت لوگوں کے پاس جا سکتا ہے اس سے نماز پڑھنا مکروہ نہیں اور اس سے کم حیثیت میں مکروہ تنزیہی ہے۔ بشرطیکہ اس سے بہتر اور اُجلا لباس میسّر ہو۔

(۲) ننگے سر نماز پڑھنا۔ حالت نماز میں پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر دستار ہوتی تھی اور اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ آپ نے یا صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے یا ہمارے دوسرے اسلاف کرام میں سے کسی نے کبھی کھلے سر نماز پڑھی ہو۔ ہاں کُرتا نہ ہوتے وقت صرف چادر سے نماز ادا کر لیتے تھے۔ کسی کو ننگے سر رہنے کی عادت ہو یا کوئی سستی سے ننگے سر نماز پڑھے دونوں طرح مکروہ ہے اور اگر ننگے سر پڑھنے سے تحقیر نماز مقصود ہو اور کوئی یہ خیال کرے کہ نماز کوئی ایسی اہمیت نہیں رکھتی کہ اس کے لیے ٹوپی پگڑی پہننے کا اہتمام کیا جائے تو یہ کفر ہے۔ جو کوئی عادۃً ٹوپی پہنتا ہے اُس کے لیے ٹوپی سے نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔ لیکن پگڑی پہننے والا اگر ادائے نماز کے وقت سُستی سے ٹوپی سر پر رکھ لے تو نماز مکروہ ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص از راہ انکسار اور خشوع و خضوع ننگے سر نماز پڑھ لے تو مضائقہ نہیں۔ تاہم ننگے سر پڑھنے والے کو وہ ثواب نہیں مل سکتا جو سنت کے مطابق باقاعدہ پگڑی باندھ کر نماز پڑھنے والے کو ملے گا۔ شامی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ گرمی کی وجہ سے بھی ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جو لوگ ٹوپی پہننے کے عادی ہیں ان کیلئے بھی عمامہ سے نماز پڑھنا افضل ہے۔ راقم السطور نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا عزیز الرحمٰنؒ مفتی دیوبند کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھانے کے وقت عمامہ باندھ لیتے تھے۔

سوال۔ امام کے سر پر عمامہ ہو اور مقتدیوں نے ٹوپیاں پہن رکھی ہوں۔ تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟

جواب ۔ مولنا عبدالحی لکھنویؒ نے اس سوال کے جواب میں لکھا کہ نماز مکروہ نہیں ہوتی کیونکہ پگڑی کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے وَالمستحب للرجل ان یصلی فی ثلاثۃ اثواب قمیص وازار وعمامۃ۔ پس امام نے ترکِ مستحب نہیں کیا۔ البتہ مقتدی مستحب کے تارک ہوئے۔ لیکن عمامہ میں امام اور مقتدیوں کا تخالف کراہت نماز کا موجب نہیں (مجموعۂ فتاویٰ مولنا عبدالحی جلد سوم صفحہ ۵۵)

(۳) نماز میں آنکھیں بند رکھنا۔ لیکن اگر آنکھیں بند کرنے سے نماز میں جی خوب لگے تو بند کر کے نماز ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بدائع میں وجہ کراہت یہ مذکور ہے کہ سجدہ گاہ کی طرف (حالتِ قیام میں) نگاہ رکھنا مسنون ہے اور آنکھیں بند کرنے سے یہ سنت متروک ہو جاتی ہے۔ (۴)۔ سجدہ گاہ کا پیر سے اونچا ہونا۔ جیسے مثلاً کوئی دہلیز پر سجدہ کرے تو اگر دہلیز ایک بالشت سے زیادہ اونچی ہو تو نماز درست نہیں۔ اور اگر ایک بالشت یا اس سے کم ہے تو نماز درست لیکن مکروہ ہوتی ہے معمولی فرق میں کچھ مضائقہ نہیں (۵) نماز میں بلا عذر چار زانو (آلتی پالتی مار کر) بیٹھنا۔ کیونکہ اس میں جلسۂ مسنون ترک ہوتا ہے۔ اور نماز سے باہر پالتی مار کر بیٹھنا مکروہ نہیں۔ کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست اپنے جان نثار صحابہ کے ساتھ اکثر چار زانو ہوتی تھی۔ (درمختار) اس میں ان لوگوں کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ نماز کے باہر بھی اس وجہ سے چار زانو بیٹھنا مکروہ ہے کہ یہ جبابرہ کی نشست ہے۔ کذافی الشامی (۶) نماز میں دونوں پیر کھڑے رکھ کر بیٹھنا۔

(۷) امام کا محراب میں کھڑا ہونا۔ اور اگر دونوں قدم یا قدموں کا اکثر حصہ محراب سے باہر ہو تو مکروہ نہیں۔ اور اگر امام کے ساتھ کچھ مقتدی بھی ہوں تو محراب کے اندر کھڑے ہونے میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ اور اگر مقتدیوں پر مسجد تنگ ہو تو امام کا تنہا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں۔ امام کے محراب میں کھڑے ہونے کی کراہت کے سبب میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے توجیہ کی کہ محراب حجرہ کا سا ایک جداگانہ مکان ہے۔ اس میں کھڑا ہونا اہل کتاب کے مشابہ ہے کہ وہ بھی اپنے امام کا مکان جداگانہ بناتے ہیں۔ اور بعض فقہاء نے کراہت کا سبب یہ بیان کیا کہ امام کا حال داہنی اور بائیں جانب کے مقتدیوں پر مشتبہ رہے گا۔ اس لیے مکروہ ہے پس اگر وجہ کراہت اہل کتاب کی مشابہت ہے تو ہر حال میں مکروہ ہے۔ مقتدیوں پر اشتباہ ہو یا نہ ہو اور اگر وجہ کراہت حالت امام کا اشتباہ ہے تو جس صورت میں

اشتباہ نہ ہوگا مکروہ بھی نہ رہے گا۔ کذا فی الشامی (۸) امام یا مقتدیوں کا درے میں کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے حضرت انس رض کا بیان ہے کہ ہم عہد نبوی میں دروں میں کھڑے ہونے سے بچتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ہم دروں سے دھکے دے کر ہٹائے جاتے تھے۔ رواہ الترمذی و ابو داؤد۔ اگر امام درے میں کھڑا ہو تو اُسے چاہیئے کہ دونوں قدم درے سے باہر نکال لے ورنہ نماز مکروہ ہوگی۔

(۹) وقت مستحب کی تنگی کے وقت وقتی فرض کے سوا سنت، نفل، واجب اور فائتہ سب نمازیں مکروہ ہیں۔ (۱۰) اگر کسی کی باتوں سے نماز میں بھول جانے کا اندیشہ ہو تو اس کے پاس نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور ایسی جگہ نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے جہاں لوگوں کی ہنسی مذاق سے نماز میں خیال بٹ جانے اور بھولنے کا خدشہ ہو۔ (۱۱) بدون خوف ایذا کے نماز میں سانپ اور بچھو کا مارنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر ایذا رسانی کا خوف ہو تو ان کا مار ڈالنا جائز ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ نماز کے اندر دو سیاہ چیزوں یعنی سانپ اور بچھو کو ہلاک کر دو تو یہ ارشاد نبوی استحباب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے ہے۔ کیونکہ اس میں ہمارا ہی نفع ہے۔ اور سفید سانپ کے مارنے کی ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ حدیث میں اس کو جنّ فرمایا ہے۔ تو جنات کے آسیب سے محفوظ رہنے کے لیے اس کا نہ مارنا ہی بہتر ہے۔ اور اس کے مارنے میں ہمارا ضرر ہے۔ کذا فی الشامی (۱۲) نماز میں آیتوں سورتوں اور تسبیحات وغیرہ کو انگلیوں پر یا تسبیح ہاتھ میں لے کر شمار کرنا مکروہ ہے۔ اگرچہ نفل نماز ہو۔ اور پوروں کو دبا کر تعداد محفوظ رکھنے کی اجازت ہے بشرطیکہ سب انگلیاں بطور مسنون اپنی جگہ پر ہوں۔ مگر ایسا کرنا بھی خلافِ اولیٰ ہے کہ دل دوسری طرف متوجہ ہوگا۔

(۱۳) رکوع سجود میں بلا عذر تین سے کم تسبیح پڑھنا ہاں اگر تنگیٔ وقت یا ریل گاڑی کے چھوٹ جانے کے خوف سے ایسا ہو تو مضائقہ نہیں۔ مقتدی ابھی تین تسبیحیں نہ کہنے پایا تھا کہ امام نے رکوع سے سر اُٹھا لیا۔ تو مقتدی پر لازم ہے کہ معاً امام کی متابعت کرے۔ (۱۴) ایسی صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا جس میں جگہ خالی ہو۔ اور اگر صف میں جگہ نہ ہو تو حرج نہیں۔ اسی طرح کتب فقہ میں تنہا کھڑے ہونے کو بھی مکروہ لکھا ہے اگرچہ صف میں جگہ نہ پائے۔ ایسی حالت میں چاہیئے کہ ایک نمازی کو صف میں سے اپنے برابر کھینچ لے۔ ذکرہ ابن الکمال۔ لیکن صاحب قنیہ وغیرہ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اگلی صف سے نہ کھینچنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ لوگوں میں جہل زیادہ ہے۔ اکثر لوگ بنا بر ناواقفیت لڑ پڑتے ہیں۔ اس لیے

تنہا ہی کھڑا ہو جانا بہتر ہے۔ (۱۵) کسی نماز میں کوئی سورت مقرر کر لینا کہ ہمیشہ وہی پڑھا کرے اس کے سوا کوئی سورت نہ پڑھے مکروہ ہے۔ بجز اس قرأت کے کہ شارع علیہ السلام سے اس کا تعین ثابت ہو مگر اس میں بھی کبھی کبھی تغیر و تبدل کرتے رہنا چاہیئے۔ (۱۶) ایک سورت یا آیت کو فرض کی کسی رکعت میں بار بار پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ کسی عذر سے ایسا کیا جائے تو مضایقہ نہیں۔

(۱۷) سجدہ کو جاتے ہوئے زمین پر گھٹنے سے پہلے ہاتھ رکھنا اور اُٹھتے وقت ہاتھوں سے پہلے گھٹنے اُٹھانا بلا عذر مکروہ ہے۔ (۱۸) رکوع میں سر کو پیٹھ سے اُونچا یا نیچا کرنا (۱۹) ثنا۔ تعوّذ، بسم اللہ اور ثنا کا بالجہر پڑھنا یا آمین زور سے پکارنا یا اذکار کو ان کے موقع و محل سے ہٹا کر پڑھنا (۲۰) سجدہ وغیرہ میں ہاتھوں اور پیروں کی اُنگلیوں کو قبلہ سے پھیر دینا۔ (۲۱) بلا عذر دیوار یا عصا پر ٹیک لگانا (۲۲) تلوار کمان یا بندوق وغیرہ حمائل کیے ہوئے نماز پڑھنا جبکہ ان کے ہلنے جلنے سے دل کا خیال بٹتا اور توجہ میں فرق آتا ہو۔ (۲۳) سجدہ میں رانوں کو پیٹ سے چپکا دینا۔ مگر عورت سجدہ میں رانوں کو پیٹ سے ملائے۔ (۲۴) لہو و لعب زینت اور نقش و نگار وغیرہ اشیاء کے سامنے جو نمازی کا دل اپنی طرف جذب کریں۔ نماز پڑھنا۔ (۲۵) سجدہ میں کپڑے سے پیروں کو ڈھکنا (۲۶) اُلٹا کپڑا پہن کر نماز پڑھنا (۲۷) جماعت میں شامل ہونے کے لیے دوڑنا (۲۸) حالت سجدہ میں عمامہ کو سر سے اتار کر زمین پر رکھ دینا یا (۲۹) زمین سے اٹھا کر سر پر رکھ لینا (۳۰) مسجد میں کوئی جگہ اپنے لیے مخصوص کر لینا چنانچہ عبدالرحمٰن بن شبل انصاریؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کوّے کی طرح ٹھونگ مارنے اور درندے کی طرح پاؤں پھیلانے سے منع فرمایا۔ اور اس کی بھی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص مسجد میں نماز کے لیے اس طرح جگہ کو مخصوص کر لے جس طرح اُونٹ کسی جگہ کو مقرر کر لیتا ہے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی۔

(۳۱) نماز میں پیشانی سے مٹی یا تنکے چھڑانا جب کہ ان کی وجہ سے نماز میں تشویش و تکدّر نہ ہو۔ مکروہ ہے۔ اگر تکلیف دہ ہوں یا اُن کی وجہ سے خیال بٹتا ہو تو ان کے اُتارنے میں کچھ حرج نہیں اور فراغت نماز کے بعد پیشانی پونچھ ڈالتے ہیں تو کچھ بھی مضایقہ نہیں۔ بلکہ ان کا چھوڑا دینا اچھا ہے تا کہ نمازی ریا میں ملوّث نہ ہو۔ اسی طرح حاجت کے وقت پسینہ پُوچھنا بلکہ ہر وہ عمل قلیل جو نمازی کے لیے آرام دہ اور فائدہ بخش ہو۔ جائز اور غیر مفید مکروہ ہے۔ (۳۲) خاک سے پیشانی کی حفاظت کے لیے

آستین بچھا کر سجدہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور براہ تکبر و خود بینی ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ اور گرمی سے بچنے کے لیے کپڑے پر سجدہ کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ (۳۳) نماز میں دامن یا آستین سے اپنے آپ کو عمل قلیل کے ساتھ دو ایک بار جھلنا مکروہ ہے۔ اور تین بار جھلنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اسی طرح نماز میں پنکھا جھلنا بھی مفسد نماز ہے (۳۴) امام یا مقتدی کا آیۂ رحمت پر درخواست کرنا اور آیۂ عذاب پر پناہ مانگنا مکروہ ہے۔ اور اگر مقتدیوں کو شاق ہو تو امام کے لیے مکروہ تحریمی ہے۔ انفرادی حیثیت سے نفل نماز میں ایسا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ (۳۵) نماز میں کبھی ایک طرف کو جھکنا کبھی دوسری طرف کو۔ نماز تراویح میں تھک کر تراوح (یعنی طلبِ راحت) کے لیے دونوں پیروں پر باری باری بوجھ ڈالنے میں کوئی کراہت نہیں (۳۶) آگ کے سامنے نماز پڑھنا۔ شمع یا چراغ کے سامنے پڑھنے میں کراہت نہیں۔ (۳۷) زر نقد ہاتھ میں لے کر نماز پڑھنا۔ لیکن اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں اس کے بغیر حفاظت محال ہو تو مکروہ نہیں۔

(۳۸) سجدے کی جگہ پر پھونک مارنا۔ اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ایک غلام کو جسے افلح کہتے تھے دیکھا کہ سجدہ کرتے وقت پھونک مارتا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ افلح! اپنے چہرے کو خاک آلود کر۔ رواہ الترمذی۔ یعنی پھونک نہ مار۔ اگر چہرہ راہِ خدا میں خاک آلودہ ہوگا۔ تو اس میں بڑا ثواب ہوگا۔ (۳۹) تکبیر تحریمہ کے لیے دونوں ہاتھ کانوں سے اُوپر اُٹھانا۔ یا مونڈھوں سے نیچے رکھنا۔ (۴۰) صفیں سیدھی ہوئے اور مقتدیوں کے مونڈھے ملائے بغیر امام کا تکبیر تحریمہ کہہ دینا۔ (۴۱) امام کے پہنچے بغیر مقتدیوں کا نماز کے لیے کھڑا ہونا (۴۲) تکبیر تحریمہ کے بعد امام کا اتنی عجلت سے قرارت فاتحہ شروع کر دینا کہ مقتدی اطمینان سے ثنا نہ پڑھ سکیں۔ (۴۳) قرارت بالجہر شروع ہو جانے کے بعد مقتدی کا ثنا پڑھنا۔ مقتدی پر واجب ہے کہ قرارت سُنے۔ اگر بوجہ دُور ہونے یا بہرہ ہونے کے امام کی آواز نہ سُنے تو بھی قرارت شروع ہونے کے بعد ثنا پڑھنا ممنوع ہے۔

(۴۴) جماعت اُولیٰ کے امام کا مسجد کی ایک طرف یا زاویہ میں کھڑا ہونا۔ سنت یہ ہے کہ امام محراب کے سامنے وسط میں کھڑا ہو۔ وسط مسجد کو چھوڑ کر ایک جانب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اگرچہ صف میں امام کی دونوں طرف مقتدی برابر تعداد میں ہوں۔ (۴۵) مونڈھوں کا کپڑے سے خالی ہونا۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑا پہن کر ہرگز اس طرح نماز نہ پڑھے کہ مونڈھوں پر کچھ نہ ہو۔ رواہ البخاری ومسلم۔ (۴۶) سنڈاس کے سامنے یا ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں نجاست کا گمان ہو۔ (۴۷) سخت بھوک کے وقت کھانا تیار موجود ہو تو نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ پہلے کھانا کھائے پھر نماز پڑھے۔ اگر نماز کا وقت تنگ ہو تو پہلے نماز پڑھے اور پھر کھانا کھائیے۔ اسی طرح اگر جماعت کے فوت ہونے کا خدشہ ہو تو بھی پہلے نماز پڑھے۔ (کبیری) (۴۸) اس چیز کے سامنے یا اس کی موجودگی میں نماز پڑھنا جو حضورِ قلب کی مانع ہو (۴۹) چادر وغیرہ کو بلا عذر داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں کنارے مونڈھوں پر ڈالنا نماز کے باہر ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں۔

(۵۰) کعبہ معظّمہ اور مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا خلافِ تعظیم ہونے کے باعث مکروہ ہے (عالمگیری)
حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کی پشت پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ (۵۱) بلاضرورت کھانسنا یا کھنکارنا۔ اگر طبیعت دفع کر رہی ہو تو مضائقہ نہیں ورنہ مکروہ ہے۔ (۵۲) نماز میں تھوکنا مکروہ ہے لیکن بحالت مجبوری درست ہے جیسے کسی کو کھانسی اٹھی اور منہ میں بلغم آگیا۔ تو اگر مسجد میں نہ ہو تو اپنے بائیں طرف تھوک دے یا کپڑے میں مل ڈالے۔ بخاری شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی نماز کو کھڑا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں مناجات کر رہا ہے۔ اور نہ داہنی طرف تھوکے کیونکہ اس کی داہنی جانب فرشتہ ہے البتہ بائیں طرف کو تھوکے (کبیری)۔ مگر بائیں طرف تھوکتے وقت احتیاط رکھے کہ اس کا سینہ رُخِ قبلہ سے تجاوز نہ کرے۔

(۵۳) بچے کو نماز میں اٹھانا بشرطیکہ عمل کثیر تک نوبت نہ آئے۔ یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حسب روایت بخاری ومسلم نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی محترمہ اُمامہ رضؓ کو جو سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا کی دختر تھیں نماز میں اُٹھا لیتے تھے۔ آپ سجدے کے وقت ان کو اُتار دیتے اور قیام کے وقت پھر اُٹھا لیتے تھے"۔ اس کی نسبت گذارش ہے کہ حضرت زینبؓ کی رحلت کے بعد اُمامہؓ حضور ہی کی آغوش تربیت میں پرورش پا رہی تھیں۔ اور وہ آپؐ سے بہت مانوس تھیں اور حسب تصریح خطابی آنحضرت کا اُمامہ کو اُٹھانا قصداً نہ تھا۔ بلکہ وہ بسبب نہایت اُلفت کے کہ آپ سے رکھتی تھیں نماز میں بھی آ کر آپ سے چمٹ جاتی تھیں اور دوش

مبارک پر چڑھ بیٹھتیں اور آپ ان کو رکوع و سجود میں اس طرح کندھے سے اُتارتے تھے کہ عمل کثیر کی نوبت نہ آتی تھی۔ پس یہ اُٹھانا اور اُتارنا در اصل آپ کا فعل نہ تھا۔ اور راوی کا ان افعال کو آپ کی طرف منسوب کرنا مجازاً ہے۔ واللہ اعلم۔

(۵۴) عقصِ شعر یعنی بالوں کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا۔ اگرچہ جوڑا کرنا اُن کے اکٹھا کرنے سے ہو یا ان کے سروں کو جوڑوں میں کر لینے سے ہو اور حالتِ نماز میں جوڑا کرنا مفسدِ نماز ہے (درمختار) عقص سے یہاں یہ مراد ہے کہ بالوں کو سر پر جمع کر کے گوند سے چپکا لے یا ڈوری سے باندھ لے۔ خواہ مینڈھیاں گوندھ کے سر کے گرد لپیٹ لے۔ خواہ گدّی پر سب کو باندھ لے کہ سجدہ میں زمین پر نہ گریں۔ غرض یہ سب امور مکروہ ہیں۔ کیونکہ طبرانی کی حدیث میں اس سے ممانعت وارد ہے (شامی) اکثر کتب فقہ میں جوڑا باندھ کر نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی لکھا ہے لیکن حلیہ میں نقل کیا ہے کہ گو احادیث کے رُو سے کراہت تحریمی ہونی چاہیئے مگر اس پر اجماع ہے کہ یہ فعل مکروہ تنزیہی ہے اور نماز کے اندر اس فعل کے مفسد نماز ہونے کی وجہ عمل کثیر ہے۔ کذا فی الشامی۔

(۵۵) پہلی اور تیسری رکعت کے دُوسرے سجدہ یا قعدۂ اُولیٰ کے بعد ہاتھ ٹیک کر اُٹھنا۔ شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رح اور امام احمدؒ کے نزدیک سنت یہ ہے کہ نمازی اُٹھتے وقت دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ دے اور گھٹنوں کے سہارے کھڑا ہو۔ بنا بر حدیث وائل بن حجر کے جن کا بیان ہے کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دونوں گھٹنوں پر اُٹھتے اور رانوں پر اعتماد کرتے تھے رواہ ابوداؤد۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔ کہ آدمی زمین پر ہاتھ ٹیک کر اُٹھے۔ رواہ ابوداؤد امام مالکؒ کے نزدیک بھی حنفیوں کی طرح جلسۂ استراحت نہیں۔ لیکن مالکی زمین پر ہاتھ ٹیک کر اُٹھتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں (یعنی حنفیوں میں) بھی کبر سنی اور ضعف و ناتوانی کی حالت میں ہاتھ ٹیک کر اُٹھنا جائز ہے۔ (مدارج النبوت) (۵۶) اعرج یعنی لنگڑے کو جو پوری طرح کھڑا نہ ہو سکتا ہو امام بنانا بھی مکروہ تنزیہی ہے۔

(۵۷) تکبیر تحریمہ کہتے وقت سر جھکانا (۵۸) امام کا زاید از ضرورت بلند آواز سے اللہ اکبر یا سمع اللہ لمن حمدہ یا السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا (۵۹) امام کی آواز پہنچنے کے باوجود کسی مقتدی کا بلا ضرورت بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا۔ (۶۰) تکبیر تحریمہ کے بعد ناف کے نیچے لا کر ہاتھ باندھنے کی بجائے ہاتھ نیچے گرانا اور پھر اُٹھا کر باندھنا (۶۱) نماز میں بلا عذر ہاتھ پر سے مکھی اُڑانا (۶۲) رکوع میں ہاتھ کی انگلیوں کو خوب کشادہ

رکھنے کی بجائے باہم ملا کر رکھنا اور سجدہ میں ہاتھ کی اُنگلیوں کو کشادہ کرنا۔ سجدہ میں ہاتھ کی اُنگلیاں ملی رہنی چاہئیں تاکہ سب کے سر قبلہ رُخ ہوں۔ (۶۳) جماعت میں سجدہ کے وقت بازوؤں کا کروٹوں سے جُدا کرنا جو دُوسرے نمازیوں کے لیے تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ (۶۴) گھٹنوں کو ایک دُوسرے سے زیادہ فاصلے پر رکھنا جس کی وجہ سے کہنیاں جو گھٹنوں سے باہر ہوتی ہیں دوسرے نمازیوں کی کہنیوں سے جا ٹکراتی اور ان کی تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔ (۶۵) قعدہ میں ہاتھوں کی اُنگلیوں کو کشادہ کرنا یا بالکل ملا دینا۔ اُنگلیوں کو ان کی حالت پر چھوڑنا چاہیئے کہ نہ کھلی ہوئی ہوں نہ ملی ہوئی۔ (۶۶) قعدہ میں گھٹنوں کو ہاتھوں سے پکڑنا۔ اُنگلیوں کے سرے گھٹنوں کے ساتھ رہنے چاہئیں۔ (۶۷) مسلمان کی زمین کی موجودگی میں غیر مسلم کی زمین پر نماز پڑھنا۔ اگر مسلمان کی زمین میں زراعت ہو۔ تو کسی اور جگہ نماز پڑھے۔

(۶۸) راستہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔ سُترہ کے ساتھ یا بغیر سُترہ کے دونوں طرح مکروہ ہے۔

(۶۹) عشاء سے پہلے اس شخص کا سونا جسے سونے میں شب بیداری کا اہتمام نہ ہو۔ (۷۰) عشاء کے بعد مباح کلام کرنا۔ مباح کلام سے وہ گفتگو مراد ہے جس کی حاجت نہ ہو۔ ضرورت کی گفتگو میں کوئی کراہت نہیں۔ چنانچہ تلاوت قرآن۔ ذکر الٰہی، حکایات صالحین، دینی مذاکرہ بیوی یا مہمان کے ساتھ گفتگو سب ایسا کلام ہے جو نماز عشاء کے بعد بھی مکروہ نہیں۔ (۷۱) طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک بھی ایسا کلام مکروہ ہے جس کی طرف متکلّم کو کوئی حاجت نہ ہو۔ (۷۲) نماز فرض کی اقامت کے وقت غیر فرضی نماز شروع کرنا مکروہ ہے۔ بدلیل اس حدیث کے کہ جب نماز کی اقامت ہو تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں۔

(۷۳) عرفات میں ظہر اور عصر کے درمیان اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ مزدلفہ کی نمازوں کے بعد نفل مکروہ نہیں۔ (۷۴) طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک دو رکعت سنت مؤکّدہ کے سوا کوئی نفل پڑھنا۔ (۷۵) نماز عصر کے بعد سے غروب تک نفل پڑھنا۔ (۷۶) عید الفطر اور عید الاضحٰی کی نماز سے پہلے کسی جگہ اور نماز کے بعد عید گاہ یا مسجد میں نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ نماز عید کے بعد گھر میں نفل پڑھنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ (۷۷) بیگانی زمین پر جو بوئی یا جوتی ہو نماز پڑھنا۔ (۷۸) جنگل میں سُترہ کے بغیر نماز پڑھنا جب کہ چلنے والوں کے واسطے کوئی چیز اوٹ نہ ہو۔ (۷۹) کسی قسم کا کوئی قلیل عمل بلا عذر کرنا۔ علماء نے لکھا ہے کہ تین دفعہ کا عمل قلیل عمل کثیر ہو جاتا ہے۔ جو مفسد نماز ہے۔ (۸۰) نماز کی کسی سنت یا مستحب کو چھوڑنا۔ شامیؒ لکھتے ہیں کہ اگر سنت مؤکدہ ہو تو عجب نہیں کہ اس کا ترک مکروہ تحریمی ہو۔

فصل ۷۹۔ نماز توڑنے کے مواقع

سوال۔ نماز شروع کرنے کے بعد توڑنا بھی روا ہے یا نہیں؟ اور اگر روا ہے تو توڑنا فرض ہے یا واجب یا مستحب؟

جواب۔ نماز کا توڑنا کبھی حرام ہوتا ہے کبھی فرض کبھی واجب کبھی مستحب اور کبھی مباح۔

سوال۔ نماز کا توڑنا کب حرام ہے؟

جواب۔ جب نیت باندھ کر ایک دفعہ نماز شروع کر دی گئی تو اس کے بعد بلا عذر اور بغیر کسی مجبوری کے اس کا توڑنا قطعاً حرام ہے۔

سوال۔ نماز کا توڑنا کب فرض ہے؟

جواب۔ اگر کوئی شخص ڈوب رہا ہو یا جل رہا ہو یا اندھا کنوئیں میں گرنے والا ہو یا کوئی شخص ایسے حادثہ کا شکار ہو جس میں اس کی جان خطرے میں ہو تو نمازی کا فرض ہے کہ نماز کو توڑ کر ان کی مدد کو پہنچے۔ اگرچہ فرض نماز ہو اور اگر نماز پڑھتا رہا اور اس کو توڑ کر ان کی فریاد رسی نہ کی۔ تو گنہ گار اور مجرم ٹھیرے گا۔

سوال۔ نماز توڑنا کس صورت میں واجب ہے؟

جواب۔ پاخانہ اور پیشاب کے دباؤ کے وقت نماز توڑ دینا واجب ہے۔ اگرچہ جماعت فوت ہو جائے۔ ماں باپ دادا دادی نانا نانی کسی مصیبت کے وقت پکاریں تو بھی فرض نماز کا توڑ دینا واجب ہے۔ جیسے کسی نمازی کا باپ یا ماں وغیرہ علیل ہے اور قضائے حاجت کو جاتے ہوئے اس کا پاؤں پھسل گیا اور گر پڑا تو نماز توڑ کر اس کا اٹھانا واجب ہے۔ لیکن اگر کوئی دوسرا اٹھانے والا موجود ہو تو نماز توڑنا ممنوع ہے۔ اور اگر ابھی گرا نہیں لیکن اسے گرنے کا اندیشہ ہے اور اس نے پکارا تو بھی نماز کو توڑ دے۔ اور اگر ماں باپ وغیرہ میں سے کسی نے کسی ایسی اشد ضرورت کے لیے نہیں پکارا تو فرض نماز کا توڑنا جائز نہیں۔ اور اگر سنت یا نفل پڑھتے وقت ماں باپ دادا دادی اور نانا نانی میں سے کسی نے پکارا اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ مصروف نماز ہے تو بھی نماز کو توڑ کر ان کی بات کا جواب دینا واجب ہے خواہ کسی مصیبت

میں پکاریں یا بے ضرورت آواز دیں۔ اگر نماز توڑ کر نہ پہنچے گا تو گناہ گار ہو گا۔ اور اگر جانتے ہوں کہ مصروفِ نماز ہے تو ان کے پکارنے پر نماز نہ توڑے۔ البتہ اگر کسی ضرورت سے پکاریں اور ان کو تکلیف پہنچ جانے کا خدشہ ہو تو نماز توڑ دینی چاہیئے۔

سوال۔ نماز کا توڑنا کس حالت میں مستحب ہے؟

جواب۔ حصول جماعت کے لیے نماز توڑنا واجب ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اسی طرح خلاف سے بچنے کے لیے بھی نماز توڑنا جائز ہے بشرطیکہ وقت کے ختم ہونے یا جماعت کے جاتے رہنے کا خدشہ نہ ہو۔ خلاف سے نکلنے کی یہ صورت ہے کہ نماز ادا کرتے وقت کوئی اجنبی عورت نمازی کو ہاتھ لگا دے۔ اس صورت میں امام شافعیؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے پس حنفی کے لیے مستحب ہے کہ نماز کو توڑ دے۔ کیونکہ نہ توڑنے کی صورت میں امام شافعیؒ کے نزدیک نماز ہی نہ ہو گی۔

سوال۔ کن صورتوں میں نماز توڑنا مباح ہے؟

جواب۔ ان صورتوں میں فرض نماز کا توڑ دینا جائز ہے۔ اگر خوف ہو کہ بھیڑیا بکری اُٹھا لے جائیگا تو جائز ہے کہ نماز توڑ کر بھیڑیے کو دفع کرے۔ اسی طرح ان عذرات پر بھی نماز توڑنا جائز ہے۔ ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر نماز پڑھتے وقت ریل گاڑی چل پڑی اور گاڑی میں اپنا اسباب یا اہل وعیال ہیں تو نماز توڑ کر گاڑی میں بیٹھنا جائز ہے۔ نماز پڑھتے وقت سانپ سامنے آگیا یا جوتی دروازے پر اتاری تھی اور کسی جوتی چور نے جوتی اُٹھا لی ہے۔ یا رات کو مُرغی کھلی رہ گئی تھی بلی اس کی طرف جھپٹی ہے۔ یا نماز کی حالت میں دُودھ جوش کھا کر پتیلی سے باہر نکلنے لگا یا ہانڈی جلنے لگی تو ایک درہم (ساڑھے تین ماشہ چاندی) تک کے نقصان سے بچنے کے لیے نماز کو توڑ کر اس کو درست کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح اگر سواری کا جانور بھاگ جائے یا نفل پڑھتے وقت جنازہ آگیا اور نمازی کو خدشہ ہے کہ نماز نفل پوری کرنے میں نماز جنازہ نہ ملے گی تو نفل کو توڑ کر نماز جنازہ میں شریک ہو جائے اور نفل کو قضا کر لے اور اگر فرض نماز پڑھتے وقت جنازہ آگیا۔ اور خوف ہے کہ نماز فرض سے فراغت پانے سے پہلے نماز جنازہ ہو چکے گی تو فرض کو قطع نہ کرے کیونکہ وہ نماز جنازہ سے قوی تر ہے۔

سوال۔ ایک شخص نے تنہا نماز فرض پڑھنی شروع کی۔ اتنے میں جماعت کھڑی ہو گئی۔ تو اب وہ اپنی نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو یا نہ ہو؟

جواب۔ ہاں حالتِ قیام میں صرف داہنی طرف سلام پھیر کر نماز قطع کر دے اور جماعت میں شامل ہو جائے۔ بشرطیکہ پہلی رکعت کا ہنوز سجدہ نہ کیا ہو۔ اور اگر نماز فجر یا مغرب میں پہلی رکعت کا سجدہ کر چکا ہے تو بھی نماز توڑ کر امام کا اقتدا کرے اور اگر ظہر یا عصر یا عشاء کی نماز ہے تو دو جوبا ایک رکعت اور ملا کر توڑے اور اقتداء کرے۔ تاکہ دو رکعتیں نفل ہو جائیں اور جماعت بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ اور اگر نماز فجر، مغرب میں دوسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہے تو اب اسی کو پورا کرے اور اقتداء نہ کرے۔ کذا فی الشامی۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل انشاء اللہ آیندہ صفحات پر آئے گی ۔

فصل ۸۰۔ نماز کیوقت سُترہ کھڑا کرنا

سوال۔ سُترہ کیا ہے اور اس کا حکم کیا ہے ؟

جواب۔ سُترہ دیوار یا ستون یا لکڑی یا کسی اور چیز کا نام ہے جو بوقت نماز نمازی کے سامنے ایستادہ ہو۔ امام اور منفرد کے لیے مستحب ہے کہ جب صحرا یا کسی بڑی مسجد یا کسی ایسی جگہ نماز پڑھیں جہاں سے لوگوں کے گزرنے کا احتمال ہو تو اپنے سامنے زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ کے فاصلہ پر کم از کم ایک ہاتھ لمبا اور ایک اُنگلی موٹا سُترہ ایک ابرو کے مقابل گاڑ لیں۔ داہنے ابرو کے بالمقابل کھڑا کرنا بہتر ہے۔ دونوں آنکھوں کے وسط کی سیدھ میں نہ ہونا چاہیئے۔ بحر الرائق میں ہے کہ مذہب قوی کے بموجب موٹائی کا کچھ اعتبار نہیں۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو ادائے نماز کے وقت کبھی برچھی کا اور کبھی کجاوہ کا اور کبھی کسی اور چیز کا سُترہ کیا جاتا تھا۔ سُترے کی موجودگی میں نمازیوں کے آگے سے گزرنے میں کچھ گناہ نہیں۔ اور امام کا سُترہ ہی مقتدیوں کا سُترہ ہے۔ یعنی اگر امام کے آگے سُترہ ہو تو مقتدیوں کے آگے سے بھی گزرنا جائز ہے۔ اگرچہ ان کے آگے کوئی چیز حائل نہ ہو۔ اور سُترہ کے ورے سے گزرنا جائز نہیں۔ بجز اس صورت کے کہ پہلی صف میں کوئی فرجہ یعنی خالی جگہ ہو۔ اگر پہلی صف میں کوئی جگہ خالی ہو تو جائز ہے کہ کوئی دوسری صف میں سے گھس کر پہلی صف کی خالی جگہ

کو پُر کر دے۔ اور درمختار میں ہے کہ اگر صف میں کوئی جگہ خالی ہو۔ تو نماز میں آنے والے کو جائز ہے کہ جس شخص نے اس جگہ کو بند نہیں کیا اس کی گردن کو پھلانگ کر چلا جائے۔ کیونکہ اس نے اگلی صف میں خالی جگہ چھوڑ کر اپنی عزت آپ کھو دی۔"

سوال - ایک حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ستون دیوار یا اس قسم کی کوئی اور چیز میسّر نہ ہو تو نمازی اپنے سامنے عصا کھڑا کر لے اور اگر عصا بھی موجود نہ ہو تو ایک خط کھینچ لے۔ رواہ ابوداؤد - وابن ماجہ - یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں - اور اگر صحیح ہے تو خط شرقاً غرباً کھینچا جائیگا یا شمالاً جنوباً ؟

جواب - اگر زمین سخت ہو اور عصا گاڑنے میں دشواری ہو تو چاہیئے کہ عصا کو اس طرح لمبا سامنے رکھ دیں کہ گاڑ دینے کے مشابہ ہو۔ حسب بیان شیخ عبدالحق "شرح منیہ میں لکھا ہے کہ اگر نمازی اپنا عصا آگے رکھ لے تو وہ بھی سترہ کا کام دے جاتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک عصا کا آگے رکھنا کفایت نہیں کرتا۔ اور کفایہ میں ہے کہ سُترے کا قائم مقام ہو جاتا ہے مگر طول میں رکھنا چاہیئے۔ خط کشی کو امام احمدؒ نے تسلیم کیا ہے۔ امام شافعیؒ بھی پہلے اسی کے قائل تھے اور بعض متاخرین حنفیہ کے نزدیک بھی خط کشی سترہ کے قائم مقام ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک خط معتبر نہیں اور امام شافعیؒ نے بعد میں اس سے رجوع کر لیا۔ اور فرمایا کہ حدیث جو اس باب میں وارد ہوئی ہے وہ ضعیف اور مضطرب ہے۔ کیونکہ خط دُور سے متمیّز و محسوس نہیں ہو سکتا۔ اور صاحب ہدایہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن شیخ ابن الہمامؒ نے سُترہ نہ ہونے کی صورت میں خط کشی پر اعتماد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اتباعِ سنت بہر حال بہتر ہے۔ اور خط کچھ بھی نظر آتا ہو تو کافی ہے۔ اس کے علاوہ خط کشی جمعیت خاطر کی موجب بھی ہے۔ پھر جو حضرات خط کشی کے قائل ہیں ان میں یہ اختلاف ہے کہ خط کس طرح کھینچا جائے۔ بعض نے کہا کہ ہلال کی شکل میں ہو اور بعض نے لمبا قبلہ رُخ بتایا ہے۔ اور دوسروں نے اس کو ترجیح دی ہے کہ خط داہنی طرف سے بائیں طرف کو عرض میں لے جائیں۔ لیکن مختار و مرجّح لمبا خط ہی ہے۔" ان بیانات سے ظاہر ہے کہ اگر اپنے سامنے کوئی کتاب یا چھڑی وغیرہ رکھ لی جائے تو بھی سترہ کا کام دے جائے گی۔

سوال - سُترہ نمازی سے کتنے فاصلہ پر ہونا چاہیئے ؟

جواب - سُترہ اتنا قریب ہونا چاہیئے کہ اس کے قریب سجدہ ہو سکے اور اگر بعید مسافت پر ہوگا تو اس کے اندر سے کسی کے گزرنے کا احتمال وتردّد رہے گا - اور شیطان دل میں وسوسے ڈالیگا

سوال - اگر قبرستان میں نماز با جماعت ادا کی جائے اور امام کے سامنے سُترہ ہو اور سُترے اور امام کے درمیان کوئی قبر حائل نہ ہو - البتہ مقتدیوں کے سامنے قبریں ہوں تو امام کا سُترہ مقتدیوں کو کافی ہوگا یا نہیں اور مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں ؟

جواب - اس صورت میں امام کا سُترہ مقتدیوں کو کافی نہیں - ہر مقتدی کے سامنے بھی سترہ چاہیئے امام کا سُترہ جو مقتدیوں کو اکتفا کرتا ہے تو وہ انسانوں اور حیوانوں کے گزرنے کے لیے ہے مگر قبروں کا سامنا بُت پرستی کے مشابہ ہے - اس لیے ہر نمازی کے لیے واجب اور ضروری ہے کہ شرک اور قبر پرستی سے بچنے کے لیے اس میں اور قبر میں کوئی آڑ ہو -

سوال - آدمی اور جانور بھی سُترہ بن سکتے ہیں یا نہیں ؟

جواب - آدمی اور جانور اور درخت بھی سُترہ بن سکتے ہیں - ان کی آڑ میں نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے - مگر آدمی اس حالت میں سُترہ کیا جا سکتا ہے جب اس کی پیٹھ نمازی کی طرف ہو - کیونکہ نمازی کی طرف منہ کرنا منع ہے - سوار اگر نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو کسی جانور یا اپنی سواری کو آگے کر کے اس کی آڑ میں گزر جائے -

سوال - اگر کسی آدمی کے پاس سترہ بنانے کے قابل کوئی چیز موجود ہو تو وہ کیا تدبیر کرے ؟

جواب - اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ سُترہ کر دینے کے لائق کوئی چیز ہے تو اس کو نمازی کے سامنے رکھ دے اور دوسری طرف جا کر اس چیز کو ہاتھ بڑھا کر اُٹھا لے - اور اگر دو شخص گزرنا چاہیں اور ان کے پاس سُترہ کرنے کے قابل کوئی چیز نہیں تو ان میں سے ایک شخص نمازی کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ جائے اور پھر کھڑا ہو جائے - اور دوسرا اس کی آڑ پکڑ کر گزر جائے پھر دوسرا اس کی پیٹھ کے پیچھے نمازی کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو جائے اور پہلا شخص اس کی آڑ سے گزر جائے - پھر وہ دوسرا جدھر سے آیا تھا اسی طرف ہٹ جائے - کذا فی الشامی - اس سے معلوم ہوا کہ ایک طرف سے نمازی کے سامنے کھڑا ہو جانا یا نمازی کے سامنے سے ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز اُٹھا لینا جائز ہے ∴

سوال۔ اگر کوئی شخص نمازی کے آگے بیٹھا یا کھڑا ہو تو وہ نمازی کے آگے سے ہٹ کر داہنی یا بائیں جانب کو نکل سکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ ہاں نکل سکتا ہے۔

سوال۔ اگر دو شخص مل کر شمال یا جنوب کی طرف منہ کر کے نمازی کے آگے سے گزر گئے تو کیا حکم ہے؟

جواب۔ ان میں سے جو گزرنے والا نمازی سے قریب تھا وہ گنہ گار ہوا۔ اور یہی دوسرے کے لیے سُترہ ہو گیا۔

سوال۔ ایک شخص کے پاس عصا ہے مگر وہ زمین میں گڑ نہیں سکتا۔ اس کو سُترہ بنا کر کس طرح نمازی کے آگے سے گزرا جا سکتا ہے؟

جواب۔ وہ عصا کو نمازی کے آگے کھڑا کر دے۔ پھر اس کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ کر اس کے گرنے سے پہلے تیزی سے نکل جائے۔

فصل ۱۵۔ نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ

سوال۔ نمازی کے آگے سے گزرنے میں کتنا گناہ ہے؟

جواب۔ ابو جہیمؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازی کے آگے سے گزر جانے والا اگر جان لے کہ اس میں کتنا گناہ ہے تو وہ چالیس کی مدت تک بھی ٹھیرا رہے مگر نمازی کے آگے سے نہ گزرے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابو النضر کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ میرے استاد نے چالیس برس کہے تھے یا چالیس مہینے یا چالیس دن۔ رواہ البخاری و مسلم۔ امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں فرمایا ہے کہ چالیس مہینے یا چالیس دن نہیں بلکہ چالیس برس مراد ہیں۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ جانتا ہو۔ تو اپنے بھائی کے نماز پڑھتے وقت بالفرض اُسے سو سال تک بھی

انتظار کرنا پڑے تو انتظار کرے۔ بجائے اس کے کہ اس کے آگے عرض میں قدم اٹھائے۔ رواہ ابن ماجہ اور کعب احبار نے فرمایا کہ اگر نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو کہ اس میں کتنا گناہ ہے تو وہ آگے سے گزرنے کی نسبت زمین میں دھنسائے جانے کو بہتر اور آسان سمجھے۔ رواہ مالک۔

سوال ۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو قتل کرنا چاہیئے۔ اس کی اصلیت کیا ہے؟

جواب ۔ ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی چیز کے سامنے نماز پڑھنا چاہے تو چاہیے کہ اُس کو لوگوں سے ڈھانکے یعنی سُترہ کھڑا کر لے۔ جو اس کے اور لوگوں کے درمیان حائل ہو جائے۔ پھر اگر کوئی سُترہ کے ورے سے گزرنا چاہے تو اُس کو باز رکھنے کی کوشش کرے۔ پھر اگر نہ مانے تو قتل کیا جائے۔ کیونکہ وہ بلاشبہ شیطان ہے۔ رواہ البخاری واخرجہ مسلم فی معناہ۔ یعنی اس نے ایسی حرکت کی جس کی پاداش میں وہ قتل کیا جانا چاہیے مطلب یہ ہے کہ یہ انتہا درجے کا مذموم فعل ہے نہ یہ کہ اس کا قتل جائز ہے۔ وہ شیطان ہے یعنی شیطان نے اس سے یہ کام کرایا۔ یا یہ مراد ہے کہ وہ آدمیوں کا شیطان ہے اس لیے کہ شیطان کے معنی سرکش کے ہیں خواہ جنّ ہو یا انسان۔ اسی بنا پر شریر آدمی کو شیطان الانس کہتے ہیں۔

سوال ۔ اگر کوئی نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو اس کے روکنے کے لیے کیا کرنے کا حکم ہے۔ اور اگر کوئی آگے سے گزرنے والے کو قتل کر دے تو اس پر قصاص یا دیت ہے یا نہیں؟

جواب ۔ جب سترہ نہ ہو یا سترہ ہو لیکن وہ سُترہ کے اندر کو گزرتا ہو تو آواز سے سبحان اللہ کہہ کر اس کو روکنا چاہیئے۔ اگرچہ نماز سرّی ہو یا ہاتھ آنکھ یا سر کے اشارے سے اس کو منع کریں۔ مگر فقہاء نے لکھا ہے کہ ہٹانا رخصت ہے عزیمت نہیں۔ پس ترک دفع ہی بہتر ہے۔ کیونکہ دفع کرنا نماز کے اعمال میں سے نہیں۔ باقانی نے کہا کہ اگر نمازی نے گزرنے والے کو مارا اور وہ مر گیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس پر دِیَت یا قصاص کچھ بھی لازم نہیں آتا۔ اور قاضی عیاضؒ کے نزدیک اگر نمازی گزرنے والے کو کسی ایسی چیز کے ساتھ دفع کرے کہ جس کے ساتھ ہٹانا جائز ہے۔ اور وہ مر جائے تو باتفاق علماء نمازی پر قصاص نہیں۔ اور دِیَت واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ ہمارے حنفی مذہب میں فقط اشارہ کرنے تک کی

اجازت ہے۔ نکلنے والے کا کپڑا یا پاؤں پکڑ لینا ہمارے نزدیک درست نہیں۔ چہ جائیکہ نمازی جنگ اور حرب و ضرب پر اُتر آئے۔ بلکہ اگر اُلجھنے میں عمل کثیر ہو گیا تو نماز ہی ٹوٹ جائے گی۔ کذا فی القہستانی گزرنے والے کو روکنے کے لیے سبحان اللہ کہنا اور اشارہ کرنا دونوں باتوں کا جمع کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ مقصد ایک ہی سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ جو حدیث میں وارد ہے کہ نمازی گزرنے والے سے جنگ کرے کہ وہ شیطان ہے سو یہ منسوخ ہے۔ چنانچہ زیلعیؒ نے سرخسیؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ حکم اوائل اسلام میں تھا جب نماز کے اندر کوئی کام یا کلام کرنا مباح تھا۔ اب اس کی اجازت نہیں۔ کذا فی الشامی۔

سوال۔ گزرنے والے کو روکنے کے لیے عورت کیا طریقہ اختیار کرے؟

جواب۔ عورت تالی بجائے لیکن نہ اس طرح کہ ہتھیلی ہتھیلی پر لگے۔ تالی بجانے کی کیفیت بحر الرائق میں یوں منقول ہے کہ داہنے ہاتھ کی انگلیوں کی پشت بائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں مارے (شامی) لیکن طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح تالی بجانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ ایسا کرنے میں دونوں ہاتھ اپنی جگہ سے ٹل جاتے ہیں۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ بائیں ہاتھ کو اپنی جگہ پر رہنے دے اور داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے اندر کی طرف کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مار دے کہ اس میں عمل تھوڑا ہے۔ اور اگر ہٹانے کے لیے مرد نے تالی بجائی یا عورت نے سبحان اللہ کہہ دیا تو گو دونوں کی نماز فاسد نہ ہو گی۔ لیکن دونوں نے طریق مسنون کو ترک کیا۔ کذا فی التاتارخانیہ

سوال۔ کتنی دور تک نمازی کے آگے سے گزر جانا جائز ہے؟

جواب۔ اس مسئلہ میں سخت اختلاف ہے۔ صاحب ہدایہ کا قول یہ ہے کہ نمازی کے قدموں اور اس کی سجدہ گاہ کے درمیان سے گزرنے والا گنہ گار ہو گا۔ (ہدایہ) یعنی اس سے آگے گزرنا جائز ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ میدان اور بڑی مسجد میں نمازی کے قدموں سے لے کر اس کے موضع سجود تک گزرنا منع ہے۔ اس سے آگے جائز ہے۔ بڑی مسجد وہ ہے جو چالیس ہاتھ ہو۔ اس سے کم چھوٹی مسجد ہے اور چھوٹی مسجد اور گھر میں نمازی کے قدموں سے لے کر قبلہ کی طرف جو دیوار ہو وہاں تک کہیں سے گزرنا جائز نہیں۔ بشرطیکہ سُترہ نہ ہو۔ تیسرا قول تمرتاشی کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نمازی حالتِ قیام میں اپنے سجدے کی جگہ پر نظر کرے تو جتنی دُور تک اس کی نگاہ پھیلے اتنی دُور تک گزرنا منع ہے۔ (درمختار مع شامی) چوتھا قول صاحب نہایہ کا ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگر نمازی خاشعین کی سی نماز پڑھے یعنی حالت قیام میں اس کی نظر اپنے موضع سجود پر اور رکوع میں قدموں پر اور سجود میں ناک کے بانسے پر اور قعود میں گود پر اور سلام میں مونڈھے پر ہو اور اس کے آگے سے

گزرنے والا اس کو دکھائی نہ دے تو گزرنا جائز ہے۔ پانچواں۔ جوامع الفقہ میں ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا قریب سے ہو یا بعید سے مکروہ ہے۔ اسی کے ہم معنی چھٹا قول صاحب خلاصہ کا ہے کہ مسجد میں نمازی اور دیوار قبلہ کے درمیان گزرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ ساتواں قول یہ ہے کہ نمازی کے پچاس ہاتھ آگے سے گزرنا جائز ہے۔

آٹھواں۔ نمازی کے تین ہاتھ آگے سے گزرنا جائز ہے۔ نواں نمازی سے پانچ ہاتھ آگے گزر سکتے ہیں۔ دسواں یہ ہے کہ چالیس ہاتھ کے اندر کہیں سے نہیں گزرنا چاہیئے۔ گیارھواں قول یہ ہے کہ دو تین صفوں کے فاصلہ کی مقدار چھوڑ کر اس سے آگے گزر سکتے ہیں (فتح القدیر شرح ہدایہ جلد اوّل صفحہ ۱۷۲) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے یہ اقوال لکھے ہیں۔ بارھواں نمازی کے آگے دو ہاتھ زمین چھوڑ کر گزر جانے میں مضائقہ نہیں۔ تیرھواں قول یہ ہے کہ نمازی اور اس کی جائے سجدہ کے درمیان سے گزرنا ناروا ہے۔ (اور یہ بعینہٖ صاحب ہدایہ کا قول ہے) چودھواں یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے تین ہاتھ کے اندر نہیں گزر سکتے۔ پندرھواں قول یہ ہے کہ نمازی کے آگے سے اتنی دُور تک گزرنا جائز نہیں جہاں تک پتھر پھینکا جا سکے (فتح الباری جلد اوّل صفحہ ۳۹۰) علامہ ابن حجرؒ نے جو چار اقوال نقل کیے ہیں ان میں سے انہوں نے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی۔ البتہ شیخ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں چوتھے قول کو جو صاحب نہایہ کا ہے ترجیح دی ہے۔ راقم السطور کے نزدیک نمازی کے آگے سے گزرنے میں سخت محتاط رہنا چاہیئے۔ البتہ اگر گزرنے کی کوئی مجبوری پیش آ جائے تو نماز والی صف کے علاوہ اس کے آگے کی دو اور صفیں چھوڑ کر گزر جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن مولانا ضیاء الحق صدر مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور کے نزدیک صاحب ہدایہ کا قول راجح ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ مرجحین میں سے تھے۔ اس لیے انہی کا قول معتبر ہے۔ واللہ اعلم

سوال ۔ اگر کوئی شخص بلند جگہ پر نماز پڑھ رہا ہو۔ تو نیچے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ کوئی شخص چھت یا اونچے چبوترے یا تخت پر نماز پڑھ رہا ہو۔ تو اگر نیچے سے گزرنے والے کا کوئی عضو نمازی کے سامنے ہوگا تو گزرنے والا گنہ گار ہوگا۔ غرض مقام نماز کی بلندی گزرنے والے کے قد سے زیادہ ہو تو نیچے سے گزرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔

سوال ۔ انگشت کے برابر موٹی رسّی یا زنجیر چھت میں لٹک رہی ہے جب نمازی سجدہ کرتا ہے تو وہ سر کی حرکت سے اس کی گردن یا کمر پر ہو جاتی ہے اور جب کھڑا ہوتا ہے تو پھر اپنی جگہ پر آ جاتی ہے۔ اس

طرح کی آڑ سے بھی گزرنے والا گنہ گار ہوتا ہے یا نہیں ؟

جواب۔ ایسی آڑ سے گزرنے والا گنہ گار نہیں ہوتا۔ کیونکہ سُترہ کا اعتبار حالتِ قیام میں ہے کذا فی الشامی والطحطاوی۔

سوال۔ بلا سُترہ یا بغیر آڑ کے نمازی کے آگے سے گزرنا بلاریب گناہ و معصیت ہے۔ لیکن اس نمازی پر بھی کوئی گناہ عائد ہوتا ہے یا نہیں جو کسی دوسرے نمازی کا راستہ روک کر نماز پڑھنے لگے ؟

جواب۔ حلیہ میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ گزرنے والے کو گنجائش ہو کہ نمازی کے آگے سے گزرنے کی بجائے کسی دُوسری طرف سے نکل جائے اور نمازی نے راستہ بھی نہ روک رکھا ہو۔ تو اس صورت میں کوئی گزرے گا تو گناہ خاص گزرنے والے پر ہوگا

دوم یہ کہ اور طرف کو راستہ نہیں اور نمازی نے راستہ روک لیا ہے اور گزرنے والا نکلنے پر مجبور ہے تو اس صورت میں گناہ خاص نمازی پر ہوگا۔

سوم یہ کہ نمازی نے راستہ روکا ہے مگر گزرنے والا اور طرف کو بھی نکل سکتا ہے تو اب گزرنے سے دونوں گنہ گار ہوں گے۔ چہارم یہ کہ نمازی نے راستہ نہیں روکا اور گزرنے والے کو اور طرف راہ نہیں۔ اور جانے والے کو کسی مجبوری کی بنا پر گزرے بغیر چارہ نہیں تو اس میں کسی پر گناہ نہیں۔ کذا فی الشامی والطحطاوی۔

سوال۔ گزرنے کی مجبوری کیا ہے ؟

جواب۔ یہ کہ کبھی اچانک جائے ضرور کو جانے کی مجبوری پیش آجاتی ہے۔ یا گزرنے والا ہانڈی آگ پر چھوڑ آیا تھا اور اسے یک بیک خیال آیا کہ فی الفور نہ پہنچے گا۔ تو جل جائے گی۔ وقس علی ہذا

سوال۔ یہ جو مشہور ہے کہ مکہ معظمہ کی مسجد الحرام میں نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت نہیں۔ اس کی اصل کیا ہے ؟

جواب۔ طواف کرنے والے نمازی کے آگے سے گزر سکتے ہیں۔ (شامی)

سوال۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے والے کے سامنے زمین یا چارپائی پر لیٹا رہے تو لیٹنے والے کو کچھ گناہ ہوگا یا نہیں اور نمازی کی نماز میں خلل آئے گا یا نہیں ؟

جواب - نہ تو لیٹنے والا گنہ گار ہوتا ہے اور نہ نماز میں کچھ خلل آتا ہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت (تہجدّ کی) نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے اور دیوار قبلہ کے درمیان اس طرح سامنے لیٹی رہتی تھی جیسے جنازہ سامنے رکھا جاتا ہے۔ جب آپ وتر پڑھنے کا قصد فرماتے تو مجھ کو بھی جگا دیتے اور میں بھی وتر پڑھ لیتی۔ رواہ البخاری و مسلم

معلوم ہو کہ نبی اللہ علیہ الصلٰوۃ والسلام آخر شب میں وتر پڑھا کرتے تھے اور یہی مسنون ہے لیکن جس کو اخیر رات میں جاگنے پہ بھروسہ نہ تو اس کو اول رات میں پڑھ لینا بہتر ہے۔ اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی حالت میں سوئے رہتی کہ میرے پاؤں آپ کے سجدے کی جگہ پر ہوتے۔ اور جب آپ سجدہ کرتے تو مجھ کو ٹھونکتے۔ میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپ کھڑے ہوتے تو میں اپنے پاؤں کھول دیتی۔ اُم المومنین نے یہ بھی فرمایا کہ ان ایام میں گھروں میں چراغ جلانے کا رواج نہ ہوا تھا۔ رواہ البخاری و مسلم۔ گویا ام المومنین نے حضور کے سجدہ گاہ میں پاؤں پھیلانے کا عذر بیان کیا کہ گھر میں اندھیرا ہونے کے باعث حضور کے سجدے کی جگہ پر پاؤں پھیلائے رکھتی تھی۔ اور جب آپ دونوں سجدے کر لیتے تو از سر نو پھیلا دیتی تھی۔ ظاہر ہے کہ آپؐ ام المومنین کی اس حالت پر کچھ ناگواری محسوس نہ فرماتے تھے۔ ہم کو بھی اپنے اہل خانہ سے یہی اخلاق برتنا چاہیئے۔

فصل ۸۲۔ نماز کے وہ مسائل جنمیں عورت مرد سے مختلف ہے

سوال - نماز کے وہ کون کون سے مسائل ہیں جن میں عورتوں کے لیے الگ احکام ہیں اور مردوں کے لیے الگ ؟

جواب :- مولانا محمد علاؤالدین حصکفیؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف دُرّ مختار میں لکھتے ہیں کہ ہم نے کتاب خزائن الاسرار میں لکھا ہے کہ عورت نماز کے پچیس مسائل میں مرد سے اختلاف رکھتی ہے علامہ شامی نے ان مواضع کو اپنی تحقیقات کے اضافہ کے ساتھ خزائن الاسرار سے اس طرح منضبط کیا ہے :-

(۱) عورت تکبیر تحریمہ میں اپنے شانوں کے برابر ہاتھ اٹھائے (۲) ہاتھ آستینوں سے باہر نہ نکالے (۳) داہنے ہاتھ کی ہتھیلی دوسری ہتھیلی پر رکھے (۴) ہاتھ پستان کے نیچے باندھے (۵) رکوع میں زیادہ نہ جھکے (۶) رکوع میں ہاتھوں پر سہارا نہ دے۔ (۷) رکوع میں ہاتھوں کی انگلیوں کو نہ پھیلائے بلکہ ملائے رکھے (۸) رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لے ان کو پکڑے نہیں (۹) رکوع میں اپنے گھٹنوں کو جھکا لے (۱۰) رکوع میں سمٹی رہے (۱۱) سجدہ میں اپنی بغلیں نہ کھولے اور سمٹی رہے۔ (۱۲) سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ بچھا دے (۱۳) قعدہ یعنی التحیات میں دونوں پاؤں داہنی طرف کو نکال کر سرین پر بیٹھے۔ (۱۴) التحیات میں ہاتھوں کی انگلیاں ملائے رکھے (۱۵) جب کوئی امر نماز میں پیش آئے تو تالی بجائے یعنی مردوں کی طرح سبحان اللہ نہ کہے (۱۶) مردوں کی امامت نہ کرے (۱۷) عورتوں کی جماعت مکروہ ہے (۱۸) لیکن اگر جماعت سے نماز پڑھیں تو عورتوں کی جماعت میں امام عورت صف کے بیچ میں کھڑی ہو نہ آگے بڑھ کر (۱۹) مردوں کی جماعت میں عورت کا حاضر ہونا مکروہ ہے (۲۰) مردوں کی جماعت میں عورت پیچھے کھڑی ہو (۲۱) عورت پر جمعہ فرض نہیں لیکن پڑھ لے گی تو صحیح ہو جائے گا۔ (۲۲) عورت پر عید کی نماز واجب نہیں (۲۳) عورت پر ایام تشریق میں نمازوں کے بعد تکبیر واجب نہیں (۲۴) عورتوں کو مستحب نہیں کہ نماز فجر خوب اجالا ہونے کے بعد پڑھے (۲۵) جہری نمازوں میں قرأت پکار کر نہ پڑھے بلکہ جن لوگوں کے نزدیک عورت کی آواز داخل ستر ہے ان کے نزدیک عورت کی نماز جہر کرنے سے فاسد ہو جائے گی (۲۶) بحر الرائق میں لکھا ہے کہ عورت اپنے پاؤں کی انگلیوں کو سجدہ میں کھڑا نہ رکھے۔ طحطاوی نے دو باتیں اور زیادہ کی ہیں (۲۷) عورت اذان نہ دے (۲۸) مسجد میں اعتکاف نہ کرے۔

مردوں سے عورتوں کی یہ مخالفت صرف نماز میں ہے ورنہ عورت بہت سے مسائل میں مردوں سے علیحدہ ہے۔

فصل ۸۳۔ مسجد کی تعمیر اور اس کی نگرانی

سوال۔ شرعی نقطۂ نظر سے مسجد کی کیا تعریف ہے؟

جواب ۔ مسجد وہ ہے جو ایک یا چند آدمی اپنی کوئی مملوکہ زمین یا مکان مسجد کے نام سے اپنی ملک سے جُدا کر دیں اور اس کا راستہ شارع عام کی طرف کھول کر مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں ۔ جب ایک مرتبہ وہاں اذان اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو یہ جگہ مسجد ہو جائے گی اگر زمین مشترک ہو تو کسی ایک کے وقف کرنے اور مسجد بنا دینے سے یہ جگہ مسجد نہ ہو گی ۔ جب تک تمام شرکاء بالغ ہونے کے بعد برضا و رغبت مسجد بنانے کی اجازت نہ دیں ۔

سوال ۔ ایک شخص نے اپنی زمین کو وقف کیے بغیر اس میں مسجد بنائی اور ایک نزاع کے وقت کہنے لگا کہ یہ میری مسجد ہے تو اس مسجد میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ جس مسجد کی زمین وقف نہیں وہ مسجد شرعی مسجد نہیں ۔ اگر کوئی شخص اس میں مالک کی اجازت سے نماز پڑھے گا تو نماز بلا کراہت ہو جائے گی لیکن مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا ۔ اور اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر نماز پڑھی تو جائز نہ ہو گی ۔ کیونکہ یہ جگہ مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوئی ۔

سوال ۔ مسجد بنوانے اور اس کی خبر گیری کا کیا ثواب ہے ؟

جواب ۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے رواہ البخاری و مسلم ۔ حسب بیان علی قاری طیبی لکھتے ہیں کہ یہ فضیلت بہت چھوٹی سی مسجد بنوانے والے کے لیے بھی ہے چنانچہ ایک روایت میں مبالغۃً یہاں تک فرمایا گیا کہ اگرچہ وہ مسجد بٹیر کے گھونسلے کی مانند ہو ۔ اور حسب روایت ابو سعید خدری رض نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کی خبر گیری کرتا ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو ۔ کیونکہ حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا ہے ۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ والدارمی اور آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کے کارہائے ثواب میرے سامنے پیش کیے گئے ۔ یہاں تک کہ میں نے اس کوڑے اور خاک کا ثواب بھی مشاہدہ کیا جس کو آدمی مسجد سے نکالے ۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد

سوال ۔ مسجد کی تعمیر اور مرمت پر زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ مسجد یا مدرسہ کی تعمیر و مرمت فرش وغیرہ اور ان کے دوسرے اخراجات میں مد زکوٰۃ کا روپیہ صرف کرنا جائز نہیں ۔ اور اگر خرچ کیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی اور یہی حکم صدقہ فطر اور چرم قربانی کی قیمت کا ہے

سوال ۔ مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے علیحدہ کر کے امام کے لیے مکان بنانا کیسا ہے ؟

جواب ۔ مسجد کی زمین ابدالآباد تک مسجد ہے ۔ اس کے کسی حصے میں مکان وغیرہ بنانا جائز نہیں ۔ جو جگہ مسجد میں داخل ہو چکی اس کو مسجد سے خارج نہیں کر سکتے ۔ اگرچہ مصالح مسجد ہی کے لیے ہو ۔ مثلاً امام کے لیے مکان یا وضو خانہ یا غسل خانہ بنانا ۔ یہ سب ناجائز ہے ۔ وہ جگہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی اور اگر کسی نے اس کو مسجد سے نکال کر کوئی دوسری چیز بنا دی تو متولی پر لازم ہے کہ اس کو منہدم کرا کے مسجد میں شامل کر دے ۔

سوال ۔ نیچے حجرہ اور اوپر مسجد ہے ۔ چونکہ مسجد کے نیچے خالی جگہ ہے ۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس میں نماز صحیح نہیں ۔ ایسی حالت میں اس کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی ضروریات مسجد پر صرف کی جا سکتی ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ یہ جگہ نہ کرایہ پر دی جا سکتی ہے نہ امام یا مؤذن یہاں رہ سکتے ہیں ۔ کیونکہ مسجد اوپر سے نیچے تک مسجد ہی ہوتی ہے ۔ اس میں کچھ اور تصرف کرنا جائز نہیں ۔ اور نماز اس میں صحیح ہے ۔ مسجد کی صفیں اور لوٹے وغیرہ بھی یہاں رکھے جا سکتے ہیں ۔

سوال ۔ غیر مسقف صحن اور مسجد کا مسقف حصہ ایک حکم میں ہیں یا کچھ فرق ہے ؟

جواب ۔ مسجد مسقف کے آگے جو غیر مسقف صحن ہوتا ہے اور موسم گرما میں عموماً اسی میں جماعت ہوتی ہے وہ جملہ احکام میں درجۂ مسقف کی مثل ہے ۔ فقہاء اس کو مسجد صیفی اور درجۂ مسقف کو مسجد شتوی کہتے ہیں اور وہ زمین جو ان دونوں حصوں کے علاوہ احاطۂ مسجد میں ہو جس میں غسل خانہ وضو خانہ وغیرہ ضروریات پوری کی جاتی ہیں وہ زمین مسجد کے حکم میں نہیں ہے اگرچہ وقف وہ بھی ہے ۔

سوال ۔ وقف کی آمدنی سے مسجد کے لیے دریاں شطرنجیاں خرید کر بچھانا کیسا ہے ؟

جواب ۔ وقف کی آمدنی سے تکلفات کی چیزیں خریدنا جائز نہیں ۔ لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اپنے روپیہ سے خرید کر مسجد میں بچھا دے تو ان کے استعمال میں کچھ حرج نہیں ۔

سوال ۔ مسجد کو معطر کرنا کیسا ہے ؟

جواب ۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں بنانے اور انھیں صاف اور پاکیزہ رکھنے اور معطر اور خوشبودار کرنے کا حکم دیا ۔ رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ

اور آپ نے فرمایا کہ بچوں اور پاگلوں سے اور خرید و فروخت اور شور مچانے سے اور حدّ جاری کرنے یعنی شر
سزائیں دینے سے اور خون خرابہ کرنے سے مسجدوں کو بچاؤ اور ان کے دروازوں پر غسل خانہ لاؤ اور وضو کی جگ
بناؤ اور جمعہ کے دن خوشبو جلا کر مسجدوں کو دھونی دو۔ رواہ ابن ماجہ

سوال۔ مسجد کے چراغ یا برقی روشنی سے درس تدریس یا دینی کتب کا مطالعہ جائز ہے یا نہیں

جواب۔ مسجد کی روشنی سے طالب علموں کو تہائی رات تک فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ ہاں اگر کس
مسجد میں ساری رات چراغ جلانے کا معمول ہو اور اہل محلہ اور چندہ دینے والے اس کی اجازت د
ہوں تو ساری رات بھی مطالعہ کتب جائز ہے۔

سوال۔ مسجد کی کسی چیز کا مسجد سے باہر لے جانا جائز ہے یا نہیں۔ اگر کوئی مسجد کا گرم پانی ا
گھر لے جا کر وضو کرے یا بیوی بچوں کے وضو کے لیے لے جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ مسجد کی کسی چیز کو صرف مسجد کی کسی ضرورت کے لیے باہر لے جا سکتے ہیں۔ لوگوں ک
استعمال کے لیے نہیں۔ مسجد کا گرم پانی اپنے گھر یا مسجد سے باہر کسی دوسری جگہ لے جانا درست نہیں اگ
متولی اپنے اور اپنے بال بچوں کے وضو کے لیے لے جائے۔

سوال۔ جامع مسجد کا فرش عیدگاہ میں بچھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ جامع مسجد کا فرش چٹائی وغیرہ عیدگاہ میں بچھانا درست نہیں۔

سوال۔ مسجد کو مقفل کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ درمختار میں ہے کہ دروازۂ مسجد کو قفل لگانا مکروہ ہے۔ ہاں اگر مال و اسباب کے چوری
جانے کا خدشہ ہو تو پھر کوئی کراہت نہیں۔ اور وجہ کراہت یہ ہے کہ دروازہ بند کرنے میں نمازیوں کو نما
سے باز رکھنا لازم آئے گا حالانکہ حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون
جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے لوگوں کو روکے۔ شامی لکھتے ہیں کہ متاع کے خوف ضیاع
صورت میں بھی نماز کے پنج گانہ اوقات میں مسجد کو بند کرنا مکروہ ہے۔

فصل ۸۴ ۔ داخلِ مسجد کے ممنوعات و مکروہات

سوال ۔ مسجد میں کیا کیا امور ممنوع و مکروہ ہیں ؟

جواب ۔ بودار چیز کھا کر مسجد میں جانا (۱) کچی پیاز یا کچا لہسن یا مولی کھا کر یا حقہ سگریٹ پی کر بدون ازالہ بدبو کے مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے اور احادیث صحیحہ میں لہسن یا پیاز کھا کر حاضری مسجد کی ممانعت وارد ہوئی ہے ۔ چنانچہ معاویہ بن قرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز اور لہسن کی ممانعت کی ۔ اور فرمایا کہ جو کوئی ان کو کھائے وہ مسجد کے قریب بھی نہ جائے ۔ اور فرمایا کہ اگر تم ان کو لامحالہ کھانا ہی چاہو تو پکا کر ان کی بو دور کر دو ۔ رواہ ابوداؤد اور فرمایا کہ جو کوئی پیاز یا لہسن کھائے وہ مسجد کے قریب بھی نہ پھٹکے (چہ جائیکہ مسجد میں داخل ہو) کیونکہ جس چیز سے آدمی ایذا پاتے ہیں فرشتے بھی اس سے متالم ہوتے ہیں ۔ رواہ البخاری ومسلم ۔ یعنی کچی پیاز یا لہسن کھا کر مسجد میں نہ آیا کرو ۔ کہ مسجد حضور ملائکہ کا مقام ہے ۔ جس طرح آدمیوں کو بدبو سے تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح ملائکہ بھی اس سے ایذا پاتے ہیں ۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس ممانعت میں ہر وہ چیز داخل ہے جو بدبو رکھے ۔ خواہ کھانے کی قسم سے ہو یا کسی اور نوع کی ۔ مثلاً گندہ دہنی اور گندہ بغلی وغیرہ ۔ اور جس کے پسینے یا کپڑے کی بدبو تکلیف دہ ہو وہ بھی اس حالت میں مسجد میں نہ جائے ۔ اور جس کی زبان لوگوں کے لیے باعث ایذا ہو مثلاً غیبت چغلی اور بدزبانی کا عادی ہو اس کو بھی مسجد جانے سے منع کر سکتے ہیں ۔ کذا فی الطحطاوی

مجالس وعظ ۔ ذکر کے حلقے ۔ درس تدریس وغیرہ قسم کے اچھے مجمعے بھی مسجد کے حکم میں ہیں ۔ وہاں بھی نہ بدبو والی چیز کھا کر جائیں اور نہ لے جائیں ۔

خرید و فروخت (۲) مسجد میں خرید و فروخت بھی ممنوع ہے ۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی شخص کو مسجد میں خرید و فروخت کرتے دیکھو تو کہو کہ اللہ تجھے تیری تجارت میں نفع نہ دے ۔ رواہ الترمذی والدارمی ۔ مسجد میں خرید و فروخت مکروہ ہے ۔ البتہ اس شخص کو جو اعتکاف میں بیٹھا ہو مسجد میں خرید و فروخت کرنا جائز ہے ۔ بشرطیکہ معتکف کو یا اس کے اہل و عیال کو اس چیز کی حاجت ہو لیکن متاع کو مسجد میں نہ منگائے ۔ کذا فی الطحطاوی

گمشدہ چیز کی تلاش

(۳) مسجد میں گم شدہ چیز کی تلاش بھی منع ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی نسبت سُنے کہ وہ اپنی گم شدہ چیز مسجد میں تلاش کر رہا ہے تو اُسے کہنا چاہیے کہ اللہ تجھ پر تیری چیز نہ پھیرے کیونکہ مسجدیں اس کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ رواہ مسلم علی قاری ؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ الفاظ ازرا و زجر و توبیخ محض زبان سے کہے لیکن دل سے یہ بددعا نہ کرے اور یہ کبھی آرزو نہ کرے کہ مسلمان اپنی گم شدہ چیز نہ پائے۔ اور اگر دل سے یہی چاہے تاکہ وہ اپنے فعل کی سزا پائے اور آیندہ ایسی حرکت نہ کرے۔ تو بھی بعید نہیں۔

مُباح گفتگو کرنا

(۴) مسجد میں کسی مجبوری کے بغیر مباح گفتگو بھی نہ کرنی چاہیے۔ مباح جائز کلام کو کہتے ہیں۔ پس جو دُنیوی گفتگو مسجد کے باہر ہر طرح سے جائز ہے وہ مسجد میں مکروہ ہے۔ حضرت حسن مجتبیٰ ؓ نے بطریق ارسال روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ ان کے دنیاوی اُمور کی گفتگو مسجدوں میں ہو گی۔ پس تم ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔ اللہ کو ایسے لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بیزار ہے اور وہ حق تعالیٰ کے عہد و پناہ سے خارج ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی مترشح ہوا کہ ان کی طاعت قبول نہیں۔ مسجد میں دُنیاوی گفتگو کرنا بالعموم اور بآواز باتیں کرنا بالخصوص قابل سزا جرم ہے چنانچہ سائب بن یزید صحابی رضہ کا بیان ہے۔ کہ ایک مرتبہ میں مسجد نبوی میں سو رہا تھا کسی نے مجھے کنکری ماری۔ میں نے جو دیکھا تو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضہ تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ ان دو شخصوں کو میرے پاس لے آؤ۔ جو مسجد میں پکار کر باتیں کر رہے ہیں۔ میں ان کو امیر المومنین کے سامنے لایا۔ آپ نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انھوں نے کہا ہم طائف کے باشندے ہیں۔ فرمایا اگر تم مدنی ہوتے تو میں تم کو اچھی طرح گوشمال کرتا۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو۔ (چونکہ مسجد کے آداب سے واقف نہیں اس لیے معذور ہو یا مسافر عفو و شفقت کے مستحق ہو اس لیے درگزر کرتا ہوں) رواہ البخاری۔

علماء نے فرمایا ہے کہ تمام مسجدیں مسجد نبوی ہی کے حکم میں ہیں۔ کسی میں بھی بغیر کسی مجبوری کے دنیوی گفتگو کرنا یا آواز بلند کرنا جائز نہیں۔ مسجد میں علمی اور دینی گفتگو جائز ہے۔ بشرطیکہ پست آواز سے ہو۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضہ نے لوگوں کو گناہ سے بچانے کے لیے مسجد نبوی کی ایک جانب ایک چبوترہ بنوا کر حکم دیا تھا کہ جس کسی کو شعر پڑھنا یا دُنیاوی باتیں کرنی ہوں۔ وہ وہاں چلا جایا کرے یہ چبوترہ بطیحا

کے نام سے موسوم تھا۔ رواہ مالک۔

سوال۔ اگر ضرورت پیش آجائے تو مسجد میں ایک آدھ ضروری بات کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ ہاں ایک آدھ ضروری مباح بات کر لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے غیر ضروری گفتگو کا سلسلہ نہ شروع ہو جائے۔ بقول شیخ ابن الہمام "مسجد میں غیر ضروری دنیوی گفتگو اس طرح نیکیوں کو برباد کرتی ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ دنیوی گفتگو وہ ہے جس پر ثواب آخرت کا کوئی ثمرہ مترتب نہ ہو۔

سوال۔ مسجد میں ریڈیو کی خبریں اور اخباری خبریں اور مضامین سننا سنانا کیسا ہے؟

جواب۔ مسجد میں ایسی خبریں سننا سنانا ناجائز ہے اور مسجد میں ایسے رسائل اور اخبار لانا بھی ممنوع ہے۔ جن میں ذی روح کی تصویریں یا فحش مضامین یا شرمناک خبریں ہوں۔

شعر گوئی (۵) مسجد میں شعر اشعار پڑھنا بھی احترام مسجد کے خلاف ہے۔ چنانچہ حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مسجد میں قصاص لیا جائے یعنی خون کے بدلے خون کیا جائے اور یہ کہ مسجد میں شعر پڑھے جائیں اور اس میں شرعی حدیں قائم کی جائیں۔ رواہ ابوداؤد۔ اور عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضور فخر الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسجد میں شعر اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ رواہ ابوداؤد والترمذی یاد رہے کہ مسجد میں ایسے اشعار پڑھنے کی کوئی ممانعت نہیں جو توحید باری تعالیٰ اور اس کی نعمتوں اور حکمتوں کے ذکر اور پند و موعظۃ پر مشتمل ہوں بشرطیکہ ان سے کسی عابد کی عبادت میں خلل نہ ہو۔

باآواز بلند ذکر کرنا (۶) مسجد کے اندر ایسے وقت میں آواز سے قرآن یا درود یا کوئی اور وظیفہ پڑھنا مکروہ ہے جب دوسرے لوگ بھی وہاں مصروف عبادت ہوں کیونکہ اس سے دوسروں کے پڑھنے میں خلل آتا ہے۔ سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ فَلْیَنْظُرْ مَا یُنَاجِیْہِ بِہٖ وَلَا یَجْہَرْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ بِالْقُرْاٰنِ۔ رواہ احمد

نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے۔ پس چاہیے کہ وہ اس مضمون پر غور و تعمق کرے جس کے ساتھ اپنے رب جلیل کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے (یعنی

حضور قلب اور غور و تأمّل اور خشوع و خضوع سے نماز پڑھے) اور کوئی شخص قرآن پڑھنے میں دوسروں پر اپنی آواز بلند نہ کرے (خواہ نماز میں ہو یا خارج از نماز)۔

اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رح رقم فرما ہیں :-

لَیْسَ لِاَحدٍ ان یؤذی اھل المسجد اھل الصلاۃ او القراءۃ او الذکر او الدعاء ونحو ذالک ممّا بنیت الصّلٰوۃ فلیس لِاَحدٍ ان یفعل فی المسجد ولا علی بابہ قریبًا منہ ما یشوش علی ھٰؤلاء بل قد خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اصحابہ وھم یصلون ویجھرون القراءۃ فقال ایھا النّاس کلکم یناجی ربہ فلا یجھر بعضکم علی بعض فی القراءۃ فاذا کان قد نھی المصلّی ان یجھر علی المصلّی فکیف لغیرہ ومن فعل ما یشوش بہ علی اھل المسجد او فعل مَا یُفضی الی ذالک مُنع من ذالک۔

کسی کے لیے روا نہیں کہ اہل مسجد کو جو نماز یا قرات یا ذکر یا دعا میں مصروف ہوں پریشان کرے۔ مسجد میں یا اس کے دروازے پر جو مسجد سے (نمازیوں کے) قریب ہو کوئی ایسی کارروائی جائز نہیں جو ان عبادت گزاروں کی عبادت میں خلل انداز ہو۔ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے جب وہ نماز میں آواز سے قرات کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ لوگو! تم میں سے ہر ایک اپنے ربّ سے مناجات کر رہا ہے اسلیے تم میں سے کوئی شخص آواز بلند کر کے دوسروں کی قرات میں مخلّ نہ ہو"۔ ظاہر ہے کہ جب دوسرے نمازیوں کے سامنے قرات جہری ممنوع ٹھیری تو یہ کہاں جائز ہے کہ کوئی شخص دوسرے ذاکرین کی ایذا و تشویش کا باعث بنے اور جو کوئی اپنے کسی قول یا فعل سے اہل مسجد کو مشوّش کرے یا کسی ایسی حرکت کا مرتکب ہو جو ان کی تشویش و تصدیع کو مستلزم ہو تو اس کو ایسا کرنے سے روک دینا چاہیے۔

(فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۳۰۵)

مسجد میں سوال کرنا

(۷) دُرّمختار میں ہے۔ وَیُحَرَّمُ فِیْہِ السُّؤَالُ وَیُکْرَہُ الْاِعْطَاءُ مُطْلَقًا (مسجد میں سوال کرنا حرام اور دینا مطلقاً مکروہ ہے) گو بعض کے نزدیک سائل کو مسجد میں دینا اُس وقت مکروہ ہے۔ جب وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگے لیکن شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ

بعض سلف مسجد میں سوال کرنے والے پر تصدق کرنا روا نہیں رکھتے تھے (مظاہر حق جلد اول صفحہ ۲۲۹) مسجد کے اندر سوال کرنے اور دینے کے مسئلہ پر علماء مختلف ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اگر سائل نمازیوں کے آگے سے ن گزرے اور نہ جماعت سے پہلے یا پیچھے شور مچا کر لوگوں کی عبادت اور نماز میں خلل انداز ہو اور نہ اصرار کے سا طلب کرے تو مانگنا اور اس کو دینا درست ورنہ مکروہ ہے۔

مجوزین نے مسجد میں عطا و بخشش کے جواز پر یہ استدلال کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے مسجد میں اپنی انگوٹھی حالتِ رکوع میں کسی سائل کو دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی تھی وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ "مگر یہ بیان سخت مہمل اور قصہ بالکل من گھڑت ہے۔ علاوہ ازیں يُؤْتُوْنَ بصیغۂ مضارع واقع ہوا ہے۔ جو استمرار تجدد و تکرار پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر مقید بحال ہے تو بھی حالتِ رکوع میں کئی دفعہ ادائے زکوٰۃ کا وقوع ضروری تھا اور لا قائل بہا۔

جھگڑا کرنا

(۸) مسجدیں عبادت اور ذکر الٰہی کے لیے بنائی گئی ہیں نزاع و آویزش ہر جگہ مذموم ہے لیکن مسجد میں لڑنا جھگڑنا تو اور بھی زیادہ برا ہے۔ ہادی انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپس میں اختلاف نہ کرو تم سے پہلے لوگ باہمی اختلاف ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ رواہ البخاری۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص بدزبانی اور زبان درازی سے لوگوں کو تکلیف پہنچاتا ہو اس کو مسجد میں آنے سے روک سکتے ہیں۔

بچے کو مسجد میں لے جانا

(۹) جب گمان ہو کہ لڑکا یا دیوانہ مسجد کو ناپاک کر دیں گے تو ان کو مسجد میں داخل کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی مسجدوں کو لڑکوں اور دیوانوں اور بیع و شرا اور شور و غل اور شمشیر کشی اور اقامت حدود سے بچائے رکھو۔

جوتے پہن کر مسجد میں داخل ہونا

(۱۰) طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جوتے پہنے نماز پڑھو اور یہود کی مشابہت نہ کرو۔" اس سے مترشح ہوتا ہے کہ جوتے پہنے ہوئے مسجد میں جانا اور نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ طاہر ہوں۔ اور آلودہ نجاست نہ ہوں۔ لیکن حسب بیان شامی عمدۃ المفتی میں ہے کہ جوتا پہن کر مسجد میں جانا عہد حاضر کے عرف میں بے ادبی میں داخل ہے اس کے علاوہ اس میں مسجد کے فرش کی آلودگی کا بھی خدشہ ہے اور عہد نبوی میں یہ خوف نہ تھا۔ کیونکہ مسجد شریف میں اس وقت کنکریاں بچھی ہوئی تھیں۔

غسل یا وضو کرنا

(١١) چونکہ مسجد میں ماءِ مستعمل کا گرانا جائز نہیں اس لیے مسجد کے دالان یا صحن میں وضو یا غسل بھی روا نہیں۔ علاوہ ازیں مسجد میں وضو کرنا اس لیے بھی مکروہ ہے کہ وضو کے پانی سے گھن آتی ہے اور وہ عام طور پر تھوک اور بلغم سے خالی نہیں ہوتا۔ البتہ اس مقام پر وضو کرنا جو وضو کے لیے مخصوص ہو مکروہ نہیں۔ طحطاوی نے فرمایا یہی حکم مسجد میں بدونِ جنابت کے نہانے کا ہے۔

چھت پر جماعت کرنا

(١٢) فتاویٰ عالمگیری کے پانچویں باب میں ہے کہ (مجبوری اور ضرورتِ شدید کے بغیر) مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے۔ اسی بنا پر شدت گرما میں اس کی چھت پر جماعت کرنا بھی مکروہ ہے۔ ہاں اگر جگہ کی تنگی کے باعث مسجد میں نمازیوں کی گنجائش نہ ہو تو مجبوراً چھت پر بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

کھانا اور سونا

(١٣) دُرِ مختار میں ہے کہ معتکف اور مسافر کے سوا دوسروں کو مسجد میں کھانا اور سونا مکروہ (تنزیہی) یعنی خلافِ اولیٰ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ بلا ضرورت اور بغیر مجبوری کے ایسا نہ کیا جائے اگرچہ صحابہ کرامؓ سے مسجد میں سونا ثابت ہے حسب روایت صحیح بخاری حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب تک میری شادی نہیں ہوئی تھی میں مسجد ہی میں سویا کرتا تھا۔" اسی طرح انتہائی مجبوری کے بغیر مسجد کو گزرگاہ بنا لینا بھی مکروہ ہے اور قنیہ میں ہے اگر کوئی شخص عادۃً مسجد کو گزرگاہ بنانے اور مسجد ہی میں ہو کر آیا جایا کرے تو وہ فاسق ہو جائے گا۔ اسی طرح مسجد کی چھت پر مجامعت کرنا یا بول و براز کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ مسجد تحت الثریٰ سے لے کر سطح آسمان تک مسجد ہے۔ البتہ جماع اور بول و براز اس گھر کی چھت پر مکروہ نہیں جس میں نماز پڑھنے کی جگہ بنالی گئی ہو کیونکہ وہ مسجد شرعی نہیں۔

مسجد میں اپنے لیے جگہ متعین کر لینا

(١٤) مسجد میں کسی جگہ کو اپنے لیے مخصوص کر لینا اور وہاں دوسروں کے بیٹھنے پر ناگواری محسوس کرنا بھی مکروہ و ممنوع ہے چنانچہ عبدالرحمن بن شبل کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ آدمی مسجد میں اپنے لیے جگہ مقرر کرے جس طرح اونٹ کسی جگہ کو متعین کر لیتا ہے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی۔ البتہ جن لوگوں کے لیے خود شارع علیہ السلام نے جگہ کی تعیین و تقدیم فرمادی وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ ابو داؤد نے ارزق بن قیس سے روایت کی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نماز کی پہلی صف میں آنحضرتؐ کی داہنی طرف (آپ کے متصل) کھڑے ہوا کرتے تھے اور حضورؐ نے تاکید فرمائی تھی کہ تم میں سے اہل علم و فضل اور اصحابِ

عقل و خرد اور سن رسیدہ لوگ پہلی صف میں میرے قریب کھڑے ہوا کریں۔ رواہ مسلم۔ باوجود اس کے ان ممتاز افراد کو بھی جہاں تک ہو سکے کچھ نہ کچھ جگہ تبدیل کرتے رہنا چاہیئے۔

سوال۔ مساجد میں عام معمول ہے کہ لوگ صف میں اپنا رومال یا تولیہ رکھ کر وضو وغیرہ کے لیے چلے جاتے ہیں۔ اور جماعت کے وقت آ جاتے ہیں۔ رومال رکھنے والے اس جگہ کے مستحق ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

جواب۔ جو کوئی پہلے سے آ کر کسی جگہ پر نہ بیٹھا ہو وہ مسجد میں آ کر قبضہ کرنے کی نیت سے رومال تولیہ رکھ دے تو شرعی نقطۂ نظر سے اس جگہ کا حق دار نہیں ہو جاتا۔ خواہ وہ وضو کے لیے جائے یا کسی اور غرض سے ہاں اگر پہلے سے بیٹھا ہو اور پھر تجدید وضو کے لیے یا کسی دوسری غرض سے جاتے وقت اپنا کپڑا رکھ جائے تو وہ اس جگہ کا حق دار ہے۔

بعض دوسرے ممنوعات

(۱۴) نجاست کا مسجد میں لے جانا اور مسجد کے اندر چراغ میں ناپاک تیل جلانا اور مسجد کا ناپاک گارے سے استرکاری کرنا اور مسجد میں پیشاب کرنا یا فصد کھلوانا اگرچہ پیشاب اور خون برتن میں لیا جائے۔ سب ممنوع ہے۔ جس کے بدن پر نجاست لگی ہو وہ بھی مسجد میں نہ جائے رمضان المبارک میں افطار و سحر کے اعلان کے لیے مسجد کے باہر نقارہ بجانا جائز ہے۔

فصل ۵۔ مسجد جانے اور جماعت کا انتظار کرنے کی فضیلت

سوال۔ مسجد کو جانے کا کیا ثواب ہے؟

جواب۔ حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھر میں یا دکان پر نماز پڑھنے کی نسبت مسجد میں جا کر (با جماعت) نماز پڑھنے میں پچیس درجے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز پڑھنے کی غرض سے مسجد کو گیا تو ہر قدم پر جو اٹھاتا ہے اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور اس کا ایک گناہ محو کیا جاتا ہے۔ اور ملائکہ نازل ہو کر اس وقت تک کہ مصروف نماز رہے اس کے لیے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ الٰہی! اس پر بخشش کر۔ الٰہی! اس پر رحم کر۔ الٰہی اس کی توبہ قبول کر اور آدمی اس وقت تک برابر نماز میں ہے جب تک وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے انتظار میں ہے۔ رواہ البخاری و مسلم۔

اور فرمایا کہ سب سے بڑھ کر ثواب اس شخص کے لیے ہے جو زیادہ دُور سے چل کر آئے۔ رواہ البخاری و
عن ابی موسیٰ۔ اور فرمایا کہ جو کوئی ادائے فرض کے لیے اپنے گھر سے باوضو عازم مسجد ہو اس کا ثواب
کرنے والے اور احرام باندھنے والے کی مانند ہے۔ اور جو شخص چاشت کے نفل پڑھنے کے لیے کسی دُنیو
غرض اور آمیزش ریا کے بغیر نکلا اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کی مانند ہے رواہ احمد و ابوداؤد

اس حدیث میں وضو احرام کے اور نماز حج کے مشابہ بتائی گئی ہے۔ اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ نماز
کو حاجی کی طرح گھر سے نکلنے کے ساتھ ہی ثواب ملنے لگتا ہے اور اس وقت تک برابر ملتا رہتا ہے جب تک
گھر واپس نہ آجائے لیکن ثواب میں برابری جمیع وجوہ کے لحاظ سے نہیں ورنہ حج اپنی اہمیت سے عاری ہو جا
اور عمرہ بہ نسبت حج کے ایسا ہی ہے جیسا نماز فرض کے مقابلہ میں نفلی نماز۔ (مظاہر)

اور بُریدہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اندھیرے میں مسجدوں کی طر
چلنے والوں کو قیامت کے دن پُورے نور کے حصول کی خوشخبری سنا دو۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد + نمازی
کے اسی نور کی طرف قرآن پاک میں اشارہ ہے۔ نُورُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (نور مومنوں کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑتا ہوگا اس حال
میں وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارا نور مکمل کر دے)

سوال۔ عزم نماز کے لیے گھر سے نکلنے کے آداب کیا ہیں؟

جواب۔ مسنون یہ ہے کہ آدمی نماز کے لیے اچھا لباس پہنے اور زینت کرے اور چلنے میں قدم
پاس وقار سے رکھے۔ دوڑے نہیں اور نظر نیچی اور آواز پست کرے۔ راستے کی طرف متوجہ رہے نہ کھیلے
نہ بُرا کلام کرے اور نہ کسی پر نظر بد ڈالے۔ اور ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دُوسری میں نہ ڈالے اور حتی الامکا
ان امور سے پرہیز رکھے جن سے مومن قانت اور نمازی پرہیز کرتا ہے۔ کیونکہ جب سے اس نے نماز کا قصد
کیا ہے۔ گویا نماز ہی میں ہے (خیر متین)

سوال۔ نماز کے لیے گھر سے نکلتے وقت کیا کچھ پڑھنا مسنون ہے؟

جواب۔ جب سنت صبح پڑھنے کے بعد گھر سے نماز فجر کے لیے نکلے تو اثنائے راہ میں یہ دُعا
پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ
نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا وَّفِيْ عَصَبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لَحْمِيْ نُوْرًا وَّفِيْ دَمِيْ نُوْ

فی شَعْرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ بَشَرِیْ نُوْرًا (بخاری مسلم ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ) مسلم کی ایک روایت میں الفاظ بھی زیادہ کیے گئے ہیں۔ وَّ فِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا (ترجمہ) ی! میرے دل کو منور کر۔ اور میری بینائی میں نور اور میری سماعت میں نور اور میری داہنی طرف نور اور میری یں طرف نور اور میرے پیچھے نور پیدا کر اور میرے لیے نور کر دے۔ الٰہی! میرے پٹھوں میں نور ر میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میری کھال میں نور اور میری زبان ں نور اور میری جان میں نور کر اور میرے لیے بڑا نور کر دے۔"

سوال۔ مسجد میں داخل ہونے کا کیا ادب ہے۔ اور داخل ہوتے وقت کیا کچھ پڑھنا چاہیے؟

جواب۔ آداب مسجد میں سے ایک یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے داہنا پاؤں مسجد میں رکھیں ر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو کہے۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ حْمَتِکَ (الٰہی! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) رواہ مسلم۔ شیخ عبدالحقؒ نے لکھا کہ ضل سے مراد رزق حلال ہے کہ نمازی فراغت نماز کے بعد اس کی طلب کو جاتا ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے قت یہ بھی پڑھیں۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْھِہِ الْکَرِیْمِ وَسُلْطَانِہِ الْقَدِیْمِ مِنَ شَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ (میں خدائے عظیم اور اس کی بزرگ ذات اور اس کی قدیم بادشاہت کے ذریعہ سے یطان مردود سے پناہ مانگتا ہوں) جب کوئی داخلۂ مسجد کے وقت یہ پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ خص میرے شر سے سارا دن محفوظ رہا۔ رواہ ابوداؤد۔ اور مسجد میں داخل ہوتے وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر لام بھیجے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والحاکم وابن السنی۔ یعنی یوں کہے اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ یوں کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ یا بجائے سلام کے یوں کہے۔ سْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ (میں خدا کے نام سے داخل وتا ہوں اور سلام ہو رسول خدا پر اور داخل ہوتا ہوں رسول خدا کے طریقہ پر) رواہ الترمذی وابن ماجہ وابن ی شیبہ۔ لیکن عَلٰی سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ کو صرف ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ اور سلام کے بعد کہے لّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ (یا اللہ! میرے گناہ بخش دے اور رے لیے اپنی رحمت (طاعت) کے دروازے کھول دے (جو رحمت کا سبب ہے)۔ رواہ ترمذی وابن ماجہ وابن ابی شیبہ۔

سوال۔ کیا یہ صحیح ہے کہ نمازی مسجد کے دروازے پہ پہنچ کر بآواز بلند اَلسَّلامُ عَلَیکُمْ کہے اور جب مسجد سے جانے لگے تو اس وقت بھی بہ آواز بلند السلام علیکم کہے۔ خواہ مسجد میں کوئی ہو یا نہ ہو اور خواہ بعض لوگ نماز میں مشغول ہوں۔ اور بعض خالی بیٹھے ہوں یا سب کے سب نماز یا کسی دوسرے ورد و وظائف میں مشغول ہوں؟

جواب۔ جب نمازی مسجد میں جماعت کے منتظر بیٹھے ہوں تو وہاں جا کر ان کو السلام علیکم نہیں کہنا چاہیئے۔ بلکہ مسجد میں چپ چاپ داخل ہوں۔ کیونکہ السلام علیکم کہنے سے ان لوگوں کی نماز اور ذکر و شغل میں خلل واقع ہوگا۔ جو مصروف عبادت ہوں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سوال مندرجہ عنوان کے جواب میں لکھا۔ یہ بات محض غلط ہے کہ مسجد میں آکر اور مسجد سے نکلتے ہوئے بآواز السلام علیکم کہنا چاہیئے بلکہ ایسی حالت میں کہ لوگ اپنی اپنی نماز اور وظائف میں مشغول ہوں۔ سلام کرنا مکروہ ہے (امداد الفتاوی مطبوعہ مجتبائی دہلی جلد ۲ صفحہ ۱۸۹

سوال۔ مسجد کے اندر جماعت کے انتظار میں بیٹھنے والوں میں سے بعض تو نماز اور ذکر و دعا میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور بعض خاموش بیٹھے ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ خاموش بیٹھنے والوں کو السلام علیکم کہنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب۔ خاموش بیٹھنے والوں کو بھی سلام نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے ان لوگوں کی توجہ و انہماک میں خلل ہوگا۔ جو مصروف عبادت ہوں۔

سوال۔ بے علم عوام کو قطعاً اس چیز کا احساس نہیں کہ مسجد کی فضا عبادت گزاروں کے لیے بالکل پرسکون رہنی چاہیئے۔ وہ کسی کے بتانے اور سمجھانے پر بھی باز نہیں آتے اور مسجد میں آتے ہی بآواز بلند السلام کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو سلام کا جواب دینا چاہیئے یا نہیں؟

جواب۔ ان کو جواب دینا واجب نہیں۔ کیونکہ انھوں نے غیر مشروع طریق پر سلام کیا۔ ہاں اگر دل میں آہستگی سے جواب دیں تو بہتر ہے۔ جواب سلام میں اِسماع لازمی شرط ہے یعنی سلام کرنے والا اپنے سلام کا جواب سنے۔ لیکن چونکہ مکروہ طریق پر سلام کیا گیا۔ اس لیے آواز سے جواب دینا مکروہ ہے۔ اس سے عابدوں کی عبادت میں خلل ہوگا۔ علاوہ ازیں علی قاریؒ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ مسجد میں آواز کو بلند کرنا اگرچہ ذکر میں ہو۔ حرام ہے۔ (حرز ثمین۔ شرح حصن حصین صفحہ ۳۵)

سوال۔ یہاں ضمناً یہ بھی بتا دیجئے کہ کن کن حالات میں سلام کرنا مکروہ ہے؟

جواب۔ خطبہ کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے اور سلام کرنے والا گنہ گار ہوتا ہے اور ایسے شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے جو قرآن یا درود یا تسبیح میں مصروف ہو۔ اور قرآن سننے والے پر بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔ اور سلام کرنے والا اس پر سلام کرنے سے گنہ گار ہوتا ہے اور درس و تدریس اور روایت حدیث اور تذکرۂ علمی اور علمی بحث و تکرار کے وقت بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔ اذان اور تکبیر کے وقت جب لوگ اذان اور تکبیر کے جواب دینے میں مصروف ہوں سلام کرنا مکروہ ہے اور سلام کرنے والا گنہ گار ہوتا ہے اور ایسے شخص پر جو دارالخلاء میں ہو سلام کرنا مکروہ ہے اور سلام کرنے والا گنہ گار ہوتا ہے۔ اور نماز پڑھنے والے پر سلام کرنا مکروہ ہے اور قاضی پر فصل قضایا کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔ اور جوان عورت پر سلام کرنا مکروہ ہے۔ اور استاد پر پڑھانے کی حالت میں سلام کرنا مکروہ ہے۔ اور سائل یعنی دریوزہ گر پر سلام کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر خود سائل سلام کرے تو اس کا جواب دینا واجب نہیں۔ اور شطرنج اور نرد وغیرہ کھیلنے والے پر اور مبتدع یعنی رافضی خارجی مرزائی چکڑالوی وغیرہ ہر قسم کے بے دینوں پر اور ملحدوں اور زندیقوں پر اور مسخروں پر اور جھوٹی کہانیاں کہنے والوں پر اور بیہودہ گوؤں اور گالیاں بکنے والوں پر اور نیا دین نکالنے والوں پر اور جھوٹوں پر اور برسر بازار بیٹھ کر کھانا کھانے والوں پر اور کبوتر اڑانے والوں پر اور کافروں پر سلام کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی سلام نہیں کرنا چاہیے جو بازار میں اپنے کاروبار میں مصروف ہوں۔ اور پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو کوئی سلام سے پہلے کچھ کلام کرے اس کے سلام کا جواب مت دو۔ اور چلنے والا بیٹھوں پر اور چھوٹا بڑے پر اور سوار پیادے پر اور گھوڑے کا سوار ٹٹو کے سوار پر سلام کرے۔ اور جب آدمی گھر میں جائے تو گھر والوں پر سلام کرے کہ موجب برکت ہے۔ اور اگر ایسے مکان میں جائے جہاں کوئی نہیں تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ۔ فرشتے اس کا جواب دیں گے اور بڑی برکت ہو گی۔ (اقتباس از کتب فقہ)

سوال۔ مسجد میں داخل ہونے کے آداب کیا ہیں؟

جواب۔ مسجد میں داخل ہونے کے آداب یہ ہیں:- کہ پہلے دایاں پاؤں مسجد میں رکھے اور بایاں پیچھے۔ اور مسجد سے نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالے اور پیچھے داہنا۔ کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوریؒ

نے مسجد میں پہلے بایاں پاؤں رکھا تو ان کے اُستاد نے تنبیہاً فرمایا۔ کہ تم ثور یعنی بیل ہو۔" اس وجہ سے وُہ سُفیان ثوری مشہور ہو گئے۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ مشہور بزرگ حاتم اصم رح نے ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے سہواً سب سے پہلے بایاں پاؤں رکھ دیا۔ معاً ان کے چہرے کا رنگ "متغیر" ہو گیا۔ اور وہ گھبرا کر باہر نکلے اور دوبارہ داخل ہوتے وقت پہلے داہنا پاؤں رکھا۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ میں نے مسجد کے آداب میں سے ایک ادب چھوڑ دیا تھا۔ اس وجہ سے مجھے یہ خوف دامنگیر ہوا کہ مبادا اللہ تعالیٰ قرب و ولایت کی نعمت مجھ سے چھین لے۔" اتباع شرع مبین میں اہل اللہ کی یہ حالت تھی کہ مستحب کے ترک کرنے میں بھی لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ اور دوسرے کو اس پر ملامت کرتے تھے۔

سوال۔ آپ نے لکھا کہ مسجد سے نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالے اور پیچھے داہنا۔ اگر بایاں پیر پہلے نکالا جائے تو لامحالہ بایاں جُوتا پہلے پہننا پڑے گا۔ اور یہ خلاف سنت ہے۔ پس مسجد سے باہر نکلنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب۔ پہلے بایاں پیر نکال کر جُوتے کے بائیں پیر کے اُوپر رکھ دیں۔ پھر داہنا پاؤں نکال کر داہنا جُوتہ پہن لیں۔ اس کے بعد بایاں جُوتا پہنیں۔

سوال۔ بعض لوگ مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور ذرا سستا کر نماز میں مصروف ہوتے ہیں۔ ایسا کرنا مستحسن ہے یا نہیں؟

جواب۔ مسجد میں جا کر بیٹھنا نہیں چاہیے۔ بلکہ اگر گھر سے وضو کر کے گیا ہے تو تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ چنانچہ ابو قتادہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم میں سے جو کوئی مسجد میں داخل ہو اُسے چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے رواہ البخاری و مسلم۔ اس دوگانہ کو تحیۃ المسجد کہتے ہیں۔ اس حدیث سے امام شافعی رح نے اس دوگانہ کے واجب ہونے پر استدلال کیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ دوگانہ مستحب ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مسجد میں جا کر قضا نماز پڑھے یا سنت یا کوئی اور نماز تب بھی اُسے تحیۃ المسجد کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ تحیۃ المسجد پڑھنے کی لازمی شرط یہ ہے کہ مکروہ وقت نہ ہو۔ یعنی ایسا وقت نہ ہو جس میں نفل پڑھنے منع ہیں۔ اور افضل و اولیٰ یہ ہے کہ جب مسجد میں آئے تو اعتکاف کی نیت کر لے۔ کہ میں اعتکاف کرتا ہوں۔ جب

تک مسجد میں رہوں اور مسجد حرام میں کعبہ کا طواف تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

سوال۔ جماعت کے انتظار میں بیٹھنے کا کیا درجہ ہے؟

جواب۔ حضرت عثمان بن مظعون صحابی رضؓ نے بارگاہ نبوی میں التماس کی یا رسول اللہ! مجھے ترہُّبْ اجازت دیجئے (یعنی جس طرح راہب لوگ گوشہ نشینی اختیار کر کے دُنیوی اشغال اور حظوظ فانیہ سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ عورتوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتے اور دنیا ومافیہا سے یکسو رہتے ہیں۔ اسی طرح مجھے بھی ترکِ دنیا اور ترکِ لذّات کی اجازت دیجئے) آپ نے فرمایا کہ میری اُمّت کا ترہّبا نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے (جہاں نمازی سب لوگوں اور سب چیزوں سے منہ موڑ کر پروردگا عالم کی طرف متوجّہ ہو بیٹھتا ہے) رواہ فی شرح السنہ

سوال مسجد سے نکلتے وقت کیا پڑھنا مسنون ہے؟

جواب۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد سے نکلتے وقت یہ کہا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ (الٰہی! میں تجھ سے تیرے فضل کا ملتجی ہوں) رواہ مسلم۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جاتے تو فرماتے۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ اور پھر کہتے۔ رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ عہ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ رواہ الترمذی واحمد وابن ماجہ۔ اور احمد اور ابن ماجہ کی روایت میں صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ کی بجائے یہ الفاظ منقول ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ کہ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے دونوں موقع پر پڑھیں۔ اور ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب مسجد سے نکلے تو صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ پڑھ کر یہ کہے۔ اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ رواہ النسائی وابن ماجہ

عہ گناہوں کی مغفرت کی دُعا محض تعلیمِ اُمّت کے لیے تھی ۱۲

فصل ۸۶ - مساجد کے درجاتِ فضیلت کا تفاوت

سوال - مسجد کی بزرگی اور اہمیت کیا ہے ؟

جواب - حضرت ابوذر غفاری رض نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ اے فرزند! چاہیے کہ مسجد تیرا گھر ہو - کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا تھا کہ مسجدیں متقیوں کے گھر ہیں پس جس کا گھر مسجد میں ہو اللہ تعالیٰ اس کی راحت اور رحمت اور پل صراط پر سے جنت میں جانے کا ضامن ہوتا ہے - اور حضرت عبدالرحمٰن بن مغفل رض نے فرمایا کہ ہم حدیث کہے جاتے تھے کہ مسجد شیطان سے بچنے کے لیے قلعۂ محکم ہے - اور امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رض نے فرمایا کہ مسجدیں زمین میں اللہ کے گھر ہیں - اور میزبان پر لازم ہے کہ وہ مہمان کا اعزاز و اکرام کرے یعنی اللہ تعالیٰ میزبان ہے - اور مساجد میں جانے والے اس کے مہمان ہیں - پس رب العٰلمین مسجد میں آنے والوں کا اکرام فرماتا ہے - اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات اشخاص ہیں کہ جن کو حق تعالیٰ اس دن جب کہ اللہ تعالیٰ کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا - اپنے سایہ میں رکھے گا - جن میں سے ایک وہ ہے کہ مسجد سے نکلتے وقت اس کا دل مسجد میں لگا ہوا ہے - یہاں تک کہ پھر مسجد میں آئے - رواہ البخاری و مسلم - سایہ میں رکھے گا - یعنی اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے گا اور آخرت کی سختیوں سے محفوظ رکھے گا - اور بعض نے کہا کہ سایہ سے مُراد عرش کا سایہ ہے

سوال - دنیا کی تین افضل ترین مساجد کون سی ہیں ؟

جواب - مکہ معظمہ کی مسجد حرام - مدینہ منورہ کی مسجد نبوی اور بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ - ان تین مسجدوں کے سوا کسی دوسری مسجد کی زیارت کے لیے سفر کی مشقت اٹھانا ناپسندیدہ ہے - چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف کجاوہ نہ باندھا (یعنی سفر نہ کیا) جائے - مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ اور میری مسجد رواہ البخاری و مسلم - شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح نے کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اہل جاہلیت بعض مکانات کو بزرگ و معظم جانتے تھے ان کی زیارت کے لیے اور حصول برکت کی غرض سے سفر کیا

کرتے تھے۔ مگر اس قصد سفر اور اس کی بزرگی یقین کرتے ہیں جس قدر تحریف اور فساد ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس لیے اس حدیث میں شارع علیہ السلام نے اس فساد کا انسداد فرمایا تاکہ غیر شعائر شعائر کے ساتھ نہ مل جائیں۔ اور یہ قصد عبادت لغیر اللہ کا وسیلہ نہ بن جائے۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اس نہی میں قبر اور کوہ طور اور کسی ولی اللہ کی عبادتگاہ سب برابر ہیں۔ یعنی ان کی طرف بھی سفر نہ کریں۔

سوال۔ ان تینوں مسجدوں اور دوسری مساجد کی فضیلت میں کیا ترتیب ہے؟

جواب۔ سب سے افضل مسجد مسجد الحرام ہے پھر مسجد نبوی۔ پھر مسجد اقصیٰ۔ پھر مسجد قُبَا۔ پھر مسجد عَشّار۔ پھر جامع مسجد۔ پھر محلے کی مسجد اس کے بعد شارع عام کی مسجد۔ شارع عام کی مسجد سے وہ مسجد مُراد ہے جس میں کوئی امام اور مؤذن متعین نہ ہو۔

سوال۔ ان مسجدوں میں نماز باجماعت ادا کرنے والے کو کتنا کتنا ثواب ملتا ہے؟

جواب۔ حضرت انس رض سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی نماز اس کے گھر میں ایک ہی نماز ہے۔ اور محلے کی مسجد میں پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ جامع مسجد کی نماز پانسو نمازوں کے برابر ہے۔ اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے مساوی ہے اور میری مسجد میں بھی ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز لاکھ نمازوں کے مساوی ہے رواہ ابن ماجہ۔ اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد میں نماز پڑھنا مسجد حرام کو چھوڑ کر باقی مسجدوں کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے رواہ البخاری ومسلم

سوال۔ مسجد حرام میں لاکھ نمازوں کا ثواب کس جگہ نماز پڑھنے سے ملتا ہے؟

جواب۔ حسب بیان علی قاریؒ اس میں چار قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ سارا حرم ہے (۲) وہ مسجد حرام کی نماز باجماعت ہے۔ اور علمائے حنفیہ کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور بعض شوافع نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ علمائے حنفیہ نے فرمایا ہے کہ یہ فضیلت فرائض کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ نوافل کے ساتھ۔ (۳) وہ سارا مکہ ہے۔ اس کو بعض علماء نے ابن ماجہ کی اس حدیث کی بنا پر اختیار کیا ہے وَصَلٰوۃٌ بِمَکَّۃَ بِمِائَۃِ اَلْفٍ (نماز مکہ میں لاکھ درجہ مضاعف ہے) (۴) ایک قول یہ ہے کہ وہ نماز کعبہ ہے مگر یہ قول سب قولوں میں بعید ہے۔

سوال۔ مسجد نبوی میں جو پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے تو وہ اس قدیم حصۂ مسجد کے ساتھ مخصوص ہے جو عہد نبوی میں تھی یا وہ اضافہ بھی اس فضیلت میں داخل ہے جو حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور خلیفہ ولید اموی اور خلیفہ مہدی عباسی کی عملداری میں ہوا؟

جواب۔ مسجد نبوی میں ثواب کی زیادت اس حصۂ مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں جو آپ کے عہد سعادت میں تھا۔ بلکہ وہ تمام اضافے بھی اس ثواب کو مشتمل ہیں جو بعد میں ہوتے رہے۔ لیکن امام نوویؒ نے اس ثواب کو اسی قدر مسجد کے ساتھ مخصوص بنایا ہے جو عہد رسالت میں تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ حدیث میں فی مسجدی ہذا (میری اس مسجد میں) فرمایا گیا ہے۔ جس سے اسی قدر مسجد جو عہد نبوی میں موجود تھی مراد ہے۔ پس اضافہ شدہ حصہ اس میں شامل نہ ہوگا۔ اس کے داخل ہونے کی کوئی دلیل چاہیے۔

حنفیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہذا (یہ) کا اشارہ جگہ کے خاص کرنے کے لیے نہیں۔ بلکہ اس طرف ہے کہ مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کے سوا اور مساجد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں وہ اس فضیلت میں داخل نہ رہیں۔ کذا فی الشامی مع التصرف۔

سوال۔ یہ صحیح ہے کہ جس قدر زمین مسجد نبوی سے لاحق کی گئی وہ ثواب میں اصل مسجد کے ساتھ ملحق ہے۔ اور مقدار لاحق میں بھی پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن اصل اور لاحق میں امتیاز کیا ہے؟

جواب۔ اصل مسجد کا طول اور عرض سو سو ہاتھ ہے ذکرہ العلی قاریؒ۔ اور ترکیہ کے کسی سلطان (غالباً سلطان عبد الحمید ثانی مرحوم) نے اصل مسجد کی شناخت کے لیے ستونوں پر لکھوا دیا تھا تاکہ ہر شخص بسہولت تمیز کر لے کہ عہد نبوی کی مسجد مبارک اس قدر تھی۔

سوال۔ بیت نبوی اور منبر نبوی کے درمیان عبادت کرنے کا کیا ثواب ہے؟

جواب۔ حضرت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر کے اور میرے منبر کے درمیان ریاض جنت میں سے ایک روضہ یعنی باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض (کوثر) کے اوپر ہے۔ رواہ البخاری ومسلم۔ علی قاریؒ نے ارشاد نبوی کی یہ تشریح کی کہ جو کوئی اس جگہ میں جو میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے عبادت کرے گا۔ وہ بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ کی طرف پہنچے گا۔ اور جو کوئی میرے منبر کے نزدیک عبادت لازم کرے گا۔ وہ قیامت کے دن میرے حوض سے سیراب ہوگا۔"

امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ حدیث اپنے ظاہر پر باقی ہے اور روضہ جنتی ٹکڑا ہے یعنی یہ جگہ جنت کا ایک ٹکڑا ہے جو جنت سے یہاں منتقل کیا گیا۔ اور قیامت کو زمین کی مانند فنا نہیں ہوگا۔ بلکہ اپنے اصل مقام کو عود کرے گا۔ اور تورپشتیؒ کا بیان ہے کہ اس جگہ کا نام روضہ اس لیے رکھا گیا کہ قبر نبوی کی زیارت کرنے والے اور وہاں کے رہنے والے ملائکہ اور جن و انس اس میں ہمیشہ عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ جب ایک جماعت جاتی ہے تو دوسری جماعت آتی ہے۔ پس اس مقام کو اسی طرح روضہ کہا کہ جیسے حدیث میں ذکر کے حلقوں کو ریاض جنت فرمایا گیا ہے۔

سوال ۔ کعبہ معلّٰی میں نماز پڑھنا بھی مشروع ہے یا نہیں؟

جواب ۔ فتح مکہ کے دن حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ حضرت اسامہ اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں داخل کعبہ ہوئے تھے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد عبداللہ بن عمرؓ کے استفسار پر حضرت بلال رضؓ نے بتایا کہ آنحضرت نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھی۔ رواہ البخاری ومسلم۔ تمام اہل علم کے نزدیک کعبہ معلّٰی کے اندر نفل پڑھنے جائز ہیں۔ البتہ فرض نماز میں اختلاف ہے۔ جمہور نے اس کو جائز رکھا ہے۔ لیکن امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

سوال ۔ مسجد قُبا میں نماز پڑھنے کا ثواب کیا ہے؟

جواب ۔ قُبا مدینہ منورہ کا ایک بیرونی حصّہ ہے۔ جو اندرون شہر سے تین کوس پر واقع ہے۔ جب حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرمائے مدینہ ہوئے تو آپ نے شہر میں داخل ہونے سے پہلے قُبا میں ایک مسجد بنائی۔ جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سنیچر کے دن پیدل یا سوار مسجد قبا کو تشریف لے جاتے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ رواہ البخاری ومسلم۔ یہ دو رکعت تحیۃ المسجد یا کوئی اور نماز جو تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوتی پڑھتے تھے۔ اس میں اس پر دلیل ہے کہ شنبہ کے دن صلحا کی ملاقات کرنا سنت ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحؒ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہوا ہے کہ قبا میں نماز پڑھنا عمرہ کی مانند ہے۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا کہ مسجد قبا میں دو رکعت پڑھنا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں دو مرتبہ بیت المقدس جاؤں۔ اور اگر لوگ مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا ثواب جانیں تو دُور دراز سے سفر کی مشقت اٹھا کر قبا پہنچیں۔ (مظاہر حق ناقلاً عن علی القاری والشیخ الدہلوی)

سوال مسجد عشّار میں نماز پڑھنے کا کیا درجہ ہے؟

جواب ۔ صالح بن دینار تابعیؒ کا بیان ہے کہ ہم بصرہ سے مکہ معظمہ کو حج کے لیے گئے ۔ وہاں ایک شخص (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کو کھڑے پایا ۔ وہ ہم سے کہنے لگے کیا تمہارے شہر کی ایک جانب کوئی گاؤں ہے جسے اُبلّہ کہتے ہیں؟ ہم نے کہا ہاں ہے ۔ انہوں نے فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا شخص مل سکے گا جو میرے لیے اس بات کا متکفل ہو کہ میری نیت سے مسجد عشّار میں دو یا چار رکعتیں پڑھے اور کہے کہ اس نماز کا ثواب ابوہریرہ کے لیے ہے ۔ کیونکہ میں نے اپنے دوست ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ حق تعالیٰ قیامت کو مسجد عشّار سے ایسے شہید اٹھائے گا کہ ان کے سوا شہدائے بدر کے ساتھ اور کوئی شہید نہ اُٹھائے جائیں گے ۔ رواہ ابوداؤد ۔ لوگ اس مسجد میں تبرک کے طور پر نماز پڑھتے ہیں ۔ ابوداؤد نے کہا یہ مسجد دریائے فرات کے قریب ہے ۔ اور یہ معلوم نہیں کہ وہ شہدا اس اُمت کے ہوں گے یا پہلی اُمتوں کے ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگ مکانوں میں نماز پڑھنا اور عبادات بجالانا بڑا کار فضیلت ہے

سوال مسجد محلہ کو چھوڑ کر کسی جامع مسجد میں جانا کیسا ہے؟

جواب ۔ دیوبند کے مفتی مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے اس سوال کے جواب میں لکھا ۔ دُرِّ مختار میں ہے مسجد حیہ افضل من الجامع یعنی اپنے محلہ اور قبیلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے ۔ ان دونوں قول کو قنیہ میں نقل کیا ہے ۔ لیکن شرح منیہ اور مصفیٰ اور خانیہ میں اسی قول کو اختیار فرمایا ہے ۔ جو در مختار میں لکھا ہے یعنی یہ کہ مسجد محلّہ جامع مسجد سے افضل ہے میں نماز پڑھنے سے افضل اور زیادہ کا ثواب ہے ۔ شامی میں ایک قول یہ ہے اور دوسرا قول اس کے برعکس ہے کہ مسجد جامع میں نماز پڑھنا افضل ہے ۔ ان دونوں قول کو قنیہ میں نقل کیا ہے ۔ لیکن شرح منیہ اور مصفیٰ اور خانیہ میں اسی قول کو اختیار فرمایا ہے ۔ جو در مختار میں لکھا ہے ۔ یعنی یہ کہ مسجد محلہ جامع مسجد سے افضل ہے ....

بلکہ خانیہ میں یہاں تک لکھا ہے کہ اگر مسجد محلّہ میں کوئی موذن نہ ہو ۔ تو نمازی خود وہاں جا کر اذان کہے اور نماز پڑھے ۔ اگرچہ تنہا ہو ۔ کیونکہ اس پر مسجد محلّہ کا جو حق ہے اس کو ادا کرنا چاہیے ۔" پس ان بیانات سے اور ان کے علاوہ دوسری روایات سے ظاہر ہے کہ جب مسجد محلہ کے امام میں عقاید وغیرہ کی کوئی خرابی نہ ہو ۔ اور وہ قرآن صحیح پڑھتا اور بقدر مسنون قراءۃ کرتا ہو ۔ تو مسجد محلہ کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا مستحسن نہیں ہے ۔ زیادہ ثواب مسجد محلّہ میں نماز پڑھنے میں ہے ۔ واللہ اعلم

فصل ۷۰۔ نماز باجماعت کی فضیلت اور تاکید

سوال جماعت سے نماز پڑھنے کی اہمیت کیا ہے ؟

جواب۔ پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کو مدّت العمر کبھی ترک نہ کیا یہاں تک کہ آخری مرض میں بھی جب چلنے کی طاقت نہ تھی آپ دو آدمیوں کے سہارے سے نکلے۔ اس وقت آپ قدم مبارک گھسیٹتے ہوئے جاتے تھے۔ اور آپ میں اتنی قوت بھی نہ تھی کہ زمین سے پیر اُٹھا سکیں (بخاری)

اور نماز باجماعت کی اہمیّت اس سے بھی واضح ہے کہ حسب روایت عبداللہ بن عمر رضؓ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ثواب میں ستائیس حصّے زیادہ ہے۔ رواہ البخاری ومسلم۔ دوسری روایتوں میں پچیس درجے مذکور ہے۔ علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اکثر روایتوں میں پچیس ہی درجے آیا ہے سوائے حدیث ابن عمرؓ کے کہ اس میں ستائیس درجے مذکور ہیں۔ یہ اختلاف بسبب تفاوت احوال مصلّی کے ہو سکتا ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ فضیلت مسجد کی جماعت کے ساتھ مخصوص ہے یا عام ہے بعضوں نے کہا کہ یہ ثواب جماعت مسجد کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے نے کہا کہ عام ہے۔ واللہ اعلم

انصار کا ایک قبیلہ بنو سَلِمہ مسجد نبوی سے بہت دُور رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مسجد نبوی کے قرب وجوار میں چند مکان خالی ہوئے تو بنو سَلِمہ نے مسجد کے پاس آجانے کا قصد کیا۔ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ مجھے علم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے مسجد کے پاس نقل مکانی کا قصد کیا ہے انھوں نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ! ہمیں نماز کے لیے بہت دُور سے آنا پڑتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے بنی سَلِمہ! وہیں اپنے گھروں میں ٹھیرے رہو۔ تمہارے تمام نقش قدم لکھے جا رہے ہیں۔ رواہ مسلم یعنی جتنا دُور رہو گے نماز باجماعت کے لیے آنے جانے میں زمین پر اتنے ہی زیادہ قدم رکھو گے۔ وہ سب نیکیاں تمہارے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی اور یہ بہت زیادتی کا باعث ہوگا۔

مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنا اتنا ضروری ہے کہ آپ نے ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتومؓ کو گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی اور انہیں ظاہری کوری کے باوجود مسجد میں آنے کا مقیّد کیا۔ انھوں نے التماس کی یا رسول اللہ! میں نابینا ہوں اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو میری لاٹھی پکڑ کر مجھے مسجد میں پہنچا دیا کرے

اس لیے مجھے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیجیے۔ آپ نے ان کو اس کی رخصت دی۔ لیکن جب وہ پیٹھ پھیر کر چلے تو آپ نے ان کو بلا کر دریافت کیا۔ کہ کیا تم نماز کی اذان سنا کرتے ہو۔ وہ عرض پیرا ہوئے۔ یا رسول اللہ! ہاں سنتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تم کو مسجد ہی میں آکر نماز ادا کرنی ہوگی (رواہ مسلم)۔ دوسری روایت میں حضرت ابن ام مکتومؓ نے کہا یا رسول اللہ! مدینہ میں بہت موذی جانور پائے جاتے ہیں اور درندوں کی آمد و رفت ہے اور میں اندھا ہوں۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ جماعت میں شریک نہ ہوں؟ آپ نے پوچھا کیا تم اذان سنتے ہو؟ وہ بولے ہاں سنتا ہوں۔ آپ نے انہیں جماعت چھوڑنے کی اجازت نہ دی

رواہ ابوداؤد والنسائی

سوال۔ جن حدیثوں میں نماز باجماعت کا ثواب پچیس یا ستائیس گنا زیادہ بتایا گیا ہے اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ تنہا کی نماز بھی ہو جاتی ہے۔ گو اس کا ثواب نسبتہً بہت کم ملے لیکن ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ جو شخص کسی انتہائی مجبوری کے بغیر جماعت سے نماز نہیں پڑھتا۔ اس کی نماز ہی نہیں ہوتی یہ کہاں تک صحیح ہے؟

جواب۔ امام احمد بن حنبل اور ابوداؤد اور عطاء تابعی اور ابوثور کے نزدیک جماعت فرض عین ہے بجز اس صورت کے کوئی عذر و مجبوری پیش آجائے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جو کوئی نماز کی اذان سن کر مسجد میں حاضر نہ ہو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر ہمارے نزدیک تنہا کی نماز تو ہو جاتی ہے مگر اس کے ذمہ ترک جماعت کا گناہ رہتا ہے۔

سوال۔ عشاء اور فجر کی نمازیں باجماعت ادا کرنے کا کیا درجہ اور ثواب ہے؟

جواب۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی نماز عشاء جماعت سے پڑھے اس کو نصف شب کی نفلی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور جو کوئی عشاء اور فجر کی دونوں نمازیں باجماعت ادا کرے اس کو پوری رات کی نفلی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ رواہ الترمذی۔ اُبیّ بن کعب رضؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی۔ سلام کے بعد آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا فلاں شخص نماز میں حاضر ہے؟ صحابہ نے نفی میں جواب دیا۔ پھر آپ نے کسی اور کا نام لے کر پوچھا کہ کیا وہ موجود ہے؟ عرض کیا گیا کہ وہ بھی موجود نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں نمازیں فجر اور عشاء منافقوں پر بہت گراں ہیں۔ اور اگر تم ان کا ثواب جانو تو ان دونوں میں ضرور شرکت کرو۔ اگرچہ تمہیں گھٹنوں کے بل چل کر ہی (اُفتاں وخیزاں) کیوں نہ آنا پڑے۔ رواہ النسائی

ایک مرتبہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضؓ نے سلیمان بن ابو حثمہ کو نماز صبح میں نہ پایا۔ سلیمانؓ کا مکان مسجد نبوی اور بازار کے درمیان تھا۔ جب حضرت امیرالمومنین بازار کی طرف تشریف لے گئے۔ تو ان کی والدہ سے دریافت کیا کیا وجہ ہے کہ میں نے آج سلیمان کو نماز میں نہیں پایا؟ ان کی والدہ نے کہا کہ سلیمانؓ نے آج ساری رات نماز پڑھتے ہوئے گزار دی اس لیے صبح کے وقت ان کی آنکھ لگ گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز صبح کی جماعت میں حاضر ہونا مجھے رات کے قیام سے زیادہ محبوب ہے۔ رواہ مالک۔ شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ نماز صبح کا جماعت سے پڑھنا قیام شب سے افضل ہے۔

سوال۔ ترک جماعت پر کیا کیا وعیدیں وارد ہوئی ہیں؟

جواب۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم پورا ظلم اور کفر و نفاق یہ ہے کہ اللہ کے پکارنے والے کو سنا کہ نماز کی طرف بلاتا ہے لیکن اس کو جواب نہ دیا (یعنی نماز کے لیے مسجد کا رُخ نہ کیا) رواہ احمد والطبرانی۔ اور فرمایا مجھے اسی ذات برتر کی قسم کہ جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں نے قصد کیا کہ کسی کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور جب لکڑیاں جمع ہو جائیں تو نماز کے لیے اذان دلاؤں پھر کسی کو اپنی جگہ امامت پر مامور کر کے ان لوگوں کی طرف جاؤں جو (بلا عذر) نماز کے لیے مسجد میں حاضر نہیں ہوتے تاکہ ان کو اچانک جا پکڑوں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جا کر ان کے لیے گھر جلا دوں۔ رواہ البخاری و مسلم

اور فرمایا کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے (جن پر جماعت واجب نہیں) تو میں نماز عشاء کے برپا کرنے کا حکم کرتا اور پھر صحابہ سے کہتا کہ جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے جا کر ان کو اور ان کے اسباب کو نذر آتش کر دو۔ رواہ احمد۔ اس سے ثابت ہوا کہ تارک جماعت بڑا مجرم ہے۔ کہ جس کی سزا ایسی ہولناک ہے۔ اور فرمایا کہ اگر کسی گاؤں یا جنگل میں تین افراد موجود ہوں اور وہ نماز با جماعت ادا نہ کریں تو ان پر شیطان مسلّط ہو جاتا ہے پس جماعت کو اپنے اوپر لازم کر لو بھیڑیا اسی بکری کو لقمہ بناتا ہے۔ جو ریوڑ سے الگ ہو گئی ہو۔ رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی یعنی مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والا شیطان کے پنجۂ ضلالت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو اور دوسرے صحابہ رضؓ کو اس حالت میں دیکھا کہ منافق کے سوا جماعت سے کوئی پیچھے نہیں رہتا تھا اور منافق بھی وہ جس کا نفاق معلوم اور ظاہر تھا۔ یعنی جو منافق اپنا نفاق مخفی رکھتا تھا وہ بھی جماعت سے تخلّف نہیں کرتا تھا اور ایسا بیمار جو مسجد میں آنے

کی اصلا طاقت نہ رکھتا۔ وہ جماعت سے پیچھے بھی نہیں رہتا تھا۔ بیمار دو آدمیوں کے سہارے سے چل کر مسجد میں پہنچتے تھے۔

ابن مسعود رض فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ہدایت کے طریقے سکھلائے اور سُنن ھدیٰ میں سے ایک سنت اس مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا ہے۔ جس میں اذان دی جاتی ہو۔ اور ایک روایت میں حضرت ابن مسعود رض نے فرمایا کہ جس کسی کو یہ امر محبوب ہو۔ کہ فردائے قیامت کو اللہ تعالیٰ سے پورے مسلمان کی حیثیت سے مُلاقی ہو۔ تو اس پر لازم ہے کہ وہ پانچوں نمازیں مسجد میں جماعت سے ادا کیا کرے حق تعالیٰ نے تمہارے نبی کے واسطے سنن ھدیٰ مقرر کیے ہیں اور ان پانچوں نمازوں کو جماعت سے پڑھنا انہی طُرق ہدایت میں سے ہے۔ اگر اپنے گھروں میں نماز پڑھو (یعنی اگرچہ گھر میں جماعت کر لو) جیسا کہ یہ متخلف اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے تو اپنے نبی کی سنت چھوڑ بیٹھو گے۔ اور اگر اپنے نبی کی سنت سے اعراض کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ رواہ مسلم

مجاھد تابعیؒ نے حضرت ابن عباس رض سے دریافت کیا کہ جو شخص صائم الدھر اور قائم اللّیل ہو مگر جمعہ اور جماعت کا تارک ہو اس کی نسبت آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا۔ رواہ الترمذی یعنی اُس کو داخلۂ اوّلی نصیب نہ ہوگا۔ اور جب تک اُسے ترکِ جمعہ و جماعت کی سزا نہ مل چکے گی۔ اس کی نجات نہ ہوگی۔

سوال۔ تارک جماعت کی نسبت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا کیا فتوےٰ ہے؟

جواب۔ امام ابن تیمیہؒ نے لکھا۔

يؤمر بالصلوٰة مع المسلمين فان	اُسے حکم دیا جائے کہ نماز باجماعت ادا کیا کرے۔ اگر
كان لا يصلی فانّہ يستتابُ فان	وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے باز رہے۔ تو
تاب والّا قتل	اس سے توبہ کرائی جائے (یعنی حاکم وقت توبہ کرائے) اگر
(فتاوے ابن تیمیہ رح مطبوعہ مصر	اس نے توبہ کر لی تو بہتر ورنہ قتل کر دیا جائے (یعنی حاکم وقت
جلد اوّل صفحہ ۳۰۷)	اس کے خارِ وجود سے دنیا کو پاک کر دے۔

جہاں تک راقم کے معلومات کو دخل ہے نہ تو عہد رسالت اور خلافتِ راشدہ میں کوئی تارک جماعت جلّادِ خونخوار کے حوالے کیا گیا۔ اور نہ بعد کے حکام نے کبھی اس فتوے پر عمل کیا۔ تاہم اس سے کم از کم نماز باجماعت کی اہمیت اور تارکِ جماعت کے جرم کی شدّت اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

سوال۔ اذان کے بعد نماز پڑھے بغیر مسجد سے نکلنا کیسا ہے؟

جواب۔ ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ اگر ہماری موجودگی میں مسجد میں اذان دی جائے تو ہم نماز پڑھے بغیر مسجد سے نہ نکلیں۔ رواہ احمد۔ شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ حنفی مذہب میں یہ نہی اس کے لیے ہے جو کسی دوسری مسجد کا امام یا منتظم نہ ہو۔ اور جو کسی دوسری مسجد کا امام یا منتظم ہو اس کے لیے اذان کے بعد مسجد سے جانا مکروہ نہیں۔ اور اگر نماز پڑھ چکا ہو تو اس کے لیے بھی نکلنا کسی حال میں مکروہ نہیں۔ لیکن اگر تکبیر یعنی اقامت شروع ہو گئی تو ہمارے نزدیک اسے ظہر اور عشاء میں شریک ہو جانا چاہیے تاکہ ترکِ جماعت سے متّہم نہ ہو۔ اور دُوسرے ائمہ کے نزدیک ہر نماز میں شریک ہو جائے۔

سوال۔ اگر امام کے عقیدے مشرکانہ ہوں یا صحیح قرآن نہ پڑھتا ہو یا مقتدیوں کے مذہب کی رعایت نہ کرے تو کوئی شخص اذان کے بعد نماز پڑھے بغیر مسجد سے نکل سکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ ہاں۔ ان میں سے کوئی عذر پایا جائے تو دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جا سکتا ہے۔

سوال۔ اگر کوئی کسی ایسے عذر شرعی کی بنا پر جو مانع حضور جماعت ہو جیسے مثلاً مرض یا بہت بوڑھا ہونا جماعت میں شامل ہونے سے قاصر ہے تو اس کو جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

جواب۔ اگر کوئی شخص کسی حقیقی عذر کی بنا پر جماعت میں حاضر نہ ہو سکے مگر اس کی نیت میں یہ تھا کہ عذر نہ ہوتا تو لازماً مسجد میں پہنچتا تو اس کو ان شاء اللہ جماعت کا ثواب ملے گا۔ کذا فی الشامی

سوال۔ اگر نمازی کو مسجد محلہ میں جماعت نہ ملے تو کیا کرے؟

جواب۔ اگر جماعت نہ ملے اور امید ہو کہ کسی دوسری مسجد میں مل جائے گی تو مستحب ہے کہ جماعت کی تلاش میں کسی دوسری مسجد میں جائے (درمختار)

فصل ۸۸ جماعت کی حکمتیں اور فائدے

سوال۔ نماز باجماعت کے ظاہری فائدے اور حکمتیں کیا کیا ہیں؟

جواب۔ مولانا مفتی کفایت اللہ مرحوم دہلوی نے جماعت سے نماز پڑھنے کے یہ فوائد لکھے ہیں:۔

(۱) ایک نماز پر ستائیس نمازوں کا ثواب ملنا (۲) پانچوں وقت مسلمانوں کا آپس میں ملنا (۳) اس کی وجہ سے آپس میں اتفاق اور محبت کا پیدا ہونا (۴) دوسروں کو دیکھ کر عبادت کا شوق اور رغبت پیدا ہونا (۵) نماز میں دل لگنا (۶) نمازمیں بزرگوں اور نیک لوگوں کی برکت سے گناہ گاروں کی نماز کا بھی قبول ہو جانا (۷) ناواقفوں کو واقف لوگوں سے مسائل پوچھنے میں آسانی ہونا (۸) حاجتمندوں اور غریبوں کے حال پر مطلع ہوتے رہنا (۹) ایک خاص عبادت یعنی نماز کی شان ظاہر ہونا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں برکات جماعت کے سلسلہ میں لکھا کہ مذہب میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ جاہل بھی اور اہل علم بھی۔ پس یہ بڑی حکمت کی بات ہے کہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے اس عبادت کو ادا کریں۔ اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو دوسرا اس کو بتا دے پس جماعت نماز کی تکمیل کا ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ (۲) ایک جگہ جمع ہونے سے نمازیوں کا حال کھل جاتا ہے اور اس طرح نمازیوں کو دوسروں کے سامنے نشر و ابلاغ کا موقع ملتا ہے۔ (۳) مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کا باہم مجتمع ہو کر رب العالمین کی عبادت کرنا اور اس کے سامنے دست بدعا ہو کر طلب حاجات کرنا۔ نزول رحمت اور قبولیت دعا کے لیے ایک عجیب خاصیت رکھتا ہے۔ (۴) حق تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ کلمۃ اللہ بلند اور کلمۂ کفر پست ہو اور روئے زمین پر کوئی مذہب و ملت اسلام سے سر بلند نہ رہے اور یہ بات اسی صورت میں ممکن الوقوع ہے کہ عام اور خاص مسافر اور مقیم چھوٹے بڑے مسلمانوں کو ان کی بڑی اور مشہور عبادت گاہ میں جمع ہونے کا حکم دیا جائے تاکہ دین اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہو۔ ان مصالح کے پیش نظر شریعت کی پوری توجہ جماعت کی طرف مصروف ہوئی۔ اور پیروانِ ملت حنیفی کو جماعت سے نماز پڑھنے کی تاکید کی گئی۔ اور اس اجتماع سے غیر حاضر ہونے کی سختی سے ممانعت فرمائی گئی۔

فصل ۸۹۔ ترکِ جماعت کے عذرات اور مجبوریاں

سوال۔ جماعت ہر مرد عاقل۔ بالغ۔ آزاد پر واجب ہے۔ عورت نابالغ اور غلام پر واجب نہیں۔ لیکن وہ کون سے عذر شرعی ہیں جو حضور جماعت سے مانع ہیں؟

جواب - وہ عذرات یہ ہیں:- (۱) گھٹنے سے لے کر ناف تک مرد کا ستر ہے۔ اگر کم از کم اتنا لباس بھی میسّر نہ ہو تو مسجد میں جا کر جماعت میں شامل ہونا واجب نہیں رہتا۔ (۲) موسلا دھار بارش ہو۔ مدینہ منورہ میں برسات کی ایک رات سرد ہوا چل رہی تھی اور شدت کا جاڑا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اذان دی اور اذان کے بعد لوگوں سے کہنے لگے کہ جاؤ اپنے اپنے گھروں میں جا کر نماز پڑھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردی اور بارش کی رات فرمایا کرتے تھے کہ اپنے گھروں ہی میں جا کر نماز پڑھو۔ رواہ البخاری ومسلم۔ اس سے معلوم ہوا کہ موسم سرما میں تیز ہوا اور سخت جاڑا اور برسات بھی ترک جماعت کا معقول عذر ہے۔

شاہ ولی اللہ رح نے حجۃ اللہ البالغہ میں وہ وجوہ اور اسباب بیان فرمائے ہیں جن کی بنا پر شارع علیہ السلام نے ترکِ جماعت کی اجازت دی ہے۔ ان وجوہ میں سے ایک یہ بتایا کہ سردی اور بارش کی رات ہو لیکن امام محمدؒ نے موطا میں فرمایا ہے کہ جب پانی زور سے برس رہا ہو گو اس وقت مسجد نہ جانا جائز ہے مگر پھر بھی افضل اور مستحسن یہی ہے کہ نمازی بارش ہی میں مسجد میں پہنچے اور نماز باجماعت ادا کرے۔ (۳) مسجد کے راستے میں سخت کیچڑ ہو کہ چل کر مسجد تک پہنچنا سخت دشوار ہو۔ شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ بعضوں نے کہا کہ کیچڑ اور مینہ اور سخت جاڑا اور بہت اندھیرا بھی قول صحیح میں عذر ہے۔ لیکن علامہ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا تھا کہ کیچڑ کی حالت میں جماعت کے لیے مسجد جانے کی نسبت آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ تو انھوں نے فرمایا تھا کہ جماعت کا چھوڑنا مجھے گوارا نہیں۔

(۴) جاڑے کی اتنی شدّت ہو کہ مسجد تک پہنچنے میں کسی بیماری کے لگ جانے یا بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو جماعت واجب نہ رہے گی۔ اسی طرح (۵) رات کے وقت طوفانِ باد و باراں میں بھی حضورِ جماعت معاف ہے۔ لیکن دن کی آندھی وجوبِ جماعت کی مانع نہیں۔ (۶) ایسی اندھیری رات ہو کہ راستہ نہ سوجھائی دیتا ہو۔ ایسے مواقع کے لیے نمازیوں کو چاہیئے کہ بیٹری خرید کر اپنے پاس رکھیں تاکہ اندھیری راتوں میں کام دے۔

(۷) مسجد جانے میں چوروں اور قزاقوں کی طرف سے جان و مال یا آبرو کا خوف۔ ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص نے اذان سنی اور اس کو مؤذن کی متابعت سے کوئی عذر مانع نہیں ہے تو اس کی نماز جو بغیر جماعت کے پڑھے گا درجۂ قبولیت حاصل نہ کرے گی۔ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ وہ عذر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا دشمن کا خوف یا بیماری۔ رواہ ابوداؤد والدارقطنی۔

علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا کہ جو کوئی اذان سن کر مسجد میں بلا عذر حاضر نہ ہو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ اور

اگر عذر سے حاضر نہ ہوا تو مقبول ہے۔ اور نماز کے عدم قبول کے معنی یہ ہیں کہ وہ نماز کا ثواب نہیں پاتا اگرچہ فرض سر سے اُتر جاتی ہے۔ جیسے کہ مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنے یا مال حرام کے ساتھ حج کرتے ہیں گو آدمی فرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے لیکن ثواب و مقبولیت سے محروم رہتا ہے۔

(۹) مسجد کی حاضری میں قرض خواہ کی گرفت اور اس سے تکلیف پہنچنے کا خدشہ ہو تو بھی جماعت میں شریک ہونا واجب نہیں رہتا۔ مگر شرط یہ ہے کہ قرضدار ادائے قرض پر قادر نہ ہو۔ اور اگر قرض کے ادا کرنے پر قدرت رکھ کے باوجود لیت و لعل کر رہا ہو۔ تو وہ ظالم و نابکار سمجھا جائے گا۔ اور ترکِ جماعت کا مجاز نہ ہوگا۔ (۱۰) کھانا تیار یا تیار کے قریب ہو۔ اور بھوک کی اتنی شدت ہو کہ نماز میں جی نہ لگنے کا یقین ہو تو پہلے کھانا کھالے۔ لیکن علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اجازت میں فراخی وقت شرط ہے۔ اگر وقت تنگ ہو تو کھانا چھوڑ کر مسجد میں چلا جائے کیو حضرت جابر رضہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے یا کسی دوسری غرض سے نماز کو مؤخ نہ کرو۔ رواہ فی شرح السنہ اوپر لکھا گیا کہ نماز سے پہلے کھانے سے فراغت کرے۔ اور اس حدیث میں فرما کہ کھانے وغیرہ کے لیے نماز میں تاخیر نہ کرو۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تاخیر کرنے میں وقت جاتا ہو تو نماز میں تاخیر روا نہیں۔ اور کھانا پہلے کھا لینے کا حکم اس صورت میں ہے کہ کھانا حاضر اور وقت فراخ ہو۔

(۱۱) پیشاب یا پاخانہ کا زور ہو تو پہلے اس سے فراغت پا لینی چاہیے۔ چنانچہ ثوبان رضہ سے مروی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کوئی شخص اس حالت میں نماز نہ پڑھے کہ پیشاب یا پاخانے کو بند کئے یہاں تک کہ ہلکا ہو جائے۔ رواہ ابوداؤد والترمذی۔ اور عبداللہ بن ارقم رضہ سے مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کھڑی ہونے کے وقت کسی کو بیت الخلاء جانے کی حاجت ہو۔ تو چاہیے کہ بیت الخلاء سے ساتھ ابتداء کرے (اگرچہ جماعت فوت ہو جائے) رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی ومالک۔ شامی فرما ہیں کہ جس طرح بول و براز کو روک کر نماز پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح ریح کو روکنا بھی ممنوع ہے۔ (۱۲) سفر کو جاتے وقت قافلہ کے چلے جانے کا خدشہ ہو تو بھی جماعت میں شرکت کرنا واجب نہیں رہتا۔ در مختا بہشتی زیور میں ہے کہ ریل گاڑی کے سفر اور قافلے کے ساتھ جانے میں یہ فرق ہے کہ ایک کے بعد دو قافلہ بہت دنوں میں جاتا ہے۔ اور ریل گاڑی ایک دن میں کئی بار جاتی ہے۔ اگر ایک وقت کی ریل گاڑی ملے تو مسافر دوسرے وقت بسہولت جا سکتا ہے۔ ہاں اگر جماعت سے نماز پڑھنے میں سخت حرج و نقص ہوتا ہو تو ترکِ جماعت میں مضائقہ نہیں۔ ہماری شریعت سے حرج اٹھا دیا گیا ہے۔

(۱۳) کوئی تیماردار مریض کی خبرگیری میں منہمک ہو اور اسے یہ خدشہ ہو کہ نماز کے لیے مسجد جائے گا تو مریض تکلیف اٹھائے گا۔ یا وحشت زدہ ہوگا تو اس پر بھی جماعت میں شرکت واجب نہیں۔ (درمختار) (۱۴) بیمار اور اپاہج اور مدت کا بیمار اور بہت بوڑھا جو چلنے پھرنے سے عاجز ہو۔ اور جس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں مخالف جانب سے یا فقط ایک پاؤں کٹا ہوا ہو یا فالج زدہ ہو تو ان پر جماعت میں شمول واجب نہیں۔ اور اندھے پر بھی واجب نہیں اگرچہ اس کو ایسا قائد میسر ہو جو اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو مسجد میں پہنچا دے (درمختار) عاجز پر اگرچہ اس کے پاس سواری موجود ہو جماعت واجب نہیں۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ جماعت بالاتفاق اندھے اور عاجز پر جو نقل و حرکت سے معذور ہو واجب نہیں اگرچہ ان کو پہنچانے والا میسر ہو۔ اور نماز جمعہ بھی امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ان پر واجب نہیں۔ البتہ صاحبین رح کے نزدیک واجب ہے کذا فی الشامی

سوال۔ آپ نے اوپر لکھا کہ نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رض کو حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی حالانکہ ان کے پاس کوئی ایسا شخص نہ موجود تھا۔ جو ان کو مسجد میں پہنچایا کرتا۔ لیکن اب اس کے بالکل برعکس آپ ایسے اندھے کے لیے بھی مسجد کی حاضری ضروری نہیں بتلاتے جس کو قائد میسر ہو یہ تفاوت کیوں ہے ؟

جواب۔ حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں مروی ہے کہ جب عتبان بن مالک رض نے اپنی بے بصری کا عذر کر کے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت مانگی تو ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت دی۔ یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اندھا ترک جماعت کا مجاز ہے۔ اور آنحضرت ؐ نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ کو اس لیے گھر میں ادائے نماز کی اجازت نہ دی کہ وہ فضلائے مہاجرین میں تھے۔ ان کے علو شان کے زیادہ مناسب یہی تھا کہ عزیمت پر عمل کریں ؀

فصل ۹۰۔ جماعت کے صحیح ہونے کی شرطیں

سوال۔ امام کی امامت اور اس کے اقتدا کی کیا کیا شرائط ہیں ؟

جواب - امام کی یہ شرطیں ہیں - (۱) مسلمان ہونا - غیر مسلم امام نہیں ہو سکتا - (۲) بالغ ہونا - نابالغ کی امامت صحیح نہیں - (۳) عاقل ہونا - مست بیہوش یا دیوانے کی امامت درست نہیں - (۴) مرد ہونا - عورت کی امامت درست نہیں - (۵) عذروں سے سلامتی یعنی نکسیر اور پیشاب کے جاری رہنے اور توتلاپن وغیرہ سے محفوظ ہونا (۶) شروط نماز کا موجود ہونا مثل طہارت اور ستر پوشی وغیرہ کے -

اقتداء (یعنی امام کے پیچھے نماز پڑھنے) کے صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں :- (۱) مقتدی کا اقتداء کی نیت کرنا یعنی دل میں یہ خیال مستحضر کرنا کہ اس امام کے پیچھے فلاں نماز پڑھتا ہوں - (۲) امام اور مقتدی کے مکان کا متحد ہونا - ان شاء اللہ العزیز آیندہ چل کر اس کو ایک مستقل فصل میں بیان کیا جائے گا - (۳) ایک شرط دونوں کی نماز کا متحد ہونا ہے - اگر مقتدی کی نماز امام کی نماز سے مغائر ہوگی تو اقتداء درست نہ ہو گا - مثلاً امام نماز ظہر پڑھتا ہو - اور مقتدی اس کے پیچھے عصر کی نماز شروع کر دے - یا امام گزشتہ ظہر کی قضا پڑھتا ہو اور مقتدی آج کی ظہر پڑھے - ہاں اگر دونوں گزشتہ روز کی ظہر کی قضا پڑھتے ہوں یا دونوں امروزہ ظہر کی قضا پڑھیں تو درست ہے - اور اگر امام فرض پڑھتا ہو اور مقتدی نفل تو اقتداء صحیح ہے - کیونکہ امام کی نماز قوی ہے - اور اگر امام نفل پڑھتا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے نماز تراویح کی نیت باندھ لے تو بھی اقتداء صحیح نہ ہو گا - کیونکہ امام کی نماز ضعیف ہے - (۴) امام کی نماز کا مقتدی کے نزدیک صحیح ہونا - اگر امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدیوں کی بھی فاسد ہو جائے گی - خواہ یہ فساد اختتام نماز سے پہلے محسوس ہو یا بعد ختم ہونے کے - مثلاً امام کے کپڑوں میں ایک درم سے زیادہ نجاست غلیظہ لگی تھی - اور نماز ختم ہونے کے بعد یا اثنائے نماز میں اس کا علم ہوا یا امام بے وضو تھا - نماز کے بعد یا دوران نماز میں اس کو خود اپنا بے وضو ہونا یاد آ گیا - اگر کسی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہو گئی ہو اور مقتدیوں کو اس کا علم نہیں تو امام پر واجب ہے کہ مقتدیوں کو اس سے مطلع کر دے - تاکہ وہ اپنی اپنی نماز لوٹا لیں - اگر اس اثنا میں بعض نمازی شہر سے باہر چلے گئے ہوں تو ان کے پاس پیغام یا خط بھیج دینا چاہیے -

(۵) مقتدی کا اپنے امام سے بلحاظ ایڑیوں کے آگے نہ بڑھنا - اگر ایڑیاں دونوں کی برابر بھی ہونگی تو اقتداء درست ہو گا - اگرچہ پاؤں بڑا ہونے کی وجہ سے مقتدی کی انگلیاں امام کے پاؤں کی انگلیوں سے آگے بڑھی ہوئی ہوں - (۶) مقتدی کو امام کے انتقالات مثل رکوع سجود - قومہ قعدہ وغیرہ کا علم ہونا - یہ علم خواہ دیکھنے سے حاصل ہو یا آواز سن کر یا دوسرے مقتدیوں کو دیکھ کر - اگر مقتدیوں کو امام کے حرکات کا

علم نہ ہو خواہ کسی چیز کے حائل ہونے کے باعث یا کسی اور وجہ سے تو اقتداء صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر پردہ یا دیوار وغیرہ کوئی چیز حائل ہو مگر امام کے انتقالات کا علم ہو رہا ہو۔ تو اقتداء درست ہے (۷) مقتدی کا یہ جاننا بھی اقتداء کی شرط ہے کہ امام مقیم ہے یا مسافر۔ یہ علم نماز سے پہلے ہو یا پیچھے۔ اگر امام نے چار رکعتی نماز میں دو پر سلام پھیر دیا اور مقتدی کو شبہ ہوا کہ امام بھول گیا ہے تو اس مقتدی پر اپنی چار رکعتیں پوری کر کے امام کی حالت کی تحقیق کرنا واجب ہے۔ کہ مسافر تھا یا اسے سہو ہو گیا تھا۔ اگر اس کا مسافر ہونا ثابت ہوا تو نماز صحیح ہوگئی اور اگر سہو متحقق ہو تو نماز کا اعادہ کرے اور اگر درپئے تحقیق نہ ہوا بلکہ اسی شبہ کی حالت میں نماز پڑھ کر چل دیا تو اس صورت میں بھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔ دوبارہ پڑھے۔ فجر اور مغرب کی نمازوں میں امام کے مقیم یا مسافر ہونے کی تحقیق غیر ضروری ہے۔ کیونکہ ان دو نمازوں میں مقیم اور مسافر سب برابر ہیں۔

(۸) مقتدی کا قراءت کے سوا تمام ارکان میں امام کے ساتھ شریک رہنا (۹) ارکان میں اور نماز کی شرطوں میں مقتدی کی حالت کا امام سے کم یا برابر ہونا۔ کتاب بہشتی زیور میں پہلی کی مثال قیام کرنے والے کا اقتداء اس کے پیچھے درست ہے۔ جو قیام سے عاجز ہو۔ کیونکہ شرع میں معذور کا قعود بمنزلہ قیام کے ہے (۲) تیمم کرنے والے کے پیچھے خواہ وضو کی جگہ کیا ہو یا بمنزلہ غسل کے، وضو اور غسل کرنے والے کا اقتداء صحیح ہے کیونکہ طہارت میں تیمم کا اور وضو اور غسل کا حکم یکساں ہے۔ (۳) مسح کرنے والے کے پیچھے خواہ موزوں پر کرتا ہو یا پٹی پر دھونے والے کا اقتداء درست ہے۔ کیونکہ مسح کرنا اور دھونا دونوں ایک ہی درجہ کی طہارتیں ہیں۔ (۴) معذور کے پیچھے معذور کا اقتداء درست ہے۔ بشرطیکہ دونوں ایک ہی عذر میں مبتلا ہوں مثلاً دونوں کو سلسل بول ہو یا دونوں کو خروج ریح کا مرض ہو۔ (۵) جاہل اُمّی کا اقتداء جاہل اُمّی کے پیچھے درست ہے عورت کا اقتداء عورت کے پیچھے اور نابالغ لڑکے کا اقتداء نابالغ لڑکے کے پیچھے اور نابالغ لڑکی کا اقتداء نابالغ لڑکی کے پیچھے درست ہے۔

مقتدی کی حیثیت امام سے یقیناً یا احتمالاً برتر ہو تو اقتداء درست نہیں۔ مثلاً (۱) بالغ مرد یا عورت کا اقتداء نابالغ کے پیچھے درست نہیں۔ مرد بالغ یا نابالغ کا اقتداء عورت کے پیچھے درست نہیں۔ ذی ہوش کا اقتداء بیہوش اور بے عقل کے پیچھے درست نہیں۔ طاہر کا اقتداء معذور کے پیچھے مثل اس شخص کے جس کو سلسل بول وغیرہ کی شکایت ہو درست نہیں۔ قاری کا اقتداء اُمّی کے پیچھے درست نہیں۔ قاری وہ کہلاتا ہے جس کو اتنا قرآن صحیح یاد ہو کہ جس سے نماز ہو جاتی ہے۔ اور اُمّی وہ ہے جس کو اتنا بھی یاد نہ ہو مقتدیوں میں کوئی

قاری ہو تو اُمی امام کے پیچھے کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ نہ اُمی امام کی نہ قاری مقتدی کی نہ اُمّی مقتدیوں کی۔ فرض پڑھنے والے کا اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے درست نہیں۔ جو شخص حروف صاف صاف ادا نہ کر سکتا ہو یا حروف میں تغیّر و تبدّل کر دیتا ہو۔ تو اس کے پیچھے صاف اور صحیح پڑھنے والے کی نماز درست نہیں ہاں اگر پوری قراءت کے اندر ایک آدھ حرف میں کچھ گڑبڑ ہو جائے تو نظر انداز ہو سکتا ہے۔

صحتِ اقتداء کی دسویں شرط کسی ایسے شخص کو امام نہ بنانا ہے جو خود کسی کا مقتدی ہو۔ خواہ حقیقۃً ہو جیسے مُدرک یا حکماً جیسے لاحق۔ لاحق اپنی ان رکعتوں میں جو امام کے ساتھ اس کو نہیں ملیں مقتدی کا حکم رکھتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی مدرک یا لاحق کا اقتداء کرے تو درست نہیں۔ اسی طرح مسبوق لاحق کے یا لاحق مسبوق کے پیچھے نماز پڑھے تو بھی درست نہیں۔ ان شاء اللہ العزیز آیندہ صفحات پر مسبوق اور لاحق کی تشریح ہوگی

فصل ۹۱۔ امام اور مقتدی کے اتّحادِ مکان کی شرط

سوال۔ امام اور مقتدی کے مکان کا متحد ہونا جو صحتِ اقتداء کی ایک شرط ہے اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب۔ امام اور مقتدی ادائے نماز کے وقت ایک ہی مکان میں ہونے چاہئیں۔ خواہ حقیقۃً متحد ہوں یا حکماً۔ جس مقتدی اور اس کے امام کے بیچ میں ایسا راستہ ہو جس میں تانگے بیل گاڑیاں چل سکتی ہوں یا ایسی نہر ہو جس میں کشتیاں چل سکیں تو اقتداء صحیح نہ ہوگا۔ اگرچہ چھوٹی کشتیاں یعنی ڈونگیاں یا بجرے ہوں۔ اور اگر وہ نہر ایسی تنگ سی ہو جس میں ڈونگی بھی نہ جا سکے تو اقتداء صحیح ہے۔ امام اور مقتدیوں کے درمیان اتنی خالی جگہ ہو کہ اس میں نماز کی دو صفیں کھڑی ہو سکتی ہوں تو اقتداء صحیح نہ ہوگا۔ بڑا مکان بھی میدان کے حکم میں ہے۔ بڑے کی یہ حد ہے کہ اس کا صحن چالیس ہاتھ یا زیادہ ہو۔ اور بعضوں نے ساٹھ ہاتھ کہا ہے مگر قول اوّل مختار ہے۔ کذا فی الشامی مسجد کا دہ در دہ حوض امام اور مقتدیوں میں حائل ہو۔ تو اقتداء صحیح نہیں۔ بجز اس صورت کے کہ حوض کے گرد صفیں برابر متصل ہوں۔ اور اگر حوض اس سے چھوٹا ہو تو اقتداء صحیح ہے۔

اگر مقتدیوں پر امام کے انتقالات کا حال اس کی آواز سننے یا اس کو دیکھنے کے سبب سے مشتبہ نہ ہو تو امام اور مقتدیوں کی درمیانی آڑ مانعِ اقتدا نہیں۔ امام یا مکبّر کی آواز کا سننا یکساں ہے اور دیکھنا عام ہے

خواہ مقتدی امام کو دیکھے یا دوسرے مقتدیوں کو دیکھے۔ اپنے مکان کی چھت سے جو مسجد کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ اقتداء صحیح ہے۔ بشرطیکہ مقتدیوں پر امام کے انتقالات کا حال مخفی و مشتبہ نہ ہو۔ فتاوائے عالمگیری میں ہے کہ مسجد کا ہمسایہ اپنے گھر میں امام مسجد کا اقتداء کرے تو یہ اُس صورت میں درست ہے کہ اس کے اور مسجد کے درمیان شارع عام نہ ہو۔ اور اگر ہو تو صفوں سے بھر گیا ہو۔

دو کشتیاں باہم باندھی ہوں۔ ایک پر امام اور دوسری پر مقتدی ہوں تو اقتداء صحیح ہے۔ اور جُدا جدا ہوں تو صحیح نہیں۔ اور اگر کشتی کنارے پر رُکی ہوئی ہو۔ اور امام کشتی پر اور مقتدی خشکی پہ ہوں۔ تو اقتداء صحیح ہے۔ بشرطیکہ درمیان میں راستہ یا بڑی نہر کے برابر فاصلہ نہ ہو۔ یہ اس صورت میں ہے کہ امام کے لیے کشتی سے اُترنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ اور اگر کشتی سے اُتر کر خشکی پر نماز پڑھ سکتا ہو تو کشتی پر اس کی نماز نہ ہوگی۔ عیدگاہ میں امام اور مقتدیوں کے درمیان کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ ہو۔ مانع اقتداء نہیں۔ اگرچہ بیچ میں دو یا زیادہ صفوں کی گنجائش ہو۔

لیکن حسب بیان مولانا تھانوی" فتاوائے عالمگیری باب خامس فی الامامۃ کی چوتھی فصل میں لکھا ہے کہ عیدگاہ کی طرح مسجد میں بھی فاصلہ مانع اقتداء نہیں گو کتنی ہی بڑی مسجد ہو۔ عالمگیری کی عبارت یہ ہے والمسجد وان کبر لا یمنع الفاصل فیہ کذا فی الوجیز۔

فصل ۹۲ - امام کے ضروری صفات

سوال۔ نماز کی امامت کے لیے کس حیثیت کا امام متعین کرنا چاہیے؟

جواب۔ ہر مسجد کی مجلس انتظامی کا فرض ہے کہ امامت کے لیے ایسے عالم و قاری کو منتخب کرے جو علمی اور عملی صفات میں ممتاز و سربرآوردہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم۔ (ایسے لوگوں کو اپنا امام بناؤ جو تم میں بہتر و بہتر ہوں۔ کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان تمہارے ایلچی ہیں)) رواہ دارقطنی اور حاکم نے عمرو بن غنوی رضؓ کے ترجمہ میں روایت کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ اگر تم اپنی نماز کی مقبولیت کے آرزومند ہو تو ان حضرات کو اپنے امام بناؤ جو تم میں بہتر ہوں کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان تمہارے ایلچی ہیں"۔

مولینا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کتاب "لوب القرآن" میں رقم فرماتے ہیں کہ جب کسی کو مسجد میں امام مقرر کریں تو کسی ماہر کو اس کی متعدد اور مختلف سورتیں سنوا دی جائیں۔ اگر وہ صحت کی تصدیق نہ کرے تو کسی ماہر کو تلاش کریں۔ اگر ارزاں نہ ملے تو گراں کو لائیں۔ کیسی ظلم کی بات ہے کہ ہر دنیوی کام کے لیے ذی ہنر اور ذی لیاقت ڈھونڈا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ لوہار، معمار، نجار، بلکہ گانے بجانے والا تک بھی لیکن خدا کے روبرو جو سب مسلمانوں کی طرف سے وکیل کھڑا ہوتا ہے وہ چھانٹ کر ایسا رکھا جاتا ہے جس میں نہ کوئی کمال ہو نہ جمال۔ تمام لوگوں میں جو ناکارہ۔ اندھا۔ چوندھا۔ فاتر الحواس۔ گنوار۔ بدتمیز۔ جاہل ہو۔ غرض جو کسی مصرف کا نہ ہے اس کو امامت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

سوال۔ امامت کا زیادہ حق دار کون ہے؟

جواب۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کا امام وہ ہونا چاہیے۔ جو ان میں سب سے اچھا قرآن پڑھتا ہو۔ اگر قرآن خوانی میں برابر ہوں تو پھر وہ مقرر کیا جائے جو سنت کا زیادہ علم رکھتا ہو۔ یعنی نماز کے احکام و مسائل خوب جانتا ہو۔ رواہ مسلم۔ امام ابو یوسفؒ اور امام احمدؒ کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ ان کے نزدیک قاری عالم پر مقدم ہے۔ اور امام ابو حنیفہ، امام محمدؒ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک بڑا عالم اور فقیہ بڑے قاری پر مقدم ہے۔ کیونکہ قراءت کی احتیاج نماز کے صرف ایک رکن میں ہے اور علم کی ضرورت سب ارکان میں ہے یہ حضرات ان حدیثوں کا جو تقدیم اقراء پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ جواب دیتے ہیں کہ عہد صحابہ و تابعین میں اقراء ہی اعلم ہوتے تھے کیونکہ وہ قرآن کو احکام کے ساتھ سیکھتے تھے اور ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہوتا اور اعلم کو اقراء پر مقدم کرنے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ خود شارع علیہ السلام نے اپنے مرض وصال میں حضرت ابوبکر صدیق رضہ سے نماز پڑھوائی۔ جو اعلم تھے۔ حالانکہ ان کے مقابلہ میں بڑے بڑے قاری موجود تھے۔

فقہاء کی تحریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ امامت کا مستحق اوّل عالم یعنی وہ شخص ہے جو مسائل نماز سے اچھی طرح واقف ہو۔ بشرطیکہ ورع اور تقویٰ سے بھی موصوف ہو۔ اگر اس میں برابر ہوں تو پھر وہ جو قرآن مجید اچھا

پڑھتا ہو۔ اگر ان دونوں صفتوں میں بھی برابر ہوں تو پھر ان میں جو زیادہ صاحب ورع و تقویٰ ہو۔ پھر جو عمر میں بڑا ہو۔ اس کے بعد جو اخلاق حسنہ اور شرف ذاتی میں ممتاز ہو۔ اس کے بعد جو زیادہ صاحب جمال اور صاحب وقار ہو۔ اس کے بعد جو نسبی شرافت رکھتا ہو۔ ایک شرط یہ ہے کہ کوئی شخص امام کے دین پر طعن نہ کرتا ہو۔ اور وہ کسی شرک یا بدعت میں ملوث نہ ہو۔ ورع وہ ہے جو شبہوں سے بہت بچے اور تقویٰ سے حرام کاموں سے دامن کش رہنے کا نام ہے۔ اور قرآن اچھا پڑھنے سے یہ غرض ہے۔ کہ حروف کے مخارج اور مدّ و شد کو بخوبی جانتا ہو۔

سوال ۔ اگر جماعت کھڑی ہونے کے وقت کوئی امام معیّن سے افضل شخص آجائے تو پھر امامت کا مستحق کون ہے؟

جواب ۔ امام معیّن آنے والے اجنبی سے زیادہ مستحق ہے۔ اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی ملاقات کو جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہاں امامت سے احتراز کرے۔ کیونکہ اس جگہ خود صاحب مکان یعنی وہاں کا امام معیّن ہو امامت کا حقدار ہے۔ چنانچہ ابو عطیہ عقیلی تابعیؒ کا بیان ہے کہ حضرت مالک بن حُویرث صحابی ہماری مسجد میں تشریف لاکر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سُنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھیں وہیں نماز کا وقت آگیا۔ ہم لوگوں نے درخواست کی آپ نماز پڑھا دیجیے تو انھوں نے انکار کیا اور فرمایا کہ تم ہی میں سے کوئی صاحب نماز پڑھائیں اور میرے نماز نہ پڑھانے کی وجہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے۔ کہ جو شخص جا کر کسی قوم سے ملاقات کرے وہ ان کی امامت نہ کرے بلکہ انہی میں سے کوئی شخص نماز پڑھائے۔ رواہ ابو داؤد والترمذی۔ اور اسی معنی میں نبی صلے اللہ علیہ وسلّم نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی کسی کی حکومت کی جگہ پر اس کی امامت نہ کرے اور اس کے گھر میں اس کے حکم کے بغیر اس کی مسند پر نہ بیٹھے۔ رواہ مسلم

سوال ۔ کیا نابینا کی امامت مکروہ ہے؟

جواب ۔ نابینا کی امامت اس وقت مکروہ ہے جب وہ نجاستوں سے بچنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ اور اگر کوئی نابینا نجاستوں سے بچنے کا اہتمام رکھتا ہو اور قراءت اور علم مسائل میں دوسروں سے فائق ہو تو اس کی امامت اولیٰ و افضل ہے۔ چنانچہ خود سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم صحابی رضؓ کو نماز پڑھانے کے لیے اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ حالانکہ وہ نابینا تھے۔ رواہ ابو داؤد

سوال - کن لوگوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ؟

جواب - ان لوگوں کے پیچھے نماز قطعاً نہیں ہوتی :- (۱) کافر مشرک (۲) بدعتی جس کی بدعت حدِّ کفر تک پہنچی ہوئی ہو۔ جیسے مرزائی (خواہ لاہوری ہو یا قادیانی) منکرین حدیث جو چکڑالوی اور اہل قرآن کے نام سے مشہور ہیں۔ روافض - قدری - جہمی - مشبہ وغیرہ - سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھنے والے نام نہاد حنفی بھی انہی اہل بدعت کے زمرہ میں داخل ہیں۔ (۳) مجنون دائمی (۴) مدہوش - (۵) نابالغ کے پیچھے بالغوں کی (۶) عورت کے پیچھے مردوں کی (۷) جس نے باقاعدہ وضو یا غسل کیا ہو۔ اس کی نماز معذور کے پیچھے (۸) جو پورا ستر ڈھانکے ہوئے ہو اس کی نماز ایسے شخص کے پیچھے جس کا ستر کھلا ہوا ہو (۹) رکوع سجدہ کرنے والے کی نماز اس شخص کے پیچھے جو رکوع اور سجدہ اشارے سے ادا کرتا ہو۔ (۱۰) فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے (۱۱) ایک فرض (مثلاً ظہر) پڑھنے والے کی نماز دوسرا فرض (مثلاً عشاء) پڑھنے والے کے پیچھے۔ ان لوگوں کے پیچھے بھی نماز نہیں ہوتی۔ (۱۲) خنثیٰ - (۱۳) مسبوق (۱۴) لاحق (۱۵) قاری کی نماز اُمّی کے پیچھے - قاری اور اُمّی کی تشریح پہلے گزر چکی۔ (۱۶) اصح قول کے بموجب غیر توتلے کا اقتداء توتلے کے پیچھے صحیح نہیں۔

سوال - نابالغ لڑکے کے پیچھے فرض نماز اور تراویح ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

جواب - بالغوں کو نابالغ کا اقتداء فرض یا تراویح کسی صورت میں درست نہیں۔ ہاں جب لڑکا پندرہ برس کا ہو جائے تو اس کو امام بنا سکتے ہیں۔ ویسے نفلوں میں اس کا قرآن سنتے رہیں۔ جس کی یہ صورت ہے کہ لڑکا نفل کی نیت باندھ کر کھڑا ہو جائے اور سننے والے ویسے ہی بیٹھ کر اس کا قرآن سنتے رہیں۔

سوال - عمرو بن سَلِمہؓ[ھ] کا بیان ہے کہ ہم ساحل بحر پر بود و باش رکھتے تھے جہاں قافلوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ فتح مکہ کے بعد ہمارا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا۔ جب میرے والد مدینہ منورہ سے واپس آئے۔ تو میرے قبیلہ نے نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے امام متعین کرنے کا قصد کیا۔ اس وقت قبیلہ میں مجھ سے زیادہ قرآن جاننے والا کوئی نہ تھا۔ کیونکہ میں قافلے والوں سے قرآن سیکھتا رہتا تھا انہوں نے مجھے امام مقرر کر دیا۔ مجھ پر صرف ایک چادر تھی جس کے باعث سجدے میں میری شرمگاہ کھل جاتی تھی۔ قوم نے مجھے ایک

[ھ] سَلَمہ نام کے تمام دوسرے اسماء بفتح اللام ہیں مگر عمرو بن سَلِمہ میں سلمہ بکسر اللام ہے۔ ۱۲

کُرتا بنوا دیا۔ اس وقت میری عمر کلھم چھ سات سال کی تھی۔ رواہ البخاری۔ اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ کے پیچھے بھی نماز ہو جاتی ہے۔

جواب۔ امام شافعیؒ نے اس روایت سے استدلال کر کے لڑکے کی امامت جائز رکھی ہے لیکن امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک نابالغ کی امامت جائز نہیں۔ بنابر قول ابن مسعودؓ کے کہ نہ امامت کرے وہ لڑکا جس پر حدود شرعیہ واجب نہیں ہوئیں۔ اسی طرح ابن عباس رضؓ نے فرمایا ہے کہ جب تک لڑکا محتلم نہ ہو امامت نہ کرے اور ظاہر ہے کہ عمرو کی امامت فرمان نبوی کے تحت نہیں تھی بلکہ نو مسلموں نے اپنے اجتہاد سے ان کو امام مقرر کر دیا تھا چونکہ قبیلہ کے لوگ ضروری مسائل سے واقف نہ تھے انہوں نے بے خبری میں چھوٹے بچے کو امام بنا دیا۔ اور شوافع پر تعجب ہے جو عمرو کے اس اعتراف کے باوجود کہ میرے پاس کرتا بھی نہیں تھا جس سے ستر ڈھکتا۔ کس طرح عمرو کی امامت سے استدلال کرتے ہیں۔

سوال۔ کن لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے؟

جواب۔ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ فاسق وہ ہے جو کبائر کا مرتکب ہو۔ نماز مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دل میں دین کی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں علاوہ ازیں شامی لکھتے ہیں کہ امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے۔ حالانکہ فسق پیشہ آدمی شرعاً اہانت کا مستوجب ہے۔ اگر وہ دوسروں سے زیادہ علم رکھتا ہو تو بھی کیا عجب ہے کہ وہ اپنی عادت فسق کے اقتضا سے لوگوں کو بے وضو ہی نماز پڑھاتا رہے۔ پس وہ مبتدع کی مانند ہے جس کی امامت ہر حال میں مکروہ ہے۔ اور شرح مُنیہ میں فاسق کی امامت کو مکروہ تحریمی لکھا ہے بلکہ امام مالکؒ کے نزدیک اور امام احمدؒ سے ایک روایت میں فاسق کے پیچھے نماز قطعاً ہوتی ہی نہیں لیکن ہمارے نزدیک فاسق فاجر کے پیچھے بھی نماز بالکراہت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَالصَّلٰوۃُ وَاجِبَۃٌ عَلَیْکُمْ خَلْفَ کُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا کَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ (تم پر ہر مسلمان کے پیچھے خواہ نیک ہو یا بد نماز واجب ہے اگرچہ کبائر کا مرتکب ہو) رواہ ابوداؤد۔ گو فاسق کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے لیکن مومن صالح کی موجودگی میں فاسق کو آگے بڑھانے سے احتراز لازم ہے۔

سوال۔ جو نماز کسی فاسق یا بدعتی امام کے پیچھے پڑھی جائے وہ واجب اعادہ ہے یا نہیں؟

جواب۔ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ باغیوں نے خلیفۂ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا اور آپ نے اسی محاصرہ میں باغیوں کے ہاتھوں سے شربت شہادت نوش فرمایا تھا۔ ایام محاصرہ میں باغیوں کا سرغنہ کنانہ بن بشر لوگوں کو نماز پڑھاتا تھا۔ واقعۂ شہادت سے کئی دن پہلے عبیداللہ بن عدی نے امیرالمومنین حضرت عثمانؓ سے دریافت کیا کہ امام الفتنہ کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نیکی میں لوگوں کے ساتھ شریک رہو۔ رواہ البخاری۔ یعنی ان کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔ حالانکہ بلوائیوں سے بڑھ کر فاسق اور بدعتی کوئی نہ ہوگا۔ چنانچہ صحابۂ کرام رض اس فاسق کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ نہ تو حضرت خلافت مآبؓ نے کسی کو یہ حکم دیا کہ امام الفتنہ کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کر لیا کرو۔ اور نہ اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ کسی نے کنانہ کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کو دہرایا ہو۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جن کی زندگی حیاتِ نبوی کا عکس اور پرتو تھی رئیس الفسّاق حجّاج بن یوسف کے پیچھے جب وہ مدینہ منوّرہ آیا تھا نماز پڑھی تھی۔ الغرض فاسق امام کے اقتدا میں جو نماز پڑھی جائے اس کے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ اور تنہا پڑھنے کی نسبت فاسق یا بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھ لینا بہتر ہے۔

ہاں اگر کسی امام کا مبتدعانہ عقیدہ حد کفر تک پہنچا ہوا ہو تو اس کے اقتدا میں پڑھی ہوئی نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ چنانچہ عہد حاضر کے غلاۃ نے حضرت سیّد الاوّلین والآخرین صلے اللہ علیہ وسلّم کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ گھڑ لیا ہے۔ چونکہ یہ عقیدہ حنفی کتب فقہ کے رُو سے صریح کفر ہے اس لئے جو نماز اس عقیدے والے امام کے پیچھے پڑھی جائے گی وہ واجب الاعادہ ہوگی۔

سوال۔ یہ کن حضرات نے لکھا ہے کہ آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھنے والا گمراہ بلکہ دائرۂ ایمان سے خارج ہے؟

جواب۔ استیعاب تو محال ہے لیکن نمونتہً چند اسمائے گرامی سپرد قرطاس کئے جاتے ہیں:۔

علامہ ابن الہمام

علامہ محقق ابن الہمامؒ شارح ہدایہ جن کی نسبت علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:۔ بَلَغَ رُتْبَۃَ الْاِجْتِہَادِ (مجتہدوں کے درجہ پر پہنچے ہوئے تھے) کتاب مسامرہ میں لکھتے ہیں:۔ فَلَا یعلم النبی من المغیبات الا ما اعلمہ اللہ بہ احیاناً وذکر الحنفیۃ فی فروعہم بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ۔ قُلْ لَّا

يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (نبی غیب نہیں جانتا بجز ان غیبی امور کو جن کو اللہ تعالیٰ کبھی کبھی نبی پر ظاہر کرتا رہا اور علمائے حنفیہ نے اپنے فروعی مسائل میں اس شخص کے کفر کا فتویٰ دیا ہے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے غیب دان ہونے کا عقیدہ رکھے۔ کیونکہ ایسا عقیدہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے صریح خلاف ہے۔ کہ اے نبی! کہہ دے کہ اللہ کے سوا آسمانوں یا زمین پر غیب جاننے والی کوئی ہستی نہیں)

سید عبدالقادر جیلانیؒ محبوب ربانی سید عبدالقادر جیلانی رح فرماتے ہیں۔ مَنْ يَعْتَقِدُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَهُوَ كَافِرٌ لِاَنَّ عِلْمَ الْغَيْبِ صِفَةٌ مِنْ صِفَاتِ اللّٰهِ (جس کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم غیب دان ہیں وہ کافر ہے۔ کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے صفات میں سے ایک صفت ہے۔ مرأۃ الحقیقۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸) اور فرماتے ہیں۔ اِتَّفَقَتْ عَلَيْهِ طَوَائِفُ الرَّافِضَةِ اَنَّ الْاِمَامَ يَعْلَمُ كُلَّ شَيْءٍ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ جَحَدُوا التَّنْزِيْلَ (روافض کے مختلف فرقے اس اعتقاد پر متفق ہیں کہ ان کے (بارہ) امام تمام گزشتہ اور آئندہ کے واقعات کا علم رکھتے ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنت ہو کہ انھوں نے قرآن کا انکار کیا ہے۔ (غنیۃ الطالبین مطبوعہ مصر صفحہ ۶۱)

علامہ ابوحیانؒ علامہ ابوحیان اندلسی غرناطیؒ المتوفی ۷۴۵ھ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر البحر المحیط (مطبوعہ مصر جلد ۴ کے صفحہ ۱۴۵) میں لکھتے ہیں (ترجمہ) (اللہ تعالیٰ نے حصر فرمادیا کہ مفاتح الغیب یعنی غیب کی باتوں کو خدائے برتر کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ ان پر خدائے علیم کے سوا کوئی مطلع ہے۔ اور بہت سے نام نہاد صوفی علم دین سے بے بہرہ ہونے کے باوجود غیب دان ہونے کے مدعی ہیں۔ اور وہ اس بات کے بھی مدعی ہیں کہ وہ اور ان کے مرید یقیناً جنت میں جائیں گے۔ یہ لوگ قبروں پر بیٹھ کر برملا اس قسم کی باتیں کہا کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ جو کوئی یہ گمان کرے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کل کے ہونے والے واقعات سے باخبر ہیں۔ اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ پر افترا کیا۔ اور خداوند عالم اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ جو کوئی یہ گمان کرے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کل کو ہونے والے واقعات سے باخبر ہیں۔ اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ پر افترا کیا اور خداوند عالم اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ آسمانوں پر اور زمین پر اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں۔ جو

چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہو۔ دیارِ مصر میں اس قسم کے دعووں اور خرافات کی بڑی گرم بازاری ہے۔ کم عقل لوگ جو مشائخ طریقت کہلاتے ہیں۔ ان خرافات پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ ان جہلا نے ایسے امر عظیم کا دعوےٰ کیا جو ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ کے لیے بھی سزاوار نہیں (البحر المحیط جلد ۴۔ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۵)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اُونٹنی گم ہو گئی تو زید بن لُصَیت منافق کہنے لگا۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے آپ کو پیغمبر کہتے ہیں۔ اور آسمان کی خبریں سُناتے ہیں۔ حالانکہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ یہ سُنکر آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ایسا کہا ہے خدا کی قسم! میں اسی قدر غیب جانتا ہوں جس قدر کہ خدائے علیم مجھے بتا دیتا ہے۔ اور اب مجھے اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کا پتہ بتا دیا ہے۔ اس کی مہار فلاں گھاٹی میں ایک درخت کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام وہاں جا کر اونٹنی کو لے آئے۔ پس حامل وحی صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فیصلہ کر دیا۔ کہ آپ اسی قدر غیب جانتے تھے جس قدر کہ حق تعالیٰ آپ کو بتلا دیتا تھا (فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۲۸۴)

علامہ فقیہ قاضی خان حنفی

فتاوےٰ قاضی خان میں ہے۔ رجل تزوّج من غیر شھود فقال الرجل للمرأۃ خدا و پیغمبر خدا را گواہ کردیم قالوا یکون کفرًا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت (اگر کسی شخص نے کسی عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کر لیا۔ پھر وہ عورت سے کہنے لگا کہ ہم نے اس نکاح پہ خدا اور پیغمبر کو گواہ بنایا تو علماء نے فرمایا ہے کہ ایسا کہنا کفر ہوگا کیونکہ اس شخص نے گمان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔ حالانکہ آپ اس وقت بھی غیب نہیں جانتے تھے جب آپ زندوں میں موجود تھے۔ تو اب وصال کے بعد غیب کیونکر جان سکتے ہیں؟)

علامہ ابن نُجَیم مصری حنفیؒ

علامہ ابن نُجَیم مصریؒ البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں رقم فرما ہیں:۔ لو تزوّج بشھادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد ویکفر لاعتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب (اگر کسی نے اللہ اور رسولؐ کی شہادت پہ نکاح کیا تو نکاح

معتقد نہیں ہوگا۔ البتہ وہ شخص اس اعتقاد کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں)

علامہ علی قاری حنفی رح

علامہ علی قاری رح اپنے زمانہ کے شرک پسندوں کے بارہ میں موضوعات کبیر میں لکھتے ہیں:- وَقَدْ جَاهَرَ بِالْكَذِبِ بعضُ من يدعي العلمَ في زماننا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم متى تقوم الساعة وَلَا رَيْبَ أَنَّ الْحَامِلَ هؤلاء على هذا الغلو اعتقادهم انّه يكفّر عنهم سيّاتهم ويدخلهم الجنّة وكلما غلوا كانوا اقرب اليه فهم اعصى الناس لامره واَشَدُّهم مخالفة لِسُنّته وفيهم شبهٌ ظاهرٌ من النصارى غَلَوا على المسيح اعظم الغلوِّ خالفوا شرعه ودينَهٗ اعظم المخالفة (ہمارے زمانہ کے بعض مدعیان علم نے یہ صریح دروغ بافی کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ وہ اس خیال سے اس غلو پر مائل ہیں کہ یہ عقیدہ ان کی مغفرت کا باعث ہوگا۔ اور انہیں جنت میں داخل کر دے گا۔ اور وہ حضور کی شان میں جتنا زیادہ غلو کریں گے ان کو اسی قدر زیادہ آنحضرت کا تقرب حاصل ہوگا۔ حالانکہ یہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ نافرمان اور آپ کی سنت کے سب سے زیادہ مخالف ہیں۔ ان میں نصاریٰ کی کھلی مشابہت پائی جاتی ہے نصاریٰ نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت نہایت غلو سے کام لیا تھا اور (دعوے اتباع کے باوجود) ان کے دین کی مخالفت کی تھی۔ موضوعات کبیر صفحہ ۱۱۹)

اور شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:-

اعلم ان الانبياء لم يعلموا المغيبات الا ما اعلمهم الله تعالى احيانا وذكر الحنفية بالتصريح بالتكفير باعتقاد ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔

جان لو کہ انبیاء علیہم السلام غیب کی باتیں بالذات نہ جانتے تھے بجز ان کے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو وقتاً فوقتاً بتلا دیں اور علمائے حنفیہ نے صراحت کے ساتھ اس شخص کے کفر کا فتوےٰ دیا ہے جس کا یہ اعتقاد ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب داں ہیں کیونکہ یہ عقیدہ اس ارشاد ربانی کے صریح خلاف ہے کہ اے نبی! کہہ دو کہ آسمانوں پر اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جو غیب جانتی ہو۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ

سیوطی اپنے رسالہ "الکشف عن مجاوزۃ ہذہ الامۃ الالف" میں رقمطراز ہیں (ترجمہ) ان غالیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم برابر ہے۔ یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ جن چیزوں کو علام الغیوب جانتا ہے۔ رسول خدا کو بھی ان کا علم ہے۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں آنحضرت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے اردگرد کے دیہاتیوں میں بھی بعض منافق ہیں۔ اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں لیکن اے نبی! آپ کو ان کا علم نہیں" یہ آیت سورہ براءۃ میں ہے جو ان سورتوں میں سے ہے جو اخیر میں نازل ہوئیں۔ اور مدینہ منورہ میں منافق آپ کے ہم سایہ تھے۔ (موضوعات کبیر لعلی القاری مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۱۹) یعنی ہمسایہ ہونے کے باوجود آپ کو ان کے نفاق کا حال معلوم نہ ہوا۔

شاہ حمزہ مارہرویؒ

شاہ حمزہ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ جو مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے دادا پیر تھے۔ وہ اپنی کتاب خزینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ علم غیب صفت خاص ہے رب العالمین کی جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہے وہ بے دین ہے۔ اس واسطے کہ آپ کو بذریعہ وحی کے امور مخفیہ کا علم ہوتا تھا۔ جسے علم غیب کہنا گمراہی ہے۔ (خزینۃ الاولیاء مطبوعہ کانپور صفحہ ۱۵)

سوال۔ کن لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے؟

جواب۔ وہ یہ ہیں:۔ [۱] مفلوج (فالج زدہ) [۲] مجذوم (کوڑھی) [۳] مبروص (برص والا) جس کا برص ظاہر اور نمایاں ہو۔ [۴] امرد (بے ریش) [۵] ایک ہاتھ والا جس کا ہاتھ شانہ سے پیدائشی نہ ہو۔ [۶] وہ نابینا جو نجاستوں سے بچنے کا اہتمام نہ رکھتا ہو۔ [۷] جاہل گنوار۔ [۸] سفیہ یعنی وہ بے وقوف جو معاملات میں عقل و تمیز نہیں رکھتا اور شریعت کے موافق لین دین نہیں کر سکتا۔ [۹] ولد الزنا یعنی حرامی۔ [۱۰] معذور اپنے جیسے معذور کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ [۱۱] توتلا ہکلا یا وہ شخص جس کو سلسل البول کا عارضہ ہو۔ تو وہ ایسے ہی مقتدیوں کی امامت کر سکتا ہے [۱۲] سلسل البول والا نکسیر والے کا امام نہیں ہو سکتا۔

سوال۔ غیر مقلد امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب۔ مولانا تھانویؒ نے اس سوال کے جواب میں لکھا کہ غیر مقلد بہت طرح کے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے۔ چونکہ فی الفور پورا حال معلوم

ہونا مشکل ہے۔ اس لئے احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ (امداد الفتاوے مجتبائی جلد اوّل صفحہ ۹۰) اور فرماتے ہیں کہ غیر مقلدوں سے ہماری نزاع فقط بوجہ اختلاف فروع جزئیات کے نہیں ہے۔ بلکہ اصول میں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ سلف صالح خصوصاً امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کو طعن و تشنیع کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دربارہ تراویح کے بدعتی بتلاتے ہیں اور مقلدوں کو مشرک سمجھ کر مقابلہ میں اپنا لقب موحدین رکھا ہے اور تقلید ائمہ کو مثل رسم جاہلان عرب کی کہتے ہیں۔ کہ وہ کہا کرتے تھے وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا۔ خدا کو عرش پر بیٹھا ہوا مانتے ہیں۔ کتب فقہ کو اسباب گمراہی سمجھتے ہیں۔ اور فقہاء کو مخالف سنت ٹھیراتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سے عقائد باطلہ رکھتے ہیں۔ پس بوجوہ مذکورہ سب دینی و دنیاوی امور میں ان سے احتیاط بہتر معلوم ہوتی ہے۔ البتہ جس غیر مقلد میں یہ امور نہ ہوں اس کا حکم مثل شافعی المذہب کے ہے (امداد الفتاوی مجتبائی جلد ۳ صفحہ ۱۵۰) اور لکھتا کہ جو غیر مقلد عقائد میں ہمارے موافق ہو۔ اگرچہ بعض فروع میں مخالف ہو اس کا اقتداء جائز ہے۔ اگرچہ خلاف اولیٰ ہے۔ (ایضاً جلد ۴ ص ۹۲)

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مرحوم سابق مفتی دیوبند نے مختلف اوقات میں اس فرقہ کی نسبت جو فتوے دیئے ان کا ضروری خلاصہ یہ ہے:۔ اگر غیر مقلد امام نماز میں کوئی ایسا فعل نہیں کرتا جس سے حنفی کی نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہےعہ اور وہ متعصب نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے اور اگر عقیدے کا خراب ہو تقلید کو شرک۔ مقلدین کو مشرک بتاتا ہو اور اسلاف کرام کے خلاف دریدہ دہنی کرتا ہو تو وہ فاسق و مبتدع ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

سوال۔ کن لوگوں کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے؟

جواب۔ اگر دیہاتی عالم ہو اور اندھا۔ صفائی میں محتاط اور عالم یا حافظ قرآن ہو اور ولد الحرام عالم اور نیک بخت ہو اور ان سے افضل کوئی اور شخص موجود نہ ہو تو ان کی امامت بلا کراہت جائز ہے لنگڑے کے پیچھے بلا کراہت درست ہے۔

سوال۔ کیا امام کے لئے مقتدیوں کی امامت کی نیت بھی ضروری ہے؟

جواب۔ جو شخص صرف مردوں کا امام ہے اقتدا کے صحیح ہونے کے لئے اس پر لازم نہیں کہ مقتدیوں

عہ مثلاً عام سوتی یا اُونی موزوں پر مسح نہیں کرتا (مؤلف)

کی امامت کی نیت بھی کرے بلکہ جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے امامت کی نیت چاہیے اور نیت اس وقت ہو جب کوئی امام کا اقتدار کرے۔ پہلے سے یہ بھی ضروری نہیں۔ اگرچہ پہلے سے نیت کر لینی بھی جائز ہے۔

سوال۔ اگر کوئی شخص فجر یا مغرب یا عشاء کی فرض نماز تنہا پڑھتا اور قرأۃ دل میں کر رہا ہو۔ اور کوئی دوسرا آدمی آ کر ابھی نماز ہی میں اس کا اقتدا کرے تو وہ امام ہونے کی حیثیت سے نماز کو کس طرح پورا کرے؟

جواب۔ اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ شخص جس کا اقتدار کیا گیا ہے دل میں امام ہونے کا قصد کر لے۔ تاکہ نماز باجماعت ادا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ امام ہونے کا قصد نہ کرے بلکہ حسب سابق تنہا نماز پڑھتا رہے۔ پہلی صورت میں اس پر امام کی نیت کے ساتھ ہی اسی جگہ سے باواز قرأت کرنا واجب ہو جائے گا۔ اس حالت میں اگر وہ امامت کی نیت کرنے سے پہلے سورۂ فاتحہ اور کسی قدر دوسری سورت کو آہستہ دل میں پڑھ چکا ہو تو اس پر لازم ہے کہ اسی جگہ سے باقی ماندہ سورۂ فاتحہ یا بقیہ دوسری سورت کو بالجہر پڑھنا شروع کر دے۔ کیونکہ فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں امام پہ قرأت بالجہر واجب ہے اور امامت کی نیت نہ کرنے کی صورت میں اس کو آواز سے قرأت کرنے کی ضرورت نہیں۔ موخرالذکر صورت میں مقتدی کی نماز بھی درست رہے گی۔ کیونکہ مقتدی کی نماز صحیح ہونے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ امام امامت کا قصد و نیت کرے۔

سوال۔ مسجد سے تنخواہ پانے والے امام کی کس قدر غیر حاضری معاف ہو سکتی ہے؟

جواب۔ شامی جلد سوم کتاب الوقف میں ہے کہ امام کو اپنی ضرورت یا راحت کے لئے سال بھر میں پندرہ دن سے کم تک غیر حاضری عرفاً و شرعاً جائز ہے۔ غرض امام کو ایک سال میں دو ہفتہ تک چھٹی تنخواہ کے ساتھ مل سکتی ہے۔ زیادہ نہیں۔

فصل ۹۳۔ آلہ مکبر الصوت کی آواز کا اتباع

سوال۔ نماز کی تکبیروں اور خطبۂ جمعہ میں آلہ مکبر الصوت کی آواز کا اتباع جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ رقم فرما ہیں کہ آلہ لاؤڈ سپیکر یعنی مکبّر الصّوت جس میں آواز بڑھ جاتی ہے اس کا اجمالی حکم یہ ہے کہ تقریبات میں اس کا استعمال جائز ہے اور جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں بدعت اور تکبیرات صلوٰۃ میں اس کا اتباع مفسد صلوٰۃ ہے۔" مولانا ممدوح نے اس دعوے کے اثبات میں ایک مستقل رسالہ بنام "التحقیق الفرید فی آلۃ التقریب لصوت البعید" تالیف فرمایا جس میں وہ لکھتے ہیں:۔

اوّل ایک قاعدہ لکھا جاتا ہے جو عقلی بھی ہے اور نقلی بھی اور فقہائے حنفیہ نے اس قاعدہ پر بہت احکام کو متفرع کیا ہے۔ وہ یہ کہ جو مباح یا مندوب درجۂ ضرورت و مقصودیت فی الشرع تک نہ پہنچا ہو اور اس میں کوئی مفسدہ باحتمال قریب محتمل ہو تو اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے۔ عقلی ہونا تو اس کا ظاہر ہے اور قبول فقہاء کے بعد اس کے ماخذ نقلی کے نقل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر تبرعاً اس کو بھی نقل کرتا ہوں۔ سو اس کے نقلی ہونے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ۔ ظاہر ہے کہ سبّ آلہہ باطلہ مباح تو ضرور ہی ہے اور بعض حالات میں مندوب بھی مگر مقصود مستقل نہیں۔ کیونکہ اس کی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ یعنی حکمۃ و موعظۃ و مجادلۂ حسنہ سے اور اس میں مفسدہ تھا سبّ مشرکین للالٰہ الحق کا اس لئے اس سے نہی فرما دی گئی۔ اب اس قاعدے کی تمہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ صوت سامعین ابعید تک شرعاً غیر ضروری ہے۔ کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے بھی تبلیغ ممکن ہے۔ یہ غیر مخدوش ذریعہ دوسرے واعظین ہیں۔ کہ وہ بعیدین کو سنا سکتے ہیں۔ اور اس میں یہ مفسدہ محتمل ہے کہ لوگ اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلاتِ لہو کے استعمال کرنے کی گنجائش سمجھ جائیں گے اور گمان کریں گے کہ اس آلہ میں اور دوسرے آلاتِ لہو میں مثلاً گراموفون میں کیا فرق ہے جب اس کا استعمال جائز ہے تو بقیہ کا بھی جائز ہے۔ لہذا ترک اور منع لازم ہوگا۔ یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد واعظ و لیکچرار ہو۔ اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ و عیدین ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت۔ میری مراد مطلق تبلیغ نہیں بلکہ تبلیغ الی الکل ہے یعنی اگر مجموعہ حاضرین نہ سنیں تو بعض کا سماع اور بقیہ کا حضور کافی ہے۔ چونکہ سماع بھی مقصود ہے اس لئے شریعت نے اس کا اہتمام بھی فرمایا۔ مگر اسی حد تک جو تیسیر کے ساتھ ہو۔ چونکہ آلہ مکبّر الصّوت کا مفسدہ قوی ہے کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا۔ جو احترام مسجد کے خلاف ہے۔ اور نیز تشبیہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ۔

مثلاً مجلس رقص وسرود کہ اس میں تبلیغ صوت الی البعید کے لئے اس کا استعمال کیا جائے۔ اسی تشبّہ کی بنا پر فقہاء نے مسجد میں درخت لگانے کو منع فرمایا ہے اور تشبّہ بالبیع والکنیسہ سے معلل کیا ہے۔

شریعت نے احکام کی مطلوبیت کے درجات اور حدود مقرر کر دیئے ہیں جو کتب مذہب میں مضبوط و مبسوط ہیں۔ ان سے تجاوز کرنا غلو فی الدین ہے۔ جو شارع کی نظر میں غیر مرضی ہے۔ چنانچہ حدیث میں اس کی ایک نظیر وارد ہے فی جمع الفوائد قضاء الحاجة ابو وائل۔ كان ابو موسٰى يشدد في البول ويبول في قارورة ويقول ان بني اسرائيل اذا اصاب جلد احدهم بول قرضه بالمقاريض فقال حذيفة لوددت انّ صاحبكم لا يشدد هذا التشديد فلقد رأيتني انا ورسول الله صلى الله عليه وسلم نتماشٰى فاتٰى سباطة قوم خلف حائط الى قوله فبال الحديث۔ تنزّہ عن البول شریعت میں اس درجہ مطلوب ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے پر وعید شدید بھی وارد ہے اور ایسا مبالغہ فی التنزہ آسانی سے ممکن بھی ہے کیونکہ قارورہ کی شیشی ہر شخص کو میسر ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام فرمایا۔ نہ حضرات صحابہ نے۔ اور اگر حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے غلبہ حال سے اس کا اہتمام کیا بھی تو حضرت حُذیفہ رضؓ نے ان پر نکیر فرمایا۔ اور حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے نہ اس نکیر پر کچھ کلام فرمایا نہ دوسروں کو ایسا کرنے کی رائے دی۔ اور خفض صوت فی التکبیر یا فی القراءۃ پر کوئی وعید نہیں۔ تو اس میں ایسا مبالغہ کرنا اور اس کی اشاعت کا اہتمام کرنا یُسر فی الدّین کے سراسر خلاف ہے۔

یہاں یہ جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کے فعل پر حضرت حُذَیفہ رضؓ کا لَوَدِدْتُ اَنَّ صَاحِبَکُمْ لَا یَشُدُّ هذا التشديد فرمانا محض ان کی ذاتی رائے نہیں بلکہ رائے ماخوذ عن فعل الشارع ہونے کے سبب حکم شرعی ہے۔ اور صحابی کا ایسا قول حنفیہ کے نزدیک حجّت اور مجتہد تک کے لئے واجب التقلید ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے اس کو اپنے اجتہاد پر عمل جائز نہیں۔ کما صرّح بہ فی اصول الفقہ۔ باقی عنوان لوددتُ الخ کا اختیار کرنا یہ ادب فی التعبیر ہے۔ منافی فتوے ہونے کا نہیں۔ جیسے خود ہمارے مجتہدین مذہب مکروہ کو لا احبُّ سے اور حرام کو اکراہ سے تعبیر فرماتے ہیں "مولٰنا تھانویؒ" نے ایک فتواے نبوی بلا واسطہ بھی نقل فرمایا ہے۔ جو صاحب دیکھنا چاہیں وہ کتاب بوادر النوادر (ص ۴۹۶ - ۴۹۷) کی طرف رجوع کریں۔

فصل ۹۴ ۔ امام اور مقتدیوں کا موقف

سوال ۔ امام اور مقتدی کس طرح کھڑے ہوں ؟

جواب ۔ ایک مقتدی خواہ بالغ ہو یا نابالغ امام کے محاذی یعنی برابر داہنی طرف بنا بر مذہب قوی کھڑا ہو ۔ بخلاف اس مرجوع قول کے جو امام محمدؒ سے منقول ہے کہ مقتدی اتنا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو کہ اس کی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس ہوں ۔ اگر مقتدی عورتیں یا صرف ایک عورت یا نابالغ لڑکی ہو تو وہ امام کے پیچھے کھڑی ہوں ۔ امام کو چاہیے کہ مرد یا لڑکے مقتدی کو داہنی طرف کھڑا ہونے کے لئے کہہ دے ۔ حالتِ سجدہ میں اگر تنہا مقتدی کا سر دراز قد ہونے کے باعث امام سے آگے نکل جاتا ہو تو اس میں مضائقہ نہیں ۔ مقتدی کا قدم آگے سے نہ نکلنا چاہیے اور اگر امام کا قدم چھوٹا ہو تو صحیح تر قول یہ ہے کہ جب تک مقتدی کا اکثر قدم امام سے آگے نہ بڑھیگا نماز فاسد نہ ہوگی یعنی پنجوں کے بڑھنے میں کوئی حرج نہیں ۔ اگر ایک مقتدی امام کے بائیں طرف کھڑا ہو تو یہ بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے ۔ اسی طرح ایک مقتدی کا امام کے پیچھے کھڑا ہونا بھی طریقہ سنت کے خلاف ہونے کے باعث صحیح تر قول میں مکروہ تنزیہی ہے ۔ ایک سے زائد مقتدی امام کے پیچھے کھڑے ہوں ۔ اگر امام دو مقتدیوں کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دو سے زائد کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ تحریمی ہے ۔ شامی فرماتے ہیں کہ اس سے مستفاد ہوا کہ امام کو صف سے آگے بڑھ کر کھڑا ہونا واجب ہے ۔ اگر نماز شروع کرتے وقت ایک ہی مرد یا لڑکا مقتدی ہو اس کے بعد دوسرے مقتدی آجائیں تو پہلے مقتدی کو پیچھے ہٹ آنا چاہیئے ۔ تاکہ سب مقتدی صف باندھ کر امام کے پیچھے کھڑے ہو جائیں ۔ اگر پہلا مقتدی نہ ہٹے تو بعد میں آنے والے مقتدیوں پر لازم ہے کہ اس کو پیچھے کھینچ لیں ۔ اور اگر پیچھے آنے والے مقتدی ازراہ نادانستگی امام کے داہنے یا بائیں طرف کھڑے ہو جائیں اور پہلا مقتدی امام کی داہنی طرف ہو تو اب امام کو چاہیے کہ آگے بڑھ جائے ۔ تاکہ مقتدی باہم مل کر امام کے پیچھے ہو جائیں ۔ اور اگر مقتدیوں کے لئے پیچھے ہٹنے کی جگہ نہ ہو تو بھی امام ہی کو آگے بڑھنا چاہیے ۔ اور اگر مقتدی مسائل شرعیہ سے ناواقف ہوں جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ میں آ رہا ہے تو بھی امام ہی کو آگے بڑھنا چاہیے ۔

سوال ۔ امام کے پیچھے کی صفوں میں کسی نئے مقتدی کے کھڑے ہونے کی کوئی گنجائش نہ ہو ۔ تو اب جو شخص آئے وہ کس جگہ کھڑا ہو ؟

جواب۔ اگر صف میں کوئی جگہ نہیں تو تھوڑے انتظار کرے تاکہ دوسرا مقتدی آجائے اگر نہیں آیا تو صف سے ایسے شخص کو جو مسئلہ سے واقف ہو کھینچ کر اپنے ساتھ کھڑا کرلے۔ اگر ایسا کوئی شخص نظر نہ آئے تو تنہا صف کے درمیان یعنی امام کی سیدھ میں کھڑا ہو جائے۔

سوال۔ اگر تمام مقتدی امام کی داہنی طرف کھڑے ہو جائیں اور بائیں طرف سے صف بالکل خالی یا بالعکس ہو تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب۔ مسنون یہ ہے کہ امام صف کے بیچ میں کھڑا ہو۔ اگر تمام مقتدی ایک طرف کھڑے ہو جائیں تو نماز مع الکراہت ہو جائے گی۔

سوال۔ چونکہ فقہائے کرام غیر محراب کی جماعت کو مکروہ لکھتے ہیں۔ اس لئے ائمہ عام طور پر محراب مسجد میں کھڑے ہو کر جماعت کرانا ضروری خیال کرتے ہیں۔ لیکن موسم گرما میں صبح اور مغرب اور عشاء کی نمازیں صحن میں پڑھی جاتی ہیں۔ جہاں محراب نہیں ہوتا۔ پس صحن میں جواز نماز کی کیا صورت ہے؟

جواب۔ جہاں محراب نہ ہو وہاں محاذی محراب میں کھڑا ہونا بلا کراہت جائز ہے۔ صحن میں بھی ائمہ محراب کے بالمقابل ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ بلکہ شامی کی عبارت سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر محراب کا سامنا نہ بھی ہو مگر صف کا وسط ہو تب بھی جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کے قول میں محراب سے وسط مسجد یا وسط صف مراد ہے۔ ارشاد نبوی تَوَسَّطُوا الْاِمَامَ (امام کو بیچ میں رکھو) رواہ ابوداؤد سے بھی حکم مذکور کی تائید ہوتی ہے۔

فصل ۹۵ جماعت میں نشستوں کا حق

سوال۔ صف میں امام کے قریب اور متصل کن لوگوں کو بیٹھنے کا حق حاصل ہے؟

جواب۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے وہ لوگ میرے قریب رہیں جو اہل بلوغ اور صاحب عقل وخرد (یعنی علماء وصلحاء) ہوں پھر وہ لوگ جو ان سے قریب ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں۔ رواہ مسلم۔ اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ

پہلی صف میں صاحبان علم و فضل اور عقلاء اور معمر اور تجربہ کار لوگ نماز پڑھیں۔ پھر جن کا درجہ ان کے بعد ہو وہ دوسری صف میں۔ پھر جن کا درجہ ان سے بھی کمتر ہو وہ تیسری صف میں۔ ان سب کے پیچھے نابالغ لڑکے اور صف کے بالکل اخیر میں عورتیں کھڑی ہوں۔

مشکوٰۃ المصابیح کے باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ابورمثہ سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی طرف پہلی صف میں کھڑے ہوتے تھے۔ اسی طرح دوسرے جلیل القدر مہاجرین شیخین کی داہنی طرف ہوتے تھے۔ اسی طرح تمام اکابر صحابہ درجہ بدرجہ کھڑے ہوتے تھے۔ مگر عہدِ حاضر میں اس کے بالکل برعکس دیکھا جاتا ہے۔ کہ امام کے پیچھے اور منبر کے سامنے عموماً جہلا ہوتے ہیں۔ حالانکہ اہل علم و فضل کی تقدیم کا یہ مقصد تھا کہ نماز کی کیفیت اور اس کے احکام بسہولت ذہن نشین کر کے اُمّت کو پہنچا سکیں۔ علاوہ ازیں اگر کبھی امام تجدید وضو کے لئے جاتے وقت کسی مقتدی کو اپنا خلیفہ بنانا چاہے تو جھٹ کسی ذی علم مقتدی کو آگے کر سکے لیکن امام کے قریب کھڑے ہونے والے جاہلوں کے ذریعہ سے کوئی مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

سوال۔ یہ جو اہل علم میں مشہور ہے کہ رئیس القُرّاء حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے قیس بن عُباد کو پہلی صف سے ہٹا دیا تھا۔ وہ کیا واقعہ ہے ؟

جواب۔ قیس کہتے ہیں کہ میں پہلی صف میں تھا۔ کسی نے مجھے پیچھے کی طرف کھینچا اور مجھ کو ایک طرف کر کے خود میری جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ میرے دل و دماغ پر اس واقعہ کا ایسا شدید اثر ہوا کہ میں کچھ نہیں جانتا تھا کہ نماز میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو کر پچھلی طرف مڑے تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت اُبَیّ بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ مجھ سے فرمانے لگے اے جوان ! اس سلوک کی وجہ جو میں نے تم سے کیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک وصیت ہے جو آپ نے ہم لوگوں کو کی تھی کہ ہم نماز میں حضور کے قریب کھڑے ہوا کریں۔ رواہ النسائی۔

سوال۔ اگر علماء و صلحاء کی جگہ پر کوئی جاہل امام کے قریب آ بیٹھے تو اس کو اٹھا سکتے ہیں یا نہیں ؟

جواب۔ بہتر یہی ہے کہ امام کے قریب علماء و صلحاء کھڑے ہوں لیکن جاہل کو بھی اٹھانا نہیں چاہیئے بلکہ اُسے نرمی سے سمجھا دینا چاہیئے تاکہ آیندہ اس اقدام سے باز رہے۔

فصل ۹۶- پہلی صف کی فضیلت

سوال - صف اوّل میں نماز پڑھنے کا کیا کچھ درجہ اور فضیلت ہے ؟

جواب - ابو سعید خدری رض کا بیان ہے کہ پیمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض اصحاب کو دیکھا کہ پہلی صف سے پیچھے رہے جاتے ہیں - آپ نے اُن سے فرمایا کہ آگے بڑھو اور پہلی صف میں میرے پیچھے میرے قریب کھڑے ہوا کرو تاکہ میرے افعال دیکھو اور وہ لوگ تمہاری متابعت کریں جو تمہارے پیچھے کھڑے ہوں - اور ایک قوم ہمیشہ تاخیر کرتی رہے گی - یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے (فضل و رحمت) سے پیچھے ڈال دے گا - رواہ مسلم

اور ابو امامہ باہلی رض سے مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں - صحابہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ ! دوسری صف پر بھی ؟ آپ نے مکرر فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں (یعنی آپ نے اس مرتبہ بھی دُوسری صف کا کوئی ذکر نہ فرمایا) صحابہ نے دوبارہ دریافت کیا یا رسول اللہ ! کیا دوسری پر بھی ؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں - صحابہ نے التماس کی یا رسول اللہ ! اور دوسری صف پر بھی ؟ فرمایا - ہاں دوسری پر بھی - رواہ احمد - اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ پہلی صف کا درجہ بہت زیادہ ہے - کتاب بحرالرائق میں صف اوّل کی وجہ اولیت یہ لکھی ہے کہ اخبار میں وارد ہے کہ جب خدائے رحیم ودُود جماعت پر رحمت نازل فرماتا ہے تو پہلے امام پر نازل کرتا ہے - پھر امام کے بعد وہ رحمت اس شخص پر وارد ہوتی ہے - جو صف اول میں امام کی سیدھ پر ہو - پھر داہنی طرف والوں پر - پھر بائیں طرف کے نمازیوں پر - پھر صف دوم پر +

اور فرمایا کہ جو قوم پہلی صف سے ہمیشہ ہٹی رہے گی حق تعالیٰ دوزخ میں بھی ان کو پیچھے ڈالے رکھے گا - رواہ ابوداؤد - حاصل یہ کہ نمازی کو پہلی صف کی طرف سبقت کرنی چاہیے - اس نے جو اپنے کو ایسے ثواب سے محروم رکھا تو اس کے بدلے میں یہ سزا پائے گا - اور براء بن عازب رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر رحمت بھیجتے ہیں جو پہلی صفوں

کے قریب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اس قدم سے زیادہ کوئی قدم محبوب نہیں جو چل کر صف کو ملائے (یعنی اگر صف میں جگہ خالی رہ گئی ہو تو وہاں جا کھڑا ہو) رواہ ابوداؤد۔ اس حدیث میں آپ نے اشارۃً دوسری صف کی بھی فضیلت بیان فرمادی جو صف اوّل کے بعد ہوتی ہے یعنی پیچھے کی صفوں پر اس کو بھی فضیلت حاصل ہے ۔

سوال۔ پہلی صف میں امام کے داہنی طرف کھڑے ہونے میں زیادہ ثواب ہے یا بائیں طرف ؟

جواب۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے داہنی طرف والی صفوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔ رواہ ابوداؤد۔ علماء نے فرمایا کہ امام کی داہنی طرف کھڑے ہونا اگرچہ امام سے دور ہو بائیں طرف کھڑے ہونے سے زیادہ افضل ہے۔ اگرچہ امام سے نزدیک ہو۔ اور اگر بائیں طرف نمازیوں سے خالی ہو تو پھر بائیں طرف جا کھڑا ہونا افضل ہے ۔

فصل ۹۷ جماعت کے قیام اور اِمام کے تکبیر تحریمہ کہنے کا وقت

سوال۔ لاہور کی ایک مسجد میں معمول ہے کہ مؤذن کے سوا سارے نمازی بیٹھے رہتے ہیں۔ جب مؤذن حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہتا ہے تو امام اور مقتدی کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کہتا ہے تو امام تکبیر تحریمہ کہہ دیتا ہے۔ کیا یہ طریقہ صحیح ہے ؟

جواب۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہؒ سے اور انہوں نے طلحہ بن مصرف سے روایت کی کہ امام ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو قوم کو چاہیے کہ نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور جب قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہہ دے"۔ یہ روایت نقل کر کے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر امام مؤذن کے فارغ ہونے کے بعد تکبیر تحریمہ کہے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ دونوں میں سے جونسا طریقہ اختیار کیا جائے مستحسن ہے"۔[ع٥]

[ع٥] بوادر النوادر صفحہ ۳۸۸۔

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں میں ترجیح کس کو حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ وہی طریق عمل مرجح ہوگا جس پہ صحابۂ کرام رضہ کا عمل تھا۔

اصحاب علیہم الرضوان کے معمول کے متعلق محدث عبدالرزاق نے ابن جریج سے اور انہوں نے ابن شہاب سے روایت کی کہ جونہی مؤذن اللہ اکبر کہتا یعنی اقامت شروع کرتا تھا۔ اصحاب پیغمبر کھڑے ہو جاتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک تشریف نہ لاتے تھے جب تک صفیں بھی درست نہ ہو جاتیں —

[1](فتح الباری جلد ۲ ص ۱۰۰) ؛

امام ابو حنیفہ رح اور امام محمد رح کا جو مسلک ہے وہ اوپر لکھا گیا۔ لیکن امام ابو یوسف اور امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ نے فرمایا کہ امام اس وقت تک نماز شروع نہ کرے جب تک اقامت ختم نہ ہو لے امام ابو یوسف رح اور دوسرے ائمہ کا یہ قول اعدل المذاہب ہے۔ کما فی شرح المجمع۔ اور قہستانی — خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ یہی سب سے صحیح اور مختار مسلک ہے پس اسی کو اخذ کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس میں نمازیوں پر کوئی اشتباہ[2] نہیں رہتا۔ کذا فی الطحطاوی

روایات سے قطع نظر درایۃً بھی شروع اقامت سے مقتدیوں کا قیام کرنا قرین صواب ہے۔ کیو اگر نمازی حی علی الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے نہ ہوں اور امام قد قامت الصلوٰۃ پہ تکبیر تحریمہ کہہ دے تو تسویۂ صفو کے فرمان نبوی کی تعمیل نہ ہو گی۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پہ کھڑے ہونے کی صورت میں تکبیر تحر تک صفیں کسی طرح سیدھی نہیں ہو سکتیں۔ علاوہ ازیں امام قد قامت الصلوٰۃ پر اللہ اکبر کہہ دے تو مؤذن اما کے ساتھ تکبیر تحریمہ پانے سے محروم رہے گا۔ غرض افضل واصح یہی ہے کہ مقتدی اور امام شروع ہی کھڑے ہو جائیں اور امام تکبیر ختم ہوتے بلکہ صفیں سیدھی ہونے کے بعد تکبیر تحریمہ کہے۔

سوال۔ کیا خلفائے راشدین اقامت ہو جانے کے بعد تسویۂ صفوف کی پڑتال کراتے تھے

جواب۔ ہاں۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمر رضہ نے ایک آدمی اقامت صفوف کی نگرانی پہ متعین کر رکھا تھا۔ اور آپ اس وقت تک تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔ جب تک وہ آ کر صفوں کے سیدھی ہو

---

[1] لبادر النوادر صفحہ ۳۸۸ [2] قد قامت الصلوٰۃ پہ امام نماز شروع کر دے تو پچھلی صفوں کے نمازیوں کو یہ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ اللہ اکبر کی یہ آواز امام کی ہے یا اقامت کہنے والے کی ؛

کی اطلاع نہیں دیتا تھا۔ اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی یہی اہتمام کر رکھا تھا۔ یہ کہا کرتے تھے سیدھے ہو جاؤ۔ اور حضرت علی رض فرمایا کرتے تھے۔ اے فلاں آگے بڑھو۔ اے فلاں پیچھے ہٹو۔ رواہ الترمذی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تسویۂ صفوف کے لئے کئی آدمی مقرر کر رکھے تھے۔ وہ آکر خبر دیتے کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں تو آپ تکبیر کہتے۔ رواہ مالک

فصل ۹۸۔ صفوں کے سیدھا کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کی تاکید

سوال۔ صف میں نمازیوں کو کس طرح کھڑا ہونا چاہیئے ؟

جواب۔ صف بالکل سیدھی کر کے آپس میں اس طرح مل کر کھڑے ہوں کہ بھیڑ یا بکری کا بچہ بھی صف میں سے نہ گزر سکے۔ اور آگے پیچھے ہٹ کر نہ کھڑے ہوں) بلکہ برابر کھڑے رہیں اور اگر صفیں متعدد ہوں تو اس طرح کھڑی ہوں کہ ہر صف کے درمیان مساوی فاصلہ رہے نعمان بن بشیر صحابیؓ کا بیان ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس طرح برابر کرتے تھے کہ گویا آپ ان سے تیروں کو برابر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم صفوں کا برابر کرنا سمجھ گئے۔ ایک مرتبہ تکبیر شروع ہونے والی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک صف کے قریب کھڑے ہوئے اور دیکھا کہ ایک شخص کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ اے بندگانِ خدا ! اپنی صفوں کو برابر کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہاری ذات میں اختلاف ڈال دے گا۔ رواہ مسلم۔ یعنی تمہارے ظاہری اختلاف کی پاداش میں تمہارے اندر باطنی اختلاف اور نفاق و شقاق پیدا کر دے گا۔

حضرت انس رض کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نماز کھڑی ہوئی۔ آپؐ نے اپنا چہرۂ زیبا ہماری طرف کر دیا۔ اور فرمایا کہ اپنی صفوں کو سیدھا کرو۔ اور آپس میں اس طرح مل کر کھڑے ہو جس طرح سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے۔ میں تم لوگوں کو اپنی پیٹھ پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ (یعنی حالتِ نماز میں بطور مکاشفہ اپنی پچھلی طرف سے بھی نمازیوں کا حال معلوم کر لیتا ہوں) رواہ البخاری۔ اور بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں آپ نے فرمایا کہ صفوں کو پورا کرو۔ میں تم لوگوں کو اپنی پیٹھ پیچھے سے

بھی دیکھتا ہوں"۔ صفوں کو پورا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ جب تک پہلی صف بھر نہ لے دوسری صف قائم نہ کی جائے اور ابو مسعود انصاری رض کا بیان ہے کہ جب حضرت خیر الانام صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کا قصد کرتے تو فرماتے کہ برابر ہو جاؤ اور اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ رواہ مسلم

اور جابر بن سمرہ صحابی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایسے وقت میں تشریف لائے جب ہم نے حلقے حلقے بنا رکھے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم لوگوں کو الگ الگ ٹکڑیوں میں دیکھتا ہوں یعنی یوں نہ بیٹھنا چاہیئے۔ کہ نا اتفاقی کی علامت ہے اس کے بعد آپ ایک اور مرتبہ ہمارے پاس قدوم فرما ہوئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ بھی نماز میں ایسی ہی صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح فرشتے اپنے پروردگار کے حضور میں بندگی کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو صف باندھ لیتے ہیں ؟" ہم عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! فرشتے اپنے ربّ قدیر کے حضور میں کس طرح صف بندی کرتے ہیں ؟ فرمایا۔ کہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ رواہ مسلم

حضرت انس رض سے مروی ہے کہ حضرت مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ اپنی صفوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیواریں بنا دو یعنی آپس میں خوب مل کر کھڑے رہو اور صفوں کو ایک دوسری سے قریب قریب رکھو اور گردنوں کو برابر رکھو یعنی ایک دوسرے کی برابری میں ہوں۔ اور مجھے اسی ذات برتر کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کے شگافوں میں اس طرح آگھستا ہے۔ گویا کہ وہ بکری کا سیاہ بچہ ہے۔ رواہ ابو داؤد اور ابو امامہ باہلی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اپنی صفوں کو برابر کرو اور مونڈھوں کو دوسروں کے مونڈھے کے محاذی رکھو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں کے آگے نرم ہو جاؤ یعنی اگر کوئی مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر صف کو سیدھا کرنا چاہے تو اس کا کہنا مانو اور صف کے شگافوں کو بند کرو۔ کیونکہ شیطان تمہارے درمیان بھیڑ کے چھوٹے بچے کی مانند آگھستا ہے رواہ احمد

سوال۔ اگر مقتدیوں میں عورتیں اور بچے بھی ہوں تو صفوں کی ترتیب کیا ہوگی ؟

جواب۔ امام کو چاہیئے کہ اس ترتیب سے ان کی صفیں قائم کرے۔ آگے مردوں کی صفیں۔ ان کے پیچھے نابالغ لڑکوں کی۔ پھر عورتوں کی۔ پھر نابالغہ لڑکیوں کی ۔

فصل ۹۹ صف میں خالی جگہوں کا پُر کرنا

سوال۔ اس صف کے پیچھے کی صف میں نماز پڑھنا جس میں کوئی جگہ چھوٹی ہوئی ہو کیسا ہے؟

جواب۔ اگر صف میں فرجہ یعنی کوئی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو تو اس کو معاً بھر دینا چاہیئے۔ اگر نمازی نے نیت باندھنے کے بعد اپنے سامنے کی صف میں کوئی چھوٹی ہوئی جگہ دیکھی اور وہ اس جگہ کو پُر کرنے کے لیے اپنی جگہ سے چل کر اگلی صف میں کھڑا ہو گیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ بشرطیکہ تین قدم نہ اُٹھائے اور ایک یا دو قدموں پر اکتفا کرے۔ فرجہ یعنی خالی جگہ والی صف کے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ کذا فی الشامی

سوال۔ اگر نمازی صف اوّل میں فرجہ پائے تو کیا کرے؟

جواب۔ جب کوئی شخص نماز میں داخل ہونا چاہے اور پہلی صف میں کوئی جگہ خالی دیکھے اور دوسری صف کو معمور پائے تو دوسری صف کو چیر کر پہلی صف میں جا پہنچنا جائز ہے کیونکہ یہ دوسری صف والوں کا قصور ہے۔ کہ انہوں نے اگلی صف کو نہ بھرا اس لئے ان کو چیرنے میں کچھ مضائقہ نہیں (درمختار)

سوال۔ پہلی صف مکمّل ہو جانے کے بعد جو آدمی جماعت میں شامل ہونا چاہے اب وہ صف میں کس مقام سے نمازی کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملائے۔ اگر وسط صف سے کھینچے تو ولا تذروا فرجات الشیطان۔ (شیطان کی خالی جگہیں نہ چھوڑو) کا خلاف لازم آتا ہے اور اگر کنارۂ صف سے کھینچے اور وہیں کھڑا ہو جائے تو حکم توسطوا الامام (امام کو وسط میں رکھو) کا خلاف ہوتا ہے اور جو کنارۂ صف سے کھینچ کر وسط صف میں لائے تو حرکت زیادہ ہوتی ہے۔ جو نماز میں ممنوع ہے۔ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ کسی کو نیت باندھنے سے پہلے کھینچنا چاہیے یا نماز شروع کرنے کے بعد؟

جواب۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ وسط صف میں سے کھینچ لے' رہا یہ کہ لا تذروا الخ کے خلاف لازم آتا ہے' سو اثنائے صلوٰۃ میں اگر کسی عارض ضروری سے درمیان میں فرجہ ہو جائے تو ایسے فرجات کی کراہت کی کوئی دلیل نہیں۔ چنانچہ اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے اور اس کو خلیفہ بنانے کی حاجت ہو یا کسی مقتدی کا وضو جاتا رہے اور وہ چلا جائے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرجہ موجب کراہت نہیں۔ اسی طرح صورت مسئولہ میں بھی وہ عارض ضروری سنت کی اقامت اور قیام الصف وحدہٗ سے تحرز ہے لہٰذا کراہت

نہ ہو گی۔ البتہ جو شخص اس کے بعد جماعت میں حاضر ہو اس پر لازم ہے کہ اس فرجہ کو بند کر دے اگرچہ نمازی کے آگے سے گزرنا پڑے۔ کیونکہ ضرورت شرعی کے وقت نمازی کے آگے سے گزرنا بھی مکروہ نہیں۔ یہ تو حکم جذب المصلی کی تحقیق ہے۔ لیکن دُرِّ مختار اور ردّ المحتار میں مصرّح ہے کہ عصر حاضر میں عوام پر جہل کا غلبہ ہے۔ اس لئے کسی صف سے نہ کھینچنا ہی بہتر ہے۔ مبادا وہ اپنی نماز فاسد کر لے (جلد اوّل ص ۶۷۶) اور کھینچنا نیت باندھ کر اور قبل نیّت باندھنے سے ہر طرح درست ہے۔ (امداد الفتاویٰ)

فصل ۱۰۰۔ نماز میں پیر پھیلانے کی بدعت

سوال۔ حکم تو اس طرح مل کر کھڑے ہونے کا ہے کہ بکری کا بچہ بھی صف میں سے نہ گزر سکے لیکن غیر مقلّد حضرات اپنے پیروں کو پھیلا کر اتنے فاصلہ پر لے جاتے ہیں کہ ان کی ٹانگوں کے نیچے سے بکری بھی گزر سکتی ہے۔ تمام نمازیوں کو ان کی یہ تلقین ہوتی ہے کہ پاؤں سے پاؤں ملاؤ۔ چنانچہ ہر شخص اپنے پاؤں کی چھنگلیا دوسرے کی چھنگلیا سے چسپاں کرتا ہے۔ اس فعل میں چند فتور ہیں۔ اوّل ہر شخص کے دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ دوسرے جس کا پیر چھوٹا ہو وہ صف سے پیچھے کھڑا دکھائی دیتا ہے۔ اس کا مونڈھا دوسرے کے مونڈھے سے نہیں ملتا۔ تیسرا جب سجدے میں جاتے ہیں تو سب کے پیر اپنے مقام سے ہٹ جاتے ہیں۔ پھر جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے ہیں تو پیروں کی طرف ملتفت ہو کر اور ان کو دونوں طرف پھیلا کر ایک دوسرے سے ملاتے ہیں۔ یہ التفات اور حرکت غیر مامور بہا سخت مکروہ معلوم ہوتی ہے۔

جواب۔ مولٰنا اشرف علی تھانوی رح نے اس سوال کے جواب میں لکھا:۔ اس باب میں مختلف الفاظ سے روایتیں آئی ہیں۔ حضرت انس رض کی روایت کے الفاظ ہیں۔ فکان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ فی الصف (ہم میں سے ہر شخص صف میں اپنا مونڈھا اپنے ساتھ والے کے مونڈھے سے اور اپنا قدم اس کے قدم کے ساتھ چسپاں کرتا تھا) رواہ البخاری۔ اور سنن ابوداؤد میں نعمان بن بشیر رض سے یہ الفاظ آئے ہیں۔ قال فرأیت الرجل یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ ورکبتہ برکبۃ صاحبہ وکعبہ بکعبہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وحاذوا بالاعناق

(گردنیں ایک دوسری کی سیدھ میں رکھو) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں آپ نے فرمایا۔ حَاذُوْا بالمناکب (مونڈھے برابر رکھو)۔

مولٰنا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ان سب عبارتوں کا معبّر عنہ ایک ہی ہے۔ اسی کو آپ نے تراص اور محاذاۃ سے تعبیر فرمایا۔ اور بعض صحابہ نے اس کو الزاق یعنی چسپاں کرنا کہہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تراص اور محاذاۃ ہی الزاق ہے۔ اور اگر الزاق کے معنی حقیقی لیے جائیں تو الزاق المناکب (مونڈھوں کا باہم چسپاں کرنا)۔ اور الزاق الکعب (ٹخنوں کا باہم چسپاں کرنا) اس صورت متعارفہ معتادہ میں مجتمع نہیں ہو سکتے کہ نمازی اپنے دونوں قدموں میں خوب انفراج (بڑا شگاف) رکھے۔ کیونکہ اس میں ٹخنے تو باہم چسپاں ہوں گے لیکن مونڈھے چسپاں نہ ہوں گے جیسا کہ ظاہر اور مشاہد ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ٹخنوں کے چسپاں کرنے کو مقصود سمجھا جائے۔ اور مونڈھوں کے چسپاں کرنے کی رعایت نہ کی جائے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ الزاق المناکب اصل ہے اور الزاق الکعاب غیر مقصود۔

اس کے بعد مولٰنا اشرف علیؒ لکھتے ہیں کہ ٹخنے چسپاں کرنے کی جو صورت بھی لی جائے گھٹنوں کے ساتھ اس کے تحقق کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ ایک شخص کا زانو دوسرے کے زانو سے جب چسپاں ہو سکتا ہے کہ دو شخص باہم متقابل اور متواجہ ہوں۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ البتہ گھٹنوں کا ایک دوسرے کے ساتھ محاذاۃ ہر حال میں ممکن ہے۔ ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ جس الزاق (چسپاں کرنے) کا دعوٰے کیا جاتا ہے حدیث نبوی اس پر دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ فرجات (خالی جگہیں) چھوڑنے کی ممانعت سے الزاق کی نفی ہوتی ہے (امداد الفتاویٰ مع التصرف)۔

فصل ۱۰۱۔ خواتین کا شریک جماعت ہونا

سوال۔ عورتوں کا پنجگانہ جماعت میں اور جمعہ اور عیدین اور مجالس وعظ میں شریک ہونا کیسا ہے؟

جواب۔ عورت خواہ جوان ہو یا بوڑھی اس کا مسجد میں شریک جماعت ہونا یا جمعہ عیدین اور مجالس وعظ میں جانا فساد زمانہ کی وجہ سے مذہب مفتیٰ بہ پر مکروہ ہے۔ البتہ علامہ کمال الدین ابن الہمامؒ نے بوڑھی فانی

عورتوں کو اس عموم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ (درّمختار) عہد رسالت میں خواتین اسلام جماعت میں حاضر ہوتی تھیں۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو اسرار شریعت کے راز دان تھے انہیں اپنے عہد خلافت میں مساجد میں جانے سے منع فرما دیا۔ عورتوں نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض سے اس کی شکایت کی۔ اُم المومنین نے فرمایا کہ اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھتے جس کا عمر رض نے مشاہدہ کیا ہے۔ تو آپ بھی عورتوں کو مسجدوں میں جانے کی ممانعت فرما دیتے" اُم المومنین رض کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہوئے علمائے متاخرین نے فتوے دیا کہ جماعت میں نماز پڑھنے کے لئے عورتوں کا نکلنا مکروہ ہے۔ کذا فی الطحطاوی

علماء نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں خوف فتنہ کے باعث عورتوں کا مسجدوں میں جانا مکروہ ہے۔ اس کی موید بخاری و مسلم کی یہ روایت ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کو دیکھتے جو عورتوں نے پیدا کی ہے تو آپ ان کو مساجد میں جانے سے اسی طرح منع فرما دیتے جس طرح بنو اسرائیل کی عورتیں منع کی گئی تھیں" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ بوڑھی عورتیں میلے کچیلے کپڑوں میں بناؤ سنگار اور خوشبو کے بغیر مسجد میں جائیں تو جائز ہے۔ اور جوانوں کو جائز نہیں۔ عہد نبوی میں عورتیں تعلیم دین کے لئے مسجد میں جاتی تھیں۔ اب اس کی احتیاج نہیں رہی۔ کیونکہ احکام دین مشہور و معلوم ہیں ۔

فصل ۱۰۲۔ مرد کے اقتداء میں عورتوں کی جماعت

سوال۔ مرد خواتین کا امام ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

جواب۔ مرد کا کسی ایسے مکان میں عورتوں کی امامت کرنا مکروہ ہے۔ جہاں عورتوں کے پاس امام کے سوا کوئی اور مرد موجود نہ ہو۔ اور نہ عورتوں میں امام کی کوئی محرم مثلاً ماں بہن یا بیوی حاضر ہو۔ اور اگر عورتوں کے ساتھ امام کے علاوہ کوئی اور مرد یا عورتوں میں امام کی بیوی یا بہن وغیرہ موجود ہوں یا مرد عورتوں کی امامت مسجد میں کرے تو مکروہ نہیں۔ کذا فی البحر (درّمختار) یعنی اگر مرد عورتوں کی امامت

کرے تو خلوت کے مکان میں نہ کرے اور اگر مسجد میں کرے تو مسجد کے دروازے کھلے ہوں اور نماز گوشۂ مسجد میں نہ ہو۔ اور اگر جماعت خلوت میں ہو تو وہاں دوسرے مرد یا امام کی محرم عورت کی موجودگی ضروری ہے۔ کذا فی القہستانی

سوال۔ کیا صرف عورتوں کی جماعت بلا کراہت جائز ہے؟

جواب۔ صرف عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ اگرچہ نماز تراویح کی جماعت ہو۔ اور اگر عورتیں کراہت کے باوجود جماعت کریں تو ان کی امام (یعنی عورت) ان کے بیچ میں کھڑی ہو۔ اگر آگے بڑھ کر کھڑی ہوگی تو گنہگار ہوگی۔ بیچ میں کھڑے ہونے سے یہ مراد ہے کہ صف کے برابر اس طرح کھڑی ہو کہ اس کی ایڑیاں اہل صف کی ایڑیوں سے آگے نہ نکلی ہوں۔

فصل ۱۰۳۔ تکبیر اُولیٰ پانے کی اہمیت

سوال۔ تکبیر تحریمہ کی اہمیت کیا ہے؟

جواب۔ نماز باجماعت بڑی فضیلت کا عمل ہے لیکن جماعت کی کامل فضیلت اس میں ہے کہ تکبیر تحریمہ امام کے ساتھ ادا کی جائے۔ عام نمازی تو جماعت اس کو سمجھتے ہیں کہ سلام سے پہلے پہلے کسی موقع پہ جا ملیں۔ لیکن صالحین امت کو امام کے ساتھ تکبیر اُولیٰ پانے کا اتنا اہتمام تھا کہ کسی دوسری عبادت سے شاید اتنا شغف نہ رہا ہو۔ خواجہ جُنید بغدادی رح کا یہ قول شاید عطارؒ کی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں پڑھا تھا کہ چالیس سال ہوئے میری کوئی نماز باجماعت فوت نہیں ہوئی اور پھر یہ نہیں کہ کبھی بعد میں بھی شریک جماعت ہوگیا ہوں بلکہ چالیس سال کے زمانہ میں میری کوئی تکبیر تحریمہ بھی فوت نہیں ہوئی۔ اس سعادت کے ادراک کے لئے میرا ہمیشہ معمول رہا کہ اذان سے پہلے ہی مسجد میں پہنچ جایا کرتا۔

مفخرِ موجودات سیدنا احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی رضاجوئی کے لئے اس طرح جماعت میں نماز پڑھی کہ تکبیر اُولیٰ برابر پاتا رہا ہو۔ اس کے لئے دو براءتیں یعنی خلاصیاں لکھی جاتی ہیں۔ ایک خلاصی آتش جہنم سے اور دوسری خلاصی نفاق سے۔ رواہ الترمذی

ہمارے علماء رقم طراز ہیں کہ حدیث میں تکبیرِ اُولیٰ پانے سے مُراد یہ ہے کہ امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کے وقت مقتدی بھی تکبیر تحریمہ کہے۔ اگر امام کی دعائے استفتاح یعنی ثنا تک شریک ہو جائے تو بھی اسی حکم میں ہے۔ نفاق سے مخلصی بخشنے کا یہ مطلب ہے کہ خدائے حفیظ اس کو دُنیا میں اس سے مامون رکھتا ہے کہ منافقوں کے سے عمل کرے۔ یعنی ریا۔ دروغ گوئی۔ غیبت۔ نماز میں کسل وغیرذالک اور اہل اخلاص کے عملوں کی توفیق دیتا ہے۔ اور آخرت میں اس عذاب سے محفوظ رکھے گا جس سے منافق معذّب ہوں گے۔ اور اس کے لئے گواہی دی جائے گی کہ یہ زمرۂ منافقین میں سے نہیں ہے۔ اس شہادت کا مقصد یہ ہوگا کہ منافق جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں لیکن اس نمازی کا حال ان کے برخلاف تھا کہ نماز میں پہلے سے آ موجود ہوا۔ کہ تکبیرِ اُولیٰ کا ثواب حاصل کیا (مظاہر حق)،

سوال۔ تکبیرِ اُولیٰ کا ثواب کب تک حاصل ہو سکتا ہے؟

جواب۔ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رح کے نزدیک تکبیرِ امام کی مقارنت سے تکبیر اُولیٰ کا ثواب ملتا ہے یعنی دونوں ساتھ کہیں۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک امام کے ثنا سے فارغ ہونے سے پہلے تک ہے۔ اور بعض کے نزدیک امام کے سورۂ فاتحہ ختم کرنے سے پہلے مل جائیں تو بھی اس فضیلت کا ادراک ہو جاتا ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ پہلی رکعت میں شریک ہو جانے سے یہ فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل ۴۰۔ متابعتِ امام کا لزوم

سوال۔ متابعت امام کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب۔ امام کی متابعت لازم ہے۔ نماز کا کوئی رُکن امام سے پہلے کرنا ممنوع ہے۔ ایک مرتبہ حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے نماز کا سلام پھیر کر صحابۂ کرامؓ سے فرمایا۔ اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں۔ پس رکوع، سجدہ قیام اور فراغتِ نماز میں مجھ سے سبقت نہ کرو۔ رواہ مسلم۔ علماء نے فرمایا ہے کہ امام کی متابعت بطریق مواصلت واجب ہے یعنی جو جو فعل امام کرے مقتدی بھی اس کے ساتھ ساتھ کرتا جائے۔ یہاں تک کہ

امام مقتدی کے تین بار تسبیح پڑھنے سے پہلے ہی رکوع یا سجود سے سر اٹھالے۔ تو مقتدی امام کی موافقت و متابعت کرے۔ اور اگر کبھی مقتدی امام سے پیشتر رکوع و سجود سے سر اٹھالے تو اس پر لازم ہے کہ دوبارہ رکوع یا سجود میں چلا جائے۔ بہ خود رکوع اور سجدے نہیں ہونے کے مقتدی پر یہ بھی لازم ہے کہ امام کو جس حال میں پائے اسی میں اس کی موافقت کرے۔ امام قیام میں ہو یا رکوع میں یا سجدہ میں معاً اس کی متابعت کرے۔ عوام کی طرح یہ انتظار نہ کرے کہ امام سجدے سے اٹھ کھڑا ہو تو جماعت میں شریک ہو۔ امام کے کسی فعل سے تاخیر یا اس میں تقدیم ہرگز روا نہیں ٭

سوال۔ امام سے پہلے رکوع سجود سے سر اٹھانے میں کتنا گناہ ہے؟

جواب۔ ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے کیا وہ اس انجام سے نہیں ڈرتا کہ خدائے غیور اس کے سر کو گدھے کا سا سر بنا ڈالے؟ رواہ البخاری و مسلم۔ یعنی اس کو گدھے کی طرح کم فہم کر دے۔ چنانچہ گدھا سب حیوانوں میں کم فہم ہے۔ اس صورت میں یہ مسخ معنوی ہوگا۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے معنی حقیقت پر بھی محمول ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس امت میں بھی مسخ کا امکان ہے۔ اور اس کی موید وہ روایت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان یحول اللہ صورتہ صورۃ حمار (کیا وہ اس انجام سے نہیں ڈرتا کہ مبادا خدا اس کی صورت گدھے کی سی کر دے۔) اس کے بعد علی قاریؒ نے خطابی کا قول نقل کیا ہے کہ اس امت میں بھی مسخ جائز ہے۔ اس لئے اس حدیث کو حقیقت پر محمول کر سکتے ہیں۔ اور علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ یہ مسخ خاص ہے۔ اور امت محمدی میں ممتنع مسخ عام ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے ٭

اور اس دعوے کی تائید میں ایک طالب العلم کا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے جس نے طلب حدیث کے لئے دمشق کا سفر کیا تھا۔ علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ طالب علم نے وہاں کے ایک مشہور شیخ سے سب کچھ پڑھا اس مدت میں شیخ کا معمول رہا۔ کہ پس پردہ بیٹھ کر تعلیم دیتا تھا۔ جس کی وجہ سے شیخ کا چہرہ دیکھنے کی کبھی نوبت نہ آئی تھی۔ جب طالب العلم کو وہاں ایک طویل مدت گذر چکی اور شیخ نے حدیث نبوی کے حصول میں شاگرد کا غیر معمولی شغف و انہماک پایا۔ تو ایک دن پردہ درمیان سے اٹھا دیا۔ شاگرد یہ دیکھ کر مبہوت و ششدر رہ گیا۔ کہ شیخ کا چہرہ گدھے کا سا ہے۔ شیخ کہنے لگا بیٹا!! اس جرأت سے ہمیشہ بچنا کہ اپنے

امام سے سبقت کرو۔ اس کے بعد شیخ نے بتایا کہ جب میں نے یہ حدیث سُنی کہ کیا وہ شخص جو اپنے امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے اس انجام سے نہیں ڈرتا کہ خدا اس کا سر گدھے کا سر بنا دے۔" میں نے اس کا وقوع بعید جانا۔ پھر اس کے بعد جو نماز پڑھی تو اپنے امام سے سبقت کی پس میرا چہرہ اس شکل پر متغیر ہو گیا جو دیکھتے ہو۔"

اس کے بعد علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ظاہر تو یہ ہے کہ حدیث میں امام سے پہلے سر اُٹھانے والے کو دارِ دنیا میں مسخ ہونے سے نہیں ڈرایا گیا۔ بلکہ محض تہدید شدید اور وعید مؤکّد ہے ایسی حالت میں یہ احتمال ہے کہ چہرے کا مسخ عالم برزخ میں یا دوزخ میں ہو گا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

فصل ۱۰۵۔ کن امور میں امام کی متابعت لازم ہے اور کن میں نہیں

سوال۔ فصل سابق میں معلوم ہوا کہ امام مقتدی کے تین تسبیحیں پڑھنے سے پہلے ہی سر اُٹھالے بھی مقتدی پر واجب ہے کہ جتنی تسبیحیں رہ گئی ہوں ان کو چھوڑ کر امام کے ساتھ ہی سر اٹھالے۔ لیک سوال یہ ہے کہ اگر امام مقتدی کے التحیّات ختم کرنے سے پہلے تیسری رکعت کے لئے اُٹھ کھڑا ہو اس صورت میں بھی مقتدی پر امام کا اتباع واجب ہے یا نہیں؟

جواب۔ اگر مقتدی نے التحیات پوری نہیں کی۔ اور امام تیسری رکعت کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا مقتدی امام کی متابعت نہ کرے بلکہ التحیات کو پورا کرے۔ کیونکہ التحیات کا پورا کرنا واجب ہے اور ا مقتدی التحیات کئے بغیر اُٹھ کھڑا ہو تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ جس طرح التحیات واجب ہے اسی طر متابعت امام بھی واجب ہے۔ تو ایک واجب کو ترک کر کے دوسرے کا انجام دینا بھی بلا کراہت درس ہے۔ کذا فی الطحطاوی۔ مگر حلبی کہتے ہیں۔ کہ التحیات کو ناتمام چھوڑ کر امام کی متابعت کرنے سے نماز کر تحریمی کے ساتھ درست ہو گی۔

سوال۔ مقتدی ہنوز درُود پڑھ رہا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا یا تشہّد کی دعا میں مصروف کہ امام نے سلام پھیر دیا تو اس صورت میں مقتدی امام کی متابعت کرے یا نہیں؟

جواب۔ امام کی متابعت میں سلام پھیر دے۔ کیونکہ نہ تو درود کا پڑھنا واجب ہے اور نہ دُعا کا۔ بلکہ دونوں مسنون ہیں۔ اس لئے واجبات کی طرح ان کا پورا کرنا ضروری نہیں اور بہت لوگ اس امر سے غافل ہیں۔ وہ درُود اور دعائیں پڑھتے رہ جاتے ہیں۔ اور امام کے ساتھ سلام نہیں پھیرتے۔ سنت کے لئے واجب میں تاخیر کرتے ہیں۔

سوال۔ کن پانچ امور میں امام کی متابعت لازم ہے؟

جواب۔ وہ پانچ باتیں جن میں امام کی متابعت لازم ہے یعنی اگر امام ان کو کرے تو مقتدی بھی کریں اور امام نہ کرے تو وہ بھی نہ کریں یہ ہیں۔ (۱) دعائے قنوت پڑھنا (۲) قعدۂ اولیٰ (۳) سجدۂ تلاوت (۴) سجدۂ سہو۔ (۵) تکبیر عید۔ یہ چیزیں امام سے سہواً رہ جائیں تو مقتدی بھی چھوڑ کر امام کی متابعت کریں (درمختار)

سوال۔ وہ کون سے افعال ہیں جن میں امام کی متابعت نہ کی جائے؟

جواب۔ وہ کام جن کو امام کرے تو مقتدی نہ کریں چار ہیں:۔ (۱) تکبیر عید کا زیادہ کرنا۔ مثلاً اگر امام چوتھی بار تکبیر کہے تو مقتدی اس کا ساتھ نہ دیں (۲) تکبیر جنازہ کی زیادتی کہ اگر امام چار تکبیروں سے زیادہ کہے تو مقتدی متابعت نہ کریں۔ (۳) کسی رُکن کا زیادہ کرنا مثلاً امام کا دو بار رکوع کرنا یا تین مرتبہ سجدہ کرنا۔ (۴) امام کا پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جانا (درمختار) لیکن شامی لکھتے ہیں کہ چوتھی صورت رکن کے زیادہ کرنے میں داخل ہے۔ اس لئے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

سوال۔ وہ کون سے افعال ہیں کہ امام ان کو کرے یا نہ کرے مقتدی ان کو عمل میں لائیں؟

جواب۔ وہ آٹھ ہیں:۔ (۱) تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھوں کا اٹھانا (۲) ثنا۔ سبحانک اللھم پڑھنا۔ (۳) تکبیر انتقال یعنی ایک رکن سے دوسرے کو جاتے وقت اللہ اکبر کہنا (۴) اگر امام سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہے تو مقتدی ربنا لک الحمد کہہ لیں (۵) رکوع اور سجدہ کی تسبیحیں (۶) تشہد یعنی التحیات پڑھنا۔ اس صورت میں کہ امام بیٹھے لیکن اگر امام قعدۂ اولیٰ میں نہ بیٹھے تو مقتدیوں پر اس کی متابعت لازم ہے (۷) سلام پھیرنا۔ یعنی اگر امام السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے کی بجائے بول پڑے یا مسجد سے نکل جائے تو مقتدی خود ہی سلام پھیر لیں۔ کذا فی الطحطاوی (۸) تکبیرات تشریق (درمختار)

سوال۔ جس طرح نماز کے فرائض و واجبات میں امام کی متابعت لازم ہے اسی طرح سنن میں بھی لازم ہے یا نہیں؟

جواب۔ سنن میں امام کی متابعت واجب نہیں۔ پس اگر شافعی المذہب امام رفع یدین کرے تو حنفی المذہب مقتدی اس کی متابعت نہیں کرے گا۔ کیونکہ رفع یدین شوافع کے ہاں بھی سنت ہی ہے واجب نہیں۔ اسی طرح نماز صبح میں شافعی المذہب قنوت پڑھے تو حنفی کے لئے اس کی متابعت ضروری نہیں۔ البتہ وتر میں چونکہ قنوت پڑھنا واجب ہے اس لئے اگر شافعی المذہب امام اپنے مسلک کے رُو سے رکوع کے بعد قنوت پڑھے تو حنفی مقتدی بھی رکوع کے بعد پڑھیں۔

فصل ۱۰۶۔ امام کو مقتدی کی تذکیر و یاددہانی

سوال۔ نماز مغرب میں امام نے بھول کر دو رکعت پر سلام پھیر دیا لیکن سلام پھیرتے وقت اس کو شک ہوا کہ شاید دو رکعتیں پڑھی ہیں لیکن عدم تیقن کی بنا پر کچھ توجہ نہ کی۔ سلام پھیرنے کے بعد ایک مقتدی نے بتایا کہ دو رکعتیں ہوئی ہیں۔ یہ سن کر امام اٹھ کھڑا ہوا اور مقتدی بھی کھڑے ہو گئے۔ اس بتانے والے مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب۔ چونکہ مقتدی کے بتانے پر امام کا شبہ یقین کے ساتھ بدل گیا اور وہ شارع علیہ السلام کے حکم کے بموجب کھڑا ہوا اس لئے اس کی اور مقتدیوں کی نماز ہو گئی۔ البتہ بتانے والے مقتدی کی نماز کلام کرنے کی وجہ سے ٹوٹ گئی۔ اب اُسے دوبارہ پڑھنی چاہیے۔

سوال۔ امام کے سہو قعدہ پر مقتدی بجائے سبحان اللہ کے التحیات للہ کہے جو تعلیم ہے یا یوں کہے کہ بیٹھ جائیے موخر الذکر صورت میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب۔ سبحان اللہ یا التحیات کہنا دونوں طرح جائز ہے۔ اور یہ تعلیم و تلقین نہیں بلکہ تذکیر ہے البتہ یہ کہنا درست نہیں کہ بیٹھ جائیے اور اگر یہ کلمہ کہدیا تو کہنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام اور دوسرے مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی۔ اور امام جس نے اس کی تذکیر و یاددہانی پر عمل کیا اگر امر شارع کی پیروی میں ایسا کیا تو مفسد

صلوٰۃ نہیں اور اگر محض اس کی خاطر سے اس کے کہنے پر عمل کر لیا تو مفسد صلوٰۃ ہے۔

سوال۔ مسافر امام کے ساتھ مقیم مقتدی سلام پھیر دے اور امام یوں کہے کہ کھڑے ہو جاؤ یا یوں کہے کہ نماز پوری کر لو اور وہ بلا اعتماد علیٰ ظنہ کھڑا ہو جس کا یہ مطلب ہے کہ محض امام کے کہنے سے یا ہمراہ والے کے بتلانے اور تعلیم کرنے سے کھڑا ہوا تو یہ مفسدِ صلوٰۃ ہے یا نہیں ؟

جواب۔ وہی تفصیل ہے جو سوال بالا کے جواب میں گزری۔

فصل ۷۰۔ نماز میں آیاتِ قرآنی کا جواب[سہ]

سوال۔ قرآن مجید میں بعض آیتیں ایسی ہیں کہ جب امام ان کو پڑھتا ہے تو غیر مقلد مقتدی زور سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ مثلاً جب سبح اسم ربک الاعلیٰ کہتا ہے تو مقتدی زور سے سبحان ربی الاعلیٰ پکار اٹھتے ہیں۔ یہ فعل نماز کے اندر جائز ہے یا نہیں ؟

جواب۔ مولانا عزیز الرحمٰن مرحوم سابق مفتی دیوبند نے اس سوال کے جواب میں لکھا کہ آیات مذکورہ فی السوال کا جواب عند الحنفیہ نماز میں دینا جائز نہیں۔ مقتدیوں کو یہ سن کر خاموش رہنا چاہیے البتہ خارج از نماز آیاتِ مذکورہ پڑھی جائیں تو جواب دینا مسنون و مستحب ہے۔ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر یہ جوابات خارج صلوٰۃ ہی منقول ہیں۔ نماز میں اگر کہیں وارد ہے تو وہ تعلیم کے لئے یا ابتدائے اسلام میں تھا جبکہ نماز میں زیادہ قیود نہ تھیں۔ مثلاً نماز میں باتیں کر لیتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ امر ممنوع ہو گئے۔

سوال۔ جب امام ترغیب کی کوئی آیت پڑھے جس میں رحمت اور ثواب اور جنت کا تذکرہ ہو یا ترہیب کی کوئی آیت پڑھے جس میں عذاب اور دوزخ کا ذکر ہو تو خود امام اور نیز مقتدی اس کا کیا جواب دیں ؟

جواب۔ مقتدی نہ رحمت و ثواب کا سوال کرے اور نہ عذاب سے پناہ مانگے بلکہ سکوت کرے۔ اسی طرح امام بھی قراءت پر اکتفا کرے کسی دعا وغیرہ میں مشغول نہ ہو۔ اور اس باب میں جو کچھ حدیث میں وارد ہوا ہے وہ

[سہ] یہ پوری فصل امداد الفتاویٰ یعنی مولانا تھانویؒ کے فتاویٰ سے ماخوذ ہے۔ مع التصرف ۱۲

حالت انفراد میں نفلوں کے اندر تھا۔ ابوداؤد میں بروایت حذیفہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات نماز پڑھی۔ آپ جس آیت رحمت پر گذرے وہاں توقف فرما کر اپنے لیے سوال کیا اور جس آیت عذاب پر پہنچے وہاں وقفہ کر کے پناہ مانگی۔ تو وہ نماز نفل تھی۔ کذا فی الشامی

فصل ۱۰۸۔ قراءت فاتحہ خلف الامام

سوال۔ امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھنے پر حضرات غیر مقلدین حنفیوں کو سخت مطعون کرتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔” ہمارے پاس امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کی کیا دلیل ہے؟

جواب۔ امام کے پیچھے الحمد یا دوسری سورت کے پڑھنے کی ممانعت حدیثوں سے اور قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○	جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیت امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اور دوسری صورت کے پڑھنے سے روکتی ہے کیونکہ اس میں استماع اور انصات (سننے اور چپ رہنے) کا حکم ہے پس دونوں پر عمل کرنا لازم ہے۔ سننا جہری نمازوں کے لئے مخصوص ہے اور چپ رہنا ان کے ساتھ خاص نہیں پس مطلق بحال خود باقی رہے گا۔ اور چونکہ امام سری اور جہری دونوں نمازوں میں قراءت کرتا ہے اس لئے مقتدیوں کو دونوں حالتوں میں خاموش رہنا ہوگا۔

سوال۔ کیا یہ آیت قراءت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی تھی؟

جواب۔ ہاں یہی قول مستند اور قابل وثوق ہے۔ چنانچہ تفسیر عماد بن کثیر میں ہے کہ علی بن طلحہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ یعنی فی الصلوٰۃ المفروضۃ (یعنی جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جائے) اور امام بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا۔ ذَهَبَ جَمَاعَةٌ اِلٰی اَنَّهَا فِی الْقِرَاءَةِ فِی الصَّلٰوةِ (ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت قراءت نماز کے بارے میں نازل ہوئی) اور امام بغویؒ نے مخالفین کا

تذکرہ کرکے اخیر میں یہ فیصلہ کر دیا وَالْاَوَّلُ اَوْلٰی وَھُوَ اَنَّھَا فِی الْقِرَاءَۃِ فِی الصَّلٰوۃِ (اور پہلا قول ہی صحیح ہے۔ کہ یہ آیت قراءت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی تھی)

اسی طرح زرقانی شرح موطا (مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۱۶۱) میں قاضی ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ جہاں کہیں بھی قرآن پڑھا جائے اس کو سنو بلکہ یہ مطلب ہے کہ جب نماز میں قرآن پڑھا جائے اس کو سنو ... ... اور چپ رہو۔

اور اس کی مؤید مسلم شریف کی حدیث وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا (جب امام قراءت کرے تو چپ رہو) ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔ پس سنت اور ظاہر قرآن سے بھاگ کر جانے کی کہاں جگہ ہے؟

سوال۔ لفظ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ (جب قرآن پڑھا جائے) سے تو بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ جب اور جہاں کہیں بھی قرآن کی آواز سنائی دے اس کا سننا واجب و لازم ہے۔

جواب۔ ہر چند کہ آیت نماز کے باب میں نازل ہوئی مگر احکام میں عموم الفاظ کا اعتبار ہے نہ سبب کے خاص ہونے کا۔ لیکن وجوب استماع کا حکم بے عذری میں ہے۔ حالت عذر میں قرآن کا سننا واجب نہیں۔ مثلاً گھر میں لڑکا تلاوت کرتا ہے اور لوگ پہلے سے اپنے کاروبار میں مصروف ہیں تو ان پر سننا واجب نہ ہوگا اسی طرح کوئی شخص بازار میں تلاوت کرنے لگے تو بازاری اور کاروباری لوگوں پر سننا واجب نہ ہوگا کذا فی الشامی

سوال۔ مسلم شریف کی حدیث اِذَا قَرَاَ الْاِمَامُ فَاَنْصِتُوْا (جب امام قرآن پڑھے تو چپ رہو) کے علاوہ بھی کوئی صحیح حدیث موجود ہے۔ جس سے امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت ثابت ہے؟

جواب۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں بہت سی حدیثیں درج کی ہیں۔ ملاحظہ ہو فتاوائے ابن تیمیہؒ (جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ مسئلہ ۲۰) لیکن افسوس یہاں ان کے اندراج کی گنجائش نہیں۔ جو حضرات ان کو دیکھنا چاہیں کتاب مذکور کی طرف رجوع فرمائیں۔

سوال۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں کوئی ایسے حضرات بھی ہیں جنہوں نے صاف لفظوں میں امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت فرمائی ہو؟

جواب۔ ہاں بہت سے ہیں۔ موطائے امام مالکؒ میں وہب سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس کسی نے ام القرآن یعنی الحمد نہ پڑھی تو اس نے نماز نہ پڑھی (یعنی اس کی نماز نہ ہوئی) بجز اس صورت کے کہ امام کے پیچھے ہو۔ اور امام مالکؒ نے نافع سے روایت کی کہ جب حضرت

عبداللہ بن عمر سے پوچھا جاتا کہ کیا امام کے پیچھے قرارت کریں یا نہیں؟ تو فرماتے کہ جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کو امام کی قراءت اکتفا کرتی ہے۔ اور جب تنہا پڑھے تو الحمد ضرور پڑھے اور حضرت عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔ اور مسلم نے اپنی صحیح میں عطاء بن یسارؒ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرارت کرنے کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا۔ لَا قِرَاءَۃَ مَعَ الْاِمَامِ فِیْ شَیْءٍ (امام کے ساتھ کسی چیز میں کوئی قرارت نہیں) اور بیہقی نے ابو وائل سے روایت کی کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرارت خلف الامام کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ قرآن کے لئے خاموش رہو۔ نماز میں ایک شغل ہے اور قرارت کے لئے تمہیں امام اکتفا کرتا ہے اور عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت دونوں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کے فقہاء اور جلیل القدر صحابہ میں سے تھے (فتاوائے ابن تیمیہؒ جلد ۲ صفحہ ۱۴۴)۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرارت کرنے سے اسّی صحابہ نے جن میں حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عبّاس بھی داخل ہیں منع کیا ہے۔ پس ایسے ایسے جلیل القدر صحابہ کا اس مسئلہ پر اتفاق کرنا بمنزلہ اجماع کے ہو گیا۔ اسی کثرت کا لحاظ کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے لکھا۔ کہ اس پر اجماع ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کچھ بھی قرارت نہ کرے۔ اور عبداللہ بن زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دس تربیت یافتگانِ عالی مقام امام کے پیچھے قرارت کرنے کو شدت سے منع فرماتے تھے:- (۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت عمر فاروق (۳) حضرت عثمان ذوالنورین (۴) حضرت علی مرتضیٰ (۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۶) حضرت سعد بن ابی وقاص (۷) حضرت عبداللہ بن مسعود (۸) حضرت زید بن ثابت (۹) حضرت عبداللہ بن عمر (۱۰) حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ انتہی کلام العینی

سوال۔ عُبادہ بن صامت رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی جس میں آپ پر قرارت گراں ہو گئی۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ اپنے امام کے پیچھے قرارت کرتے ہو۔ عُبادہ رضؓ کہتے ہیں ہم لوگ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! بے شک ہم آپ کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو۔ اور سورۂ فاتحہ اس لئے پڑھو کہ اس کے پڑھے بغیر کوئی نماز نہیں۔ رواہ الترمذی۔ اس حدیث میں امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کا حکم بتصریح وارد ہے۔

جواب ۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔ چنانچہ علامہ زیلعیؒ رقمطراز ہیں قَدْ ضَعَّفَهُ اَحْمَدُ وَجَمَاعَةٌ عَنْهُ

(اس حدیث کو امام احمدؒ اور ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے) اور امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا جملہ استثنائیہ صحیح نہیں یعنی یہ الفاظ غیر صحیح ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو کہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں"۔ اصل یہ ہے کہ اس حدیث کے طریق اسناد میں ایک راوی محمد بن اسحٰق بن یسار واقع ہوا ہے۔ اس کی نسبت یحییٰ قطان نے لکھا ہے کہ میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ محمد بن اسحٰق کذّاب یعنی بڑا جھوٹا ہے اسی طرح سلیمان بن تیمی نے بھی اس کو کذّاب لکھا ہے اور امام مالکؒ نے اس کو دجّال کہا ہے۔ کمافی میزان الاعتدال۔ اور دارقطنی نے کہا کہ محمد بن اسحٰق کے ساتھ حجّت نہیں پکڑ سکتے۔ اور نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہے"۔

سوال۔ ہدایہ میں ہے کہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ احتیاطاً پڑھنی چاہیے۔

جواب۔ مولانا محمد شفیع سابق مفتی دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ ہدایہ کے الفاظ یہ ہیں۔ ویستحسن علیٰ سبیل الاحتیاط فیما یروی عن محمدؒ ویکرہ عندھما لما فیہ من الوعید۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اوّل یہ کہ امام محمدؒ کا یہ قول جو نقل کیا گیا ہے ظاہر اور قوی نہیں بلکہ ضعیف روایت ہے۔ صحیح قول وہی ہے جو امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اس میں امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسفؒ سے ایسی ضعیف روایت بھی نہیں بلکہ وہ یقینی طور پہ قراءۃ خلف الامام کو ناجائز فرماتے ہیں۔ ان دونوں دعووں کی دلیل یہ ہے کہ علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں ہدایہ کے اس قول کے تحت میں فرماتے ہیں۔ انما لیست ظاھر الروایۃ عنہ و الحق ان قول محمدؒ کقولھما فان عباراتہ فی کتبہ مصرحۃ۔ الغرض امام محمدؒ سے قراءت خلف الامام کا جو استحسان منقول ہے وہ ضعیف روایت ہے۔ جو ان کی تمام تصانیف کے خلاف ہے اور حق یہ ہے کہ اس بارہ میں امام محمدؒ کا بھی وہی قول ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کا ہے"۔

سوال۔ اگر مقتدی امام کے پیچھے الحمد پڑھ لے تو اس میں نقصان ہی کیا ہے؟

جواب۔ گو اصح مذہب کے بموجب مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے مگر فاتحہ خلف الامام پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک نے فرمایا کہ میں پتھر بھروں اس کے منہ میں جو امام کے پیچھے الحمد پڑھے۔ رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ۔ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جو کوئی امام کے پیچھے قراءت کرے وہ سنت پر نہیں ہے۔ رواہ الطحاوی فی شرح معانی الآثار بسند صحیح۔ اور دوسری روایت میں جناب علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ وہ فطرت پر نہیں ہے۔ رواہ عبدالرزاق"۔

فصل ۱۰۹- امام کو لقمہ دینا

سوال- لقمہ دینا کسے کہتے ہیں ؟

جواب- قراءت کی غلطی پر مقتدی امام کو بتائے تو اس کو لقمہ دینا کہتے ہیں- یہ جائز ہے- اس سے کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم پر قراءت ملتبس ہوئی- نماز کے بعد آپ نے (رئیس القراء حضرت) اُبی بن کعب رضؓ سے پوچھا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے ؟ انہوں نے کہا- ہاں یا رسول اللہ ! آپ نے فرمایا تو لقمہ دینے سے کیا چیز مانع رہی ؟ رواہ ابوداؤد- اسی طرح مسورہ بن یزید رضؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ السلام نے قراءت میں سے کچھ چھوڑ دیا اور اس کو پڑھا نہیں- سلام کے بعد ایک صاحب عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ ! آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی- آپ نے فرمایا تم نے مجھے (نماز میں) کیوں نہ بتا دیا ؟ انہوں نے التماس کی یا رسول اللہ ! میں نے گمان کیا کہ وہ آیتیں منسوخ ہو چکی ہوں گی- آپ نے فرمایا منسوخ نہیں ہوئیں- رواہ ابوداؤد

سوال- لقمہ دینے کے متعلق کیا آداب و احکام ہیں ؟

جواب- مقتدی کو مکروہ ہے کہ فوراً لقمہ دے بلکہ چاہیے کہ قدرے انتظار کرے تاکہ امام خود نکال لے یا دوسری جگہ سے پڑھنے لگے- اسی طرح امام کو مکروہ ہے کہ بار بار ایک آیت پڑھ کر مقتدیوں کو لقمہ دینے پر مجبور کرے بلکہ چاہیے کہ اس مقام کو چھوڑ کر کسی دوسری آیت یا سورت کی طرف منتقل ہو جائے- یا اگر اتنی قراءت ہو چکی ہو جس سے نماز جائز ہو تو رکوع کر دے- (شامی)

سوال- غیر مقتدی لقمہ دے تو کیا حکم ہے ؟

جواب- اگر کوئی شخص کسی امام یا منفرد کو لقمہ دے اور لقمہ دینے والا اس امام یا منفرد کا مقتدی نہ ہو تو لقمہ لینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی- خواہ لقمہ دینے والا نماز میں ہو یا نہ ہو- ہاں اگر قراءت کرنے والے امام یا منفرد کو خود بخود یاد آ جائے خواہ اس کے لقمہ دینے کے ساتھ ہی یا پہلے یا پیچھے- اور اس کے لقمہ دینے کو اس میں کوئی دخل نہ ہو اور اپنی یاد پر اعتماد کر کے پڑھنے لگے تو جس کو لقمہ دیا گیا ہو اس کی نماز میں کچھ خلل نہ آئے گا- اسی طرح اگر کوئی نماز پڑھنے والا کسی ایسے شخص کو لقمہ دے جو اس کا امام نہیں خواہ وہ شخص جس کو لقمہ دیا گیا ہو نماز میں ہو یا خارج از

صلوٰۃ ہو ہر حال میں لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر مقتدی دوسرے شخص سے سن کر یا دیوار پر سے پڑھ کر یا قرآن مجید میں دیکھ کر امام کو لقمہ دے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر مقتدی کو قرآن میں دیکھنے یا دوسرے سے سننے کے بعد خود بھی یاد آ گیا اور پھر اپنی یاد پر لقمہ دیا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر حالت نماز میں قرآن دیکھ کر ایک آیت بھی پڑھی جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر وہ آیت جو دیکھ کر پڑھی ہے اس کو پہلے سے یاد تھی تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ یا پہلے سے یاد تو نہ تھی مگر ایک آیت سے کم دیکھ کر پڑھا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔

سوال۔ حنفی فقہ کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جب امام بقدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ قرارت کر چکے یعنی ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھ چکے یا کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے تو اس کے بعد اگر مقتدی لقمہ دے تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور اگر امام لقمہ قبول کر لے تو امام اور اس کے ساتھ سب مقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب۔ یہ بالکل بے دلیل بات ہے۔ فقہ کی جس کتاب میں بھی ایسا لکھا ہے غلط ہے۔ مذکورہ صدر دونوں صورتوں میں لقمہ دینے سے نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ امام کی نماز میں کچھ خلل آتا ہے امام بالفرض سو آیتوں کے بعد بھی بھولے تو اس کو بتا دینا چاہیے۔

فصل ۱۱۰۔ لاحق کی نماز

سوال۔ مقتدی کتنی قسم کے ہیں اور ہر ایک کی کیا تعریف ہے؟

جواب۔ مقتدی چار قسم کے ہیں۔ (۱) مدرک۔ (۲) لاحق (۳) مسبوق (۴) مسبوق لاحق۔ مُدرِک وہ ہے جس نے شروع سے آخر تک پوری نماز امام کے ساتھ ادا کی۔ (۲) لاحق وہ ہے کہ شریک جماعت ہونے کے بعد جس کی کل یا بعض رکعتیں کسی عذر سے فوت ہو جائیں۔ مسبوق وہ ہے جس کو امام کے ساتھ ایک یا زیادہ رکعتیں نہ ملی ہوں۔ مسبوق لاحق اس کو کہتے ہیں جو مثلاً دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا پھر تیسری یا چوتھی رکعت میں اس کا وضو ٹوٹ گیا۔

سوال۔ لاحق اپنی فوت شدہ نماز کو کس طرح پورا کرے؟

جواب۔ لاحق کی جو رکعتیں کسی عذر مثلاً سو جانے کے باعث رہ گئی ہوں تو جس وقت وہ بیدار ہو، امام کا ساتھ چھوڑ کر اپنی چھوٹی ہوئی نماز پڑھے اور اس طرح پڑھے جیسے امام کے ساتھ پڑھتا ہے۔ یعنی قرارت نہ کرے۔ اور جب چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے تو اس وقت اگر جماعت ہو رہی ہو تو اس میں شریک ہو جائے۔ ورنہ خود ہی اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر لے۔ لاحق اپنی گئی ہوئی رکعتوں میں بھی مقتدی سمجھا جائے گا پس جس طرح مقتدی امام کے پیچھے قرارت نہیں کرتا، اسی طرح لاحق بھی قرارت نہ کرے۔ بلکہ اتنی دیر تک چپ چاپ کھڑا رہے۔ اور جیسے مقتدی کو سہو ہو جائے تو اُسے سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ویسے ہی لاحق بھی سجدہ سہو سے سبکدوش اور بری الذمہ ہے۔

فصل ۱۱۱۔ مسبوق لاحق کی نماز

سوال۔ مسبوق لاحق اپنی نماز کیوں کر پوری کرے۔

جواب۔ جو شخص کچھ رکعتیں ہو جانے کے بعد شریک جماعت ہوا ہے اور شرکت کے بعد اس کی کوئی اور رکعت بھی رہ جائے اس کو چاہیے کہ پہلے اپنی ان رکعتوں کو ادا کرے جو شرکت کے بعد چھوٹ گئی ہیں جن میں وہ لاحق ہے۔ لیکن ان کے ادا کرنے میں اپنے تئیں ایسا سمجھے جیسا وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو یعنی قرارت نہ کرے۔ اور امام کی ترتیب کا لحاظ رکھے۔ اس کے بعد اگر جماعت ختم نہ ہوئی ہو تو اس میں شریک ہو جائے ورنہ باقی نماز تنہا پڑھ لے۔ اس کے بعد اپنی ان رکعتوں کو ادا کرے جن میں مسبوق ہے۔ کتاب "بہشتی زیور" میں اس کی مثال دی ہے۔ عصر کی نماز میں ایک رکعت ہو جانے کے بعد کوئی شریک ہوا۔ اس کے بعد فوراً ہی اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ وہ وضو کرنے گیا تو اتنے میں جماعت ختم ہو گئی۔ اب اس کو چاہیے کہ پہلے ان تین رکعتوں کو ادا کرے جو جماعت میں شریک ہونے کے بعد رہ گئیں۔ ان تینوں رکعتوں کو مقتدی کی طرح ادا کرے یعنی قرارت نہ کرے اور ان تین کی پہلی رکعت میں التحیات بیٹھے اس لئے کہ یہ امام کی دوسری رکعت ہے اور امام نے اس میں قعدہ کیا تھا پھر دوسری رکعت میں قعدہ نہ کرے۔ کیونکہ یہ امام کی تیسری رکعت ہے۔ پھر تیسری رکعت میں قعدہ کرے کیونکہ یہ امام کی چوتھی رکعت ہے۔ اس میں امام نے قعدہ کیا تھا۔ پھر اس رکعت کو ادا کرے جو اس کے شریک جماعت ہ

سے پہلے ہو چکی تھی اور اس میں بھی قعدہ کرے کیونکہ یہ اس کی چوتھی رکعت ہے اور اس رکعت میں اس کو قرارت بھی کرنی ہوگی۔ کیونکہ اس رکعت میں وہ مسبوق ہے۔ اور مسبوق اپنی گئی ہوئی رکعتوں کے ادا کرنے میں منفرد کا حکم رکھتا ہے۔

سوال۔ اگر مقتدی مقیم نے مسافر امام کے پیچھے ایک رکعت پائی تو اب وہ باقی تین رکعتیں کس طرح ادا کرے۔ اگر مقتدی امام مسافر کے ساتھ قعدہ میں آکر شریک ہوا تو اب وہ اپنی چار رکعت کس طرح پڑھے؟

جواب۔ یہ شخص مسبوق لاحق ہے۔ اگر اس نے مسافر امام کے ساتھ ایک رکعت پائی تو امام مسافر کے سلام کے بعد اٹھ کر پہلے ایک رکعت خالی پڑھے۔ پھر بیٹھ جائے تشہد کے بعد اٹھ کر پھر ایک رکعت خالی پڑھے۔ پھر چوتھی رکعت بھری پڑھے پھر بیٹھ کر تشہد وغیرہ پڑھنے کے بعد سلام پھیرے اور اگر قعدہ میں شریک ہوا تو پہلے دو رکعتیں خالی پڑھے پھر دو رکعتیں بھری پڑھے۔

فصل ۱۱۲۔ مسبوق کی نماز

سوال۔ مسبوق یعنی جس کی امام کے ساتھ شروع سے کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں وہ اپنی چھوٹی ہوئی نماز کس وقت اور کس طرح پوری کرے۔

جواب۔ جب امام سلام پھیرے تو مسبوق سلام نہ پھیرے بلکہ کھڑا ہو جائے اور چھوٹی ہوئی رکعتوں کو اس طرح ادا کرے کہ گویا اس نے ابھی نماز شروع کی ہے۔ مثلاً جس کی صرف ایک رکعت چھوٹی ہو وہ امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو کر پہلے سبحانک اللّٰھم اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر الحمد پڑھے۔ پھر کوئی اور سورت ملائے پھر قاعدہ کے موافق رکعت پوری کر کے التحیات پڑھے اور قعدہ پورا کر کے سلام پھیرے۔ یہ طریقہ ہر نماز کی چھوٹی ہوئی رکعتوں کے پورا کرنے کا ہے۔ اور جب مغرب کے سوا کسی اور نماز یعنی ظہر یا عصر یا عشا یا فجر کی دو رکعتیں رہ گئی ہوں تو پہلی رکعت میں ثنا اور تعوذ اور تسمیہ (یعنی سبحانک اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ) کے بعد سورہ فاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھے۔ پھر دوسری رکعت میں فاتحہ اور دوسری سورت پڑھ کر رکوع اور سجدے کر کے التحیات بیٹھے۔ اور درود اور دعا سے فارغ ہو کر سلام پھیرے۔

اور اگر ظہر یا عصر یا عشاء کی صرف ایک رکعت امام کے ساتھ ملی ہو تو باقی تین رکعتیں اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں ثنا اور تعوّذ اور الحمد اور کوئی اور سورت پڑھ کر رکوع سجود کرے اور رکعت پوری کر کے التحیات بیٹھ کر عبدہٗ و رسولہٗ تک پڑھے۔ پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت فاتحہ اور کسی دوسری سورت کے ساتھ پڑھے اور رکوع و سجود کے بعد کھڑا ہو جائے۔ اب اس ایک آخری رکعت میں صرف الحمد پڑھے۔ پھر رکوع و سجود کرے اور بیٹھ کر التحیات اور درود اور دعا پڑھنے کے بعد سلام پھیرے۔ اور جو تیسری رکعت میں شریک ہوا وہ تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ اور دوسری سورت پڑھے اور ان دونوں کے بیچ میں التحیات نہ بیٹھے اور اگر مغرب کی ایک رکعت امام کے ساتھ ملی ہو تو باقی ماندہ دو رکعتیں پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو کر ایک رکعت سبحانک اللّٰھم اور الحمد اور کسی اور سورت کے ساتھ پڑھ کر قعدہ کرے اور عبدہٗ و رسولہٗ تک پڑھ کر کھڑا ہو جائے پھر دوسری رکعت الحمد اور دوسری سورت کے ساتھ پڑھ کر قعدہ کرے اور التحیات درود اور دُعا سے فراغت پا کر سلام پھیرے۔ جو شخص مغرب کی تیسری رکعت میں شریک ہو اُسے تینوں میں سے ہر رکعت پر قعدہ بیٹھنا پڑتا ہے۔ اور جب کبھی امام کے ساتھ صرف ایک رکعت ملی ہو تو پھر اپنی نماز میں ایک رکعت کے بعد قعدہ کرنا چاہیے خواہ کسی وقت کی نماز ہو۔

سوال۔ امام نے ابھی ایک ہی طرف سلام پھیرا تھا کہ مسبوق اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا لیکن امام نے سجدۂ سہو کیا تو اب مسبوق کیا کرے؟

جواب۔ جھٹ لوٹ آئے اور امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں شریک ہو جائے۔ اور جب امام سلام پھیرے تو کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کر لے۔

سوال۔ مسبوق جو سلام پھیرنے کے قریب آ کر داخل جماعت ہوا التحیات کے دو تین کلمے ہی پڑھنے پایا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا۔ تو یہ مسبوق امام کے سلام پھیرتے ہی باقی نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے۔ یا پوری التحیات پڑھ کر کھڑا ہو؟

جواب۔ پوری التحیات پڑھ کر کھڑا ہو۔

سوال۔ مسبوق اور لاحق کے احکام میں کیا فرق ہے؟

جواب۔ لاحق مدرک کے حکم میں ہے کہ جب اپنی فوت شدہ نماز پڑھے گا۔ تو اس میں نہ قراءت کرے گا نہ سہو سے سجدۂ سہو کرے گا۔ اور مسبوق پہلے امام کے ساتھ ہو لے گا۔ پھر امام کے سلام پھیرنے کے

بعد اپنی فوت شدہ نماز پڑھے گا اور اپنی فوت شدہ نماز میں قراءت کرے گا۔ اور اس میں سہو ہو جائے گا تو سجدۂ سہو کرے گا۔

سوال۔ اگر کوئی امام کے ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد شریک جماعت ہوا تو باقی نماز کے لئے کب کھڑا ہو۔ اور ایک طرف کے سلام کے بعد جماعت کی شرکت صحیح بھی ہے یا نہیں؟

جواب۔ پہلی بار لفظ السلام کہتے ہی امام نماز سے باہر ہو گیا۔ اگرچہ ہنوز علیکم نہ کہا ہو۔ اگر کوئی اس وقت شریک جماعت ہوا تو اقتداء صحیح نہیں ہوا۔ پس وہ تکبیر تحریمہ کہہ کر از سرتو اپنی نماز تنہا پوری کرے اس کا تحریمۂ اولیٰ باطل ہو گیا۔ کیونکہ اقتدار موضع انفراد میں مفسدِ نماز ہے۔ اور یہ انفراد کا موقع تھا۔ ہاں اگر امام نے سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا تو اقتداء صحیح ہو گیا۔

سوال۔ مسبوق دوسری رکعت میں اس وقت شریک جماعت ہوا جب امام بالجہر قراءت کر رہا تھا۔ تو اب وہ ثنا یعنی سبحانک اللہمّ پڑھے یا نہیں؟ اور اگر مسبوق سرّی نماز کی دوسری رکعت میں شریک ہو تو اس وقت ثنا پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ دونوں صورتوں میں مسبوق ثنا نہ پڑھے بلکہ جب سلام کے بعد پہلی رکعت پڑھنے کو اٹھے تو اس وقت ثنا پڑھے۔

سوال۔ اگر امام کو مسبوق کے اقتداء سے پہلے سہو ہوا ہو تو مسبوق امام کا اقتدا کرے یا نہیں؟

جواب۔ مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے خواہ امام کو مسبوق کے اقتداء سے پہلے سہو ہوا ہو۔ یا اقتداء کے بعد۔ پھر مسبوق سجدۂ سہو کے بعد اپنی باقی نماز پوری کرے۔ اور اگر اس باقی ماندہ نماز میں مسبوق کو سہو ہو جائے تو دوبارہ سجدۂ سہو کرے۔ کیونکہ خود مسبوق کی نماز اب منفرد کی نماز کا حکم رکھتی ہے تو گویا دوسری نماز ہوئی اور اگر امام کے ساتھ سجدہ نہ کیا اور اپنی باقی ماندہ نماز کے اخیر میں کر لیا تو بھی کافی ہو گا۔ اگرچہ اس کو باقی نماز میں سہو ہوا ہو یا نہ۔ کذا فی البحر الرائق۔

سوال۔ مسبوق آخری قعدہ میں عبدُہٗ و رسولہٗ تک پڑھنے کے بعد کیا کرے؟

جواب۔ مسبوق آخری قعدہ میں اتنا ٹھیر ٹھیر کے پڑھے کہ امام کے سلام پھیرنے کے وقت تک فراغت پائے۔ اور بعض نے کہا کہ التحیات کو پورا کرنے کے بعد خاموش بیٹھا رہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ کلمۂ شہادت بار بار پڑھتا رہے۔ شامی لکھتے ہیں کہ ان سب اقوال کی تصحیح ہوئی ہے۔

سوال۔ ایک شخص ایک رکعت کے بعد جماعت میں شریک ہوا۔ تین رکعت پڑھ کر بھولنے سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا۔ اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب۔ مولانا عزیز الرحمٰن سابق مفتی دیوبند نے اس کے جواب میں لکھا کہ اس کی نماز صحیح ہے اپنی نماز پوری کر کے یعنی چھوٹی ہوئی رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر لے پھر کچھ نقصان نہ رہے گا۔

سوال۔ مسبوق نے امام کے ساتھ بھول کر دونوں طرف سلام پھیر دیا اور اپنی یادداشت سے یا دوسرے کے کہنے سے اسی وقت یا کچھ توقف کر کے کھڑا ہو گیا۔ ان چاروں صورتوں میں سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟

جواب۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس سوال کے جواب میں لکھا کہ اگر امام سے پہلے یا اس کے ساتھ سہواً سلام پھیرا تو جمیع صورِ مندرجۂ سوال میں سجدۂ سہو لازم نہیں کیونکہ ہنوز یہ مقتدی ہے اور سہو مقتدی سے سجدہ لازم نہیں۔ اور اگر امام کے سلام کے بعد پھیرا تو سب صورتوں میں سجدۂ سہو لازم ہے۔ ولا یسجد علیہ ان سلم سہواً قبل الامام او معہ وان سلم بعدہ لزمہ لکونہ منفرداً حینئذ بحر ۱۲ (شامی بحث سجود المسبوق سہواً جلد اوّل صفحہ ۴۹۹) اور اس مسبوق کو قبل کلام و تحویل عن القبلہ بناء جائز ہے۔ ویسجد للسہو ولو مع سلامہ للقطع ما لم یتحول عن القبلۃ او یتکلم (درمختار بر شامی جلد اول صفحہ ۵۰۵) اور دوسرے کے کہنے سے کھڑے ہوتے ہیں احتیاط یہ ہے کہ اس کے کہنے کے ذرا بعد کھڑا ہو تاکہ قیام اپنی رائے سے ہو۔ اس کا امتثال نہ ہو کیونکہ نمازی کو غیر نمازی کے امتثال کا مفسد غیر مفسد ہونا مختلف فیہ ہے۔ اگرچہ اصح عدم فساد ہے (امداد الفتاویٰ)

سوال۔ ایک شخص مسجد میں آیا۔ جماعت ہو رہی تھی۔ جب تک وضو کیا۔ امام ختم کر کے قعدہ میں چلا گیا۔ وہ شریک قعدہ نہیں ہوا۔ دوسری مسجد میں پوری جماعت حاصل کرنے کی کوشش میں چلا گیا۔ اس مسجد سے نکلنے اور شریک جماعت نہ ہونے سے گنہ گار ہو گا یا نہیں؟

جواب۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے اس سوال کے جواب میں لکھا کہ اس نماز کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا گناہ ہے۔ گویا نماز سے اعراض کیا۔ لہٰذا اس جماعت میں شریک ہونا چاہیے کہ صورت اعراض نہ ہو۔ واللہ اعلم ۱۲

فصل ۱۱۳۔ نماز میں وضو ٹوٹنا اور بنا کرنا

سوال۔ نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو کن صورتوں میں پڑھی ہوئی نماز بحال رہتی ہے اور کن میں فاسد ہو جاتی ہے؟

جواب۔ اگر وضو ٹوٹ جائے تو یا یہ اختیاری ہوگا یا بے اختیاری۔ اگر اس وضو شکنی میں بندے کے اپنے اختیار کو دخل ہوگا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ مثلاً نماز میں قہقہے کے ساتھ ہنس پڑا۔ یا دانستہ ریح خارج کی۔ اور اگر بے اختیاری ہوگا تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ یا نادر الوقوع ہوگا جیسے جنون، بے ہوشی وغیرہ۔ تو نماز فاسد ہو جائے گی یا کثیر الوقوع ہوگا۔ جیسے پیشاب پاخانہ خروج ریح وغیرہ تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور نمازی کو اختیار ہے کہ وضو کر کے اسی نماز کو جہاں سے باقی ہے پورا کر لے۔ اس تکمیل کو بنا کہتے ہیں۔ لیکن افضل یہ ہے کہ نماز کو از سر نو پڑھ لے۔ یہ استیناف کہلاتا ہے۔

سوال۔ بنا کے جائز ہونے کی کیا شرطیں ہیں؟

جواب۔ (۱) نمازی کسی رکن کو بے وضو ہو جانے کے بعد ادا نہ کرے۔ مثلاً رکوع یا سجدہ میں حدث ہوا اور اس نے بہ نیت ادائے رکن سر اٹھایا یعنی رکوع سے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور سجدہ سے اللّٰہ اکبر کہتے ہوئے اٹھا تو نماز فاسد ہو گئی۔ اب بنا نہیں کر سکتا۔ نماز از سر نو پڑھے (۲) کسی رکن کو چلتے چلتے ادا نہ کرے۔ مثلاً وضو کے لیے جانے یا لوٹتے وقت قراءت کی تو نماز فاسد ہو گئی۔ کیونکہ قراءت نماز کا ایک رکن ہے۔ اب بنا نہیں کر سکتا۔ (۳) کوئی ایسا فعل جو نماز کے منافی ہو نہ کرے۔ اگر وضو ٹوٹنے کے بعد کھانا کھا لیا یا پانی پیا تو اب بنا نہیں کر سکتا۔ از سر نو نماز پڑھے۔ (۴) کوئی ایسا فعل نہ کرے جس سے احتراز ممکن ہو۔ اگر پانی پاس تھا بلا ضرورت دور چلا گیا۔ تو نماز فاسد ہو گئی اور بنا نہیں ہو سکتی۔ (۵) وضو کو جانے آنے میں اتنا توقف نہ کرے جس میں تین مرتبہ سُبحان اللّٰہ کہا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر کسی مجبوری سے مثلاً انبوہ وغیرہ کے باعث دیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ انبوہ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً صفیں زیادہ ہوں اور صفوں کو چیر کر پہنچنے میں مزاحمت اور دشواری ہو (۶) ایک شرط یہ ہے کہ نمازی وضو سے فارغ ہونے کے بعد فی الفور جماعت میں آ شامل ہو۔ اور اگر جماعت ہو چکی ہو تو

اپنی نماز وضو خانہ کے قریب ہی کسی جگہ پوری کرے اور وہاں تمام کرنا بہتر ہے یا پھر اپنی سابقہ جگہ پر آجائے تاکہ کُل نماز کی جگہ ایک ہو۔

سوال۔ بنا کے دوسرے مسائل کیا ہیں؟

جواب۔ جس رُکن میں حدث واقع (یعنی وضو ٹوٹا) ہو اس کا اعادہ کرے (۲) کسی نے سر پہ پتھر مار دیا۔ کہ خون نکل کر بہ گیا۔ یا چھت پر سے کوئی پتھر گرا اور اس کے بدن سے خون بہا یا درخت سے کٹھر یا بہی یا کوئی اور بڑا پھل گرا جس سے زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا یا پاؤں میں کانٹا چبھا یا سجدہ میں پیشانی زخمی ہو گئی اور خون بہا۔ یا بھڑ نے کاٹا اور خون بہا تو نماز فاسد ہو گئی۔ اور بنا نہیں ہو سکتی۔ (۳) نماز میں چت لیٹ گیا اور دیر کے بعد بیدار ہوا تو جھٹ وضو کر کے بنا کر سکتا ہے۔ اور اگر بیداری کے بعد توقف کیا تو نماز فاسد ہو گئی۔ (۴) چھینک یا کھانسی سے ریح خارج ہو گئی۔ یا قطرہ آگیا تو بنا نہیں کر سکتا۔ از سرِ نو نماز پڑھے (۵) کسی نے بدن پر نجاست ڈال دی یا کپڑا یا بدن ایک درم سے زیادہ نجس ہو گیا تو اُسے پاک کرنے کے بعد بنا نہیں کر سکتا۔

سوال۔ اگر تنہا نماز پڑھنے والے کا وضو جاتا رہے تو اس کے لئے بنا سے متعلق کیا ہدایات ہیں؟

جواب۔ اگر منفرد کو حدث ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ جلد سے جلد تمام سُنن و مستحبات کے ساتھ وضو کرے۔ اس درمیان میں کسی سے ہمکلام نہ ہو۔ اگر پانی قریب مل جائے تو دُور نہ جائے۔ جتنی نقل و حرکت لازم و ناگزیر ہو اس سے زیادہ نہ کرے۔ وضو کر کے خواہ وضو خانہ کے قریب اپنی باقی ماندہ نماز پوری کرے اور یہی بہتر ہے۔ اور چاہے تو اپنی پہلی جگہ پر آکر اپنی نماز مکمل کرے لیکن بہترین صورت یہ ہے کہ وضو ٹوٹنے کے بعد اپنی پہلی نماز کو سلام پھیر کر دانستہ قطع کر دے اور پھر تجدید وضو کے بعد از سرِ نو نماز پڑھے۔

فصل ۱۱۴ - امام کا اپنا قائم مقام مقرر کرنا

سوال۔ خلیفہ بنانے کے کیا احکام ہیں؟

جواب۔ اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے اگرچہ قعدہ اخیر میں ہو تو اس پر لازم ہے کہ فی الفور وضو کرنے کے لئے چلا جائے اور بہتر یہ ہے کہ ناک بند کر کے (لوگ نکسیر کا گمان کریں) پیچھے ہٹے اور اپنے مقتدیوں میں سے

کسی ایسے شخص کو جسے قابل امامت سمجھتا ہو اشارے سے یا ہاتھ سے محراب کی طرف کھینچ کر اپنی جگہ پر کھڑا کر دے مُدرک کو خلیفہ کرنا بہتر ہے۔ اگر مسبوق کو خلیفہ کر دے تو بھی جائز ہے۔ اور مسبوق کو اشارے سے بتلا دے کہ میرے اوپر اتنی نماز باقی ہے۔ امام خلیفہ کی طرف ایک اُنگلی سے ایک رکعت باقی رہنے کا اشارہ کرے۔ دو انگلیوں سے دو رکعتیں رہنے کا اشارہ کرے۔ رکوع کے چھوٹ جانے کے لئے اپنا ہاتھ زانو پر رکھے اور سجدہ کے رہ جانے کے لئے پیشانی پر اور قرارت کے رہ جانے کے لئے منہ پر اور سجدۂ تلاوت کے چھوٹ جانے کے لئے پیشانی اور زبان دونوں پر ہاتھ رکھے۔ اور اگر امام کے ذمہ سہو ہو تو اس کے اظہار کے لئے سینے پر ہاتھ رکھے یہ اس صورت میں ہے کہ وہ ان اشارات کو سمجھتا ہو ورنہ اس کو خلیفہ نہ بنائے۔

پھر جب خود وضو کر چکے تو اگر جماعت ہو رہی ہو تو اس پر واجب ہے کہ جماعت میں شامل ہو کر اپنے خلیفہ کا مقتدی بن جائے اور اپنے خلیفہ کے اتنا قریب کھڑا ہو کہ اقتدا ہو سکے۔ اور اگر خلیفہ نماز پوری کر چکا ہے تو اُسے اختیار ہے کہ وضو خانہ کے قریب ہی نماز پوری کرے۔ یا اپنی پہلی جگہ پر آ کر نماز پڑھے۔ اگر وضو خانہ فرش مسجد کے قریب ہی ہو جیسا کہ عام طور پر مسجدوں میں ہوتا ہے تو پھر خلیفہ کرنا ضروری نہیں۔ کرے یا نہ کرے بلکہ جب خود وضو کر کے لوٹے پھر امام بن جائے۔ اتنی دیر مقتدی اپنی ہیئت پر قبلہ رُخ پورے سکوت و سکون کے ساتھ اس کی واپسی کے منتظر رہیں۔ خلیفہ کر دینے کے بعد امام اپنے خلیفہ کا مقتدی ہو جاتا ہے۔ اس لئے اگر اس کی واپسی تک جماعت ہو چکی ہو تو امام اپنی نماز لاحق کی طرح تمام کرے اگر امام کسی کو اپنا قائم مقام نہ کرے بلکہ مقتدیوں میں سے کوئی از خود امام کی جگہ پر کھڑا ہو جائے اور امام ہونے کی نیت کر لے تو بھی درست ہے بشرطیکہ امام ہنوز مسجد کے اندر ہو باہر نہ نکلا ہو۔

اور اگر نماز کہیں مسجد سے باہر ہو رہی ہو تو یہ شرط ہے کہ امام ہنوز صفوں سے یا سترے سے آگے نہ بڑھا ہو۔ اگر ان حدود سے متجاوز ہو چکا ہو تو نماز سب کی فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے اب کوئی دوسرا شخص بھی امام نہیں بن سکتا۔ مسبوق کو خلیفہ کیا تو اسے مناسب ہے کہ امام کی نماز پوری کرنے کے بعد سلام پھیرنے کے لئے کسی مُدرک کو آگے کر دے کہ وہ سلام پھیرے۔

فتاوٰی قاضی خان میں ہے کہ چار رکعت والی نماز میں ایک شخص شریک جماعت ہوا۔ پھر امام کو حدث ہوا اور اسے خلیفہ بنایا اور اسے معلوم نہیں کہ امام کتنی رکعتیں پڑھا چکا ہے تو یہ چار رکعتیں پڑھا لے اور احتیاطاً ہر رکعت پر قعدہ کرے۔ تین یا چار رکعت والی نماز میں اس مسبوق کو خلیفہ کیا۔ جس کو دو رکعتیں نہ ملی تھیں تو اُس خلیفہ پر دو

قعدے فرض ہیں۔ ایک امام کا قعدۂ اخیرہ اور ایک اس کا اپنا۔ اور اگر امام نے اشارہ کر دیا کہ پہلی رکعتوں میں قرأت نہ کی تھی تو چار رکعتی نماز کی ہر رکعت میں اس پر قرأت فرض ہے۔

سوال۔ امام کو حدث ہوا۔ چونکہ اس کی پشت کے پیچھے نماز پڑھانے کے لائق کوئی مقتدی نہ تھا اس نے نماز چھوڑ کر علیحدہ ہونا چاہا۔ جماعت کی داہنی یا بائیں طرف دس یا پندرہ نمازیوں سے پرے ایک شخص نماز پڑھانے کے لائق کھڑا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر کہ امام کا وضو ٹوٹ گیا ہے سب نمازیوں کے سامنے کو گذر کر امام کی جگہ پر آ کھڑا ہوا اور نماز پڑھائی۔ کیا اس صورت میں نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

جواب۔ مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ نے اس سوال کے جواب میں لکھا کہ نماز صحیح ہو گئی۔

سوال۔ اگر امام وضو ٹوٹنے کے بعد سلام پھیر کر نماز کو قطع کر دے اور وضو کر کے واپس آئے تو سب لوگ شروع سے ساری نماز پڑھیں تو اس میں کیا مضائقہ ہے کیا خلیفہ بنانا لازم و لابدّ ہے۔ دوسرے ائمہ مجتہدین کی اس میں کیا رائے ہے؟

جواب۔ خلیفہ بنانا نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں بلکہ خلیفہ نہ بنانا اور استیناف یعنی از سرِ نو نماز پڑھنا افضل ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ امام کا وضو ٹوٹ گیا تو وہ از سرِ نو وضو کر کے نماز پڑھائے کیونکہ لوگ بنا کے مسائل سے واقف نہیں ہوتے اور استیناف اَولیٰ بھی ہے۔ (فتاوائے رشیدیہ جلد اول صفحہ ۲۱) استیناف کے اولیٰ و افضل ہونے کی ایک وجہ درمختار میں یہ لکھی ہے۔ واستینافہ افضل تحرزًا عن الخلاف (خلاف سے بچنے کے لئے امام کا از سرِ نو پڑھانا افضل ہے) خلاف سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک خلیفہ بنانا سرے سے جائز ہی نہیں۔ ان کے نزدیک امام کو حدث ہو تو سب کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لئے صاحب درمختار نے لکھا کہ نماز کو نئے سرے سے پڑھنا افضل ہے۔ تاکہ نماز سب کے نزدیک صحیح ہو جائے۔ اور استیناف کی صورت یہ ہے کہ کوئی کام نماز کے مخالف کر کے پہلے نماز کو قطع کر دے اور وضو کے بعد از سرِ نو نماز پڑھنے کے لئے جدا نیت کرے۔ کذا فی الشامی

فصل ۱۱۵۔ تعدادِ رکعات میں نمازیوں کا باہمی اختلاف

سوال۔ اگر کبھی جماعت کے بعد امام اور اس کے مقتدیوں میں رکعات پر خلاف ہو جائے مثلاً مقتدی کہیں کہ تین پڑھی گئی ہیں اور امام چار رکعات بتلائے تو فریقین میں سے کس کا قول معتبر ہے؟

جواب۔ اگر امام کو اپنے ٹھیک پڑھنے کا یقین ہے تو نماز کا اعادہ نہ کرے اور اگر یقین نہ ہو تو مقتدیوں کے کہنے کے بموجب نماز دوبارہ پڑھی جائے۔ طحطاوی نے کہا کہ پہلی صورت میں مقتدی ازسرنو نماز پڑھیں۔ کیونکہ ان کے زعم میں ان کی نماز نہیں ہوئی۔

سوال۔ اگر مقتدیوں میں باہم اختلاف ہو۔ بعض کہیں کہ تین رکعت پڑھی گئیں اور بعض کہیں چار۔ تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

جواب۔ جس فریق کے ساتھ امام ہوگا اسی کا بیان معتبر سمجھا جائے گا۔ خواہ ایک ہی آدمی امام کے ساتھ ہو۔

سوال۔ ایک مقتدی کو یقین ہے کہ تین رکعتیں ہوئی ہیں اور دوسرے کو چار کا یقین ہے اور امام اور دوسرے مقتدی متردد ہیں تو اب کیا کرنا چاہیے؟

جواب۔ جو نماز پڑھی گئی اسی کو صحیح سمجھیں۔ البتہ اس مقتدی پر جس کو تین رکعت ہونے کا یقین ہے لازم ہے کہ اپنی نماز دوبارہ پڑھے۔

سوال۔ ایک مقتدی کو یقین ہے کہ امام نے تین رکعتیں پڑھی ہیں اور دوسرے مقتدی اور امام متردد ہیں اور شک میں پڑے ہیں تو کیا کیا جائے؟

جواب۔ ایک مقتدی کے یقین کی بنا پر اور اس کی مخالفت میں کوئی آواز نہ ہونے کی وجہ سے احتیاطاً نماز کو لوٹا لیں۔

فصل ۱۱۶۔ ہلکی نماز پڑھانے کی تاکید

سوال۔ امام فرض نماز سبک پڑھانے کا مامور ہے یا طویل؟

جواب۔ مقدار سنت سے زیادہ قرأت اور اذکار و تسبیحات میں طول دینا مکروہ تحریمی ہے۔ مقتدی راضی ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکہ حدیثوں میں ہلکی نماز پڑھانے کا حکم مطلق واقع ہوا ہے۔ (درمختار) چنانچہ ابوہریرہ رض سے مروی ہے کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو اُسے چاہیے کہ نماز ہلکی کرے کیونکہ نمازیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں اور ضعیف القویٰ بھی اور بوڑھے بھی۔ اور جب تنہا نماز پڑھے تو جتنی چاہے نماز کو طول دے۔ رواہ البخاری و مسلم

علی قاری رح لکھتے ہیں کہ اگر مقتدی سب کے سب حضور قلب کے جوہر سے آراستہ ہوں جو درازی سے نہ گھبراتے ہوں اور ان میں بیمار ضعیف القویٰ اور بوڑھا بھی کوئی نہ ہو تو امام مقتدیوں کی خواہش کے بموجب نماز کو دراز کر سکتا ہے۔" لیکن ظاہر ہے کہ اس صفت کے منتخب نمازی تو شاید کہیں بھی نہ پائے جائیں گے۔ مدت العمر کا تجربہ شاہد ہے کہ نمازیوں میں بڈھے اور ناتوان لوگ کافی تعداد میں موجود ہوتے ہیں۔

عثمان بن ابوالعاص صحابی رض کا بیان ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے آخری وصیت یہ کی تھی کہ جب امامت کرو تو سبک نماز پڑھاؤ۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص کسی قوم کی امامت کرے اُس پہ لازم ہے کہ ہلکی نماز پڑھائے۔ کیونکہ ان میں بوڑھے بیمار ضعیف اور کام کاج والے بھی ہوتے ہیں۔ اور جب اکیلا پڑھے تو جس قدر چاہے نماز کو طول دے دے۔ رواہ مسلم۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ رقم فرما ہیں کہ اکیلا جس طرح چاہے پڑھے۔ لیکن منفرد کے لئے طویل نماز پڑھنا افضل ہے اور عہد حاضر کے اکثر اماموں کی حالت اس کے برخلاف ہے۔ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں تو بڑی دراز پڑھاتے ہیں۔ اور جب اکیلے پڑھتے ہیں تو بقدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ سے طویل کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے کسی امام کے پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ خفیف اور زیادہ مکمل اور پوری نماز نہیں پڑھی۔ اور آپ کا معمول تھا کہ جب آپ کسی لڑکے کے رونے

کی آواز سنتے تو اس خوف سے نماز ہلکی کر دیتے کہ مبادا اس بچے کی ماں کو تشویش ہو۔ رواہ البخاری و مسلم

علماء نے فرمایا ہے کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز تمام و کمال ہونے کے باوجود سبک ہوتی تھی۔ اور سبک سے یہ مراد ہے کہ آپ قراءت اور تسبیحات زائد از ضرورت نہ پڑھتے تھے اور قراءت میں بے محل مد و شد نہ کرتے تھے۔ بلکہ آپ کی قراءت بے تکلف ترتیل کے ساتھ سبک ہوتی تھی۔ اور رکوع و سجود اور تعدیل ارکان وغیرہ میں نقصان نہ آتا۔ اور امام کو قطعاً لائق نہیں ہے کہ تسبیح وغیرہ کو طویل کر کے لوگوں کو ملول کرے اس لئے کہ نماز کا طویل کرنا لوگوں کو نفرت دلانے کا سبب اور مکروہ ہے۔ لیکن باوجود اس کے یہ بھی نہ چاہئے کہ قراءت اور تسبیحات میں لوگوں کے ملال کے خیال سے کمی کر دے۔

سوال۔ مروی ہے کہ حضرت مُعاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ نے نماز عشاء میں سورہ بقرہ شروع کی تو ایک مقتدی نے سلام پھیر کر تنہا نماز پڑھی۔ اور صبح کو بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر جناب معاذ رض کی شکایت کی۔ آپ نے ان کو بلا کر فرمایا۔ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو؟ جب امامت کرو تو عشاء میں وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور سَبِّحِ اسْمَ اور اقْرَاْ اور وَاللَّيْلِ پڑھا کرو۔ رواہ مسلم شرنبلالی نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے۔ کہ امام کو کیسی نماز پڑھانی چاہیئے جو ضعیف آدمی کے مناسب حال ہو اس سے زائد نہ کرے اگرچہ قدر مسنون سے کم ہو جائے۔

جواب۔ لیکن علامہ شامی نے اس بیان کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ معاذ بن جبل رض والی حدیث سے یہ استنباط صحیح نہیں۔ بلکہ اس حدیث سے تو یہ مستخرج ہوتا ہے کہ امام مقدار مسنون سے زائد نہ کرے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رض سے فرمایا کہ سورہ شمس اور سورہ لیل وغیرہ پڑھا کریں۔ جو عشاء میں مسنون ہیں۔ اس حدیث سے ہرگز یہ نہیں نکلتا کہ ضعیف کی رعایت کرتے ہوئے قراءت قدر مسنون سے بھی کم کر دی جائے۔

سوال۔ حضرات غیر مقلدین رکوع و سجود کو بہت دراز کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کشمیری بازار (لاہور) سے لوٹتے وقت مجھے غیر مقلدوں کی مسجد چینیانوالی میں نماز مغرب پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ مولوی محمد داؤد صاحب امام تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے رکوع میں تسبیح سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ بیس مرتبہ پوری کی۔ تب کہیں جا کے امام صاحب نے سمع اللہ لمن حمدہ کہا تھا۔ اور لطف یہ ہے کہ جب ان لوگوں کو متنبہ کیا جائے تو یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ صرف قراءت کی درازی

ممنوع ہے۔ یہ بیان کہاں تک صحیح ہے؟

جواب۔ حدیثوں میں طوالت نماز کی ممانعت عام ہے۔ جس میں قراءت اور تسبیحات سب کی درازی شامل ہے۔ جس طرح قراءت کی طوالت بیماروں بڈھوں کمزوروں اور کاروباری افراد کے لئے باعث حرج و تکلیف ہے۔ اسی طرح لمبے چوڑے رکوع اور سجدے بھی ان کے لئے تکلیف دہ ہیں۔ بلکہ راقم السطور کا ذاتی تجربہ ہے کہ بڈھوں اور ضعیفوں کو تطویل قیام میں اتنی تکلیف نہیں ہوتی۔ جتنی رکوع و سجود کی درازی میں پہنچتی ہے۔ رکوع یا سجدہ ذرا بھی لمبا ہو جائے تو بڈھوں کی کمر بُری طرح دُکھنے لگتی ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں کہ ممانعت درازیٔ نماز کی ہے نہ کہ صرف تطویل قراءت کی۔ یہاں ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے۔

ابو مسعود رض کا بیان ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی یا رسول اللہ! فلاں صاحب ہم کو نماز صبح بہت لمبی پڑھاتے ہیں۔ اس لئے میں نمازِ فجر میں تاخیر کر دیتا ہوں۔" ابو مسعود رض کا بیان ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی وعظ میں اس روز سے زیادہ غصے میں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے بعض اشخاص نماز کے طویل کرنے کے سبب لوگوں کو جماعت سے نفرت دلاتے ہیں پس جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے اس پر لازم ہے کہ ہلکی نماز پڑھائے۔ کیونکہ نمازیوں میں ضعیف اور بوڑھے اور کام کاج والے بھی ہوتے ہیں۔ رواہ البخاری و مسلم۔ حدیث میں تطویل کا امتناع مطلق ہے۔

سوال۔ کیا امام اس کوشش میں کہ وضو کرنے والے رکعت پا لیں۔ قراءت یا رکوع کے دراز کرنے کا مجاز ہے؟

جواب۔ علامہ علی قاری اور شیخ عبد الحق دہلوی رحمہم فرماتے ہیں کہ حسب زعم خطابی رح جب امام حالت رکوع میں کسی ایسے شخص کی آہٹ پائے جو نماز میں شریک ہونے کا قصد رکھتا ہو تو اس کو جائز ہے کہ اسی کے لئے رکوع میں انتظار کرے تاکہ وہ رکعت پا لے۔" لیکن بعض نے اس فعل کو مکروہ بتایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ مجھے اس کے شرک ہونے کا خوف ہے۔ اور امام مالک رح کا یہی مذہب ہے۔ انتہیٰ۔ اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ اگر امام کسی آنے والے کے شریک جماعت ہونے کے لئے رکوع کو طویل کرے اور اس میں تقرب الی اللہ مقصود نہ ہو تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور اس میں اس سے بڑے گناہ (یعنی شرک) کا خوف ہے لیکن اس فعل سے کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس نے اس میں عبادت لغیر اللہ کی

بنیت نہیں کی ہے۔"

اور بعض کا یہ قول ہے کہ اگر امام رکوع میں شامل ہونے والے کو نہیں پہچانتا تو رکوع کے طویل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن پھر بھی اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ اور اگر کوئی امام ایسی حالت میں رکوع کو طویل کرے کہ اس کے دل میں رضائے الٰہی کے سوا کوئی رجحان نہ ہو تو اس کی اجازت ہو سکتی ہے۔ مگر یہ حالت نادر الوجود ہے۔ یہ مسئلہ مسئلۃ الرّیا سے ملقّب ہے۔ پس اس میں احتیاط کی سخت ضرورت ہے۔ کذا فی شرح المنیہ۔

فصل ۱۷ - شرکتِ جماعت کے لئے دوڑنے کی مذموم عادت

سوال - عام طور پر مساجد میں دیکھا جاتا ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے یا امام رکوع میں چلا جائے تو جہلاء رکعت پانے کی کوشش میں دوڑتے ہیں۔ یہ کہاں تک روا ہے؟

جواب - ابوہریرہ رض سے مروی ہے کہ حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کی اقامت کہی جائے تو تم نماز کو دوڑتے ہوئے نہ آؤ۔ بلکہ چل کر آؤ۔ اور تم پر اطمینان اور وقار لازم ہے۔ پس امام کے ساتھ جتنی نماز پاؤ۔ اس کو ادا کرو۔ اور جو نہ پاؤ تو (بعد فراغ امام کے اٹھ کر) پوری کرو۔ رواہ البخاری و مسلم۔

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جب نماز کا قصد کرتا ہے تو وہ (حکماً و ثواباً) نماز ہی میں ہے۔" علماء نے لکھا ہے کہ جماعت کے لئے دوڑنا غفلت اور سبکی عقل کی دلیل ہے۔ جو کوئی تکبیر اُولیٰ یا رکعت پانے کا آرزومند ہے اُسے چاہیے کہ پہلے سے مستعد اور کمربستہ رہے۔ محمود و پسندیدہ شتابی یہ ہے کہ انسان جماعت کھڑی ہونے سے کافی دیر پہلے تیار رہ کر مسجد میں پہنچ جائے۔

علماء نے اختلاف کیا ہے کہ جب کسی کو تکبیر اُولیٰ کے فوت ہونے کا خدشہ ہو وہ تیز گامی اختیار کرے یا نہیں؟ بعض نے کہا کہ جلدی کرے۔ کیونکہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رض نے بقیع میں

تکبیر سُنی تو مسجد کی طرف جانے میں عجلت سے کام لیا۔ اور بعض نے حدیث متذکرہ صدر کے بموجب وقار سے چلنے کو مستحسن فرمایا ہے۔ کیونکہ جو شخص نماز کا قصد کرتا ہے وہ نماز ہی میں ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ نمازی کی طرف سے مسجد جانے میں کوئی تقصیر اور کوتاہی واقع نہ ہو۔ اگر وہ دانستہ دیر کرے گا تو اُسے یہ فضیلت میسر نہ ہوگی۔ اور ظاہر تر یہ ہے کہ نمازی کو دوڑنے میں جلدی کرنے کے بجائے وقار کے ساتھ جلدی کرنی چاہیے تاکہ حدیث پر بھی عمل ہو اور تکبیر اُولیٰ کا ثواب بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ اگر نماز جمعہ میں نمازی سمجھتا ہے کہ جلدی نہ کرنے کی صورت میں امام سلام پھیر دے گا۔ تو عجلت کر کے شریک ہو جائے۔ واللّٰہ اعلم (مظاہر)

فصل ۱۱۸۔ فرض نماز کی دُوسری جماعت

سوال۔ فرض نماز کی جماعت دوبارہ کرنا کیسا ہے؟

جواب۔ محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے۔ البتہ شارع عام کی مسجد میں یا ایسی مسجد میں جس میں کوئی امام اور مؤذن متعین نہ ہو تکرار جماعت مکروہ نہیں۔ (درمختار) شرح جامع صغیر میں دوسری جماعت کو بدعت لکھا ہے۔ مسجد محلہ سے وہ مسجد مُراد ہے۔ جس کا امام و مؤذن مقرر ہو۔ اور وہاں پانچوں وقت باقاعدہ جماعت ہوتی ہو۔

سوال۔ کن مسجدوں میں جماعت ثانی جائز بلکہ افضل ہے؟

جواب۔ جماعت ثانی کے جواز کی چار صورتیں ہیں (۱) مسجد محلّہ میں غیر اہل محلّہ آکر جماعت کر لیں (۲) مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے بلا اعلان یا بلا اذان جماعت کر لی ہو (۳) مسجد شارع عام پر واقع ہو۔ شارع عام کی مسجد وہ ہے جس میں لوگ جوق جوق وارد ہوتے اور نماز پڑھ کر چلے جاتے ہوں۔ جیسے ریلوے سٹیشنوں اور عام گذرگاہوں پہ مسجدیں بنی ہوتی ہیں کہ وہاں جو آتا ہے نماز پڑھ کر چل دیتا ہے۔ (۴) ایسی غیر آباد مسجدیں جہاں امام و مؤذن متعین نہ ہوں۔ ان چاروں صورتوں میں اگر اذان و اقامت کے ساتھ بار بار جماعت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ یہی افضل ہے کہ جوں جوں لوگ آتے رہیں۔ نئی اذان و اقامت سے جماعت کرتے رہیں۔

سوال۔ کیا اسبابِ جماعت ثانیہ کی تائید میں کوئی حدیث نبوی پیش کی جاسکتی ہے؟

جواب۔ ہاں۔ حضرت ابوبکرہ رض سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر امت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم میں صلح کرانے کو تشریف لے گئے۔ نماز کا وقت ہوا تو آپ ایک مسجد میں گئے۔ مگر وہاں جماعت ہو چکی تھی اس لئے آپ اپنی منزل پر قدم فرما ہوئے۔ اور اپنے اہل وعیال کو جمع کرکے نماز با جماعت ادا کی۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط۔ ہیثمی رح نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر جماعت ثانی مسجد میں درست ہوتی تو آپ مسجد کی جماعت چھوڑ کر گھر میں کیوں قدم رنجہ فرماتے (امداد الفتاویٰ جلد اول مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۷)

سوال۔ جماعت ہو چکنے کے بعد ایک شخص نماز پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں آیا۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا کوئی صاحب ایسے ہیں جو ان کے ساتھ نماز پڑھ کر ان کو صدقہ دیں۔ ایک صاحب کھڑے ہو گئے اور ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ رواہ الترمذی وابوداؤد۔ اس حدیث سے جماعت ثانیہ کا بلا کراہت جواز ثابت ہوتا ہے۔

جواب۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ متنفل نے مفترض کا اقتداء کیا۔ اور کلام اس جماعت ثانیہ میں ہے جہاں امام اور مقتدی دونوں فرض پڑھیں۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ مسجد نبوی کا ہے اور مکہ معظمہ کی مسجد حرام اور مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کا حال شارع عام کی مسجد کی مانند ہے۔ اور اوپر گزر چکا کہ شارع عام کی مسجد میں تکرار جماعت بلا کراہت جائز ہے۔

سوال۔ سنن بیہقی اور مسند ابویعلی وغیرہ میں مروی ہے اور صحیح بخاری میں بطور تعلیق مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ مسجد بنو رفاعہ میں داخل ہوئے جہاں جماعت ہو چکی تھی۔ انہوں نے وہاں اذان دی اور اقامت کہی"۔ اس سے بھی جماعت ثانیہ کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ اس سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت انس کا یہ فعل مسجد طریق میں ہو۔ چنانچہ تکرار اذان اس کا قرینہ ہے۔ کیونکہ مجوزین جماعت ثانیہ بھی تکرار اذان کو منع کرتے ہیں۔

سوال۔ مسجد محلہ میں عدم کراہت جماعت ثانیہ کے کیا شرائط ہیں؟

جواب۔ بقول مولانا عبدالحی رح منبع شرح مجمع میں ہے کہ مسجد محلہ کی تقیید سے شارع سے احتراز ہو گیا۔ اور اذان ثانی سے اس صورت سے جبکہ مسجد محلہ میں بغیر اذان کے جماعت کی۔ کیونکہ ایسی جماعت ثانیہ اجماعاً مباح ہے۔ اور شامی باب الاذان میں مسطور ہے کہ جو لوگ جماعت ہو جانے کے بعد مسجد میں جائیں وہ

اکیلے اکیلے نماز پڑھیں۔ اس کی تائید ظہیریہ سے بھی ہوتی ہے۔ جس نے تنہا نماز پڑھنے کو ظاہر الروایۃ بتایا ہے اور شرح مُنیہ میں امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ اگر جماعت تین آدمیوں سے زیادہ پر مشتمل ہو تو تکرار مکروہ ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر جماعت ہیئت اُولیٰ پر نہ ہو۔ تو مکروہ نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔ اور محراب سے علیحدہ ہو کر جماعت کی جائے تو ہیئت بدل جاتی ہے۔ کذا فی البزازیہ اور تاتارخانیہ میں ہے۔ کہ وبہ ناخذ۔ (ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں)

مولٰنا عبدالحیؒ لکھتے ہیں کہ ان عبارات سے ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ مطلقاً جماعت ثانیہ کو مکروہ کہتے ہیں۔ ان کا قول غلط و مخالف قول مفتی بہ ہے۔ اور یہ خیال کہ تکرار جماعت پہلی جماعت کی تقلیل کی طرف منجر ہے باطل ہے کیونکہ یہ امر جب لازم آئے گا کہ کسی مسجد میں تکرار جماعت کو مقرر و معمول بنا لیا جائے۔ کہ ہر وقت دو یا تین جماعتیں ہوا کریں۔ اس حالت میں البتہ جماعت اُولیٰ کے اہتمام میں فرق ہو گا۔ اور جب مقرر ایک ہی جماعت ہو اور اتفاقاً کچھ لوگ پیچھے پہنچے تو ان کی جماعت کرنے سے کوئی مانع شرعی نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ جماعت ثانیہ کا امام جماعت اُولیٰ کے قیام کی جگہ پر نہ کھڑا ہو۔ غرض جماعت ثانیہ اتفاقیہ کی کراہت کی کوئی وجہ معتد بہ نہیں ہے علی الخصوص جبکہ جماعت اُولیٰ کی ہیئت پر نہ ہو۔ ومن ادعیٰ فعلیہ البیان (مجموعہ فتاویٰ مولٰنا عبدالحیؒ جلد اول صفحہ ۲۴۱/۲۴۲)

فصل ۱۱۹۔ جماعت ہو جانے کے بعد فریضہ صلوٰۃ کا ادا کرنا

سوال۔ مسجد میں جماعت ہو گئی تو اس کے بعد فرض نماز پڑھنے کے لئے موزوں مقام کون سا ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ مسجد محلہ کی جماعت ہو جانے کے بعد مسجد میں اور گھر پر نماز پڑھنا ثواب میں مساوی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب۔ اگر اپنی مسجد میں جماعت نہیں ملی تو پھر کسی ایسی دوسری مسجد میں جانا چاہیئے جہاں جماعت ملنے کی اُمید ہو سکے۔ اگر کسی دوسری مسجد میں بھی نہیں ملی۔ تو پھر اپنے گھر جا کر اہل وعیال کو جمع کر کے جماعت کر لینی چاہیئے۔ اگر اہل وعیال نہ ہوں یا کسی وجہ سے گھر پر جماعت کا انتظام نہ ہو سکے تو ناچار اپنی مسجد محلہ میں جا کر تنہا نماز پڑھ لیں۔ کیونکہ گھر پر تنہا پڑھنے کی نسبت مسجد میں تنہا نماز پڑھنا کہیں افضل ہے فضیلت مسجد میں جو

احادیث مطلق وارد ہیں۔ وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ گھر پر نماز پڑھنے کی نسبت مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب پچیس گنا زیادہ ہے۔ چنانچہ حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صَلٰوۃُ الرَّجُلِ فِیْ بَیْتِهٖ بِصَلٰوۃٍ وَّصَلٰوتُهٗ فِی الْمَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِیْنَ صَلٰوۃً (آدمی کی نماز اس کے گھر میں ایک نماز کے برابر ہے اور محلّے کی مسجد میں پچیس نمازوں کے برابر ہے)

سوال۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:۔ رجل فاتته الجماعة فی مسجد حیّه فان ذهب الی مسجد آخر وصلّی فیه بجماعة فهو حسن وان صلّی فی مسجد حیه وحده فهو حسن وان دخل منزله وصلّی فیه باهله فهو حسن (جس کو مسجد محلّہ میں جماعت نہ ملی ہو اگر وہ کسی دوسری مسجد میں جاکر جماعت سے پڑھے تو بہتر ہے۔ اور اگر مسجد محلہ میں تنہا پڑھ لے تو بھی اچھا ہے اور اگر قیام گاہ پر جاکر اپنے اہل وعیال کے ساتھ نماز ادا کرے تو بھی خوب ہے) لیکن سوال یہ ہے کہ جو شخص کسی مجبوری کی وجہ سے جماعت سے محروم رہ گیا ہو۔ اور وہ اس کوشش میں دوسری مساجد تک بھی دوڑ دھوپ کر آیا ہو۔ اور اپنے گھر میں بھی جماعت سے نماز پڑھنے کا کوئی انتظام نہ کرسکا ہو۔ تو وہ تنہا نماز پڑھنے کی بجائے کیوں نہ اپنے جیسے بچھڑے ہوئے دو ایک نمازیوں کو شامل کرکے اپنی مسجد محلہ میں ایسی ہیئت پر نماز پڑھ لے جو جماعت اولیٰ کی ہیئت کے خلاف ہو؟ اس میں کون سا محذورِ شرعی لازم آتا ہے؟

جواب۔ چونکہ کبھی اتفاقیہ طور پر ایسا کرنا جماعت اولیٰ پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر کوئی بچھڑا ہوا نمازی میسر آجائے تو الگ الگ نماز پڑھنے سے بہتر یہی ہے کہ مل کر نماز پڑھ لیں۔ واللہ اعلم۔

فصل ۱۲۰ چند اہم انتباہات

سوال۔ وہ کون سے ضروری مسائل ہیں۔ جن سے پیش امام عام طور پر غافل دکھائی دیتے ہیں؟

جواب۔ وہ تو بے شمار ہیں لیکن ان میں سے یہاں تین مسئلوں کی طرف ان کو خاص طور پر متوجہ کیا جاتا ہے:۔

(۱) تکبیر تحریمہ سے اگر امام کی نیت محض لوگوں کو مطلع کرنے اور اعلان کرنے کی ہو گی تو نہ امام کی نماز ہو گی۔

نہ مقتدیوں کی۔ صحیح صورت یہ ہے کہ نفس تکبیر سے تحریمہ مقصود ہو۔ اور اس کے جہر سے اعلان پیش نظر ہو۔ اسی طرح انتقالات کی آواز پہنچانے والے مکبّر کو قصد کرنا چاہیے۔ اگر اس نے محض آواز پہنچانے کا قصد لیا تو نہ اس کی نماز ہو گی۔ اور نہ ان لوگوں کی جو اس کی آواز پر تحریمہ باندھیں گے۔ تکبیر تحریمہ کو چھوڑ کر باقی تکبیرات یا سمع اللہ لمن حمدہ یا ربّنا ولک الحمد میں اگر محض اعلان مقصود ہو گا۔ تو نماز ہو جائے گی مگر بالکراہت (شامی)

(۲) اگر مکبّر اللہ اکبر کہنے میں مدّ کرے تو امام کے اللہ اکبر کہہ لینے کے بعد لوگوں کو ہرگز نہ چاہیے کہ مکبّر کی تکبیر ختم ہونے کا انتظار کریں۔ بلکہ ثنا تشہّد وغیرہ جو کچھ پڑھنا ہو جھٹ پڑھنا شروع کر دیں۔ اور اگر امام اللہ اکبر کہہ لینے کے بعد اس انتظار میں کہ مکبّر کی تکبیر بھی ختم ہو لے تین بار سبحان اللہ کہنے کے برابر خاموش رہا اور اس کے بعد تشہد وغیرہ پڑھنا شروع کیا تو ترک واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہو گی۔ مکبّر کے لیے نہایت ضروری ہے کہ امام کی آواز کے ساتھ ساتھ اللہ اکبر کہتا رہے۔ امام کے ختم کرنے کے بعد اللہ اکبر کہنا شروع کرے گا تو لوگوں کو دھوکا ہو گا۔ اور مفسدہ پیدا ہو گا۔

(۳) امام اس طرح محراب کے اندر کھڑا ہو کہ قدم بھی محراب سے باہر نہ ہوں تو مکروہ تحریمی ہے۔ قدموں کا اکثر حصّہ محراب سے باہر رہنا ضروری ہے۔ درمیانی دیوار کے دروں کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر امام بالکل ان کے بیچ میں کھڑا ہو گا تو نماز مکروہ ہو گی۔ پیروں کا اکثر حصّہ دروں سے بھی باہر رہنا لازم ہے۔

فصل ۱۲۱۔ امام سے مقتدیوں کی کینہ توزی

سوال۔۔ اگر مقتدی اپنے امام سے متنفر ہوں اور اس سے بغض وعناد رکھیں تو کیا حکم ہے؟

جواب۔ اگر لوگوں کی نفرت امام کی کسی دینی خرابی کے باعث ہو تو اس شخص کا امام رہنا مکروہ تحریمی ہے (درمختار) اس کے معنی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو کسی قوم کی امامت کرے اور وہ لوگ اس سے نفرت رکھیں" (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)۔ اور اگر امام کے دین میں کوئی خرابی نہیں تو نماز میں مقتدیوں کی ناراضی کچھ بھی اثر انداز نہیں۔ نماز بلاکراہت درست ہے اور مقتدی گنہگار ہیں۔ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورت جس نے شوہر کی خفگی میں رات گزاری

اور وہ امام جس سے قوم کراہت کرے ان دونوں کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ رواہ الترمذی

علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ عورت کے حق میں جو فرمایا تو یہ جب ہوگا کہ خاوند بیوی کی کج خلقی، بے ادبی یا نافرمانی کے باعث خفا ہو۔ اور امام کے حق میں ابن ملک نے کہا کہ یہ گناہ اس صورت میں ہے کہ لوگ امام سے اس کے جہل یا بدعت یا فسق کی بنا پر ناخوش ہوں اور اگر لوگوں کی کراہت و عداوت کسی دنیوی وجہ سے ہو تو امام اس وعید کا مورد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ناحق ناراض ہونے والے ہی گنہگار ہوں گے۔

فصل ۱۲۲ جماعت کے بعض ضروری احکام

سوال۔ امامت افضل ہے یا اذان؟

جواب۔ عینیؒ لکھتے ہیں کہ ہم حنفیوں کے نزدیک امامت اذان سے افضل ہے اور اس میں زیادہ ثواب ہے۔ اور بعض علماء دونوں کو مساوی قرار دیتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور مقولہ ہے کہ "اگر خلافت نہ ہوتی تو میں اذان کہا کرتا" اس سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے اذان کو امامت سے افضل بنایا ہے لیکن اس سے اذان کی افضلیت نہیں ثابت ہوتی۔ کیونکہ امیر المومنین اپنے دورِ خلافت میں دوسرے خلفاء کی طرح امامت بھی کرتے تھے پس ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر خلافت کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو میں امامت کی طرح اذان کی خدمت بھی اپنے ذمے لے لیتا کہ دونوں کے جمع ہونے میں زیادہ فضیلت ہے۔ حضرت خلافت مآبؓ نے خلافت کو اس لئے مانع اذان بنایا کہ کاروبارِ خلافت کی شدتِ انہماک میں اذان کا وقت نکالنا اور اس کی پابندی کرنا تکلیف مالایطاق تھی۔ اس لئے امامت پر اکتفا کیا۔ کذا فی الشامی

سوال۔ فریضہ صلوٰۃ کا جماعت سے پڑھنا فرض ہے یا واجب یا سنت؟

جواب۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت فرض علی الکفایہ اور امام مالکؒ کے ہاں سنت مؤکدہ ہے۔ امام احمدؒ، داؤدؒ، عطا تابعیؒ اور ابو ثورؒ اسے فرض عین کہتے ہیں۔ مگر ان کے نزدیک عذر کے وقت فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ بعض حنفی جماعت کو سنت مؤکدہ اور دوسرے واجب کہتے ہیں۔ لیکن زاہدی کا بیان ہے کہ حقیقتہً یہ

کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ اوّل الذکر نے بھی تاکید سے وجوب ہی مراد لیا ہے۔ چنانچہ بحر الرائق اور طحطاوی میں جماعت کے وجوب ہی کی توثیق کی ہے

سوال۔ کم از کم کتنے آدمی جمع ہوں تو جماعت ہو جاتی ہے ؟

جواب۔ جماعت کم سے کم دو آدمیوں کے اس طرح مل کر نماز پڑھنے کو کہتے ہیں کہ ایک تابع ہو۔ دوسرا متبوع۔ متبوع کو امام اور تابع کو مقتدی کہتے ہیں۔ مقتدی مرد ہو یا عورت بالغ ہو یا نابالغ۔ نماز مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں۔ جماعت کے لئے یہ ضرور نہیں کہ دونوں فرض ہی پڑھتے ہوں۔ اگر امام فرض اور مقتدی نفل پڑھے تو بھی جماعت ہو جائے گی۔ جمعہ اور عیدین کی نماز میں امام کے سوا کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے

فصل ۱۲۳۔ جماعت کے متفرّق مسائل

(۱) امام کی نماز فاسد ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ ایسی حالت میں امام کی طرح مقتد کو بھی اپنی نماز کا دُہرانا ضروری ہوگا۔ (۲) جب جماعت میں امام کی آواز نہ پہنچتی ہو تو مکبّر کا با آواز بلند تکبیر کہنا بالاتفاق درست ہے۔ اور اگر آواز پہنچتی ہو تو مکبّر کا تکبیر کہنا مکروہ ہے۔ (۳) اگر لڑکے متعدد ہوں تو مردوں کی صفوں کے پیچھے اپنی الگ صف بنائیں۔ اگر لڑکا اکیلا ہو تو مردوں کی صف میں داخل کیا جائے (۴) اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھانے اور رکوع اور سجدہ کرتا ہو اور اشاروں سے نماز نہ پڑھتا ہو تو اس کے پیچھے کھڑے شخص کا اقتداء درست ہے۔ چنانچہ حضرت سیّد انام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر ہی پڑھائی تھی (۵) اعضا کا دھونے والا مسح کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ مسح شکستہ عضو کی بندش پر ہو یعنی جو شخص پیروں کو دھوتا ہو۔ وہ موزہ پر مسح کرنے والے کا اقتداء کر سکتا ہے اور جو کوئی غسل یا وضو میں تمام اعضاء کو دھوتا ہو وہ ایسے شخص کا اقتداء کر سکتا ہے جس کے ایک عضو پر کھپاچیں بندھی ہوں (۶) سفیہ و کم عقل کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ علماء نے سفیہ ایسے شخص کو بتایا ہے جو مقتضائے شرح یا عقل کے موافق تصرّف خوب نہ کر سکتا ہو۔ اسی طرح مفلوج کے پیچھے اور اس ابرص کے پیچھے جس کا برص ظاہر ہو نماز مکروہ ہے (۷) کوبھ نکلے ہوئے کے پیچھے کھڑے ہونے والے کا اقتداء قول معتمد پر درست ہے اگرچہ اس کا کوبھ رکوع کو پہنچ گیا

ہو۔ اسی طرح قائم کا اقتدا لنگڑے کے پیچھے درست ہے۔ تاہم اولیٰ یہ ہے کہ کسی لنگڑے کو امام نہ بنایا جائے۔

(۸) جب تیسرا آدمی آگیا تو امام آگے بڑھے یا مقتدی پیچھے کو ہٹیں دونوں امر جائز ہیں۔ لیکن امام کے آگے بڑھنے کی نسبت مقتدی کا پیچھے ہٹنا بہتر ہے۔ (۹) خونی بواسیر کے جس مریض کو تمام وقت نماز میں اتنا موقع نہ ملے کہ وضو کر کے جاری خون کے بغیر نماز پڑھ سکے تو وہ معذور ہے۔ وہ تندرستوں کا امام نہیں ہو سکتا۔ (۱۰) جو کوئی علم دین کی تحصیل میں معروف ہے یا دینی تعلیم دیتا ہے یا دین کے مسائل ضروریہ کی کتاب تصنیف کرتا ہے، ان حضرات کو جماعت کی حاضری معاف نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ترک جماعت پر مداومت کرے گا تو حاکم شریعت پناہ مامور ہے کہ ان کو تعزیر دے۔ (۱۱) جو متولی اپنے لئے جماعت میں تاخیر کرنے اور منتظر رہنے کا حکم دے وہ گنہگار ہے ایسے متولی کا انتظار درست نہیں۔ ہاں عوام مسلمین کا انتظار درست ہے۔ بشرطیکہ حاضرین کو ناگوار نہ ہو اور وقت بھی مکروہ نہ آجائے۔ لیکن رئیسوں اور دنیاداروں کا ہرگز انتظار نہ کریں۔ جب وقت ہو جائے، یا اکثر نمازی آموجود ہوں۔ تو نماز پڑھ لیں۔ جو امام متولی یا کسی دنیا دار رئیس کا انتظار کرتا ہے وہ گنہگار ہے مگر اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے۔

(۱۲) مسجد محلہ میں جماعت کرنے کا حق امام، مؤذن اور محلّہ کے نمازیوں کا ہے۔ اور جماعت کرنا انہی کو زیبا ہے۔ اگر چند آدمی مل کر (اگرچہ اسی محلے کے ہوں)، وقت معین سے پہلے جماعت کر لیں تو انہیں جماعت کا ثواب نہ ہوگا۔ صحیح جماعت انہی اہل محلہ کی ہے جنہوں نے وقت معہود پر امام متعیّن کے پیچھے نماز پڑھی (۱۳) فاسق اور بدعتی کا امام بنانا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر وہ اتنا بااثر ہے کہ مقتدیوں کو اس کی معزولی پر قدرت نہیں یا اس کی علیحدگی پر فتنہ برپا ہوتا ہو تو مقتدی بے بس ہیں۔ اس لئے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں (۱۴) بعض مقامات پر رواج ہے۔ کہ نماز جمعہ اور نماز عشا سے پہلے الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکارتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ مطلع ہو جائیں کہ اب جماعت کھڑی ہوتی ہے۔ اذان کے بعد اس اطلاع ثانی کو تثویب کہتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ نے خاص قاضیوں اور مفتیوں کے لئے جو مسلمانوں کے دینی امور میں منہمک رہتے ہیں اس اطلاع کو جائز رکھا تھا اور فرماتے تھے کہ ان لوگوں کو دوبارہ جماعت کھڑی ہونے سے پہلے اطلاع ملنے کی ضرورت رہتی ہے۔ لیکن جس طرح بے شمار دوسرے دینی و ثقافتی حالات متغیر ہوئے اسی طرح آخر کار تثویب بھی متروک و معدوم ہو گئی۔

(۱۵) اگر مقتدی جماعت میں سو گیا اور امام کے ساتھ اس کا ایک سجدہ رہ گیا تو جب تک یہ سجدہ نہ کر لے۔

نہ ہوگی۔ اس کو چاہیے کہ بیدار ہونے کے بعد فی الفور اس سجدہ کو کر کے امام کے ساتھ ہو جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک سجدہ کر کے سجدۂ سہو کر لے۔ اس فوت شدہ سجدہ کے ادا کئے بغیر نماز نہ ہوگی۔ (۱۶) اگر امرد لڑکا خوش جمال ہو اور احتمال ہو کہ کوئی فاسق بوالہوس اس کو نظر شہوت سے دیکھے گا تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اگرچہ حافظ و قاری ہو۔ یا دینی علوم کی تحصیل کر رہا ہو۔ اگر ایسا نہیں بلکہ مقتدیوں سے علم دین اور قرارت میں فائق ہو تو اس کی امامت مکروہ نہیں (۱۷) اگر کوئی قرارت شروع ہو جانے کے بعد جماعت میں شامل ہو تو جہری نماز میں سبحانک اللّٰہم نہ پڑھے اور سرّی میں پڑھے فتاوےٰ قاضی خان میں ہے کہ جب کوئی امام کے قرارت شروع کر دینے کے بعد جماعت میں ملا تو ابن الفضل کے نزدیک ثنا نہ پڑھے اور دوسرے نے کہا پڑھے لیکن اس میں تفصیل ہے۔ اگر امام قرارت آواز سے کر رہا ہو تو ثنا نہ پڑھے اور آہستہ کر رہا ہو تو پڑھے۔ شیخ الاسلام خواہر زادہ کا یہی مختار ہے۔ اور مضمرات میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے (شامی)۔ (۱۸) فقہاء نے لکھا ہے کہ امام کو چاہیے کہ نماز سے نکلتے وقت دوسرے سلام کو پہلے سلام سے کچھ پست آواز سے کہے ✢

فصل ۱۲۴ - نوافل کی جماعت

سوال۔ نفل نماز کو جماعت سے ادا کرنا کیسا ہے؟

جواب۔ رمضان کے سوا کسی مہینہ میں وتر جماعت سے نہ پڑھیں۔ نوافل کی جماعت بجز اُن مواقع کے جو احادیث سے ثابت ہیں مکروہ تحریمی ہے۔ پس کسوف اور تراویح اور استسقا کی نماز باجماع درست اور باقی سب مکروہ ہیں۔ کسوف یعنی سورج گہن میں جماعت سنت ہے۔ اور چاند گہن میں تداع کے ساتھ مکروہ ہے۔

سوال۔ اگر دو چار آدمی مل کر خاموشی کے ساتھ نفل نماز کی جماعت کر لیں۔ تو بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ اگر نفل کی جماعت میں ایک یا دو مقتدی ہوں تو جماعت مکروہ نہیں۔ چار ہوں تو مکروہ تحر

ہے۔ اور اگر تین ہوں تو اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض اس کو مکروہ کہتے ہیں اور دوسرے تین تک کو بلا کراہت جائز بتلاتے ہیں۔ کتب فقہ میں جو لکھا ہے کہ اگر تداعی ہو تو نفل کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ تداعی سے مقتدیوں کا چار تک پہنچ جانا مراد ہے۔ دو تین آدمی مل کر نفل جماعت سے پڑھ لیں تو یہ دو شرطوں سے بلا کراہت جائز ہے۔ ایک یہ کہ اس پر دوام نہ کریں۔ دوسرے اذان واقامت کے ساتھ یا کسی اور طریقہ سے لوگوں کو جمع نہ کریں۔

سوال۔ اگر نفل کی جماعت غیر مستحسن ہے تو نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھ کر جماعت کا ثواب حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ صحیح قول میں فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والے کا اقتدار درست ہے سوائے تراویح کے۔ کذا فی الخانیہ۔ تراویح پڑھنے والے کے لئے مفترض کا اقتدار صحیح نہیں۔ عدم صحت کی وجہ شاید یہ ہو کہ تراویح ایک سنت مخصوص ہے۔ تو اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس کی وضع خاص کا لحاظ کیا جائے گا۔ (درمختار) لیکن اگر مفترض کے پیچھے نفل پڑھنے والے کا اقتدار جائز رکھا جائے تو اس میں یہ اعتراض ہے کہ نفل کی ہر رکعت میں قراءت فرض اور فرض کے آخری دوگانہ میں سنت ہے۔ تو اخیر دوگانہ میں مفترض کا سنت والے کے پیچھے اقتدار لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مقتدی اقتدار کی جہت سے قراءت کے باب میں امام کا تابع ہے۔ اسی وجہ سے قراءت اس کے حق میں ان دونوں رکعتوں میں سنت ہو گئی۔ کذا فی الطحطاوی

فصل ۱۲۵۔ نفل پڑھنے والے کے پیچھے مفترض کا اقتدا

سوال۔ فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کی اقتدار میں ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بصورت ثانی امام شافعیؒ کے استدلال کا کیا جواب ہے۔ جو اس کو جائز رکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل انصاریؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم میں جا کر ان کو نماز عشاء پڑھایا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مفترض کی نماز متنفل کے اقتدار میں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ معاذؓ پہلے آنحضرتؐ کے پیچھے فرض پڑھ کر

نمازِ عشاء سے فارغ ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد اپنے قبیلہ میں جاکر لوگوں کو نمازِ عشاء پڑھاتے تھے۔ حالانکہ معاذ اپنی جو نماز پڑھاتے تھے وہ نفل ہوتی تھی۔ اور مقتدی ان کے پیچھے فرض پڑھتے تھے۔"

جواب۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ معاذ رض سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ السلام کے پیچھے نفل پڑھتے تھے اور پھر اپنی قوم میں جاکر فرض ادا کرتے تھے۔ چنانچہ جب ان کے قبیلہ کے بعض افراد نے آپؐ سے ان کی شکایت کی۔ تو آپ نے فرمایا اے معاذ! یا تو تم میرے ساتھ نماز پڑھو یا اپنی قوم پر تخفیف کرو۔ رواہ احمد۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آنحضرت کے پیچھے نفل پڑھا کرتے تھے۔

سوال۔ امام پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا۔ چھ رکعت پوری کر کے سجدہ سہو کیا اور سلام پھیرا۔ ایک آدمی جو پانچویں رکعت میں شریک جماعت ہوا تھا اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب۔ اگر امام چوتھی رکعت میں بقدر تشہد بیٹھ کر سہواً کھڑا ہو گیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا۔ تو چھٹی رکعت ملا لے اور سجدۂ سہو کر لے۔ فرض نماز پوری ہو گئی۔ اب جو کوئی پانچویں یا چھٹی رکعت میں شریک جماعت ہوا اس کی نماز نہیں ہوئی۔ کیونکہ امام نے جو پانچویں اور چھٹی رکعتیں پڑھائیں وہ نفل تھیں۔ اور مفترض متنفل کا اقتدا نہیں کر سکتا۔

فصل ۱۲۶۔ دوسری نمازوں کو قطع کرکے جماعت میں شامل ہونیکے احکام

سوال۔ نماز کو توڑنا کب جائز ہے اور کب ممنوع؟

جواب۔ بحر الرائق میں ہے کہ نماز کا توڑنا کبھی حرام ہوتا ہے کبھی مستحب کبھی مباح اور کبھی واجب۔ بدون عذر کے توڑ دینا حرام ہے حصولِ جماعت کے لئے یا کسی اور وجہ سے نماز کو کامل کرنے کے لئے توڑنا مستحب ہے فوتِ مال کے خوف سے مباح ہے اور کسی کی جان بچانے کے لئے واجب ہے۔ کذا فی الشامی

نماز توڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کو حالتِ قیام میں داہنی طرف سلام پھیر کر قطع کرے۔ اور جماعت میں شامل ہو جائے۔ کھڑا ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ بیٹھنا حلال ہونے کے واسطے شرط ہے اور یہ حلال ہونا نہیں بلکہ توڑنا ہے۔

سوال - اگر کوئی شخص تنہا فرض نماز شروع کر چکا ہو اور ایسی حالت میں فرض نماز جماعت سے ہونے لگے تو وہ نماز کو کس حالت میں قطع کرے؟

جواب - اگر وہ فجر کی نماز ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر پہلی رکعت کا ہنوز سجدہ نہیں کیا تو حالتِ قیام میں داہنی طرف سلام پھیر کر اس نماز کو قطع کر دے اور جماعت میں شامل ہو جائے اور اگر پہلی رکعت کا سجدہ کر لیا ہو لیکن دوسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو بھی قطع کر دے اور جماعت میں شامل ہو جائے اور اگر دوسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو دونوں رکعتیں پوری کر لے - اب جماعت میں شامل نہیں ہو سکتا - اور اگر وہ مغرب کی نماز ہے تو اس کا یہ حکم ہے کہ اگر دوسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو قطع کر کے جماعت میں شامل ہو جائے - اور اگر دوسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو اپنی نماز پوری کر لے اور پوری کرنے کے بعد جماعت میں شامل نہ ہو کیونکہ اب امام کے پیچھے وہ جو نماز پڑھے گا وہ نفل ہو گی اور نفل کی تین رکعتیں مشروع نہیں۔

اور اگر وہ فریضہ نماز چار رکعتی ہو یعنی ظہر، عصر اور عشاء میں سے کوئی نماز ہو - تو اگر پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو قطع کر کے جماعت میں مل جائے - اور اگر سجدہ کر لیا ہو تو اس ایک رکعت میں ایک اور رکعت ملا کر قعدہ میں تشہد اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے - اور جماعت میں مل جائے - یہ دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی - اور اگر تیسری رکعت شروع کر دی ہو اور ابھی اس کا سجدہ نہ کیا ہو تو قطع کر کے جماعت میں مل جائے - اور اگر سجدہ کر لیا ہو تو نماز پوری کر کے امام کا اقتداء کرے - امام کے پیچھے جو کچھ پڑھے گا وہ نفل ہو جائیں گے - اور اقتداء سے جماعت کا ثواب بھی حاصل کرے گا اور جن صورتوں میں نماز پوری کرے، ان میں سے فجر، عصر اور مغرب میں تو شریک جماعت نہ ہو کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نفل مکروہ تحریمی ہیں اور تین رکعت نفل مشروع نہیں - البتہ ظہر اور عشاء میں شریک ہو جائے -

سوال - اگر کوئی نفل نماز پڑھنے لگا - اتنے میں جماعت کھڑی ہو گئی تو نفل کو توڑ کر امام کا اقتداء کرے یا نہیں؟

جواب - نفل نماز کو نہ توڑے - رکعت اوّل کا سجدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو بلکہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اگرچہ چار رکعت کی نیت کی ہو - اور پھر جماعت میں شریک ہو جائے - اور اگر تیسری رکعت پڑھتا ہو تو چار پوری کر لے -

سوال - ظہر کی سنت یا سنت جمعہ پڑھتے وقت جماعتِ ظہر یا خطبۂ جمعہ شروع ہو جائے تو کیا کرے؟

جواب۔ قولِ غالب کے بموجب چاروں رکعتیں پوری کرے اس لئے کہ یہ چار رکعت سنت ایک مستقل نماز ہے۔ اور اس کا قطع کرنا اکمال کے لئے نہیں۔ یعنی اگر قطع کرے گا۔ اور بعد میں پھر پڑھے گا تو پہلی ہی کی طرح پھر پڑھے گا۔ بخلاف فرض نماز قطع کرنے کے کہ اس کا توڑنا اور پھر جماعت سے پڑھنا کامل کرنے کے لئے ہے۔ لیکن علامہ کمال الدین ابن الہمام نے اس کو ترجیح دی ہے کہ سنت چہار گانہ کو دو رکعتوں پر توڑ دے۔ اور ہدایہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ کذا فی الشامی۔ نمازی کو لازم ہے کہ ایسے وقت میں کہ جماعت ہو رہی ہو ظہر اور جمعہ کی سنت شروع ہی نہ کرے اسی طرح خطبۂ جمعہ کے وقت بھی سنت جمعہ شروع نہ کرے بشرطیکہ فرض کی کسی رکعت کے چلے جانے کا خدشہ ہو۔ اور اگر یقین غالب ہو کہ کوئی رکعت نہ جانے پائے گی تو پڑھ لے مثلاً جب ظہر کی جماعت شروع ہو جائے اور احتمال ہو کہ سنت پڑھنے سے فرض کی کوئی رکعت جاتی رہے گی تو پھر سنت مؤکّدہ چھوڑ دے۔ اور بہتر ہے کہ ظہر اور جمعہ کے فرض کے بعد والی سنن مؤکّدہ ادا کرکے فرض سے پہلے کی چھوٹی ہوئی چار رکعتیں پڑھ لے۔

فصل ۱۲۷- فجر کی سنّتِ مؤکّدہ

سوال۔ سنتوں میں سب سے زیادہ اہم موکّد سنّت کون سی ہیں ؟

جواب۔ حسب بیان شیخ عبدالحقؒ علماء نے لکھا ہے کہ سب سے زیادہ موکّد سنت فجر کی دو رکعت ہے اس کے بعد مغرب کی دو رکعت۔ اس کے بعد فرض ظہر کے بعد کی دو رکعت۔ اس کے بعد فریضۂ عشاء کے بعد کی دو رکعت اور ان سب کے بعد فرض ظہر سے پہلے کی چار رکعت۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ نفلوں (یعنی غیر فرض نمازوں) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم دو رکعت سنتِ فجر کی جتنی محافظت فرماتے کسی اور سنت پر اتنی محافظت و مداومت نہ فرماتے تھے۔ رواہ البخاری ومسلم۔ یعنی آپ ان دو رکعتوں کو سفر اور حضر میں کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ اور کتب فقہ میں لکھا ہے۔ کہ سنت فجر کو انتہائی مجبوری کے بغیر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں۔ اور سرورِ دو جہان علیہ التحیہ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ سنتِ فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ رواہ مسلم۔ یعنی دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں اگر راہِ خدا میں خرچ کی جائیں تو ان سب سے دو رکعت سنتِ فجر افضل ہے اور

آپ نے فرمایا۔ صلّوھا و ان طردتکم الخیل (مظاہر حق) (یعنی سنت فجر پڑھو اگرچہ تم کو لشکر ہانک رہا ہو) (مظاہر حق)

سوال۔ سنتِ فجر ابھی شروع نہیں کی تھی کہ جماعت کھڑی ہو گئی۔ اب اس کے ادا کرنے کی کیا صورت ہو گی؟

جواب۔ سنت فجر جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد بھی پڑھ لینی چاہیے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر فجر کی سنت پڑھنے میں فرض کی ایک رکعت بھی ہاتھ لگے تو سنت پڑھ کر شریک جماعت ہونا چاہیے۔ تا کہ سنت کا ثواب بھی ہاتھ سے نہ جائے اور جماعت کی فضیلت بھی ملے۔ اور اگر سنت پڑھنے میں جماعت کے ساتھ فرض کی دونوں رکعتوں کے فوت ہو جانے کا خدشہ ہو تو سنت ترک کر کے جماعت میں مل جائیں کہ جماعت کا ثواب بہت بڑا ہے۔

سوال۔ کیا اکابر سلف میں سے کسی نے کبھی جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد سنتِ فجر پڑھی؟

جواب۔ علامہ شامی نے امام طحاوی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودرضؓ مسجد میں داخل ہوئے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ انہوں نے مسجد میں ستون کی طرف ہٹ کر فجر کی دو رکعت سنت ادا کی۔ اور پھر جماعت میں جا شامل ہوئے۔ اور یہ حضرت حُذَیفہ رضؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے سامنے کا واقعہ ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ، ابو درداءؓ، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول تھا (ردالمحتار)

سوال۔ جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد سنت فجر صفوں کے پاس ہی کھڑے ہو کر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب۔ جماعت کے روبرو کھڑے ہو کر سنت پڑھنا سخت ممنوع ہے۔ ادائے سنت کی لازمی شرط یہ ہے کہ پردہ سے پڑھے۔ اگر کسی پردے اور آڑ میں پڑھنے کی جگہ میسر نہ ہو تو نمازی کو چاہیے کہ سنت چھوڑ کر شریک جماعت ہو جائے۔ اگر مسجد کے دو درجے ہوں تو جماعت جس درجہ میں نہ ہو رہی ہو اس میں سنت ادا کی جا سکتی ہے۔

سوال۔ جماعت کے بعد سورج نکلنے سے پہلے چھوٹی ہوئی سنت فجر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب۔ نماز صبح کے بعد طلوع سے پہلے اس کی ممانعت ہے۔ چنانچہ عمرو بن عَبَسہ رضؓ کا بیان ہے کہ ہجرت کے بعد میں مدینۃ الرسول پہنچا۔ اور آستان نبوت میں حاضر ہو کر التماس کی۔ یا رسول اللہ! مجھے نماز دن کے اوقات بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ نماز صبح پڑھ کر اس وقت تک نماز سے رکے رہو۔ جب تک آفتاب

طلوع ہو کر بلند نہ ہو جائے الخ رواہ مسلم۔ اور ابو سعید خدری رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغِیْبَ الشَّمْسُ۔ رواہ البخاری ومسلم۔ (نماز صبح کے بعد سے لے کر آفتاب کے بلند ہونے تک کوئی نماز نہیں۔ اسی طرح عصر کے بعد بھی سورج کے غائب ہونے تک کوئی نماز نہیں)۔

نماز فجر کے بعد سے لے کر آفتاب کے نیزہ بھر بلند ہونے تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفلی نماز مکروہ ہے۔ اور یہ نفی نہی کے معنی میں ہے۔ نفلی نماز سے غیر فریضہ مراد ہے۔ جس میں سنت مؤکدہ بھی داخل ہے۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ طلوع کے ساتھ ہی نماز کی ممانعت زائل نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کا بلند ہونا بھی ضرور ہے۔

سوال۔ حسب بیان محمد بن ابراہیم قیس بن عمرو سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ فرض صبح کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ نماز صبح دو ہی رکعت ہے۔ اس نے کہا۔ یا رسول اللہ! میں نے صبح کی دو رکعت سنت نہیں پڑھی تھی۔ میں نے وہ اب پڑھی ہیں۔ آپ یہ سن کر خاموش رہے۔ رواہ ابو داؤد وروی الترمذی نحوہٗ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے فجر کی سنت فرض سے پہلے نہ پڑھی ہو تو اس کے بعد پڑھ سکتا ہے۔

جواب۔ ترمذی نے یہ حدیث درج کر کے لکھا کہ اس حدیث کی اسناد متصل نہیں ہے۔ کیونکہ محمد بن ابراہیم راوی نے قیس بن عمرو سے نہیں سنا۔ پس ترمذی کے نزدیک یہ حدیث قابل حجت نہیں۔ اور علامہ علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔ اور شیخ عبد الحقؒ نے لکھا کہ یہ حدیث ضعیف ہے قابل استناد نہیں۔ قطع نظر اس کے نہی کی حدیث مقدم ہوتی ہے۔ خصوصاً اس وقت کہ دوسری حدیث جس سے جواز ثابت ہو۔ ایسی قوت نہ رکھتی ہو۔ جیسی کہ نہی کی حدیث قوی ہو۔ پس نماز صبح کے بعد طلوع سے پہلے سنت فجر کا پڑھنا کسی طرح پسندیدہ نہیں ہے۔

سوال۔ سنت فجر جیسی مؤکدہ نماز کو بعد از طلوع قضا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر سنت فجر فرض سے پہلے نہ پڑھی جائے تو اس کو بعد میں قضا کر لیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سنت فجر کی قضا نہیں ہے۔ نہ طلوع سے پہلے نہ اس کے بعد۔ البتہ اگر فرض کے ساتھ فوت ہوئی ہو تو زوال سے پہلے فرض کے ساتھ قضا کی جائے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نہی سنت

بھی طلوع آفتاب کے بعد زوال کے وقت تک قضا کی جائے۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ سنتوں میں اصل عدم قضا ہے اور قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے۔

سوال۔ یہ جو مشہور ہے کہ سنت فجر فرض سے پہلے چھوٹ جائے تو بعد از طلوع پڑھ لیں۔ اس کی اصل کیا ہے؟

جواب۔ اگر چاہیں تو آفتاب بلند ہونے کے بعد پڑھ لیں۔ کیونکہ اب وہ نفل ہے پس راقم السطور کے نزدیک اگر کاروبار کی مصروفیت اجازت دے تو سنت فجر کا ثواب حاصل کرنے کے لئے طلوع آفتاب کے بعد اس کو نافلۃً پڑھ لینا مستحسن ہے۔ چنانچہ ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں وہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے"

سوال۔ مشہور ہے کہ سنت فجر اور فرض کے درمیان کوئی بات کی جائے تو ثواب میں کمی آجاتی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب۔ فرض اور سنت کے درمیان دنیوی گفتگو اور غیر ضروری بات کرنا مذموم ہے خصوصاً صبح کے وقت جو ذکر اللہ کا بہترین وقت ہے۔ لیکن کلام خیر اور دینی گفتگو سنت فجر پڑھنے کے بعد بھی بلا کراہت جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے کسی نمازی کی عبادت میں حرج و خلل واقع نہ ہو۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ جب سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سنت فجر پڑھ لیتے تو اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے۔ ورنہ لیٹ جاتے۔ یہاں تک کہ آپ کو نماز فرض کے لئے اطلاع کی جاتی۔ رواہ البخاری و مسلم۔ اور سہل بن حنظلہ رضؓ کا بیان ہے کہ جب صبح ہوئی تو سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی جگہ پر تشریف لائے اور دو رکعت (سنت فجر) پڑھ کر دریافت فرمایا کہ کیا تمہیں اپنے سوار کا کچھ کھوج ملا۔ حاضرین نے نفی میں جواب دیا۔ اس کے بعد نماز فرض کے لئے تکبیر کہی گئی۔ رواہ ابوداؤد

سوال۔ سنت فجر کی مسنون قرأت کیا ہے؟

جواب۔ پہلی رکعت میں قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ رواہ مسلم یا پہلی رکعت میں آیت قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ (۲: ۱۳۶) اور دوسری میں قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا

إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (۳: ۶۴) رواہ مسلم

سوال۔ سنتِ فجر کے بعد داہنی کروٹ پر لیٹنا کیسا ہے؟

جواب۔ اُم المومنین حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو رکعت پڑھ لیتے تو اگر میں بیدار ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے ورنہ لیٹ جاتے۔ یہاں تک کہ آپ کو نماز (صبح) کی اطلاع دی جاتی۔ رواہ البخاری۔ اس عادت مبارکہ سے بعض لوگوں نے سنتِ فجر کے بعد لیٹنا بھی مسنون سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ اگر لیٹنا داخل سنت ہے تو اس وقت باتیں کرنا بھی مسنون ہے۔ غیر مقلدین ایک مزعومہ سنت کو تو لیتے ہیں اور دوسری کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ لیٹنا محض استراحت کے لئے تھا تاکہ نفس قیام شب سے آرام پا کر بہ نشاط فرض ادا کرے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کی مشروعیت سے سخت انکاری تھے۔ بلکہ ان کے شاگرد امام ابراہیم نخعی رح فرمایا کرتے تھے۔ هِيَ ضَجْعَةُ الشَّيْطَانِ (یعنی یہ لیٹنا ایک شیطانی عمل ہے) اخرجہما ابن ابی شیبۃ (فتح الباری) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سنتیں ہمیشہ گھر پر پڑھتے تھے اور سنت صبح کے بعد استراحت فرمانا بھی مسکن مبارک کے ساتھ مخصوص تھا۔ لیکن حضرات غیر مقلدین کی مضحکہ خیز نادانی ملاحظہ ہو کہ یہ لوگ مسجد میں جا کر سنت فجر کے بعد صف کے اندر دوسرے نمازیوں کے بیچ میں دراز ہو جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر رضؓ نے کسی شخص کو دیکھا کہ وہ مسجد نبوی میں سنتِ فجر پڑھ کر لیٹ گیا ہے امیر المومنین کو اس کا لیٹنا سخت ناگوار ہوا اور اس کو کنکر مار کر اٹھا دیا اور اس طرح اس بدعت کا گلا گھونٹ دیا۔ ہاں اگر کوئی تہجد گذار گھر پر سنت ادا کرے اور اس کے بعد تھوڑی دیر کمر سیدھی کر لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مسجد میں جا کر لیٹنا تو سخت جہالت اور بے عقلی کا کام ہے۔

سوال۔ ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی صبح سے پہلے دو رکعتیں پڑھے تو اُسے چاہیے کہ داہنی کروٹ پر لیٹ جائے۔ رواہ ابوداؤد۔ اس حدیث میں سنت فجر کے بعد لیٹ جانے کا صریح حکم موجود ہے۔

جواب۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا ایک راوی عبدالواحد بن زیاد مجروح ہے۔ محدثین کرام نے عبدالواحد پر جرح کی ہے۔ اس کی تفصیل کتاب بذل المجہود فی حل ابوداؤد (جلد ثانی صفحہ ۲۶۱) میں ملاحظہ فرمائیے بخاری کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اُم المومنین حضرت عائشہ رضؓ بیدار ہوتی تھیں تو حضور سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم

سنت فجر پڑھ کر نہیں لیٹتے تھے۔ یہ اس بات کی قطعی شہادت ہے۔ کہ لیٹنا کوئی امر مشروع نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ اس کو مکروہ و بدعت قرار دیتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس شخص کو کیا ہو گیا ہے کہ فجر کی دو رکعت پڑھ کر گدھے کی طرح لیٹتا ہے۔ رواہ ابن ابی شیبۃ۔ اور مجاہد تابعیؒ کا بیان ہے کہ میں سفر اور حضر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ رہا۔ اس مدّت میں مَیں نے کبھی نہ دیکھا کہ وہ سنت صبح پڑھ کر لیٹے ہوں۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ اور سعید بن مسیب تابعی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی شخص کو سنت فجر پڑھ کر لیٹتے ہوئے دیکھا تو حکم دیا کہ اس کو کنکریاں مار کر اٹھا دو"۔ اور ابو مجلز کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ لیٹنا شیطانی کھیل کود ہے۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ جو حضرات اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل دیکھنا چاہیں۔ وہ کتاب بذل المجہود جلد ثانی صفحہ ۲۶۱ میں ملاحظہ فرمائیں ۔

فصل ۱۲۸۔ سلام کے بعد مقدم راس پر ہاتھ رکھنا

سوال۔ لاہور کی بعض مساجد میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض حضرات فرض نماز کے سلام کے بعد سر کے اگلے حصّے پر داہنا ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔ یہ فعل سنت سے ثابت ہے یا نہیں ؟

جواب۔ خلاصۂ موجودات سیدنا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوتے تو اپنا داہنا ہاتھ اپنے سر مبارک یعنی سر کے آگے حصّے کی جانب پھیرتے اور فرماتے :

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنِّی الْهَمَّ وَالْحُزْنَ ۔ رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط و ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ ۔	میں اُس خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یا اللہ! مجھ سے فکر اور غم دُور کر ۔

سوال۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے ؟

جواب۔ یہ حدیث سخت ضعیف ہے بلکہ عجب نہیں کہ موضوع ہو۔ کیونکہ اس کے دو راوی (۱) سلام مداینی اور (۲) زید عمی سخت مجروح ہیں۔ سلام مدائنی کی نسبت امام احمدؒ نے فرمایا کہ وہ منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ابن ابی مریم نے

یحییٰ بن معین سے روایت کی کہ اسلام کی حدیثیں منکر ہیں۔ اور دوری وغیرہ نے یحییٰ بن معین سے روایت کی کہ سلام ہیچ ہے اور ابن المدینی نے کہا ضعیف ہے۔ ابن عمار نے کہا کہ حجت نہیں۔ جوزجانی نے کہا ثقہ نہیں۔ امام بخاریؒ نے کہا کہ لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے سلام کو ترک کر دیا ہے۔ ابو حاتم نے کہا ضعیف الحدیث ہے۔ ابوزرعہ نے کہا ضعیف ہے نسائی نے کہا متروک ہے۔ مرہ نے کہا ثقہ نہیں اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ ابن خراش نے کہا کذّاب ہے ابوالقاسم بغوی نے کہا سخت ضعیف الحدیث ہے۔ ابن حبّان نے کہا کہ ثقات کے نام پر موضوع یعنی من گھڑت حدیثیں اس طرح روایت کرتا ہے کہ گویا ان ثقات کا معتمد ہے۔ ساجی نے کہا کہ اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔ اور حکم نے کہا کہ موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۸۱-۲۸۲)

سلام کے اوپر کا راوی زید عمّی بھی ضعیف ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ اس کی حدیث لکھ لی جائے لیکن اس سے حجّت نہیں پکڑنی چاہیے۔ ابوزرعہ نے کہا۔ قوی نہیں۔ واہی الحدیث اور ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا ضعیف ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ وہ حدیثیں جو اس سے روایت کی جاتی ہیں۔ عام طور پر ضعیف ہوتی ہیں۔ ابن سعد نے کہا کہ زید عمّی حدیث میں ضعیف تھا۔ ابن مدینی نے کہا۔ ہمارے نزدیک ضعیف ہے۔ عجلی نے کہا کہ ضعیف اور بے حقیقت ہے ابن عدی نے کہا کہ وہ منجملہ ان ضعفاء کے ہے جن کی حدیثیں لکھی گئی ہیں۔ ابن حبّان نے کہا کہ وہ حضرت انسؓ سے ایسی موضوع چیزیں روایت کرتا تھا۔ جن کی کوئی اصل نہ ہوتی تھی۔ اور ایسا ظاہر کرتا تھا کہ گویا وہ حضرت انس رضؓ کا معتمد ہے (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۴۰۸)۔

سوال۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے اکابر نے بھی فریضۂ نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر یہ عمل حدیث سے ثابت نہ ہوتا تو اتنی بڑی جلیل القدر ہستیاں افادی حیثیت سے ہرگز اس کا تذکرہ نہ فرماتیں۔

جواب۔ حدیث زیر بحث کتاب حصن حصین مؤلفہ شیخ محمد جزری المتوفی ۸۰۸ھ میں ہے اور جزریؒ نے حصن حصین کے دیباچہ میں لکھا کہ میں نے اس کتاب کو صحیح حدیثیں منتخب کر کے مدوّن کیا ہے۔ چونکہ جزری کا شمار اکابر علماء میں ہے اس لئے عام طور پر یہی گمان کیا گیا کہ اس کتاب کی ساری حدیثیں صحیح ہیں۔ اسی حُسنِ ظن کی بنا پر مولانا گنگوہی اور مولانا تھانوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی کبھی رواۃ حدیث کی جانچ پڑتال کی ضرورت محسوس نہ فرمائی ہوگی۔ ورنہ اگر ان کو کبھی معیار تنقید پر پرکھنے کی ضرورت پیش آتی تو یہ کبھی ممکن تھا کہ وہ اس حدیث کے ضعف کا اظہار نہ فرماتے۔

فصل ۱۲۹۔ فریضہ کے بعد امام اور مقتدیوں کا مل کر دعا مانگنا

سوال ۔ ہر فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق صحیح ثابت ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ ہاتھ اُٹھا کے دعا مانگنا اور دُعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ مولنا تھانویؒ نے اپنے مشہور رسالہ "استحبات الدعوات عقیب الصلوٰۃ" میں فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے اور پھر ہاتھوں کو چہرہ پر پھیرنے کا ثبوت احادیثِ صحیحہ اور مذاہب اربعہ کی روایات فقہیہ سے دیا ہے اور ان لوگوں کا ردّ فرمایا ہے جنہوں نے بساطِ جرأت پر قدم رکھ کے فرض نماز کے بعد دعا مانگنے کو خلافِ سنت قرار دیا۔ جو حضرات اس موضوع پر مبسوط تبصرہ دیکھنا چاہیں وہ اس رسالہ سے رجوع کریں۔

سوال ۔ فرض نمازوں کے سلام کے بعد امام اور مقتدیوں کا مل کر دُعا مانگنا ہر طرف رائج و معمول ہے لیکن شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے اس کو بدعت قرار دیا ہے۔ چنانچہ شرح صراط مستقیم میں لکھتے ہیں ؛۔

(امّا ایں دعا کہ ائمہ مساجد بعد از سلام نماز می کنند و مقتدیاں آمین آمین می گویند۔ چنانکہ الآن در دیارِ عرب و عجم متعارف است از عادت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نہ بود۔ و دریں باب ہیچ حدیثے ثابت نہ شدہ و بدعتے است مستحسن کذا فی التحفۃ المرغوبہ۔)

(یعنی یہ دعا جو مسجدوں کے امام نماز کے سلام کے بعد مانگتے ہیں اور مقتدی آمین آمین کہتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل دیار عرب و عجم میں متعارف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک ایسی نہ تھی اور اس بارہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی۔ اور یہ بدعت مستحسنہ ہے۔ (النفائس المرغوبہ فی حکم الدعاء بعد المکتوبہ المفتی کفایت اللہ الدہلوی صفحہ ۱۵)

اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحہ لکھتے ہیں ؛۔ نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کی اجتماعی دُعا کسی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ البتہ آپ نے حضرت معاذؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ ہر نماز کے بعد اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ اور اس قسم کے دوسرے اذکار کا ورد رکھیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد اذکار ماثورہ پڑھا کرتے تھے اسی طرح آپ نے فرضوں کے

بعد مقتدیوں کے ساتھ مل کر کبھی دعا نہ مانگی۔ اس دعا کے بارہ میں علمائے متاخرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ فجر اور عصر کی دو نمازوں کے بعد امام اور مقتدیوں کا مل کر دعا مانگنا مستحب ہے جیسا کہ اصحاب ابو حنیفہؒ۔ مالکؒ اور احمدؒ وغیرہم کی ایک جماعت اس کی قائل ہے۔ لیکن ان قائلین کے پاس کوئی ایسی سنت نہیں جس کو وہ حجت گردان سکیں (فتاوائے ابن تیمیہ مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۱۵۹)

اسی طرح لکھتے ہیں :-

دُعاء الامام والمامومين جميعاً عقيب الصّلوٰة فهو بدعةٌ لم يكن على عهد النبي صلى الله عليه وسلم (فتاوائے ابن تیمیہ جلد اوّل صفحہ ۱۸۴)

نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کی اجتماعی دعا بدعت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں نہیں تھی۔

اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ بذل المجہود میں فرماتے ہیں :-

وَاَمَّا مَا يفعله بعض العوام من رفع اليدين في الدّعاء عند دُعاء جماعةٍ من الائمة الشافعية والحنفية بعد الصّلوٰة فلا وجه له ولا عبرة بما جوزه ابن الحجر المكيّ۔

(بذل المجہود فی حل ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۳۸)

اور یہ جو نماز کے بعد شافعی اور حنفی ائمہ مساجد کے دعا مانگتے وقت بعض عوام بھی دعا کے لئے ہا اٹھاتے ہیں تو اس (مل کر دعا مانگنے) کی کوئی وجہ نہیں اور ابن حجر مکیؒ نے جو اس کو جائز رکھا ہے۔ تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

سوال۔ یہ بدعت کیونکر رائج ہوئی ؟

جواب۔ حسب روایت ترمذی ونسائی فرض نماز کے سلام کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ چونکہ سلام کے بعد امام اور مقتدی سب ہی اپنی اپنی حاجات کے لئے دست بدعا ہو جاتے تھے۔ اس انفرادی دعا نے اجتماعی دُعا کا رنگ اختیار کر لیا۔ یہاں تک کہ یہ بدعت لوگوں پر ہر جگہ مسلط ومحیط ہو گئی۔

سوال۔ آپ خود فرض کے سلام کے بعد امام کی متابعت میں دعا مانگتے ہیں یا نہیں ؟

جواب۔ میں امام کے ساتھ دعا نہیں مانگتا۔ بلکہ امام سے پہلے یا پیچھے یا کبھی ساتھ ہی اپنی الگ دعا شروع کرتا اور امام سے پہلے یا پیچھے ختم کر دیتا ہوں۔ یہی میرا معمول ہے۔ اگر دوسرے لوگ بھی اسی طرح امام سے علیحد

اپنی اپنی دعائیں مانگیں تو وہ بھی بدعت کے خوفناک چنگل سے نجات پا سکتے ہیں۔

سوال ۔ جب یہ بدعت بقول شیخ عبدالحقؒ بدعتِ حسنہ ہے تو اس میں خوف و خطر کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

جواب ۔ بدعتِ حسنہ صرف تین چیزیں ہو سکتی ہیں۔ اوّل وہ جو تحفظ شریعت کا لازمی ذریعہ یا ارکانِ دین یا واجباتِ دین میں سے کسی کی موقوف علیہ اور ذریعۂ حصول ہیں۔ جیسے علم صرف و نحو یا اصول فقہ یا جرح و تعدیل کی تدوین یا بدعتی فرقوں کی تردید۔ دوسرے وہ افعال جن کو خلفائے راشدین یا دوسرے اصحاب کرام علیہم الرضوان کی سندِ قبول حاصل ہوئی۔ اس کے چند نظائر ملاحظہ ہوں:۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں قرآن جمع ہوا۔ یہ عہد صدیقی کی بدعت حسنہ ہے۔ خلافت ثانی میں رمضان کا سارا مہینہ تراویح پڑھنے کی طرح ڈالی گئی۔ یہ عہد فاروقی کی بدعت حسنہ ہے۔ خلافت عثمانی میں پہلی اذان جمعہ کا اضافہ ہوا۔ یہ عہد عثمانی کی بدعتِ حسنہ ہے۔ پہلے ہر شہر میں ایک ہی جگہ نماز جمعہ پڑھی جاتی تھی حضرت علی مرتضیٰؓ نے شہر کے متعدد مقامات پر ادائے جمعہ کی اجازت دے دی۔ یہ عہد مرتضوی کی بدعتِ حسنہ ہے۔

بدعتِ حسنہ کی تیسری قسم میں ہر وہ عمل داخل ہے۔ جو خیر القرون میں بلا نکیر رائج ہو گیا۔ ان تینوں قسموں کے علاوہ جو بدعت بھی عرصۂ شہود میں آئی وہ بدعتِ سیئہ ہی ہو سکتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بدعت حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو عہد نبوت اور خلافت راشدہ کے بعد پیدا ہوا۔ اور وہ کسی سنت کا رافع نہیں۔ اور بدعت سیئہ وہ ہے جو کسی سنت کو مٹائے لیکن یہ فقیر کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں پاتا اور ظلمت و کدورت کے سوا ان میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگر یہ لوگ اپنی کم نگاہی کی وجہ سے کسی بدعت میں کوئی حسن اور شادابی دیکھتے ہیں تو کل قیامت کو جب ان کی نظریں تیز ہوں گی اور آنکھوں سے پردے اٹھ جائیں گے اس وقت خسارہ اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختہ ای عشق در شبِ دیجور

بھلا جو چیز زبان رسالت سے مردود ہو چکی اس میں حسن کہاں سے آ سکتا ہے؟ (دفتر اوّل مکتوب ۱۸۲) الغرض فرض نماز کے سلام کے بعد امام اور اس کے مقتدیوں کا مل کر دعا مانگنا بدعت سیئہ ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل ۱۳۰۔ دعا اور اذکارِ ماثورہ کا جہر

سوال۔ اکثر مقامات پر رواج ہے کہ سلام کے بعد امام زور زور سے دعا مانگتا ہے جو عموماً آیاتِ قرآ
پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس جہری دعا کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب۔ جہر ادعیہ و اذکار ممنوع ہے کیونکہ اس سے مسبوقین کی نماز میں سخت خلل رونما ہوتا ہے۔ فتاو
بزازیہ میں ہے کہ اگر امام اس غرض سے دعائے ماثور زور زور سے پڑھے اور مقتدی بھی زور سے پڑھیں ک
ماثورہ دعاؤں کو سیکھ لیں۔ تو کچھ مضائقہ نہیں اور جب لوگ سیکھ چکیں تو پھر جہری دعا بدعت ہے۔ کذا فی السعا
دعا کی حقیقت شرعیہ حکماً خفیہ تضرع و زاری پر مشتمل ہے آواز سے دعا مانگنا اس کی حالتِ موضوعہ کے بالک
خلاف ہے۔ چنانچہ خدائے حکیم و برتر اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ	لوگو! اپنے پروردگار سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کر
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (۷: ۵۵)	رہو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یعنی اس سے زاری و تضرع کرتے ہوئے مخفی طور پر دعا مانگو تاکہ اس میں نمود اور ریا کا دخل نہ ہو اور دعا اخلاص دل س
زور زور سے دعا مانگنا حد سے تجاوز کرنا ہے۔ خدائے علیم و خبیر کا علم کائنات کے ہر ذرہ کو محیط ہے اور وہ سب
دلوں کی بات جانتا اور ہر ایک کی دعا ہر وقت اور ہر جگہ سنتا ہے۔ پھر چیخنے اور چلا کر طلب حاجات کرنے کی ک
ضرورت ہے؟۔

ایک موقع پر حضور اقدس نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہر کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا۔ اِنَّكُمْ
تدعون (وفی روایۃ لا تنادون) اصم ولا غائبا۔ رواہ ابو داؤد (تم بہرے اور غائب سے دعا نہیں کر
ہو) غرض دعا بالجہر تعلیمات قرآن و حدیث کے صریح خلاف اور سراسر بدعت ہے۔

سوال۔ آپ نے اذکار ماثورہ کا آواز سے پڑھنا بدعت قرار دیا ہے۔ حالانکہ حدیث صحیح میں حضرت عبد اللّٰہ
بن زبیر صحابی رض سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تو بآواز بلند کہتے۔
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا
حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَا

لْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ رواہ مسلم

جواب ۔ مولنا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں کہ بہ تصریح علمائے حنفیہ وغیر حنفیہ ذکر بعد نماز کے سرًّا مستحب ہے نہ جہرًا۔ اور امام ابن الحاج نے کتاب المدخل میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کتاب اُمّ میں فرماتے ہیں کہ امام اور مقتدیوں کے لئے یہی مختار و پسندیدہ ہے کہ نماز کے بعد مخفی طور پر ذکر کریں بجز اس صورت کے کہ امام مقتدیوں کو کسی ذکر کی تعلیم دے رہا ہو لیکن جب امام محسوس کرے کہ لوگ سیکھ چکے تو پھر وہ اور مقتدی آہستہ پڑھنا شروع کر دیں۔ حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا الخ یعنی نہ تو دُعا جہری ہو اور نہ اتنی خفی کہ اپنے کان بھی نہ سنیں اور میرا گمان ہے کہ آپ کا جہر قلیل سا تھا جس سے غرض لوگوں کی تعلیم تھی۔" ابن الحاج لکھتے ہیں کہ دیکھو امام شافعیؒ نے حدیث ابن زبیرؓ کو تعلیم پر محمول کیا ہے پس جب تعلیم کی غرض حاصل ہو جائے تو جہر سے رُک جانا چاہیئے اور مُدخل کے دوسرے مقام میں ہے۔ ولیحذروا جمیعًا من الجهر بالذکر والدعاء عند الفراغ من الصلوٰۃ ان کان فی جماعۃٍ فان ذالک من البدع۔

سوال ۔ بعض مقامات پر رواج ہے کہ جب امام سلام پھیرتا ہے تو سب لوگ ایک مرتبہ زور سے اللہ اکبر کہتے ہیں۔ ان کا استدلال ابن عباس رضہ کا یہ قول ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا انقضاء تکبیر ہی سے پہچانا کرتا تھا۔ رواہ البخاری ومسلم۔ اس سے بھی ذکر بالجہر کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب ۔ مولنا عبدالحی لکھتے ہیں کہ شراح حدیث نے اس کو حالتِ جہاد وغیرہ پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ ابن الحاج نے کتاب مُدخل میں لکھا ہے کہ ابوالحسن ابن بطّال شرح صحیح بخاری میں حدیث ابن عباسؓ کے بارہ میں رقم طراز ہیں کہ احتمال ہے کہ ابن عباسؓ نے مجاہدین مراد لئے ہوں۔ اگر ایسا ہے تو تکبیر اب بھی مجاہدین کا معمول ہے ان کے لئے مستحب یہی ہے کہ زور سے تکبیر کہیں تاکہ دشمن مرعوب ہو۔ اگر حدیث مجاہدین پر محمول نہ ہو۔ تو بالاجماع منسوخ ہے۔ کیونکہ علمائے اُمت میں سے کوئی بھی نماز کے سلام کے بعد آواز بلند تکبیر کہنے کا قائل نہیں"۔ مولنا عبدالحی لکھتے ہیں کہ حنفیہ کی اس قسم کی عبارتیں بہت ہیں۔ جن سے ذکر جہری کی کراہت بجز چند مواضع مستثناۃ کے ثابت ہوتی ہے (مجموعہ فتاوی مولنا عبدالحی جلد ۲ صفحہ ۴۷ - ۴۸ -

فصل ۱۳۱۔ سلام کے بعد امام کی رُخ گردانی

سوال۔ سلام پھیر کر امام گھر چلا جائے یا قبلہ رُخ بیٹھا رہے یا نمازیوں کی طرف متوجہ ہو؟

جواب۔ اتمام نماز کے بعد امام مجاز ہے کہ بائیں طرف مڑ کر قبلہ کو اپنی داہنی طرف کرلے اور چاہے تو دا
طرف مُڑ کر قبلے کو بائیں جانب کرلے اور یہی اولیٰ ہے کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت براء رضہ سے مروی ہے کہ جب ہم
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہمیں یہ امر بڑا محبوب تھا کہ آپ داہنے رُخ پر مُڑیں اور اپنا چہر
منور ہماری طرف کریں "

اور اگر امام چاہے تو اپنے حوائج کے لیے چلا جائے کیونکہ وہ نماز پوری کر چکا اور اگر چاہے تو لوگوں کی طرف منہ
کر کے بیٹھ جائے۔ چنانچہ صحیحین وغیرہما میں حضرت سمرہ بن جندب صحابی رضہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز
پڑھا کر اپنا رُخ انور ہماری طرف کر دیتے تھے اور صحیح مسلم وغیرہ میں جابر بن سمرہ رضہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح پڑھ کر اپنے مصلے سے نہیں اُٹھتے تھے جب تک کہ آفتاب طلوع نہ کرتا۔ اس اث
میں مختلف موضوع پر گفتگو بھی ہوتی تھی۔ انتہیٰ

اور یہ اس وقت ہے جب نمازیوں کی طرف منہ پھیرتے وقت کوئی نماز پڑھنے والا امام کے سامنے نہ ہو
اور اگر کوئی شخص امام کے سامنے مصروف نماز ہو تو امام کو نمازیوں کا رُخ چھوڑ کر داہنی یا بائیں جانب مڑ جانا چاہ
خواہ نماز پڑھنے والا امام کے قریب پہلی صف میں ہو یا کسی بعید صف میں امام کے سامنے ہو اور دونوں کے
بیچ میں کوئی حائل نہ ہو۔ امام کا کسی نمازی کے سامنے ہو کر بیٹھنا مطلقاً مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں صورت کی
عبادت کا تشبیہ ہے۔ (کبیری شرح منیۃ المصلیٰ صفحہ ۳۴۳)

یاد رہے کہ داہنی یا بائیں طرف مڑنا یا لوگوں کی طرف متوجہ ہونا انہی فرائض کے بعد ہونا ہے جن کے
بعد سنتیں نہیں ہیں یعنی صبح اور عصر

سوال۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فراغت نماز کے بعد داہنی اور بائیں دونوں جانبوں کو مُڑ کر بیٹھتے تھ
لیکن جو امام داہنی طرف مڑ کر بیٹھنے کا التزام کرلے اور بائیں طرف کبھی نہ بیٹھے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ اُمور مباحہ و مستحبہ اصرار والتزام سے بدعت ہو جاتے ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی

اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے کوئی شخص ہمیشہ داہنی طرف مڑ کر اپنی نماز میں شیطان کا حصّہ نہ بنائے۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تھا کہ آپ بہت دفعہ بائیں طرف بھی مڑا کرتے تھے۔ رواہ الترمذی۔ ملاحظہ ہو سیدھی طرف مڑنا خود شارع علیہ السلام سے ثابت ہے لیکن اس کے باوجود رازدان شریعت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسے ضروری سمجھنے اور اس کا التزام کرنے کو شیطان کا حصہ قرار دیتے ہیں طیبی نے حاشیۂ مشکوٰۃ میں اس حدیث پر لکھا ہے :۔ اس حدیث میں اس امر پہ دلالت ہے کہ جو کوئی امر مندوب پر اصرار کرے اور اسے لازم سمجھ لے اور رخصت پر عمل نہ کرے شیطان اس کو راہ راست سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر اس کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ جو کسی بدعت یا منکر پر اصرار کرے۔ کذا فی السعایہ

فصل ۱۳۲۔ فرائض کے بعد کے اذکار

سوال۔ جب امام سلام پھیرے تو اس کے بعد کیا کیا اوراد و اذکار پڑھنا مسنون ہے ؟

جواب۔ ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پوری کر کے یعنی سلام پھیر کر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہتے تھے۔ رواہ البخاری ومسلم۔ آپ سلام پھیر کر تین مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہہ کر فرماتے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ رواہ مسلم۔ آپ ہر فرض نماز کے بعد یہ بھی پڑھتے تھے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی والبزار والطبرانی وابن السنی۔ بزار اور طبرانی کی روایت میں يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ اور ابن السُّنّی کی روایت میں بِيَدِهِ الْخَيْرُ کا بھی اضافہ ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد یہ بھی پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ رواہ البخاری۔ اور فرمایا جو کوئی ہر نماز کے پیچھے ۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر کہے یہ ننانوے ہوئے۔ ان کے بعد ایک دفعہ یہ پڑھے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ

لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اس کے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ برابر ہوں۔ رواہ مسلم

مسلم کی دوسری روایت میں ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر بھی آیا ہے۔ پس جس کسی کو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ الخ یاد نہ ہو وہ ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہہ لیا کرے۔ اور حضرت عقبہ بن عامر صحابی رضہ کا بیان ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہر نماز کے بعد قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی۔

اور آنحضرتؐ نے فرمایا جو کوئی نماز صبح اور نماز مغرب کے فرض پڑھ کر نماز کی جگہ سے ہٹنے اور اپنے پاؤں موڑنے سے پہلے (یعنی تشہّد کی حالت پر بیٹھے ہوئے) دس مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کہے اس کے واسطے ہر کلمہ کے ساتھ دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس سے دس برائیاں دور کی جاتی ہیں۔ اور اس کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں اور یہ کلمات اس کے لئے ہر بری چیز سے امان اور شیطان رجیم سے پناہ ہو جاتے ہیں اور ان کلمات کی برکت سے اس کو بجز شرک کے کوئی گناہ ہلاک نہیں کر سکے گا (یعنی اگر شرک کریگا تو نہیں بخشا جائے گا) رواہ احمد والترمذی۔ اور فرمایا جو کوئی ہر نماز کے پیچھے آیۃ الکرسی پڑھے اُسے موت کے سوا کوئی چیز داخلۂ جنت سے نہیں روک سکتی۔ اور جو کوئی اس کو اپنی خوابگاہ میں جانے کے وقت پڑھے خدا اسے حفیظ اس کے گھر کو اور اس کے ہمسایہ کے گھر کو اور اس کے ارد گرد کتنے گھروں کو امن دیتا ہے۔ رواہ البیہقی فی الشعب وقال اسنادہ ضعیف

حضرت سرور دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میرا ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو نماز صبح کے بعد سے طلوع آفتاب تک یاد الٰہی میں مصروف رہیں مجھے اس سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ کہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلام آزاد کروں۔ اور میرا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک یاد خداوندی میں مشغول رہیں مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ رواہ ابوداؤد اور فرمایا کہ جو کوئی نماز صبح باجماعت پڑھ کر طلوع آفتاب تک بیٹھا برابر اللہ کو یاد کرے۔ پھر (آفتاب بقدر نیزہ بلند ہونے کے بعد) دو رکعتیں پڑھے (جسے اشراق اور ضحیٰ بھی کہتے ہیں) اس کو حج اور عمرے کا ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا کہ پورے حج اور عمرے کا' پورے حج اور

عمرے کا، پورے حج اور عمرے کا۔ رواہ الترمذی

فصل ۱۳۳- اذکار مسنونہ کا فرضوں کے متصل پڑھنا

سوال- جو اذکار اور اوراد فصل سابق میں حوالۂ قرطاس ہوئے ان کو فریضہ کے متصل ہی پڑھنا چاہیے یا سنتوں اور نفلوں سے فارغ ہونے کے بعد؟

جواب- شاہ ولی اللہ رح حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ ان اذکار کو سنن مؤکدہ سے پہلے ادا کرے کیونکہ بعض اذکار میں تو اس کی تصریح ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جو شخص نماز مغرب اور نماز صبح کے بعد کوٹنے اور پاؤں موڑنے سے پہلے یہ کلمے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الخ اور جیسے راوی کا یہ قول کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا سلام پھیرتے تو (لوگوں کی تعلیم کے لئے) بلند آواز سے فرماتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الخ اور بعض اذکار میں ظاہراً اس پر دلالت ہے جیسے یہ قول کہ نماز کے بعد آپ یہ پڑھتے تھے"۔

سوال- ایک حدیث میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اتنی مقدار سے زیادہ نہ بیٹھتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ - رواہ ابن ماجہ ومسلم - اس سے معلوم ہوا کہ تمام اذکار ماثورہ سنتوں اور نفلوں سے فارغ ہونے کے بعد پڑھنے چاہیئں۔

جواب- شاہ ولی اللہ رح نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس شبہ کے جواب میں فرمایا ہے "رہا حضرت عائشہ رض کا یہ قول کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے تو اس مقدار سے زیادہ نہیں بیٹھتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ پڑھیں۔ تو اس قول میں کئی احتمال ہیں - از انجملہ یہ ہے کہ آپ نماز کی ہیئت پر اس مقدار سے زیادہ نہیں بیٹھتے تھے بلکہ داہنے یا بائیں مڑ جاتے تھے یا لوگوں کی طرف منہ کر لیتے تھے تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اذکار و ادعیہ بھی نماز میں داخل ہیں - اور از انجملہ یہ ہے کہ آپ سوائے اللھم انت السلام کے اوراد و اذکار احیاناً چھوڑ دیتے تھے - چھوڑنے میں یہ تعلیم مقصود تھی کہ اذکار و ادعیہ فرض نہیں ہیں"۔

اور مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی مرحوم اپنے رسالہ النفائس المرغوبہ فی حکم الدعاء بعد المکتوبہ میں ام المومنین

کی اس روایت کے بارہ میں لکھتے ہیں: "بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ سے زیادہ دُعا پڑھنا حدیث کے خلاف ہے۔ اس شبہ کا جواب دو طرح پر ہے۔ اول یہ کہ داستان روایات صحیحہ کثیرہ کے خلاف ہے جو اسکے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت منقول ہیں اور وہ روایات باوجود اپنی کثرت کے اس روایت سے زیادہ صحیح ہیں۔ بلکہ اس کی صحت میں بھی کلام ہے۔ کیونکہ ابومعاویہ جو اس حدیث کے راویوں میں ہیں انہیں ابوداؤد نے مرجیہ کہا ہے۔ اور یحییٰ بن مَعین نے کہا کہ ابومُعاویہ عبیداللہ بن عمر رض سے منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ پس اس روایت سے ان روایات صحیحہ کثیرہ کے مقابلہ میں استدلال کرنا اور حجّت پکڑنا صحیح نہیں۔ دوم قطع نظر اس کی صحت و تعارض کے خود اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ نہیں بیٹھتے تھے مگر بقدر اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ کے یعنی اس روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ ہی پڑھا کرتے تھے۔ بلکہ اتنی مقدار کی کوئی دعا پڑھا کرتے تھے۔"

سوال ۔ کیا تمام اذکار ماثورہ فرض نماز کے بعد متصّل پڑھنے چاہئیں یا بعض؟

جواب ۔ شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ احادیث میں متعدد اذکار کی نسبت لکھا ہے کہ نماز کے بعد پڑھے جائیں۔ ان کے بارہ میں اولیٰ و افضل یہ ہے کہ مختصر اذکار و ادعیہ کو فرض کے بعد متصّل پڑھ لیں۔ اور طویل اذکار کو سنن و نوافل کے اختتام تک ملتوی رکھیں۔ (مدارج النبوۃ)

سوال ۔ حضرت عائشہ رض کی حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں:۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔ لیکن ائمۂ مساجد عام طور پر سلام پھیر کر دعا کے طور پر یوں پڑھتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔ کیا ان الفاظ کا کوئی ثبوت ہے؟

جواب ۔ علامہ طحطاوی رح مراقی الفلاح کے حاشیے میں اور علی قاری رح مرقات شرح مشکوٰۃ میں رقمطراز ہیں۔ شرح مشکوٰۃ میں جزری سے منقول ہے کہ اس ذکر نبوی میں وَمِنْکَ السَّلَامُ کے بعد جو اس قسم کے الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ حَیِّنَا ربنا بالسلام وادخلنا دَارَ السلام تو ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ الفاظ کسی داستان گو کے گھڑے ہوئے ہیں۔"

فصل ۱۳۴ ۔ سُنن اور نوافل کا گھر میں جا کر ادا کرنا

سوال ۔ سُنن اور نوافل کا گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں ؟

جواب ۔ فرض نمازوں کے سوا باقی تمام نمازیں گھر میں پڑھنا افضل ہے ۔ چنانچہ حضرت خیر الانام صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھے سوائے فرض نماز کے ۔ رواہ البخاری و مسلم ۔ اور عبد اللہ بن سعد انصاریؓ کا بیان ہے کہ میں نے بارگاہ نبوی میں التماس کی یا رسول اللہ ! نماز مسجد میں افضل ہے یا گھر میں ؟ تو آپ نے فرمایا مجھے مسجد میں نماز پڑھنے سے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ محبوب ہے مگر یہ کہ نماز فرض ہو ۔ رواہ الترمذی فی شمائلہ و ابن ماجہ ۔ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ تمام سنتیں خواہ فرض نمازوں سے پہلے کی ہوں یا پچھلی گھر ہی میں پڑھتے تھے ۔ اُم المومنین حضرت عائشہ رضؓ کا بیان سنیئے ۔ فرماتی ہیں کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں فرض ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے ۔ پھر مسجد میں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھاتے ۔ پھر اندر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے ۔ پھر عصر کے وقت مسجد میں جا کر عصر کی اور مغرب کے وقت مغرب کی نماز پڑھاتے ۔ پھر اندر آکر دو رکعتیں پڑھتے ۔ پھر جا کر لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور میرے گھر میں قدم رنجہ فرما کر دو رکعتیں پڑھتے ۔ رواہ مسلم و احمد و ابوداؤد ؂

اور ظاہر ہے کہ جب خود پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر عمل تھا اور آپ نے ہمیشہ اس کی تعلیم دی تو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا بھی گھروں میں جا کر سنت و نفل پڑھنا لازم و لابدّ تھا ۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ سنن و نوافل میں اصل حکم یہ ہے کہ گھروں میں ادا کئے جائیں اور اس میں راز یہ ہے کہ فرضوں اور غیر فرضوں میں ظاہری طور پر بھی ایسا فصل اور فرق ہو جائے جو ظاہری نگاہ سے معلوم ہو سکے ۔ مگر یاد رہے کہ بعض غیر فرضی نمازیں ایسی بھی ہیں جن کا مسجد میں ادا کرنا افضل ہے ۔ جیسے نماز تراویح ' تحیۃ المسجد اور سورج گرہن کی نماز ۔

اور مولانا مفتی کفایت اللہ رحؒ نے لکھا کہ اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ امام نماز پڑھانے کے بعد اپنے مکان یا حجرے میں جا کر سنتیں پڑھیں ۔ اسی طرح مقتدی بھی اپنے مکانوں میں جا کر سنتیں پڑھیں ۔ اگر سب مقتدی ایسا

نہ کر سکیں تو جو کر سکتے ہوں وہ کر لیں اور سبھی نہ کر سکیں تو وہ امام کو اس اولیٰ وافضل عمل سے نہ روکیں۔

فصل ۱۳۵۔ فرض نماز کی جگہ سے ہٹ کر سُنّت اور نفل ادا کرنا

سوال۔ بعض لوگ فرض پڑھنے کے بعد اپنی جگہ سے ہٹ کر سنت اور نفل پڑھتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

جواب۔ جو کوئی فریضۂ صلوٰۃ جماعت سے پڑھے اور اس کے بعد مسجد ہی میں سُنن و نوافل ادا کرنا چاہے اس کو حکم ہے کہ جس جگہ فرض نماز پڑھی ہے وہاں سے ہٹ کر سنت اور نفل پڑھے۔ چنانچہ حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ سنت اور نفل پڑھنے کے لئے آگے بڑھ جاؤ یا پیچھے ہٹ آؤ یا دائیں طرف یا بائیں جانب کو ہو جاؤ۔ رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ۔ ابو رمثہ صحابی رض کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض پہلی صف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی طرف کھڑے ہوا کرتے تھے۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو ایک شخص نے جس کو تکبیر اُولیٰ ملی تھی (اور مسبوق نہیں تھا) معاً اُٹھ کر دو رکعتیں شروع کر دیں۔ یہ دیکھ کر جھٹ حضرت عمر رض اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے دونوں مونڈھے پکڑ کر ان کو جنبش دی اور کہا بیٹھ جاؤ۔ اہل کتاب اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنی نماز کے درمیان فصل اور فرق نہیں کرتے تھے۔" یہ دیکھ کر رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے نگاہ اٹھائی اور فرمایا اے ابن خطّاب! خدا نے راہِ حق و صواب کی طرف تمہاری راہ نمائی فرمائی ہے۔ رواہ ابوداؤد۔

جوہرہ میں ہے کہ امام اور مقتدیوں کو اسی مقام پر سنت اور نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ جہاں انہوں نے فرض نماز ادا کی ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صفوں کا توڑ دینا مستحب ہے۔ کذا فی الشامی۔ سائب بن یزید صحابی کا بیان ہے کہ میں نے امیر معاویہ رض کے ساتھ مقصورہ میں نماز جمعہ پڑھی۔ جب امام نے سلام پھیرا تو میں نے معاً کھڑے ہو کر وہیں سنت ادا کی۔ جب امیر معاویہ رض اپنے دولت کدہ پر پہنچے تو مجھے بلا بھیجا اور کہا کہ آئندہ یہ کام نہ کرنا (یعنی فرضوں کی جگہ پر سنت اور نفل فرق کئے بغیر کبھی نہ پڑھنا) جب نماز جمعہ (یا کوئی اور فریضہ) پڑھو تو اس کو دوسری نماز کے ساتھ نہ ملاؤ۔ یہاں تک کہ کلام کرو یا اس مقام سے ہٹ جاؤ۔ کیونکہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں

حکم دیا تھا کہ ہم فرض نماز کے ساتھ غیر فریضہ کو نہ ملائیں۔ یہاں تک کہ کلام کریں یا اس جگہ کو بدل دیں۔ رواہ مسلم۔

امام نوویؒ رقم فرما ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کے مستحب ہونے کی دلیل ہے کہ سنت اور نفلوں کو فرض کی جگہ سے ہٹ کر کسی دُوسری جگہ ادا کیا جائے اور افضل تحوّل اپنے گھر جا کر سنن و نوافل ادا کرنا ہے۔ ورنہ مسجد وغیرہ میں کسی دوسری جگہ کو منتقل ہو جائیں۔ تاکہ مواضع سجود کی کثرت ہو۔ اور سنن و نوافل کی صورت فریضہ کی صُورت سے منفصل ہو جائے۔ "یہاں تک کہ کلام کریں" میں اس بات کی دلیل ہے کہ فرض اور غیر فرض میں فصل اور فرق کلام سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن کلام کی نسبت دوسرے مقام کو منتقل ہونا افضل ہے۔"

فصل ۱۳۶ سنّت اور نفلوں کے بعد امام اور مقتدیوں کا مل کر دوبارہ دعا مانگنا

سوال۔ فرض پڑھ کر جس طرح امام اور مقتدی مل کر دعا مانگتے ہیں۔ اسی طرح بعض مساجد میں سنن و نوافل سے فارغ ہو کر بھی مکرّر بہ ہیئت اجتماعیہ دعا مانگی جاتی ہے۔ اور جو اس دعا کا تارک ہو اس کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اس دعائے ثانی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب۔ یہ مکرّر اجتماعی دعا بلاریب بدعت سیّئہ ہے۔ شامی میں ہے۔ اذا تردد الحکم بین سنۃ و بدعۃ کان ترک السنّۃ راجحًا علی فعل البدعۃ (جب کوئی حکم سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو وہاں ترک سنت کا احتمال فعل بدعت کے احتمال پر راجح ہے) چونکہ یہ اجتماعی دعا نہ کسی قولی یا فعلی حدیث سے ثابت ہے اور نہ صحابہ و تابعین اور ائمۂ مجتہدین کے قول و فعل سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اس لئے اس کے سنت ہونے کا تو کوئی ادنیٰ احتمال بھی نہیں۔ البتہ اس کا بدعت ہونا یقینی ہے۔ اس لئے اس سے احتراز لازم ہے۔

علاوہ ازیں اس اجتماعی دعا میں دُوسری صریح خرابیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ بعض لوگ سُنن و نوافل کو سکون و اطمینان سے پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور بعض لوگ اس میں عجلت سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ پہلے فارغ ہو جائیں ان کو امام کی دُعا کا اور امام کو ان لوگوں کا انتظار کرنا پڑتا ہے جو دیر میں فراغت پائیں اور یہ ایسی پابندی ہے جو بدعت نوازوں نے ناحق اپنے اوپر عاید کر رکھی ہے۔ دُوسری خرابی یہ ہے کہ جن افراد کو جانے کی

جلدی ہو وہ بسا اوقات امام سے جلد دعا کرنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس لیئے امام بیچارہ سنت اور نفل کو اطمینا سے ادا کرنا چاہے تو بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ سنتوں کو بہ عجلت ادا کرکے چاروں طرف دیکھنے لگتا ہے کہ نمازی فارغ ہو چکے ہوں تو دعا مانگے۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ دعائے ثانی میں شریک نہ ہونے والے کو لوگ برا سمجھتے ہیں۔ اور مطعون کرتے ہیں اور اگر امام ادائے سنت میں دیر کر دے تو اس پر معترض ہوتے ہیں۔ اس رسم کا چوتھا فساد یہ ہے کہ سنن و نوافل کا گھروں میں جاکر پڑھنا افضل ہے۔ لیکن جن دیار و امصار میں فریضے کے بعد مسجد ہی میں سنت و نفل پڑھ کر اجتماعی دعا مانگنے کا رواج ہے وہاں کے نمازی گھروں میں جا کر سنن و نوافل پڑھنے کی سنت سے قطعاً محروم ہیں

فصل ۱۳۷۔ نماز کے بعد نمازیوں کا ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا

سوال۔ بعض مقامات میں رواج ہے کہ فراغت نماز کے بعد نمازی ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔ مجھے سب سے پہلے حیدرآباد دکن میں اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ایک مسجد میں عصر کی نماز پڑھی فراغت کے بعد ہر نمازی دوسرے نمازیوں سے ہاتھ ملانے لگا۔ ان کی ہیئت کذائی بڑی مضحکہ خیز تھی میں حیران تھا کہ الٰہی ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ بہرحال نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا کسی اصل صحیح سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب۔ یہ طریقہ مسلکِ سلف صالح کے خلاف اور سراسر بدعت ہے۔ شامی ردالمحتار شرح درمختا میں لکھتے ہیں۔ تکرہ المصافحة بعد اداء الصلوٰة بکل حال لان الصحابة ما صافحوا بعد ادا الصلوٰة ولانها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر من الشافعية انها بدعـ مکروهة لا اصل لها فی الشرع ثم نقل عن ابن الحاج من المالکية ان موضع المصا فی الشرع انما هو عند لقاء اخيه المسلم لا فی ادبار الصلوٰة (ادائے نماز کے بعد مصافحہ ہر حال میں مکروہ ہے۔ کیونکہ صحابہ علیہم الرضوان ادائے نماز کے بعد مصافحہ نہیں کرتے تھے اور نمازوں کے بعد کا مصافحہ اس لیئے بھی مکروہ ہے کہ یہ روافض کے شعار میں سے ہے۔ پھر ابن حجر مکیؒ شافعیؒ سے منقول ہے

کہ یہ ایک بدعت مکروہہ ہے جس کی شرع میں کوئی اصل نہیں اور علامہ ابن الحاج مالکیؒ سے منقول ہے کہ مصافحہ مسلمان بھائی سے ملاقات کرتے وقت مشروع ہے نہ کہ نمازوں کے بعد)

فصل ۱۳۸۔ نماز کے مسائلِ شتّٰی

سوال۔ نماز کے وہ کون سے متفرق و پراگندہ مسائل ہیں جن کا جاننا ضروری ہے۔ لیکن کسی عنوان کے تحت ہنوز زیب قرطاس نہیں ہوئے؟

جواب۔ بعض ایسے متفرق مسائل مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ اور دوسری کتب فقہ سے انتخاب کرکے سپردِ قلم کئے جاتے ہیں۔ (۱) اگر بیوی شوہر کے پیچھے نماز پڑھے تو اگر بیوی کے دونوں قدم شوہر کے قدموں کے پیچھے ہوں گے تو نماز جائز ہوگی اور اگر کچھ بھی محاذاۃ ہوگا تو دونوں کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (۲) زمین مغصوبہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر کوئی پڑھ لے تو فرض اس کے ذمے سے اُتر جائے گا۔ (۳) تشہد میں جب اِلَّا اللّٰہ پہ اُٹھی ہوئی اُنگلی گرائے تو پھر داہنے ہاتھ کو اخیر تک اسی ہیئت پر رکھے بعض لوگ انگلی گرانے کے بعد ہاتھ کو کھول دیتے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ (۴) اگر غیر مصلّی نماز پڑھنے والے کو پنکھا جھلتا رہے اور نمازی اس سے خوش ہو تو ایک کتاب میں لکھا ہے کہ اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے مگر یہ غلط ہے۔

(۵) اگر نمازی کے سر کے اوپر یا پس پشت کسی جاندار کی تصویر ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے۔ رسائل ارکان میں ہدایہ سے نقل کیا ہے کہ سب سے زیادہ شدید کراہت اس تصویر میں ہے جو نمازی کے آگے ہو۔ پھر اس میں جو نمازی کے سر پہ ہو۔ پھر اس میں جو اس کی داہنی طرف ہو۔ پھر اس میں جو بائیں طرف ہو۔ پھر اس میں جو پیچھے ہو۔

(۶) موسم سرما میں ضعیف العمر اور سخت کمزور آدمی بوقت صبح ٹھنڈے پانی سے غسل کرے تو بیمار پڑ جانے کا خدشہ ہے۔ اور اگر پانی گرم کرنے بیٹھے تو نماز کا وقت جاتا ہے۔ یا گھر میں ایندھن موجود نہیں اور اس وقت بازار سے لکڑیاں مل نہیں سکتیں یا لکڑیاں خریدنے کے لئے پیسے موجود نہیں تو اس کے لئے جائز ہے کہ تیمم کرکے نماز پڑھ لے اور پھر دن چڑھے غسل کرلے۔ اس نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(۷) گو دیوارِ مسجد یا اس کی چھت پر تیمم کرنا جائز ہے مگر ایسی مٹی سے جو عزت و احترام کے لائق ہے نجاستِ حکمیہ
کا ازالہ سوءِ ادب میں داخل ہے۔ (۸) طہارت کے بغیر نماز پڑھنا یا سجدۂ تلاوت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ علماء کے نزدیک
تو بلا طہارت نماز پڑھنے میں کفر کا خوف ہے۔ سجدے کی آیت پڑھنے سے سجدۂ تلاوت دو تکبیروں کے درمیان کیا جاتا
ہے۔ سجدۂ تلاوت کی بھی طہارت وغیرہ وہی شرطیں ہیں جو نماز کی ہیں۔ (۹) صفیں بالکل ترتیب کھڑی ہونی چاہئیں
ان میں باہم اتنا فاصلہ ہرگز نہ رہنا چاہیے کہ دونوں کے بیچ میں کوئی اور صف کھڑی ہو سکے (۱۰) میاں بیوی بیدار ہوئے
تو انہوں نے بستر پر منی کا نشان پایا۔ نہ تو انہوں نے مجامعت کی تھی اور نہ احتلام کسی کو یاد ہے تو دیکھنا چاہیے کہ اگر
منی زرد رنگ کی ہے تو عورت پر غسل واجب ہے۔ اور اگر سفید ہو تو مرد پر۔ اور اگر امتیاز نہ ہو سکے تو دونوں پر غسل واجب ہے (۱۱) کان
آنکھ ناف پستان وغیرہ سے جو کچھ نکلے وہ اس صورت میں ناقضِ وضو ہے جب کہ ان مواضع میں سے کسی جگہ درد ہو۔ اور اگر درد
نہیں تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ درد کی صورت میں لامحالہ کوئی مرض ہوگا ٭

(۱۲) جو شخص قُل کو کُل پڑھے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اس کی یہ کج بحثی بیکار ہے کہ عرب عام طور پر قُل
کو کُل ہی کہتے ہیں۔ کیونکہ عربوں کی زبان عجمیوں کے اختلاط کے باعث بگڑ چلی ہے (۱۳) سجدۂ سہو سے پہلے داہنی طرف
السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا مسنون ہے۔ اگر سلام کیے بغیر سجدہ کر لیا تو بھی جائز مگر خلافِ سنت ہے (۱۴) منجن کا
کچھ حصہ جسے ریکھ کہتے ہیں دانتوں کے بیچ میں منجمد ہو جاتا ہے غسل میں اس ریکھ کے نیچے پانی پہنچانا لازم ہے ورنہ غسل
جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر چھالیا یا کوئی اور چیز دانتوں میں پھنسی ہو اور اس کی وجہ سے پانی نہ پہنچتا ہو تو اس کو نکال کر پانی
پہنچانا ضروری ہے۔ (۱۵) اگر پاک تکیے یا بساط یا نمدہ وغیرہ پر ہاتھ مارنے سے ہوا میں غبار محسوس ہو تو اس سے تیمم
جائز ہے اگرچہ وہ غبار ہاتھ پر محسوس نہ ہو (۱۶) وہ حجرۂ مسجد جو داخلِ مسجد ہے جہاں صحنِ مسجد میں سے ہو کر داخل ہوتے
ہوں اور دوسرا کوئی راستہ نہ ہو اس حجرے میں بھی خرید و فروخت کرنا خصوصاً اسبابِ تجارت رکھنے کے ساتھ مکروہ
و ممنوع ہے۔

(۱۷) آدھی رات کے بعد نمازِ عشاء پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اسی طرح نمازِ عصر اتنی دیر میں پڑھنا کہ دھوپ پیلی
پڑ جائے یا نمازِ مغرب میں اتنی تاخیر کر دینا کہ ستارے چمکنے لگیں مکروہ تحریمی ہے اور قاعدہ کلّیہ ہے کہ ہر وہ نماز جو
کراہتِ تحریم کے ساتھ ادا کی جائے اس کا لوٹانا واجب ہوتا ہے۔ (۱۸) طلوع کے بعد پائجامہ پر منی کا دھبّا
دیکھا حالانکہ احتلام یاد نہیں اور وہ نہیں کہہ سکتا کہ دھبّا بوجہ احتلامِ شب کے ہے یا پہلے کا ہے اس صورت میں
احتلام اسی رات کا قرار دیا جائے گا پس غسل کے بعد اس پر عشاء وتر اور صبح تین نمازوں کا اعادہ واجب ہوگا

(۱۹) نوافل کا کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔ بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب رہ جاتا ہے (۲۰) اگر قعدۂ اخیرہ میں درود مکرر پڑھ لیا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا (۲۱) فرض یا سنت میں سورت کے بجائے درود پڑھا جائے تو اس کے بعد جب یاد آئے تو سورت پڑھے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے (۲۲) اگر بھول کر تین سجدے کر لئے تو سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ (۲۳) اگر سجدہ میں التحیات پڑھنے لگے التحیات چھوڑ کر سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے تو نماز صحیح ہے (۲۴) اگر نماز میں بھول کر دو دفعہ الحمد پڑھ لیا تو سجدۂ سہو لازم نہیں (۲۵) اگر اذان اور اقامت میں سے کوئی غلط کہی جائے تو اس کو لوٹانا چاہیئے“

فصل ۱۳۹۔ نماز میں تفکّر اور حضورِ قلب

سوال۔ نماز میں طرح طرح کے خیالات اور وسوسے پریشان کرتے اور ملال خاطر کا باعث رہتے ہیں یہ کہاں تک مضرت رساں ہیں؟

جواب۔ کہا گیا ہے کہ خاطر و وساوس انسان کی جبلّت ہے۔ ان سے کسی طرح مفرّ نہیں، اس بنا پر ان سے نماز میں فساد نہیں آتا گو ثواب میں کمی آجاتی ہے۔ یہ خطرات ہمارے لئے زیان و نقصان کا باعث ہیں لیکن حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کے خیالات و خواطر بھی داخل عبادت تھے۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ نے ایک صحابی کو دشمن کی طرف بھیجا۔ صحابی رات بھر سوار رہ کر پاسبانی کرتا رہا۔ جب آنحضرت سنت فجر میں مشغول ہوئے تو آپ اس راہ کی طرف نظر کرتے تھے جس پہ آپ صحابی کو چھوڑ آئے تھے۔ گو یہ تصفیّہ بر سبیل ندرت تھا مگر چونکہ اہل اسلام کی مہم اور مصلحت کے لئے تھا کہ مسلمانوں کی محافظت مقصود تھی یہ واقعہ تداخل عبادات کی حیثیت رکھتا تھا۔ نماز عبادت ہے اور مصلحت مذکور کے لئے صحابی مذکور کی طرف نظر کرنا دوسری عبادت تھی۔

اسی طرح امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تجہیز لشکر میں منہمک ہوتا ہوں۔ حالانکہ میں نماز میں ہوتا ہوں۔ امام بخاریؒ نے اس کے لئے تفکر الرجل فی الصلوٰۃ کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے۔ جس کے ترجمہ میں حضرت عمر رضہ کا یہ قول درج کر کے یہ حدیث لائے ہیں کہ ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ سلام کے بعد بڑی سرعت سے آستان مبارک میں تشریف لے گئے۔ اور مراجعت کے بعد فرمایا کہ گھر میں کچھ سونا تھا۔ مجھے نماز میں یاد آگیا اور میں نے یہ امر مکروہ جانا کہ رات کو میرے گھر میں رہے اس لئے

میں نے اس کے تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔" آپ کی عبادات میں اسی قبیل کا تداخل تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مذموم ردی قسم کے خواطر ہیں نہ کہ وہ خیالات جو عبادات اور طاعات کی قبیل سے ہوں۔ آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ کبھی بچے کے رونے کی آواز سُن کر نماز میں تخفیف فرما دیتے تھے تاکہ اس کی ماں نماز توڑ کر یا زوال خشوع سے فتنہ میں نہ پڑے۔ (مدارج النبوۃ جلد اوّل صفحہ ۴۱۴)

سوال - نماز میں کم سے کم کتنا حضورِ قلب ضروری ہے؟

جواب - مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ رقم فرما ہیں کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ میں حضورِ قلب مطلق واقع ہوا ہے اور مطلق کا قاعدہ ہے کہ اگر اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ فرد بھی پائی جائے تو امتثالِ امر ہو جاتا ہے پس ادنی حضور یہ ہے کہ نمازی اپنی نماز پڑھتا جائے اور تکبیر تحریمہ میں نیت نماز کی ہو۔ اور ہر رکن میں یہ جان لے کہ فلاں رکن ادا کرتا ہوں پس فرض نماز تو اس قدر حضور سے ادا ہو جاتی ہے اور کمال کی تھاہ نہیں۔"

سوال - اگر نمازی کے دل و دماغ پر وساوس و خواطر کا ہجوم ہو تو اس سے نماز میں کس درجہ خرابی لازم آتی ہے؟

جواب - شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ اگر وساوس کم ہوں تو ان سے باتفاق اہلِ علم نماز باطل نہیں ہوتی۔ گو ثواب میں کمی آ جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ تمہیں نماز کا اتنا ہی ثواب ملے گا۔ جتنی تم نے سمجھ کر ادا کی ہوگی۔ اور حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندہ نماز سے فراغت پا کر لوٹتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں آدھی نماز کا یا تہائی نماز کا یا چوتھائی نماز کا یا پانچویں حصے نماز کا یا چھٹے حصے کا یا ساتویں کا یا آٹھویں کا یا نویں کا یا دسویں حصہ نماز کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

اور وہ وساوس جو نماز پر غالب آ جائیں ان کی نسبت ابو عبداللہ بن حامد اور ابو حامد غزالی وغیرہما کا قول ہے کہ ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے۔ کیونکہ بخاری و مسلم نے ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان آ کر نمازی کے دل میں وسوسے ڈالتا اور کہتا ہے کہ فلاں بات کو یاد کر۔ فلاں کو یاد کر یہاں تک کہ نمازی کو یاد نہیں رہتا کہ کتنی نماز پڑھ چکا ہے۔ جب یہ حالت ہو تو نمازی کو چاہیے۔ کہ سجدۂ سہو کر لے۔"

سوال - حضورِ قلب اور قلت وساوس کی کیا فضیلت ہے؟

جواب - جس قدر کم وساوس آئیں۔ نماز اسی درجہ زیادہ اکمل ہو گی۔ اس لئے کوشش کرنی چاہیے

کہ دل حاضر رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے۔ اس لئے اس پر لازم ہے کہ اس چیز کی فکر کرے (یعنی ذہن نشین رکھے) جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرتا ہے۔ رواہ احمد۔ یعنی نماز حضور قلب اور فکر و تامّل اور خشوع و خضوع سے پڑھے۔ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے وضو کیا۔ پھر دو رکعتیں ایسی پڑھیں جس میں تحدیثِ نفس (یعنی خیالی گھوڑے دوڑانے) سے باز رہا اس کے تمام سابقہ گناہ بخش دئیے جاتے ہیں رواہ البخاری اسی طرح دوسری صحیح حدیث میں آنحضرت نے فرمایا کہ جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا۔ پھر دو رکعتیں ایسی پڑھیں جن میں چہرے اور دل سے پوری طرح متوجہ اور منہمک رہا تو اس کے تمام سابقہ گناہوں پر عفو کا خط کھینچ دیا جاتا ہے"۔

سوال۔ ہماری برابر یہ کوشش رہتی ہے کہ دل نماز میں حاضر رہے لیکن وہ موقع پاتے ہی بھاگ نکلتا ہے۔ ہم واپس لاتے ہیں وہ اچانک پھر راہ فرار اختیار کرتا ہے۔ یہ کشمکش برابر جاری رہتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون سے نفوس قدسیہ ہیں جن کا باطن پوری نماز میں بارگاہ رب العالمین کے سوا کسی دُوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

جواب۔ ہر زمانہ میں ایسے مقبولان بارگاہ برابر موجود رہے ہیں۔ قرن اوّل میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان بالخصوص اس صفت سے علیٰ وجہ الکمال متصف تھے۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ قبیلۂ اوس کے رئیس اعظم حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ربّ العالمین عز اسمہ نے مجھے تین خصال سے نوازا ہے۔ میں کسی حال میں بھی ہوں۔ یہ تینوں خصلتیں مجھ سے منفک نہیں ہوتیں۔ جن میں سے اول یہ ہے:۔ کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ تو حدیثِ نفس سے بچتا اور اعمال نماز میں مستغرق ہو جاتا ہوں"۔ اسی طرح مُسلمہ بن یسار مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے مسجد کا ایک حصہ منہدم ہو گیا۔ دُوسرے لوگ اٹھ بھاگے لیکن انہیں نماز میں اس کا کچھ احساس نہ ہوا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا منجنیق سے پتھر برس رہے تھے لیکن وہ سجدے سے سر نہیں اُٹھاتے تھے۔ عامر بن عبد القیس سے لوگوں نے پوچھا تمہارا دل بھی نماز کے اندر کسی چیز میں مشغول ہوتا ہے؟ فرمایا کہ کیا نماز سے بھی بڑھ کر کوئی چیز محبوب ہو سکتی ہے جس میں مشغول ہوا کروں؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں میں تو خیالات کا طوفان برپا رہتا ہے۔ پوچھا کیا جنت اور اس کی نعمتوں کے خیالات ہجوم کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ اہل و عیال کے بارہ میں اور طرح طرح کے دوسرے دنیوی وساوس کی گرم بازاری رہتی ہے۔ فرمایا۔ جو چیز کسی کو محبوب ہو

نماز کے اندر بھی اسی کے خیالات دل و دماغ پر مستولی رہیں گے"۔

سوال۔ وساوس و خطرات سے بچنے کا کیا مداوا ہے؟

جواب۔ اس کا یہی علاج ہے کہ جو کچھ منہ سے کہے اس کے سمجھنے کی کوشش کرے اور قرأت تسبیحات اور دوسرے اذکار میں تدبّر و تفکّر سے کام لے۔ اور جونہی خیال منتشر ہو جھٹ اس کے واپس لانے کی کوشش کرے۔ لیکن مولانا اشرف علیؒ لکھتے ہیں کہ ذکر و نماز وغیرہ میں سرسری توجہ و استحضار کافی ہے۔ توجہ و تدبّر میں زیادہ کاوش نہ کریں ورنہ دل و دماغ ماؤف ہو جائیں گے۔ زیادہ کاوش سے تعب اور پریشانی ہوتی ہے۔ پھر جیسی جیسی استعداد بڑھتی جائے گی حالت میں اصلاح ہوتی جائے گی"۔ اور امام محمد غزالی نے کیمیائے سعادت میں فرمایا ہے کہ اگر دماغ کسی کام میں الجھا ہوا ہو تو پہلے وہ کام کر لینا چاہیے۔ اسی بنا پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کھانا حاضر ہو تو پہلے اس سے فراغت پا لو۔ اسی طرح کوئی بات کہنے کی ہو تو اس کو کہہ ڈالو۔ پھر نماز پڑھو۔

سوال۔ جب حضرت عمرؓ جیسی شخصیت کا دماغ نماز کے اندر تیاریٔ لشکر میں مشغول رہتا تھا تو دوسروں کے لئے حدیث نفس سے بچنا کہاں ممکن ہے؟

جواب۔ امام تیمیہؒ رقم فرما ہیں۔ حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ میں نماز کے اندر تجہیز لشکر میں مشغول ہوتا ہوں"۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جہاد کے مامور تھے اور وہ امیر المومنین ہونے کے ساتھ ہی امیر الجہاد بھی تھے پس وہ بعض وجوہ سے بمنزلہ اس مصلّی کے تھے جو دشمن کو اپنے سامنے دیکھتے ہوئے نماز خوف ادا کرتا ہے۔ اور حضرت عمر فاروقؓ کی یہ شان ہے کہ خدائے برتر نے ان کی زبان کو ناطق بحق اور ان کے قلب منوّر کو مورد حق بنایا تھا۔ وہ مُحَدَّث، مکلّم اور ملہم تھے۔ پس ایسی جلیل القدر ہستی کے بارہ میں انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ تجہیز جیش کے ساتھ ہی نماز میں حضور قلب کی صفت سے بھی اس طرح ممتاز تھے۔ جو دوسروں کو حاصل نہ تھی۔ (فتاوٰے امام ابن تیمیہؒ جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

فصل ۱۴۔ تکان یا سستی کیوقت عبادت سے دست بردار ہو جانا

سوال۔ مجھے رات کا زیادہ سے زیادہ حصّہ مصروف عبادت رہنے کی تمنا ہے لیکن نیند ایسی بری طرح مغلوب

کرنی پڑے کہ سارے ولولے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں ۔ نیند کے دفعیہ اور حصول شب بیداری کا کیا ذریعہ ہے ؟

جواب ۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "تلبیس ابلیس" میں لکھتے ہیں کہ میں نے عبادت گذاروں میں سے ایک شخص حسن قزوینی کو دیکھا کہ وہ جامع منصور میں دن کو بہت ٹہلا کرتے تھے ۔ میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو بولے کہ اس حیلہ سے نیند کو دفع کرتا ہوں ۔" میں نے کہا یہ تو احکام شریعت سے تمہاری بے خبری کی دلیل ہے ۔ اور عقل کے بھی خلاف ہے ۔ حضرت سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارے نفس کا تم پہ حق ہے ۔ نماز میں قیام بھی کرو اور خواب بھی کرو ۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ ایک رسی بندھی ہوئی لٹک رہی ہے ۔ فرمایا ۔ یہ رسی کیسی ہے ۔ عرض کیا گیا کہ حضور! یہ امّ المومنین حضرت زینبؓ کی رسی ہے ۔ جب نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتی ہیں یا اونگھ آتی ہے ۔ تو اس رسی کو تھام لیتی ہیں ۔" آپ نے فرمایا کہ اس کو کھول دو ۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب تک آدمی چاق رہے تب تک نماز پڑھے ۔ اور جب تکان ہو یا سستی آئے تو چھوڑ دے ۔ اور اگر نیند کے وقت اس کو ٹال دیا جائے تو یہ سخت مضرت ہے اور عقل انسانی میں فتور پیدا کرتی ہے ۔

اس کے بعد امام ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ واقعی پہلے زمانہ کے بہت سے بزرگ رات بھر عبادت کیا کرتے تھے لیکن انہوں نے رفتہ رفتہ تمام رات شب بیداری کی عادت ڈالی تھی ۔ اور انہیں نماز صبح کی محافظت اور نماز باجماعت ادا کرنے پر پورا بھروسہ اور کامل اعتماد ہوتا تھا ۔ وہ بقدر قلیل قیلولہ سے بھی شب بیداری میں مدد لیتے تھے ۔ اور اس کے ساتھ کھانا بھی کم کھاتے تھے ۔ ان تدبیروں سے ان کو یہ کامرانی حاصل ہو گئی ۔ اور ہم کو کسی روایت سے معلوم نہیں ہوا کہ پیشوائے امّت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ساری رات شب بیدار رہے ہوں ۔ پس ہم پر آپ ہی کے طریقہ مسنون کی پیروی لازم ہے ۔"

فصل ۱۴۱ ۔ نفلی عبادات کے مخفی رکھنے کی پسندیدگی !

سوال ۔ نفلی عبادتوں کا اخفاء مستحسن ہے یا اظہار ؟

۷ جواب - بعض عبادتیں اجتماعی ہیں اور بعض انفرادی۔ وہ عبادات جو باہم مل کر انجام دی جاتی ہیں جیسے نماز پنجگانہ۔ اور نماز تراویح جو مسجد میں جاکر دوسروں کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔ اسی طرح حج اور جہاد جو مجتمعاً معرض عمل میں آتے ہیں ان میں کوئی اخفاء مطلوب نہیں۔ البتہ نفلی عبادتوں میں اخفاء اظہار دونوں سے کہیں پسندیدہ اور مستحسن ہے۔ ہمارے اسلاف کرام اپنی نفلی عبادات کو حتی الامکان مخفی رکھنے کی کوشش فرماتے تھے۔

امام ایوب سختیانی تابعی ہمیشہ عبادت و ریاضت کو چھپاتے تھے اور فرماتے تھے کہ آدمی کے لئے اپنے زہد اور عبادت گزاری کا چھپانا ظاہر کرنے سے بہتر ہے۔ (ابن سعد) ساری ساری رات مصروف عبادت رہتے تھے لیکن لوگوں سے چھپانے کے لئے صبح کو اس طرح آواز بلند کرتے کہ سننے والوں کو معلوم ہو کہ ابھی سو کر اٹھے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اول صفحہ ۱۱۷) ربیع بن خیثم کے کل اعمال مخفی ہوتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ انہوں نے تلاوت کے لئے مصحف مبارک کھولا کہ اچانک کوئی آ گیا۔ تو اس کو اپنے کپڑے کے نیچے چھپا لیتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رح قرآن پڑھا کرتے تھے لیکن یہ پتہ نہیں لگتا تھا کہ کب ختم کرتے ہیں

عامر بن قیس کو ناگوار تھا کہ کوئی ان کو نفل پڑھتے دیکھے اس لئے وہ مسجد میں نوافل پڑھنے سے احتراز کرتے تھے۔ حالانکہ ان کی عادت مبارک تھی کہ ہر روز ہزار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ اور امام عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ جب نفلیں پڑھتے اور کوئی شخص وہاں آ جاتا تو چپ چاپ لیٹ جاتے تھے۔ عابدوں کی ایک جماعت پر ابلیس نے یہ تلبیس ڈال رکھی ہے کہ وہ لوگوں کے مجمع میں رونا شروع کر دیتے ہیں گو کبھی رقت ہو کر گریہ طاری ہو جاتا ہے لیکن جو کوئی اس کو روک سکے اور نہ روئے تو اس نے اپنے آپ کو ریاکاری کے لئے پیش کیا۔ ابلیس عابدوں کے دل میں یہ وسوسہ بھی ڈالتا ہے کہ تم اس لئے اپنے عمل لوگوں پر ظاہر کرتے ہو کہ لوگ تمہارا اقتدا کریں حالانکہ [illegible] ہر ہر ایک کی نیت خوب جانتا ہے۔ امام سفیان ثوری نے فرمایا کہ بندہ جب تک کوئی عمل خفیہ کیا کرتا ہے پھر شیطان اس کو برابر برانگیختہ کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگوں سے بیان کرنے لگتا ہے اس وقت اس کا نام مخفی اعمال کے دفتر سے نکال کر علانیہ والوں کے دفتر میں درج کر دیا جاتا ہے۔ (تلبیس ابلیس امام ابن

جوزی صفحہ ۲۲۰)

ہر چند کہ جہاد ایک اجتماعی عمل ہے جس کے خفیہ بجالانے کی کوئی صورت نہیں لیکن سلف صالح حتی الامکا اس میں بھی اخفاء و استتار کی کوشش فرماتے تھے۔ حسب روایت ابو حاتم رازی عبدہ بن سلیمان مروزی کا بیان ہے کہ ہم ایک لشکر میں نصاریٰ پر جہاد کرنے کے لئے بلاد روم میں گئے۔ وہاں دشمن سے مقابلہ ہوا۔ نصاریٰ کی طرف سے

ایک پہلوان میدان میں آیا اور مقابل و مبارز طلب کیا۔ مسلمانوں کی طرف سے ایک شخص از خود نکل کر اس کے مقابلہ پر گیا اور کچھ دیر تک نصرانی کے ساتھ کاوا دے کر اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر دوسرا نصرانی نکلا۔ اس کو بھی ہلاک کیا۔ پھر تیسرا آیا۔ اس کو بھی ملک عدم میں پہنچایا اور آواز دی کہ اب کسی اور کو بھیجو۔ چوتھا نصرانی مقابلہ پر آیا اور اس کو بھی تھوڑے سے مقابلے کے بعد شہر خموشاں میں بھیج دیا۔

اب تو بہت سے مسلمان اپنے مبارز کی طرف دوڑ پڑے تاکہ اسے واپس لائیں کہ بہت تھک گیا ہوگا اور دیکھیں کہ یہ کون بہادر ہے۔ عبدہ بن سلیمان کا بیان ہے کہ جب ہم اس شہسوار عرصہ شجاعت کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ بڑے عمامے سے ڈھاٹا باندھے ہوئے ہیں۔ میں نے اس کا ڈھاٹا کھینچ لیا تاکہ پہچان سکوں تو معلوم ہوا کہ مشہور عالم عبداللہ بن مبارک ہیں۔" یہ واقعہ زیب رقم فرما کر امام ابن جوزی" لکھتے ہیں کہ بھائیو! اس مخلص عالم کو دیکھو کہ اسے کس طرح اپنے اخلاص کے بارے میں خوف پیدا ہوا کہ لوگوں کے دیکھنے اور مدح کرنے سے اس میں کسی قسم کا شائبہ نہ آئے (تلبیس ابلیس)

فصل ۱۴۲۔ قضا نمازیں پڑھنا

سوال۔ اگر نماز قضا ہو جائے تو کیا کیا جائے؟

جواب۔ نماز قضا کر دینا بہت سخت گناہ ہے۔ قضا کر دینے والے پر فرض ہے کہ اس نماز کو ادا کرے اور آئندہ کے لیے دل سے توبہ کرے۔ ہاں اگر بلا قصد قضا ہو جائے۔ مثلاً سوتا رہ گیا۔ نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی۔ تو جاگنے کے بعد فی الفور پڑھ لے۔ دیر کرنا گناہ ہے۔ البتہ اگر وقت مکروہ ہو تو اس کے نکل جانے کے بعد پڑھے۔

سوال۔ قضا نماز کی نیت کس طرح کرنی چاہیے۔ اور جس نے متواتر کئی سال نماز نہ پڑھی ہو وہ کس طرح پڑھے اور نیت کس طرح کرے؟

جواب۔ قضا نماز کی نیت اس طرح کرنی چاہیے کہ میں فلاں دن کی فجر یا مغرب کی نماز قضا پڑھتا ہوں۔ صرف یہ نیت کر لینا کہ فجر یا مغرب کی قضا پڑھتا ہوں کافی نہیں ہے۔ اور اگر کسی کے ذمے کئی سال کی نمازیں

ہوں تو مثلاً نماز فجر کی نیت اس طرح کرے کہ میرے ذمے جس قدر فجر کی نمازیں باقی ہیں ان میں سے پہلی فجر کی قضا نماز پڑھتا ہوں۔ یا ان میں سے آخری فجر کی قضا پڑھتا ہوں۔ اسی طرح سب نمازوں کی نیت کرے اگر تھوڑی سی نمازیں قضا ہوں تو جلد سے جلد سب کی قضا پڑھ لے۔ اگر ایک وقت میں ایک ہی وقت کی قضا پڑھے تو یہ ضرور نہیں کہ ظہر کی قضا ظہر کے وقت اور عشاء کی قضا عشاء کے وقت پڑھے۔ اگر زیادہ مدت کی نمازیں واجب الادا ہوں۔ تو ان کی قضا میں بھی حتی الامکان جلدی کرے۔ ایک ایک وقت میں دو دو تین تین چار چار نمازیں پڑھ لیا کرے۔ اور اگر جسمانی کمزوری یا کوئی اور مجبوری زیادہ نمازیں قضا کرنے میں مانع ہو تو کم از کم ایک ایک وقت میں ایک ایک نماز قضا کر لیا کرے۔ قضا پڑھنے کا کوئی وقت متعین نہیں۔ جس وقت فرصت ہو وضو کرکے قضا پڑھ لیا کرے۔ بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو۔ مکروہ وقت تین ہیں۔ طلوع آفتاب۔ آفتاب نصف النہار اور غروب آفتاب کے اوقات۔

سوال۔ اگر یہ یاد نہ ہو کہ کتنے سال کی نمازیں نہیں پڑھی تھیں تو وہ کتنی مدت کی نمازیں قضا کرے؟

جواب۔ ظن غالب پر عمل کرنا چاہیے پس جتنے سال کی نمازیں بظن غالب فوت ہوئی ہوں اتنے سال کی نمازوں کی قضا پڑھے۔

سوال۔ بہشتی زیور حصہ دوم میں لکھا ہے کہ اگر کسی کی کئی سال یا کئی مہینے کی نمازیں قضا ہوں تو ان کی قضا پڑھتے وقت مہینے اور سال کا نام لینا بھی لازم ہے۔ کہے کہ یہ فلاں سال کے فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کی فجر کی نماز ہے۔ اس طرح نیت کئے بغیر قضا صحیح نہیں ہوتی۔ ایک شخص کے ذمے دو سال کی نمازیں واجب الادا تھیں۔ اس کو معلوم نہ تھا کہ اس طرح نیت کرنا ضروری ہے اس نے دو سال کی قضا نمازیں صرف یوں کہہ کر کہ میں قضائے عمری کی نیت کرتا ہوں پڑھ لیں تو اس کی دو سال کی نمازیں درست ہوئیں یا سب اکارت گئیں؟ بصورت ثانی کیا اب اس پر صحیح نیت سے جو بہشتی زیور حصہ دوم میں مرقوم ہے از سر نو تمام نمازیں پڑھنی واجب ہیں یا نہیں؟

جواب۔ مولانا تھانویؒ نے اس سوال کے جواب میں لکھا: ”فی رد المحتار قیل لا یلزمہ التعیین الیٰ اخرما قال والمال (جلد اول صفحہ ۷۷۰) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے لہذا قضا پڑھی ہوئی نمازوں میں چونکہ وہ کثیر ہیں دفع حرج کے لئے اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔“

سوال۔ جس کے ذمے ایک ہی قضا نماز واجب الادا ہو۔ اس سے پیشتر اس کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی یا پہلے

کی تمام قضا نمازیں ادا کی جا چکی ہیں۔ صرف اسی ایک نماز کی قضا پڑھنی باقی ہے۔ تو اس کیلئے کیا حکم ہے ؟

جواب۔ وہ پہلے اس کی قضا پڑھے۔ اس کے بعد وقتی نماز ادا کرے۔ ہاں اگر قضا نماز بالکل ذہن سے اتر گئی تو اس کے فراموش ہو جانے کی صورت میں ادا درست ہو جائے گی۔ اس کے بعد جب قضا یاد آئے تو تنہا اس کو پڑھ لے۔ اور اگر وقت اتنا تنگ ہے کہ قضا کو مقدم رکھا جائے تو ادا کا وقت نہیں رہتا۔ تو پہلے ادا اور پھر قضا پڑھے۔

سوال۔ اگر پانچ یا اس سے کم نمازیں قضا ہوئی ہوں تو پھر کیا صورت ہوگی ؟

جواب۔ اگر دو یا تین یا چار یا پانچ نمازیں قضا ہو گئیں اور ان نمازوں کے سوا نمازی کے ذمے کسی اور نماز کی قضا باقی نہیں تو ان پانچوں یا کم نمازوں کی قضا پڑھے بغیر ادا نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اور جب ان پانچوں کی قضا پڑھنی ہو تو جو نماز سب سے پہلے چھوٹی ہے اول اس کی قضا پڑھے۔ پھر اس کے بعد والی۔ پھر اس کے بعد والی۔ غرض علی الترتیب پانچوں وقتوں کی قضا پڑھے۔ اگر پہلے بجائے فجر کے ظہر یا عصر کی نماز پڑھ لی تو یہ درست نہیں ہوئی۔ ان کو از سر نو ترتیب دار پڑھے۔

سوال۔ اگر کسی کے ذمے چھ قضا نمازیں ہوں تو اس کے لئے ادا نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب۔ چھ نمازوں کی قضا پڑھنے کے بغیر ہی ادا نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اور ان چھ نمازوں کی قضا پڑھنے میں یہ ضروری نہیں کہ قضا نمازوں میں ترتیب ملحوظ رکھے بلکہ ان میں تقدیم تاخیر بھی روا ہے۔ چند سال پیشتر کسی کی چھ یا زیادہ نمازیں قضا ہو گئی تھیں۔ جن کی اب تک قضا نہیں پڑھی تھی۔ اس لئے وہ کسی ترتیب کا پابند نہیں تھا۔ لیکن اس کے بعد اس نے سب کی قضا پڑھ لی۔ تو اس کے بعد جب بھی ایک دو تین چار یا پانچ نمازیں قضا ہو جائیں تو اب از سر نو ترتیب لازم ہو جائے گی اور ان پانچوں کی قضا پڑھے بغیر ادا نماز پڑھنی درست نہ ہوگی۔

سوال۔ کیا قضا شدہ وتر پڑھے بغیر نماز صبح ہو جاتی ہے ؟

جواب۔ اگر نماز وتر قضا ہو گئی اور وتر کے سوا اور کوئی نماز اس کے ذمے قضا نہیں تو وتر کی قضا پڑھے بغیر نماز صبح پڑھنی درست نہیں۔ اگر وتر کا قضا ہونا یاد ہے۔ پھر بھی وتر کی قضا نہیں پڑھی اور فجر کی نماز پڑھ لی تو وہ نہیں ہوگی۔ اب وتر قضا پڑھ کے نماز صبح دوبارہ ادا کرنی پڑے گی۔ کسی بے نمازی نے توبہ کی تو مدت العمر میں اس کی جتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں سب کی قضا پڑھنا واجب ہے۔

سوال۔ سچی توبہ سے حقوق العباد کے علاوہ باقی تمام صغائر و کبائر معاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے فقہاء کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی نمازیں اور روزے قضا ہو گئے ہوں تو وہ توبہ بھی کرے گا اور نمازوں اور روزوں کی قضا بھی کرے۔ توبہ سے گناہ معاف ہو جائے گا، نماز معاف نہ ہوگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب نماز حق اللہ ہے تو محض توبہ سے کیوں معاف نہیں ہوتی اور جب توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو پھر نماز نہ پڑھنے پر گرفت کیسی اور گناہ کیسا؟

جواب۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے لکھا کہ حقوق اللہ کے معاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذنوب معاف ہوتے ہیں نہ کہ طاعات۔ نماز طاعات میں سے ہے اور اس کا بدل ممکن اور مشروع ہے لہٰذا قضا واجب ہوئی پھر قضا کا بدل فدیہ ہے۔ اگر قضا پر قدرت نہ ہوئی تو فدیہ واجب ہوگا۔ یا اس کی وصیت۔ اگر اس پر بھی قدرت یا وسعت نہ ہوئی تو اس کا کوئی بدل نہیں۔ اب یہ کوتاہی ذنب محض رہ گئی۔ اس کے توبہ سے معاف ہونے کی توقع ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس عبادت کا شرع میں بدل ہے بدل پر قدرت ہونے تک وہ توبہ سے معاف نہیں ہوتی۔ بعد عجز وہ بھی معاف ہو جاتی ہے۔

سوال۔ خوف دشمن کے وقت نماز قضا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب۔ مسافر کو چوروں اور ڈاکوؤں کا یقینی خطرہ ہو تو اس حالت میں وقتی نماز کو قضا کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ کسی طرح نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو۔ اگر سوار ہے اور سواری پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ سکتا ہے تو قضا کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ سواری چل رہی ہو۔

سوال۔ اگر کوئی حرمان نصیب مرتد ہو گیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد پھر دائرہ اسلام میں داخل ہوا اب مدت ارتداد کی نمازیں اس پر واجب ہیں یا نہیں؟

جواب۔ زمانہ ارتداد کی نمازوں کی قضا نہیں۔ البتہ مرتد ہونے سے پہلے حالت اسلام میں اس کی جو نمازیں جاتی رہی تھیں ان کی قضا واجب ہے۔

سوال۔ سفر میں چار کی بجائے دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ جن کی نمازیں سفر میں قضا ہوئی ہوں ان کی قضا کس طرح پڑھے؟

جواب۔ جو نمازیں جیسی فوت ہوئی ہوں ان کی قضا بھی ویسی ہی پڑھی جائے گی۔ سفر کی قضا شدہ نماز کے بجائے دو ہی پڑھی جائیں گی۔ اگرچہ حالت اقامت میں پڑھی جاتی ہیں اور حضر کی نماز حالت اقامت

ت ہوئی تھی۔ وہ سفر میں قضا کی جائے تو چار ہی رکعت پڑھی جائے گی۔

سوال۔ قضا نماز مسجد میں پڑھنا بہتر ہے یا گھر میں؟

جواب۔ گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔ اور مسجد میں بھی پڑھ لے تو مضائقہ نہیں لیکن کسی سے ذکر نہ کرے کہ میں نے قضا نماز پڑھی ہے۔ کیونکہ نماز کو وقت سے ٹالنا گناہ ہے۔ شامی لکھتے ہیں کہ ظاہراً اظہار و اعلان کہ قضا نماز پڑھتا ہوں مکروہ تحریمی ہے

سوال۔ کس سنت کا قضا کرنا مسنون ہے؟

جواب۔ اگر نماز فجر قضا ہو جائے تو اس کو زوال سے پہلے پڑھ لینا چاہیے۔ اور اگر زوال کے بعد پڑھے تو صرف فرض کی قضا کرے۔ اگر صرف سنت چھوٹی تھی تو سنت کی قضا نہیں۔ طلوع آفتاب سے پہلے تو سنت فجر کا پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ آفتاب نکلنے کے کچھ دیر بعد دو رکعتیں سنت مؤکدہ کو ثواب کے لئے پڑھ سکتے ہیں مگر یہ دو رکعت سنت نہ رہے گی نفل ہو جائے گی۔ ظہر کی چار رکعت سنت اگر فرض سے پہلے نہیں پڑھی گئی تو فرض کے بعد پڑھ لے۔ فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ سے پہلے یا اس کے بعد جب چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن دو رکعت کے بعد پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

سوال۔ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں چار رکعت نفل بہ نیت قضائے عمری کا جو رواج ہے اس کی کوئی شرعی اصل ہے یا نہیں؟ اور ان چار رکعتوں کے پڑھ لینے سے تمام عمر کی قضا نمازیں سر سے اُتر جاتی ہیں یا نہیں؟

جواب۔ قضائے عمری شرعاً بے اصل ہے اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ چار رکعتیں تمام عمر کی فوت شدہ نمازوں کا بدل ہو جاتی ہیں نصوص صحیحہ صریحہ اور قواعد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے۔ یہ اعتقاد فاسد کسی جاہل ہی کا ہو سکتا ہے جو دین سے بے خبر ہو۔

فصل ۱۴۳ میت کی قضا نمازوں کا فدیہ

سوال۔ اگر کسی شخص نے سفر آخرت کیا اور اس کے ذمے فوت شدہ نمازیں تھیں اور اس نے وصیت

کی کہ میری فوت شدہ نمازوں کا فدیہ دیا جائے تو اس بارہ میں حکم شریعت کیا ہے ؟

جواب۔ اگر وہ فوائت کے ادا کرنے پر قادر تھا لیکن اس نے وہ نمازیں ادا نہ کیں تو اس پر لازم ہے کہ نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر جائے۔ ہر نماز کا فدیہ صدقہ فطر کے برابر ہے یعنی آدھا صاع (پونے دو سیر) گیہوں یا گیہوں کا آٹا یا ایک صاع (ساڑھے تین سیر) جَو یا چھوہارے یا کھجوریں یا ان کی قیمت وتر اور روزۂ رمضان کا کفارہ بھی اسی قدر ہے اور یہ کفارہ میّت کے مال کی تہائی سے دیا جائے۔ اور اگر میّت نے فدیہ دینے کی وصیت نہ کی یا وصیت تو کی مگر اس قدر مال نہیں چھوڑا کہ کفن دفن اور قرض ادا کر کے باقی تہائی مال سے تمام نمازوں کا فدیہ ادا ہو جائے۔ تو ورثہ کے ذمے فدیہ دینا واجب نہیں۔ اگر ادا کریں۔ تو یہ احسان اور تبرّع ہے۔

سوال۔ ایک شخص کے ذمے دس سال کی نمازیں تھیں۔ ابھی وہ ان نمازوں کی قضا نہیں کرنے پایا تھا کہ جرعۂ مرگ پی گیا۔ تاہم وہ وصیّت کر گیا کہ میرے مال سے میری دہ سالہ قضا نمازوں کا فدیہ دیا جائے وہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ بصورت نقد و جائداد چھوڑ گیا ہے۔ اس کے وارث فدیہ ادا کرنا چاہتے ہیں دس سال کا فدیہ کس قدر ہوگا ؟

جواب۔ ایک قضا نماز کا فدیہ نصف صاع گیہوں ہے نصف صاع گیہوں بعض علماء کے نزدیک (اسّی تولہ کے سیر سے) پونے دو سیر اور دوسروں کے نزدیک ایک سیر چودہ چھٹانک ہوتا ہے۔ وتر سمیت روزانہ چھ نمازیں قضا ہوئیں۔ سال کے ۳۶۵ دن ہوتے ہیں۔ اگر نصف صاع کی مقدار پونے دو سیر ہی صحیح سمجھی جائے تو ایک سال کا فدیہ ۹۵ من ۳۲ سیر اور دس سال کا نو سو اٹھاون من بنتا ہے۔ اگر گیارہ روپے فی من گیہوں کا نرخ لگایا جائے تو ۹۵۸ من گیہوں کی قیمت دس ہزار پانسو اڑتیس روپے بنتی ہے۔ اس قدر گیہوں یا اس کی قیمت غربا و مساکین میں تقسیم کرنی چاہیئے۔ چونکہ مرنے والے نے وصیّت کی ہے اور مال بھی چھوڑا ہے اس لئے وارثوں پر فدیہ مذکورہ کا ادا کرنا فرض و لازم ہے۔

سوال۔ سفرِ آخرت کرنے والا اپنے مرضِ موت میں بذاتِ خود اپنی فوت شدہ نمازوں کا فدیہ دے تو جائز ہے یا نہیں ؟

جواب۔ اپنے مرضِ موت میں فدیہ صحیح نہیں۔ اس پر یہی واجب ہے کہ وصیّت کر جائے۔ بخلاف روزے کے کہ اگر مرضِ موت میں روزے کا فدیہ دے تو درست ہے لیکن اس کی صحت موت کے بعد ثابت ہوگی۔

کذا فی الطحطاوی۔

سوال۔ اگر میت کے حکم بموجب ورثاء اس کی طرف سے قضا نمازیں پڑھیں تو درست ہونگی یا نہیں ؟

جواب۔ درست نہ ہوں گی کیونکہ ہر مکلّف مامور ہے کہ نماز بذات خود ادا کرے۔ دوسرے کے ادا کرنے سے ادا نہ ہوگی۔ بخلاف حج کے کہ وارث کے حج کرنے سے میت کے ذمّہ سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ گو میّت نے اس کی وصیت نہ کی ہو۔

سوال۔ میّت کی نماز کے فدیہ میں ہر نماز کے بدلے دو مسکینوں کو ایک وقت شکم سیر کرکے کھانا کھلانا کافی ہے یا نہیں ؟

جواب۔ فدیۂ نماز میں ایک مسکین کو دونوں وقت کھانا کھلانا چاہیے۔ اگر دو مسکینوں کو ایک وقت شکم سیر کھانا کھلایا تو فدیہ ادا نہ ہوگا۔ جب تک کہ اُن میں سے ہر ایک کو دُوسرے وقت کھانا نہ کھلائیں۔ اوپر لکھا گیا ہے کہ ہر نماز کے فدیہ میں پونے دو سیر گیہوں یا گیہوں کا آٹا یا ان کی قیمت یا ساڑھے تین سیر جو یا کھجوریں یا ان کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔

سوال۔ نماز کے فدیہ میں گیہوں بانٹنا افضل ہے یا نقد دینا ؟

جواب۔ اختیار ہے کہ گیہوں وغیرہ دیں یا نقد لیکن نقد بہتر ہے۔ کہ اس میں سب حوائج پورے ہو سکتے ہیں اور اگر دینی کتابیں خرید کر دینا چاہیں تو یہ بھی درست ہے لیکن اس صورت میں یہ ضروری ہوگا۔ کہ وہ کتب طلبہ کو تقسیم کر دی جائیں۔ یعنی ان کی ملک کر دیں۔ مدارس میں جس طرح کتابیں وقف رہتی ہیں۔ اس طرح ملک کئے بغیر دینے سے کفّارہ ادا نہ ہوگا۔

فصل ۱۴۴۔ بیمار کی نماز

سوال۔ اگر کوئی بیہوش ہو جائے اور اسی حالتِ مدہوشی میں نماز کا وقت آ جائے۔ تو اس کو نماز معاف ہے یا نہیں ؟

جواب۔ اگر بیہوشی آٹھ پہر سے زیادہ طویل نہ ہو تو نمازوں کا قضا پڑھنا واجب ہے۔ اور اگر ایک

دن رات سے زیادہ ہو گئی ہو۔ تو اوقات بیہوشی کی نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔

سوال۔ بیمار کی نماز کے دوسرے احکام و مسائل کیا ہیں؟

جواب۔ اگر کوئی بیمار تھوڑی دیر کھڑا ہو سکتا ہے۔ پورا قیام نہیں کر سکتا تو اس کے لئے اتنی ہی دیر کھڑا ہونا ضروری ہے۔ جب بیمار میں بالکل کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو یا کھڑے ہونے سے سخت تکلیف ہوتی ہو۔ یا مرض بڑھ جانے کا خطرہ ہو یا سر چکرا کر گر جانے کا خوف ہو یا قیام کی طاقت تو ہے لیکن رکوع و سجدہ نہیں کر سکتا تو ان سب صورتوں میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ پھر اگر رکوع سجود کر سکتا ہے تو رکوع اور سجدہ کے ساتھ بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر رکوع سجدہ بھی نہیں کر سکتا تو اشاروں سے نماز پڑھے۔ رکوع اور سجدہ کے اشارے سر جھکا کر کرے۔ سجدہ کے اشارے کے لئے رکوع کے اشارے کی نسبت سر کو زیادہ جھکائے

اگر مریض میں بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹے لیٹے نماز پڑھے۔ جس کی یہ صورت ہے کہ پیچھے کوئی گاؤ تکیہ وغیرہ لگا کر اس طرح لیٹ جائے کہ سر خوب اونچا رہے۔ بلکہ قریب قریب بیٹھنے کی مانند رہے۔ اور اگر کچھ طاقت ہو تو قبلہ کی طرف پیر نہ پھیلائے بلکہ گھٹنے کھڑے رکھے اور اگر گھٹنے کھڑے نہ رکھ سکے تو پاؤں قبلہ کی طرف پھیلا لے۔ پھر سر کے اشارے سے نماز پڑھے اور سجدے کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ نیچا کرے۔ اگر تکیہ سے ٹیک لگا کر بھی اس طرح لیٹ نہ سکے کہ سر اور سینہ اونچا رہے۔ تو قبلہ کی طرف پیر کر کے بالکل چت لیٹ جائے لیکن سر کے نیچے کوئی اونچا تکیہ رکھ دیں کہ چہرہ قبلہ رُخ ہو جائے۔ آسمان کی طرف نہ رہے۔ پھر سر کے اشارے سے نماز پڑھے۔

اگر چت نہ لیٹے بلکہ داہنی یا بائیں کروٹ پر قبلہ رُخ لیٹے اور سر کے اشارے سے رکوع اور سجدہ کرے تو یہ بھی جائز ہے لیکن چت لیٹ کر نماز پڑھنا زیادہ اچھا ہے۔ اور اگر بیمار میں سر سے اشارہ کرنے کی بھی طاقت نہ ہو تو نماز نہ پڑھے۔ پھر اگر ایک رات دن سے زیادہ اس کی یہی حالت رہی تو چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا بھی اس کے ذمے نہیں۔ ہاں اگر ایک رات دن یا اس سے کم میں سر سے اشارہ کرنے کی طاقت آ گئی تو چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا جو پانچ نمازیں یا اس سے کم ہوں گی اس کے ذمے لازم ہو گی۔ اگر کوئی شخص فالج گرنے سے ایسا بیمار ہو گیا کہ پانی سے استنجا نہیں کر سکتا تو کپڑے یا ڈھیلے سے پونچھ ڈالے اور اسی طرح نماز پڑھ لے۔

اگر خود تیمم نہیں کر سکتا تو کوئی دوسرا شخص کرا دے۔ اور اگر ڈھیلے یا کپڑے سے پونچھنے کی بھی طاقت نہیں ہے تو اسی طرح نماز پڑھ لے۔ بیوی کے سوا کسی دوسرے عزیز قریب تک کو بھی اس کا بدن دیکھنا درست نہیں۔ اگر

بیمار کا بستر ناپاک ہے اور اس کے بدلنے میں سخت تکلیف دکھائی دیتی ہے تو اسی ناپاک بستر پر نماز پڑھ لین مریض کے لئے درست ہے۔ کسی کی آنکھ میں موتیا اُتر آیا اور اس نے آنکھ بنوائی اور معالج نے ہلنے جلنے کی ممانعت کردی تو اسی طرح لیٹے لیٹے نماز پڑھ لیا کرے۔ اگر کسی مریض کو کپڑے پاک کرنے میں زحمت ہو تو ناپاک کپڑوں سے ہی اس کی نماز ہو جاتی ہے۔

سوال۔ موتیابند کے اوپریشن میں تین دن چت لٹایا جاتا ہے۔ کسی طرح کی حرکت کی اجازت نہیں ہوتی۔ لیٹے کو دودھ پلا دیتے ہیں۔ نماز کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب۔ اگر اشارہ سر سے نماز پڑھنا مضر نہ ہو۔ تو اشارے سے پڑھنا واجب ہے۔ اور اگر اشارہ بھ مضر ہو تو نماز کو قضا کر دینا بھی جائز ہے۔ (امداد الفتاوی جلد اول ص ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳)

فصل ۱۲۵۔ نمازِ خوف

سوال۔ جب دشمن کا خوف ہو تو نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے؟

جواب۔ جب کسی دشمن کا سامنا ہو تو تمام لشکر کے دو حصے کر دیئے جائیں۔ ایک حصہ دشمن کے مقابل میں رہے اور دوسرا حصہ امام کے ساتھ نماز شروع کرے۔ اگر تین یا چار رکعتی نماز ہو یعنی ظہر، عصر، مغرب، اور عشاء اور اہل لشکر مسافر نہ ہوں۔ اور قصر نہ کریں تو جب امام دوسری رکعت کا قعدہ ختم کر کے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے لگے تو یہ لوگ چلے جائیں اور اگر اہل لشکر قصر کرتے ہوں۔ یا دو رکعتی نماز ہو جیسے فجر، جمعہ یا عیدین کی نماز یا مسافر کی ظہر عصر اور عشاء کی نماز تو ایک ہی رکعت کے بعد یہ حصہ چلا جائے اور لشکر کا دوس حصہ دشمن کا مقابلہ چھوڑ کر چلا آئے اور امام کے ساتھ باقی ماندہ نماز پڑھے۔ امام کو ان لوگوں کے آنے کا انتظار کر چاہیے۔ پھر جب امام بقیہ نماز پوری کر چکے تو سلام پھیرے۔ اور یہ لوگ سلام پھیرے بغیر دشمن کے مقابلے میں چلے جائیں اور پہلے لوگ پھر یہاں آکر اپنی باقی ماندہ نماز بلا قراءت پڑھیں اور تمام کر کے سلام پھیر دیں کیونک وہ لوگ لاحق ہیں۔ پھر یہ لوگ دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں اور لشکر کا دوسرا حصہ یہاں آکر اپنی نماز قراءت کے ساتھ پوری کرے اور سلام پھیر دے کیونکہ وہ مسبوق ہیں۔ حالت نماز میں دشمن کے مقابلے میں جاتے وقت یا

وہاں سے نماز کی تکمیل کے لئے آتے وقت پیدل چلنا چاہیے۔ اگر سوار ہو کر چلیں گے۔ تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

امام کے ساتھ دُوسرے حصّہ لشکر کا نماز پڑھ کر چلے جانا اور پہلے حِصّے کا پھر یہاں آکر نماز تمام کرنا۔ اس کے بعد دوسرے حِصّے کا یہیں آکر نماز تمام کرنا مستحب اور افضل ہے۔ ورنہ یہ بھی جائز ہے کہ پہلا حصّہ نماز پڑھ کر چلا جائے اور دوسرا حصّہ امام کے ساتھ بقیہ نماز پڑھ کر اپنی نماز وہیں مکمل کر لے۔ تب دشمن کے مقابلہ میں جائے۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچ جائیں تو پہلا حصّہ اپنی نماز وہیں پڑھ لے۔ یہاں نہ آئے۔ نماز پڑھنے کا یہ طریقہ اس وقت کے لئے ہے جب سب لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں۔ ورنہ بہتر یہ ہے کہ ایک حصّہ ایک امام کے ساتھ پوری نماز پڑھ لے اور دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے۔ پھر دوسرا حصّہ کسی دُوسرے امام کے پیچھے پوری نماز پڑھ لے۔ نماز قبلہ کی بجائے کسی دُوسرے رُخ پر شروع کر چکے ہوں کہ اتنے میں دشمن راہِ فرار اختیار کرے تو نماز پڑھنے والوں کو چاہیے کہ فی الفور قبلہ کی طرف پھر جائیں ورنہ نماز نہ ہوگی۔ اگر مجاہدین اسلام اطمینان سے قبلہ رُخ نماز پڑھ رہے ہوں اور اسی حالت میں دشمن آجائے تو فی الفور دشمن کی طرف مُڑ جائیں۔ اس وقت جہت قبلہ نماز پڑھنا شرط نہ رہے گا۔

فصل ۱۲۶۔ مسافر کی نماز

سوال۔ کتنی دُور کے سفر کا ارادہ کرنے سے آدمی شرعی نقطۂ نظر سے مسافر ہوتا ہے؟

جواب۔ شریعت میں مسافر وہ ہے جو اتنی مسافت کا عازم سفر ہو۔ جہاں اکثر پیدل چلنے والے تین دن میں صبح سے زوال تک پہنچا کرتے ہیں۔ امام اعظم رح کے نزدیک سفر کی حد تین منزلیں ہیں۔ ہر منزل ایسی ہو کہ چھوٹے دنوں میں اگر قافلہ صبح کو چلے تو دوپہر کے بعد منزل پر پہنچ جائے۔ ہر چند کہ تین منزل کی مسافت معتبر ہے۔ لیکن سہولت کے لئے ۱۷۶۰ (ایک ہزار سات سو ساٹھ) گز کے اڑتالیس میلوں کی مسافت تین منزل کے برابر قرار دے لی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص ریل گاڑی یا موٹر کار یا ہوائی جہاز پر اتنی مسافت کا ارادہ کر کے چلے جہاں پیدل آدمی تین دن میں پہنچتے ہیں تو وہ بھی شرعاً مسافر ہے خواہ جس قدر جلد پہنچ جائے۔

سوال۔ مقیم اور مسافر کی نماز میں کیا فرق ہے؟

جواب۔ شرعی مسافر ظہر اور عشاء کے فرض بجائے چار کے دو رکعت پڑھتا ہے اور فجر اور مغرب کے فرضوں اور وتر کی نماز میں کوئی تخفیف نہیں۔ اور سنت کا یہ حکم ہے کہ اگر عجلت ہو تو فجر کی سنت کے سوا اور سنتیں چھوڑ دینا جائز ہے۔ ان کے چھوڑنے میں گناہ نہ ہوگا۔ اور اگر جلدی نہ ہو اور نہ اپنے رفقاء سے پیچھے رہ جانے کا خدشہ ہو تو نہ چھوڑیں۔ سنتیں حالت سفر میں پوری پوری پڑھیں۔ فرضوں کی طرح ان میں کمی نہیں ہے۔ چار رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھنے کو قصر کہتے ہیں۔ اگر مسافر کسی مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو پھر مسافر کو بھی پوری نماز پڑھنی ہوتی ہے۔

سوال۔ سفر میں بھی حضر کی طرح چار چار رکعت فرض پڑھیں تو اس میں کیا خرابی ہے؟

جواب۔ ہمارے نزدیک قصر واجب ہے۔ سفر میں چار پڑھنے والا گناہ گار ہوتا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک قصر اولیٰ ہے۔ پس ہمارے نزدیک پوری چار رکعتیں پڑھنا ایسا ہی گناہ ہے جیسے ظہر کی چار رکعتوں کی بجائے کوئی چھ رکعتیں پڑھے تو گنہ گار ہوگا۔ اگر سابقہ عادت کے مطابق کوئی مسافر دو کی بجائے بھول کر چار رکعتیں پڑھ لے تو اگر دوسری رکعت پر بیٹھ کر التحیات پڑھی ہے تب تو فرض کی دو رکعتیں ہوگئیں اور دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ لیکن اخیر میں سجدہ سہو کرنا ہوگا۔ اور اگر دو رکعت پہ نہ بیٹھا ہو۔ تو چاروں رکعتیں نفل ہوگئیں۔ فرض کو پھر سے پڑھے۔

سوال۔ مسافر کس وقت سے قصر شروع کرے اور کب تک قصر کرے؟

جواب۔ جب تک سفر میں رہے اور کسی شہر یا قصبے یا گاؤں میں کم از کم پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ ہو اس وقت تک برابر قصر پڑھتا رہے۔ اور جب کسی جگہ پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اس نیت کے بعد سے پوری نماز پڑھنی شروع کر دے۔ پندرہ دن یا زیادہ کی نیت کے بغیر برسوں رہے تب بھی قصر ہی کیا کرے۔ قالہ الطحاوی۔ چنانچہ امام محمدؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے آذربائیجان میں چھ مہینے قیام فرمایا۔ اور اس مدت میں برابر آج کل چلنے کا ارادہ کرتے اور نماز مسافرانہ پڑھتے رہے حالانکہ اور صحابہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ اور حضرت انسؓ بھی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے پاس شام میں مدت تک رہے۔ اس عرصہ میں وہ برابر دو رکعت ہی پڑھتے رہے۔

سوال۔ اگر کسی جگہ پانچ سات دن ٹھہرنے کا ارادہ تھا لیکن کام ختم نہ ہوا اس لیے ہفتہ عشرہ اور ٹھہرنے کا

آرادہ ہوا۔ لیکن پھر بھی کام پورا نہ ہوا۔ اور مزید چند روز کی نیت کر لی اسی طرح تین ہفتے گذر گئے۔ تو اب قصر کر ہو گا یا نہیں ؟

جواب۔ جب تک پندرہ دن یا زیادہ ٹھیرنے کی نیت نہ کی جائے نماز قصر پڑھی جائے گی اور جب پندرہ دن یا زیادہ ٹھیرنے کی نیت کر لی۔ تو اب مسافر مسافر نہیں رہا۔ اس لئے پوری نماز پڑھے۔ پھر جب یہا سے دوسری جگہ جانے کا قصد ہوا تو اگر وہ جگہ جہاں کا عزم ہے تین منزل ہو۔ تو پھر مسافر ہو جائے گا۔ اور کم ہو تو پوری نماز پڑھی جائے گی۔

سوال۔ ایک شخص بارہ سال سے سیّاحی کر رہا ہے۔ آج ایک گاؤں میں کل دوسرے گاؤں میں ہے۔ کیا ہمیشہ قصر پڑھے گا؟

جواب۔ اس میں دو صورتیں ہیں (۱) کسی مقام سے چلتے وقت تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد ہے لیک وہاں پہنچکر پندرہ روز یا اس سے زیادہ مدت ٹھیرنے کا قصد نہیں۔ اس صورت میں قصر پڑھے (۲) کسی جگہ سے کے وقت ایسی بستی کا قصد ہے جو تین منزل یا اس سے زائد فاصلے پر ہے۔ اور اس جگہ پہنچ کر پندرہ روز یا زائد کا ارادہ ہے۔ اندریں صورت راہ میں قصر اور وہاں پہنچ کر پوری نماز پڑھے۔

سوال۔ منزل مقصود چھتیس ۳۶ کوس (۴۸ میل) سے کم ہے۔ مگر سرکاری ملازم کو دیہات کے دورے میں جن بستی میں سے ہو کر وہاں پہنچنا ہے اس کی مسافت چھتیس کوس سے زیادہ ہے۔ ایسی حالت میں وہ سرکاری ملازم پوری نماز پڑھے یا قصر کرے ؟

جواب۔ چونکہ اعتبار اس راستے کا ہے جس سے اس کو وہاں پہنچنا ہے لہٰذا قصر کرے گا۔

سوال۔ جو لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں جیسے خلاصی یا سارنگ۔ ان کو نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری

جواب۔ ہمیشہ سفر میں رہنے والے شرعاً مقیم نہیں ہیں۔ کیونکہ وطن کی تین ہی قسمیں ہیں۔ وطن اصلی، وطن اقامت اور وطن سُکنی۔ وطن اصلی وہ ہے جہاں انسان مستقل بود و باش رکھتا ہو۔ وطن اقامت اس کو کہتے ہیں جہاں کوئی پند دن یا زیادہ ٹھیرنے کی نیت کرے اور وطن سکنی وہ ہے جہاں پندرہ دن سے کم رہنے کا قصد ہو۔ چونکہ خلاصی وغ ان تینوں وطنوں سے خالی ہیں اس لئے وہ قصر کریں گے۔ میزان شعرانی میں ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور امام شا کے نزدیک جب ملّاح ایسی کشتی میں سفر کرے جس میں اس کا مال اور اہل وعیال ہوں تو وہ قصر کرے لیکن امام احمدؒ کہا کہ پوری پڑھے۔ اسی طرح وہ شخص جو ہمیشہ سفر میں رہتا ہے امام احمدؒ کے نزدیک قصر نہ کرے لیکن ائمہ ثلاثہ

زدیک اس کو قصر کرنے یا پوری پڑھنے کا اختیار ہے۔

سوال۔ شغدف میں اور ریل گاڑی اور جہاز میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ شغدف میں بعذر فرض پڑھنا جائز ہے اور اگر اترنے اور قافلے کی معیت میں دشواری نہ ہو تو شغدف میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ چلتی ریل گاڑی اور جہاز اور کشتی پر نماز جائز ہے اور اگر کھڑے ہو کر پڑھنے میں سر چکرانے یا گرنے کا خوف ہو تو بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں۔ نماز کے درمیان ریل گاڑی یا جہاز کے گھوم جانے سے نمازی کا منہ قبلہ کی طرف سے پھر جائے تو فوراً قبلے کی طرف پھر جانا چاہیئے۔ ورنہ نماز نہ ہو گی۔

سوال۔ ریل گاڑی کے ڈبے میں پٹڑی پر بوجہ کثرت مسافران جگہ نہیں اور رفقائے سفر سب غیر مسلم ہیں معلوم نہیں کہ کہنے پر جگہ خالی کریں یا نہ کریں تو ایسی صورت میں نماز کیونکر پڑھی جائے؟

جواب۔ درخواست کی جائے اور جگہ نہ دیں تو تختہ کے نیچے نماز کا موقع نکالے۔ اگر کسی طرح ممکن نہ ہو تو پھر سجدہ اشارے سے کرے (امداد الفتاویٰ)

سوال۔ ریل گاڑی میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی جاتی ہے تو ریل کی چھت سر سے ٹکراتی ہے۔ اس کے علاوہ پورب کی جانب جو تختہ ہے اس میں اور پچھم والے تختے میں اس قدر فاصلہ ہے کہ گر جانے کا اندیشہ ہے اور بحالت قیام ریل سے اتر کر نماز ادا کرنے میں یہ خدشہ ہے کہ گاڑی چل دیگی۔ ان حالات میں نماز کیونکر ادا کی جائے؟

جواب۔ نماز پڑھنے کے لئے گاڑی سے اترنے کی کوئی حاجت نہیں۔ عذر یہی ہے کہ چلتی ریل میں اتر نہیں سکتا۔ اور کھڑی ریل میں پلیٹ فارم پر نماز پڑھنے سے ریل کے چل دینے یا مال کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے اترنے کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ یہ بھی امید ہو کہ نماز کا وقت رہنے تک اتر کر پڑھنا ممکن ہے۔ تب بھی ریل میں بہرحال پڑھنا جائز ہو گا۔ کیونکہ عذر شروع نماز کے وقت معتبر ہے۔ اگرچہ آخر وقت میں اس کے زوال کی بھی توقع ہو سکتی ہے البتہ ایسی صورت میں آخر وقت مستحب تک انتظار مستحب ہو گا۔ غرض ریل گاڑی میں قیام پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے۔ خواہ کسی شکل سے بیٹھے۔ اور اگر رکوع و سجود شرقی اور غربی تختوں کے درمیان زیادہ فاصلہ ہونے کے باعث متعذر ہوں تو اشارہ سر سے رکوع و سجدہ کرے لیکن معمولی وقت کو تعذر نہ سمجھ جائے۔ اور سجدے کو رکوع سے ذرا پست کرے۔ (امداد الفتاویٰ)

سوال۔ ریل گاڑی میں بعض مرتبہ کھڑے ہو کر اس طرح نماز پڑھتا ہوں کہ ایک تختے پر کھڑا ہوتا ہوں۔ اور دوسرے تختے پر سجدہ کرتا ہوں۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ سجدہ میں تمہارے گھٹنے تختے پر نہیں لگتے اس لئے تمہاری

نماز نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ بوقت سجدہ زمین میں سات اعضا لگنے چاہئیں۔ ان میں سے ایک گھٹنے بھی ہیں۔ ان کی رائے میں اس طرح نماز پڑھنی چاہیئے کہ ایک تختے پر نمازی بیٹھ جائے۔ اور دوسرے تختے پر سجدہ کرے۔ مگر اس صورت میں قیام جو فرض ہے ترک ہوتا ہے۔ کیا سجدہ میں گھٹنوں کا زمین میں لگنا لازم ولابدّ ہے یا نہیں؟

جواب۔ سجدے میں زانوؤں کا زمین پر ٹکانا فرض یا واجب نہیں بلکہ سنت ہے اور قیام فرض ہے پس آپ کا طریقہ صحیح اور ان صاحب کا قول قطعاً غلط ہے۔ علاوہ ازیں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے جو خرابی حالت قیام میں بتلائی ہے یعنی گھٹنوں کا بحالت سجدہ زمین میں نہ لگنا۔ وہی خرابی بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں بھی پیش آتی ہے۔ فافہم (امداد الفتاویٰ)

سوال۔ ریل گاڑی کے چلتے وقت بیٹھنے کی پٹری قبلہ رخ نہیں ہے۔ اور آئندہ سٹیشن پر پہنچنے سے بیشتر نماز کا وقت جاتا رہے گا۔ یا گاڑی اس قدر کم ٹھیرے گی کہ جس میں نماز نہ پڑھی جا سکے۔ تو کیا ایک پٹری پر بیٹھ کر اور پاؤں لٹکا کر دوسری پٹری پر سجدہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب۔ بلا عذر بیٹھنا درست نہیں اس لئے چاہیئے کہ ایک پر کھڑا ہو اور دوسری پٹڑی پر سجدہ کرے (ایضاً)۔

سوال۔ کتنے مالی نقصان پر فرض یا سنت یا نفل کی نیت توڑی جا سکتی ہے۔ اور اگر نماز شروع کرنے کے بعد گاڑی روانگی کی سیٹی دے دے تو مصروف نماز مسافر کیا کرے؟

جواب۔ ایک درہم کے نقصان پر نماز کی نیت توڑ دینا درست ہے۔ اور اگر سفر نہ کرنے سے کچھ ہرج و نقصان ہو تو ریل کی سیٹی پر بھی نماز توڑ دینا جائز ہے (ایضاً)

سوال۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ریل گاڑی حرکت میں ہو۔ اور دوڑتی جا رہی ہو تو اُس وقت اس پر نماز نہیں ہوتی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب۔ علما اس بارہ میں مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ متحرک ریل پر فرض و واجب درست نہیں اور بعض درست بتلاتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اس حالت میں بھی گاڑی پر فرض نماز جائز ہے (ایضاً)

سوال۔ ہوائی جہاز پر نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب۔ چونکہ ہوائی جہاز کو زمین پر قرار نہیں۔ اس لئے اس پر اس وقت تک نماز نہیں ہو سکتی جب

ک وہ زمین پر نہ اُترے۔ لہٰذا طیّارے کو بحری جہاز پر قیاس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ بحری جہاز بواسطہ پانی کے مستقر علی الارض ہے۔ اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا استقرار زمین پر بالکل ظاہر ہے (ایضاً مع التصرف)

سوال۔ اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم تو مقتدی اپنی نماز کیونکر پوری کرے؟

جواب۔ مسافر امام اپنی دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے اور کہہ دے کہ میں مسافر ہوں تم لوگ اپنی نماز پوری کر لو۔ اب مقتدی کھڑے ہو جائیں اور اپنی باقی ماندہ دو رکعتیں اس طرح پوری کریں کہ ان میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھیں محض اتنی مقدار کھڑے رہ کر رکوع کو چلے جائیں۔ اور کوئی سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو بھی نہ کریں کیونکہ وہ حکماً امام کے پیچھے ہیں۔

سوال۔ مقیم نے قعدۂ اخیرہ میں مسافر کا اقتدار کیا تو اب مقیم مسبوق کس طریقہ سے نماز ادا کرے؟

جواب۔ امام کے سلام کے بعد مقیم کھڑا ہو کر پہلے دو رکعت بلا فاتحہ پڑھے یعنی فاتحہ پڑھنے کی مقدار میں کھڑا رہ کر رکوع میں چلا جائے۔ ان دو رکعتوں میں سہو ہو جائے۔ تو سجدۂ سہو بھی واجب نہیں۔ قعدہ کے بعد کھڑا ہو کر دو رکعت مع فاتحہ و سورت اسکے پڑھے۔ ان دو رکعتوں میں بھی سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو نہ کرے۔

سوال۔ نماز قصر کرنے کا حکم تو خوفِ دشمن کی وجہ سے ہوا تھا۔ اگر اعداء کی طرف سے کسی قسم کا خوف و خطر متصور نہ ہو تو پھر ہم سفر میں قصر کرنے کے کیوں مامور ہیں؟

جواب۔ یعلیٰ بن اُمیہؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے مسلمانو! جب تم زمین میں سفر کرو اور تم کو خوف ہو کہ نماز پڑھنے میں کافر لوگ تم سے (لڑائی کی) چھیڑ چھاڑ کرنے لگیں گے کہ تم پر کچھ گناہ نہیں (بلکہ ضروری ہے) کہ نماز میں قصر کیا کرو (۴ : ۱۰۱) اب لوگ امن میں ہیں۔ خوف جاتا رہا۔ اب بحالت موجودہ نماز میں قصر کیوں کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے بھی یہی خلجان تھا۔ پھر میں نے حضرت سیّد الخلق صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تھا۔ کہ حق تعالیٰ نے تم پر یہ احسان کیا ہے لہٰذا اس کا یہ احسان قبول کرو۔ رواہ مسلم

آیت میں خوف کی قید باعتبار اغلب کے ہے کہ عام طور پر مسافروں کو خوف ہوتا ہے خصوصاً عہدِ رسالت میں کہ کفار ہر وقت در پئے آزار تھے۔ اور لفظ قبول کرو امر وجوبی ہے جو امام ابو حنیفہؒ کے قول کا مؤیّد ہے جو فرماتے ہیں کہ قصر واجب ہے۔

فصل ۱۴۷ پندرھویں شعبان کا قیام

سوال۔ شعبان کی پندرھویں رات میں جس کو عرف عام میں شب برات کہتے ہیں لوگ مصروف عبادت رہنے کو بہت بڑا کار فضیلت سمجھتے ہیں۔ کیا احادیث نبویہ میں اس کا کوئی ثبوت ہے؟

جواب۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ میری باری کی ایک رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بچھونے سے مفقود تھے۔ آخر میں نے آپ کو مدینہ کے قبرستان بقیع میں پایا۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات میں آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ اور قبیلہ بنو کلب [عہ] کے ریوڑوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ لیکن ترمذی کہتے ہیں کہ امام بخاری اس حدیث کو ضعیف بتاتے تھے۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعبان کی پندرھویں رات میں بنی آدم کا ہر بچہ جو اس سال پیدا ہونے والا ہو قلمبند کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس رات ہر وہ شخص بھی معرض تحریر میں آجاتا ہے جو اس سال جرعۂ مرگ پینے والا ہو۔ اور اس رات آدمیوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اس رات میں ان کے رزق اتارے جاتے ہیں۔ رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر

اور ابو موسیٰ اشعری رض سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات میں جلوہ فرما ہو کر مشرک اور (مومن سے) کینہ رکھنے والے کے سوا ساری مخلوق کو بخش دیتا ہے۔ رواہ ابن ماجہ واحمد۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ دو شخصوں یعنی کینے رکھنے والے اور خودکشی کرنے والے کے سوا سب (مومنوں) کو بخش دیتا ہے۔ اور حضرت علی رض سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شعبان کی پندرھویں رات ہو تو اس میں قیام کرو (یعنی نماز پڑھو) اور اس کے دن میں (یعنی چودھویں اور پندرھویں رات کے درمیان) روزہ رکھو۔ کیونکہ حق تعالیٰ اس رات میں غروب آفتاب کے بعد سے آسمان دنیا پر نزول فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ۔ کہ اگر کوئی مغفرت خواہ ہے تو میں اس کو بخشوں۔ کوئی طالب رزق ہے تو اس کو رزق دوں۔ کوئی مصیبت میں گرفتار ہے تو اسے عافیت بخشوں۔ طلوع فجر تک رب العزت ایسا ہی فرماتا رہتا ہے۔ رواہ ابن ماجہ

عہ یہ حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح سے ماخوذ ہیں۔ ۲:

شیخ عبدالحق ر، لکھتے ہیں کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس رات مشرک، کینہ پرور، قاطع رحم، عاق اور میخواری کے عادی کے سوا سب بخشے جاتے ہیں۔ اور اس رات میں لوگوں کے رزق اور پیدائش واموات بھی (سال بھر کے لئے) قلمبند ہو جاتے ہیں۔ پندرھویں شعبان کی رات کی فضیلت میں بہت حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ اور یہ رات لیلۃ القدر کے سوا تمام راتوں سے افضل ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ چار راتوں میں رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔ (۱) عید الفطر کی رات (۲) عید اضحیٰ کی رات، پندرھویں شعبان کی رات، اور شب عرفہ میں اور اذان صبح تک برابر کھلے رہتے ہیں۔

سوال ۔ اس رات چراغاں کرنا اور آتش بازی کا مشغلہ رکھنا کیسا ہے؟

جواب ۔ شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ اس رات میں قیام اور طویل سجدہ اور اہل بقیع کے لئے طلب مغفرت کے سوا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عمل صحت کو نہیں پہنچا۔ اور یہ جو ہمارے دیار میں چراغاں کرنا اور اس قسم کے دوسرے خرافات کا رواج ہے یہ سب نامشروع اور رسم مجوس اور ہنود کی دوالی کے مشابہ ہے۔ (مدارج النبوت)

فصل ۱۴۸۔ سجدۂ شکر اور سجدۂ تعظیمی

سوال ۔ سجدۂ شکر بلا کراہت جائز و مشروع ہے یا نہیں؟

جواب ۔ درِّ مختار میں ہے وسجدۃ الشکر مُستحبۃٌ (شکر کا سجدہ مستحب ہے) شیخ عبدالحق رح رقم طراز ہیں کہ سجدۂ شکر جو حصول نعمت اور دفع بلیہ پر کیا جاتا ہے اس کے متعلق ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہے۔ امام ابویوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سنت ہے اور امام ابوحنیفہ رح اور امام مالکؒ کے نزدیک مکروہ یا منسوخ ہے۔ مؤخر الذکر دونوں بزرگ فرماتے ہیں کہ خدائے منعم کی نعمتیں غیر متناہی ہیں۔ بندۂ عاجز ان کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے اور اس سجدے سے جو شکر نعمت کے متعلق حدیثوں میں وارد ہے نماز مراد ہے۔ کہ جس کو سجدہ سے تعبیر کیا گیا۔ اور وہ حضرات جو سجدۂ شکر کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ ہر نعمتِ عظیمہ کے وقت جو کبھی کبھی عرصۂ ظہور میں آتی ہے سجدۂ شکر

مسنون ہے اور سنت میں ایسے ہی مواقع میں سجدۂ شکر واقع ہے نہ کہ ہر نعمت پر۔

شیخ عبدالحق رح مدارج النبوت میں لکھتے ہیں جس صورت میں کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بعض خلفائے راشدین سے بھی سجدۂ شکر ماثور ہے تو نسخ کا قول درست نہیں مسند امام احمد، جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں حضرت ابوبکر صدیق رض سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خبر خوش دل و مسرور کرتی تھی تو آپ خدائے عزوجل کا شکر کرنے کے لئے سربسجود ہو جاتے تھے اور بیہقی نے باسناد صحیح روایت کی ہے کہ جب حضرت علی رض نے یمن سے اطلاع بھیجی کہ قبیلہ ہمدان مشرف بایمان ہو چکا ہے تو آپ فی الفور سجدۂ شکر بجا لائے اور اس قبیلہ کے حق میں دعا کی۔

اور جب آپ کے پاس بشارت ربانی پہنچی کہ جو کوئی آپ پر ایک دفعہ درود بھیجے حق سبحانہٗ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔ اور جو کوئی ایک بار سلام بھیجے حق تعالیٰ اس پر دس سلام بھیجتا ہے تو آپ نے اس نعمت کے شکرانہ میں سجدہ کیا۔ اور جب غزوۂ بدر کے دن ابوجہل لعین کا ناپاک سر آپ کے سامنے لاکر ڈالا گیا۔ تو آپ نے فرمایا الحمد للہ اس امت کا فرعون مر گیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے شکرانہ میں دو رکعت نماز پڑھی۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق رض نے دجال زمانہ مسیلمہ کذاب کے مارے جانے کی خبر سنی تو سجدۂ شکر بجا لائے۔ (مدارج النبوت)

سوال۔ بعض لوگ سجدہ تعظیمی کو جائز سمجھتے ہیں اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب۔ شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ سجدے کی ایک قسم کو سجدۂ تحیت کہتے ہیں بعض فقہی روایات میں اس کی اجازت واقع ہوئی ہے۔ مگر صحیح مختار یہ ہے کہ سجدہ تحیت مکروہ و حرام ہے (مدارج النبوۃ جلد اوّل صفحہ ۴۲۷)

سوال۔ بعض لوگ ادائے نماز کے بعد سربسجود ہو کر دعا مانگنے لگتے ہیں اس سجدہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب۔ شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ سجدے کی ایک قسم سجدۂ مناجات ہے جو نماز کے بعد کرتے ہیں۔ اکثر فقہاء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سجدہ بھی مکروہ ہے (مدارج النبوت جلد اوّل صفحہ ۴۲۷)

فصل ۱۴۹۔ نمازِ تراویح کی رکعات

سوال۔ حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ پنجگانہ کی طرح نمازِ تراویح بھی باقاعدہ پڑھایا کرتے تھے یا نہیں؟

جواب۔ آپ نے ایک رمضان کی تیئیسویں ۲۳ رات میں تہائی رات تک اور پھر پچیسویں شب میں آدھی رات تک نمازِ تراویح پڑھائی۔ اس کے بعد جب ستائیسویں رات آئی تو آپ نے اپنے تمام گھر والوں اور امہات المومنین کو جمع ہونے کا حکم دیا اور آپ آخیر رات تک تراویح پڑھاتے رہے یہاں تک کہ صحابہ کرام رض یہ خدشہ محسوس کرنے لگے کہ سحری کھانے کا وقت نہ مل سکے گا۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی والنسائی وابن ماجہ۔ اس کے بعد آپ نے (لوگوں کے غیر معمولی اجتماع کو دیکھتے ہوئے اس خدشہ کے پیشِ نظر) نمازِ تراویح نہ پڑھائی کہ مبادا یہ نماز بھی فرض ہو جائے اور لوگ اس کے ادا کرنے سے قاصر رہیں۔ (رواہ البخاری ومسلم

سوال۔ آپ نے ان تین راتوں میں کتنی کتنی رکعتیں پڑھائی تھیں؟

جواب۔ کسی صحیح روایت میں آپ کی تعداد رکعات مذکور نہیں۔ اور اس بارہ میں بیس یا آٹھ رکعات کی جس قدر روایتیں ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں۔ والحاصل ان الذی دلت علیہ احادیث الباب وما یشابہا ہو مشروعیۃ القیام فی رمضان والصلاۃ فیہ جماعۃً وفرادیٰ فقصر الصلاۃ المسماۃ بالتراویح علی عدد معینٍ وتخصیصہا بقراءۃ مخصوصۃٍ لم یرد بہ سنۃ (اس باب کی حدیثوں کا خلاصہ قیامِ رمضان کی مشروعیت اور اس میں نماز ادا کرنا ہے۔ خواہ جماعت سے ہو یا تنہا۔ پس نمازِ تراویح کو رکعات کے کسی عددِ معیّن پر محدود کرنا یا کسی خاص قرات کے ساتھ مخصوص کرنا سنتِ نبوی سے ثابت نہیں۔ (نیل الاوطار مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۲۹۹)

مولانا ثناء اللہ امرتسری (مرحوم) نے شیخ جلال الدین سیوطی رح کا ایک رسالہ "المصابیح فی صلاۃ التراویح" تقسیمِ ملکی سے آٹھ نو سال پہلے اپنے مطبع ثنائی امرتسر میں طبع کر کے شائع کیا تھا۔ اس

رسالہ میں سیوطیؒ رقم طراز ہیں۔ علامہ سُبکی نے شرح منہاج میں لکھا ہے کہ کسی (صحیح) روایت میں یہ منقول نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں کتنی کتنی رکعتیں پڑھائیں۔ بیس یا کم و بیش۔ لیکن ہمارا مذہب بیس رکعت پڑھنے کا ہے۔ کیونکہ بیہقی وغیرہ نے سند صحیح کے ساتھ سائب بن یزید صحابی رضؓ سے وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھنے کی روایت کی ہے۔ (المصابیح مترجم مطبوعہ ثنائی پریس امرتسر صفحہ ۱۴)

سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ اگر رکعتوں کی تعداد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہو جاتی تو رکعات تراویح کے بارہ میں کوئی اختلاف نہ پایا جاتا۔ اسود بن یزیدؒ وتر کے علاوہ چالیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ تراویح کی رکعتیں وتر کے علاوہ چھتیس ہیں۔ کیونکہ امام نافعؒ کا بیان ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو رمضان میں انتالیس رکعت تراویح پڑھتے پایا ہے۔ جن میں وتر کی تین رکعتیں داخل ہیں (المصابیح مترجم مطبوعہ امرتسر صفحہ ۸-۹)۔

اسی طرح سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چند راتیں نماز تراویح پڑھی تو اس کی رکعتوں کی تعداد (کسی صحیح روایت میں) مذکور نہیں اور اگر نص سے تعداد رکعات ثابت ہو جاتی تو اہل مدینہ کو زیادہ رکعتیں پڑھنا جائز نہ ہوتا حالانکہ صدر اول کے لوگ بہت زیادہ متقی تھے (المصابیح مطبوعہ امرتسر صفحہ ۱۰) اور علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں۔ ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایزید و لا ینقص فقد اخطأ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۷۵) ان بیانات سے ان حضرات کی غلط فہمی بحد توثیق ثابت ہو گئی جنہوں نے آٹھ رکعت تراویح کو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قرار دے رکھا ہے۔

سوال۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا حدیثوں سے ثابت ہے ملاحظہ ہوں:۔ (۱) امام محمد بن نصر مروزیؒ کتاب ''قیام اللیل'' میں لکھتے ہیں۔ ہم سے محمد بن حُمید رازی نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے یعقوب بن عبد اللہ سے سنا۔ انہوں نے کہا ہم سے عیسیٰ بن جاریہ نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت جابر انصاری رضؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں علاوہ وتر کے آٹھ رکعت نماز پڑھی (قیام اللیل صفحہ ۱۶۰)

(۲) بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ تین راتیں تراویح پڑھنے کے بعد چوتھی رات لوگ اس کثرت سے جمع ہو گئے جن کی مسجد میں گنجائش نہ رہی تو آپ تراویح کی امامت کے لئے تشریف نہ لائے۔ اور نماز صبح کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم لوگ نماز تراویح پڑھنے کے اشتیاق میں جمع ہوئے تھے لیکن میں نے اس خدشہ کے پیش نظر

جماعت نہیں کرائی تھی۔ کہ مبادا یہ نماز بھی تم پر فرض ہو جائے۔ اور پھر تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی رح اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے جتنے طُرق ہیں میں نے اُن میں سے کسی طریق میں یہ نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھائی تھیں۔ لیکن ابن خُزیمہ اور ابن حبّان نے جابر رض سے روایت کی ہے کہ آپ نے ان راتوں میں علاوہ وتر کے آٹھ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں (فتح الباری مطبوعہ دہلی صفحہ ۵۹۷)

جواب — یہ اور اس قسم کی دوسری روایتیں جن میں حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا مذکور ہے۔ ان سب کا سلسلہ ایک شخص عیسیٰ بن جاریہ تک جا پہنچتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر افترا پردازی کرتے ہوئے سب سے پہلے آٹھ رکعت تراویح کے سنت ہونے کا طوفان کھڑا کیا۔ یحییٰ بن مُعین رح نے فرمایا کہ عیسیٰ بن جاریہ کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔ نسائی نے کہا کہ ابن جاریہ منکر الحدیث ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے جو حدیثیں پہنچی ہیں وہ متروک ہیں۔ ابوداؤد نے کہا کہ عیسیٰ بن جاریہ منکر الحدیث ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا کہ میں اس کے سوا اس کو نہیں پہچانتا کہ وہ منکر حدیثیں روایت کرتا تھا۔ اسی طرح ساجی اور عقیلی نے بھی اس کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ اور ابن عدی نے کہا کہ ابن جاریہ کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۰۷، میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۱۱)

مروزی کی مذکورہ صدر حدیث کا ایک راوی محمد بن حُمید رازی ہے۔ نسائی نے اس کی نسبت کہا کہ ثقہ نہیں۔ یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ محمد بن حُمید منکر حدیثیں بکثرت روایت کرتا ہے (اگر راوی بہت غلطی کرتا ہو یا غافل یا کثیر الوہم یا فاسق یا بدعتی ہو یا اس کی روایت معتمد راویوں کے بیان کے خلاف ہو تو اس کی حدیث کو منکر کہتے ہیں) امام بخاری رح نے فرمایا کہ محمد بن حُمید کی حدیث میں احتیاط چاہیے۔ ابوزرعہ نے کہا کہ جھوٹا ہے۔ جوزجانی نے کہا کہ ردی المذہب اور غیر ثقہ ہے۔ فضلک رازی کا بیان ہے کہ میرے پاس ابن حُمید کی پچاس ہزار حدیثیں جمع ہیں۔ لیکن میں اُن میں سے ایک حرف بھی کسی سے روایت نہیں کرتا۔ صالح بن محمد اسدی نے کہا کہ میں نے محمد بن حُمید رازی سے بڑھ کر کسی کو خدا سے بڑھ کر جری نہیں پایا۔ یہ شخص لوگوں سے حدیثیں حاصل کر کے ان میں ردو بدل کر لیتا تھا۔ اور میں نے دو شخصوں کے برابر دنیا میں کسی کو دروغ گو نہیں پایا۔ جن میں ایک محمد بن حمید رازی ہے۔ اس کی ایک عادت یہ تھی کہ بصریوں اور کوفیوں کی حدیثیں حاصل کر کے رازیوں کی طرف سے روایت کر دیتا تھا (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۲۹۔۱۳۰، میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۵۰)

سوال ۔ شیخ ابن الہمام اور علامہ زیلعی اور عینی جیسے حنفیوں نے لکھا ہے کہ ابن حبانؒ اور ابن خزیمہ کی روایت جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آٹھ رکعت تراویح پڑھانا مذکور ہے صحیح ہے ؟

جواب ۔ اگر واقعی ان لوگوں میں سے کسی نے ایسا لکھا ہے۔ تو اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی کہ ضرورت داعی نہ ہونے کے باعث وہ درپئے تحقیق نہ ہوئے ہوں گے۔ اگر ان کے سامنے بھی کسی نے عہد حاضر کے مقلدین کی طرح بیس رکعت کی مشروعیت کی نفی کی ہوتی اور ہماری طرح ان کو بھی راویوں کا کھرا کھوٹا پرکھنے کے لئے محک امتحان سے کام لینے کی ضرورت پیش آتی تو یہ کبھی ممکن نہ تھا کہ وہ ابن حبان اور ابن خزیمہ کی روایت کو صحیح سمجھ کر آٹھ رکعت تراویح کو سنت نبوی قرار دیتے۔

سوال ۔ اگر بیس رکعت تراویح سنت نبوی نہیں تو آپ لوگ بیس رکعت کیوں پڑھتے ہیں ؟

جواب ۔ بیس رکعت تراویح خلفائے راشدین کی سنت ہے اور نہ صرف خلفائے راشدین رض کی بلکہ فی الحقیقت یہی سنت نبوی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رح لکھتے ہیں :-

قد ثبت ان ابیّ بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی رمضان ویوتر بثلاث فرای کثیرا من العلماء ان ذالک ھو سنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر (فتاویٰ ابن تیمیہ مطبوعہ مصر جلد اوّل ص ۱۸۶)

یہ امر ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابیّ بن کعب رض رمضان میں لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اس لئے اکثر علماء نے بیس رکعت ہی کو سنت نبوی قرار دیا ہے کیونکہ جناب ابیّ رض حضرات مہاجرین و انصار کے درمیان کھڑے رہ کر بیس رکعت پڑھاتے تھے اور کسی نے ان کے اس فعل پر انکار و اعتراض نہ کیا تھا۔

سوال ۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح کے پاس اس بات کی کیا سند تھی جس کی بنا پر انہوں نے حضرت ابیّ بن کعب رض کے بیس رکعت تراویح پڑھانے کا ناطق فیصلہ سنا دیا ؟

جواب ۔ حضرت ابیّ رض کا بیس رکعت پڑھانا صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو (۱) سائب بن یزید صحابی رض سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لوگ رمضان میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور عثمان بن عفانؓ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ شدت قیام کی تاب نہ لا کر اپنے اپنے عصا پر ٹیک لگاتے تھے۔ رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ (جلد ۲ صفحہ ۴۹۶) قلت ھذا الاثر قد صحح اسنادہ غیر واحد من الحفاظ کالنووی فی الخلاص

وابن العراقی فی شرح التہذیب والسیوطی فی المصابیح (آثار السنن جلد ۲ ص ۵۴)

(۲) بیہقیؒ نے دوسرے طریق سے بھی حضرت سائب بن یزید صحابی رضؓ سے روایت کی ہے کہ ہم عمر بن خطاب کی خلافت میں بیس رکعت تراویح اور وتر کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے۔ رواہ البیہقی فی معرفۃ السنن والآثار وھذا الاثر من ھذا الوجہ قد صحح اسنادہ العلامہ السبکی فی شرح منہاج السنۃ وعلی القاری فی شرح الموطا۔ (آثار السنن جلد ۲ ص ۵۴) وقال النووی فی الخلاصۃ اسنادہ صحیح (فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۰۵)

(۳) علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی رحؒ رقم فرما ہیں:۔

وروی مالک من طریق یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید عشرین رکعۃً وھذا محمول علی غیر الوتر (فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۴۔ صفحہ ۱۸۰)	امام مالکؒ نے بطریق یزید بن خصیفہ حضرت سائب بن یزید صحابی سے بیس رکعتیں روایت کی ہیں۔ اس تعداد میں وتر داخل نہیں۔

اور حضرات غیر مقلدین کے روح رواں اور نفس ناطقہ قاضی شوکانی لکھتے ہیں:۔

وفی موطا من طریق یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید رضؓ انہا عشرون رکعۃً (نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۹۸-۲۹۹)	موطا میں بہ طریق یزید بن خصیفہ رحؒ سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعتیں روایت کی گئی ہیں۔

سوال۔ رکعات تراویح کے متعلق ائمہ مجتہدین کے کیا مذاہب ہیں؟

جواب۔ امام ابن قدامہ حنبلی رحؒ المتوفی سنہ ۶۲۰ھ رقم طراز ہیں:۔ امام احمدؒ کے نزدیک تراویح بیس رکعت مختار ہے۔ سفیان ثوری، ابو حنیفہ اور شافعی رحمہم اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس رکعت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ شروع سے چھتیس رکعت پڑھتے آئے ہیں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابیؓ بن کعب کے اقتداء پر جمع کیا۔ تو وہ بیس رکعت ہی پڑھایا کرتے تھے۔ (المغنی مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۸۰۲)

سوال۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی اور دوسرے محدثین کرام رحمہم اللہ کا اس باب میں کیا مسلک ہے؟

جواب - امام بخاریؒ کے شاگرد رشید امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب جامع ترمذی میں رقم فرما ہیں۔ قیام رمضان کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے۔ بعضوں کے نزدیک وتر سمیت اکتالیس رکعت پڑھی جائیں یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور مدینہ منورہ میں اسی پر عمل درآمد ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہونے کے باعث اہل علم کے نزدیک نماز تراویح بیس رکعت ہے۔ اور یہ سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارک اور شافعیؒ کا قول ہے اور شافعیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس ہی رکعت پڑھتے پایا۔ اور احمدؒ کہا کہ تراویح میں مختلف مسلک ہیں۔ جن میں قطعیت کے ساتھ کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ اور اسحٰق نے کہا کہ ہم اکتالیس رکعت کو ترجیح دیتے ہیں۔ جو اُبیّ بن کعبؓ سے مروی ہے۔ (جامع ترمذی ابواب الصوم مطبوعہ مجتبائی دہلی جلد اوّل صفحہ ۹۹-۱۰۰)

سوال - ہم بیس تراویح کو اس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے جب تک جماعت اہل حدیث کے رُکن اعظم قاضی شوکانی بھی بیس رکعت تراویح کی شہادت نہ دیں۔

جواب - شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کتاب منتقی الاخبار میں لکھا تھا کہ امام مالکؒ نے مؤطا میں یزید بن رومان سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ وتر سمیت تیئیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔" قاضی شوکانی اس کی شرح کرتے ہوئے نیل الاوطار میں لکھتے ہیں:-

ابن اسحٰق نے کہا کہ میں نے رکعات تراویح کے بارہ میں آج تک جو کچھ سُنا یہ ان میں سب سے زیادہ پختہ ہے۔ امام مالکؒ نے موطا میں محمد بن یوسف سے اور انہوں نے سائب بن یزید سے گیارہ رکعت روایت کی ہے۔ لیکن محمد بن نصر مروزی نے (کتاب قیام اللیل میں) محمد بن یوسف سے اکیس رکعتیں روایت کی ہیں اور موطا میں یزید بن خصیفہ کے طریق سے اور یزید بن خصیفہ نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے۔ اور محمد بن نصر مروزی نے عطا تابعیؒ سے روایت کی ہے کہ میں نے رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے ہوئے پایا۔

اور محمد بن نصر مروزی نے داؤد بن قیس کے طریق سے روایت کی کہ میں نے مدینہ منورہ میں ابان بن عثمانؓ اور عمر بن عبدالعزیز رح کے ایام امارت میں لوگوں کو چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے ہوئے پایا۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہمارے شہر مدینہ میں انتالیس اور مکہ میں تیئیس رکعتیں پڑھی جاتی ہیں لیکن اس میں کوئی تنگی نہیں ہے۔ امام مالک نے فرمایا کہ اس پر ایک صدی سے بھی زائد عرصہ سے عمل چلا آتا ہے اور امام مالکؒ سے چھیالیس رکعت

تراویح اور تین وتر کی بھی روایت ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ امام مالکؒ کا زیادہ مشہور مذہب یہی ہے۔ اور امام نافع نے فرمایا کہ میں نے تو لوگوں کو ہمیشہ اُنتالیس رکعت ہی پڑھتے ہوئے پایا۔ جن میں تین وتر تھے اور زرارہ بن اوفیٰ نے کہا کہ وہ بصرہ میں لوگوں کو وتر کے علاوہ چونتیس رکعت پڑھاتے تھے۔ انتہیٰ ملتقطاً (نیل الاوطار من منتقی الاخبار جلد ۳ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۹۸)

سوال۔ لیکن اس اشکال کا کیا حل ہے کہ امام مالکؒ نے موطا میں روایت کی ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے اُبیؓ بن کعب اور تمیم داری کو وتر سمیت گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

جواب۔ امام ابن عبدالبرؒ مالکی رح نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ کے سوا دوسروں نے گیارہ کی بجائے اکیس کی روایت کی ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ گیارہ رکعت امام مالکؒ کا وہم (یعنی غلط فہمی) ہے کہ انہوں نے اکیس کو گیارہ سمجھ لیا۔ (زرقانی شرح مؤطا جلد اوّل صفحہ ۲۱۵)

سوال۔ زرقانی نے اس وہم کا یہ جواب دیا ہے کہ امام مالکؒ کی طرح سعید بن منصور نے بھی گیارہ رکعتیں روایت کی ہیں۔"

جواب۔ سعید بن منصور کے سلسلۂ رواۃ میں بھی ایک راوی عبدالعزیز بن محمدؒ ضعیف ہے۔

سوال۔ امام مالک کی گیارہ رکعت والی روایت نہایت پختہ ہے لیکن آپ نے وہم کا عذر کر کے اس کو مسترد کر دیا۔

جواب۔ امام ابن عبدالبر مالکی المذہب تھے اور ان کے دل میں اپنے امام کی انتہائی قدر و منزلت تھی۔ پس ظاہر ہے کہ وہ انتہائی غور و خوض اور پورے تفحص و استقصار کے بعد ہی ایسی بات زبان قلم پر لاسکتے تھے۔ پس ان کی مخلصانہ رائے کو نظر انداز کرنا سخت گستاخی اور بے انصافی ہے۔ اور خاکسار راقم الحروف بھی انتہائی تفتیش و تدقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ کہ امام مالکؒ کی قوت سامعہ نے خطا کی۔ امام ابن عبدالبرؒ نے تو محض اپنے رجحان طبع اور گمان غالب کا اظہار کیا تھا۔ لیکن میرے نزدیک اس کو قطعیت اور حق الیقین کا درجہ حاصل ہے۔ اور اس اذعان و یقین اور قطعیت کے مفصلۂ ذیل نو وجوہ ہیں۔

(۱) امام مالکؒ نے اپنے جس استاد محمد بن یوسفؒ سے سن کر مؤطا میں گیارہ رکعتیں درج فرمائیں امام مالکؒ کے ہم سبق امام داؤد بن قیسؒ نے انہی محمد بن یوسف سے سن کر اکیس رکعتیں روایت کیں۔ رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ (فتح الباری جلد ۴ ص ۱۸۰۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۵ ص ۲۵۷)۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ

خود امام مالکؒ نے اپنے دوسرے استاد یزید بن خصیفہ سے بیس رکعت کی بھی روایت کی ہے۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۱۸۰)۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ خود امام مالکؒ نے مؤطا میں اپنے تیسرے استاد یزید بن رومان سے بھی بیس رکعت ہی نقل کی ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام مالک کے چوتھے استاد یحییٰ بن سعید سے بھی بیس رکعتیں ہی مروی ہیں

رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہٖ عن وکیع عن مالک بن انس عن یحییٰ بن سعید

پانچواں باعث یہ ہے کہ حضرت سائب بن یزید صحابی رضؓ اپنے ارشد تلامذہ محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہؒ کے علاوہ اپنے دوسرے شاگردوں کو بھی بیس رکعت ہی بتایا کرتے تھے (ملاحظہ ہو عینی شرح بخاری جلد ۵ ص ۳۵۷) چھٹی وجہ یہ ہے کہ تمام صحابۂ کرام، تابعین عظام، اتباع تابعین اور تمام دوسرے علمائے اُمت سلفاً و خلفاً ہمیشہ بیس رکعت بلکہ بعض اس سے بھی زیادہ پڑھتے رہے ہیں۔ کما مرّ۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ خود امام مالکؒ نے آٹھ کو نظر انداز کر کے ہمیشہ ۳۶ رکعت نماز تراویح پڑھی ہیں۔ اور یہ امر مسلّم ہے کہ اگر راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو اسکی روایت قابلِ عمل نہیں ہوتی۔

آٹھویں یہ کہ حسب بیان محدّث ترمذی رحمہ اللہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بیس رکعت ہی پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ نویں یہ کہ ترمذی، مروزی، شوکانی وغیرہم نے رکعات تراویح کے متعلق ائمہ کے جو مذہب و مسلک بتائے ہیں۔ اُن میں آٹھ رکعت کسی مجتہد، کسی محدّث اور کسی فقیہ کا مذہب و مسلک نہیں بتایا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ائمۂ ھُدیٰ میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت کا قائل نہ ہوتا۔ الغرض یہ وجوہ و اسباب ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ امام مالکؒ کو غلط فہمی ہوئی۔ انہوں نے اپنے ایک استاد محمد بن یوسف سے روایت سنتے وقت احدیٰ و عشرین (اکیس) کو احدیٰ عشر (گیارہ) سمجھ لیا۔

سوال۔ حدیث صحیح میں حضرت عائشہ رضؓ سے وارد ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اس سے آٹھ تراویح اور تین رکعت وتر کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب۔ اُم المومنین رضؓ کا یہ بیان نماز تہجّد کے بارہ میں ہے۔ نماز تہجد ہی رمضان اور غیر رمضان میں ہمیشہ پڑھی جاتی ہے۔ بخلاف تراویح کے جو رمضان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اُم المومنین کے اس بیان کو نماز تراویح سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ ابو سلمہؒ کو شبہ ہوا تھا کہ رمضان المبارک عبادت کا مہینہ ہے

آنحضرت ماہ صیام میں عبادت کے لئے غیر معمولی مستعدی کے ساتھ قائم اللیل رہتے تھے۔ اس لئے اغلب ہے کہ آپ اس مہینہ میں رکعات تہجد میں بھی اضافہ فرما دیتے ہوں گے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ نہیں رمضان کی آمد رکعاتِ تہجد پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔

اور اس بات کا قرینہ کہ ابوسلمہؒ نے تہجد کے متعلق ہی سوال کیا تھا یہ ہے کہ ابوسلمہ رض نے اس کے بعد یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا آنحضرت وتر سے پہلے سو جاتے تھے تو ام المومنین نے جواب دیا کہ میں نے آپ سے یہ بات دریافت کی تھی اور آپ نے فرمایا تھا کہ میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں لیکن دل بیدار رہتا ہے۔ (یعنی میں سو جاتا ہوں مگر دل خواب میں بھی غافل نہیں رہتا) رواہ البخاری و مسلم۔ غرض یہ سمجھنا کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں سخت بے عقلی کی بات ہے۔

سوال۔ منجانب اللہ تہجد پڑھنے کا کب حکم ہوا تھا اور تراویح کا کب؟

جواب۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الرای النجیح فی رکعات التراویح میں اس مسئلہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ جو حضرات تفصیل کے طالب ہوں وہ کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نماز تہجد اور نماز تراویح کی تشریع اور احکام جدا ہیں۔ تہجد ابتدائے اسلام میں تمام امت پر فرض ہوا۔ ایک سال کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور تطوعاً رمضان و غیر رمضان میں جاری رہا۔ اس وقت تراویح کا کہیں وجود نہ تھا۔ پھر ہجرت کے بعد جب صوم رمضان فرض ہوا تو اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا۔ اور اس میں فرمایا کہ حق تعالیٰ نے رمضان کا روزہ فرض اور اس کا قیام نفل کیا ہے۔

فصل ۱۵۰۔ تراویح کے مختلف مسائل

سوال تراویح کے وہ ضروری مسائل جن کا جاننا ضروری ہے کیا کیا ہیں؟

جواب۔ (۱) تراویح میں ایک بار ختم قرآن سنت ہے۔ لوگوں کی سستی کی وجہ سے اس کو ہرگز ترک نہ کریں۔ اور جہاں کوئی قاری یا حافظ نہ ملے وہاں مجبوراً چھوٹی سورتیں پڑھ لی جائیں۔

(۲) نماز تراویح مسجد میں جماعت کے ساتھ مسنون ہے۔ اگر کسی جگہ کے لوگ مسجد کو چھوڑ کر گھر میں تراویح کی جماعت کرلیا کریں تو سب گنہ گار ہوں گے۔ (شامی جلد اول ص ۵۲۱)۔ (۳) بالغوں کو فرض و نفل میں نابالغ کا اقتداء درست نہیں پس تراویح بھی نابالغ کے پیچھے نہیں ہوتی اور بلوغ پندرہ برس کی عمر میں ہے۔ جب تک لڑکا پندرہ برس کا نہ ہو جائے اس کو امام نہ بنائیں۔

اور اگر نفلوں میں اس سے قرآن سننا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ یادو نفل کی نیت کر کے کھڑا ہو جائے اور سننے والے ویسے ہی بیٹھ کر اس کی قرآن خوانی سنتے رہیں۔ جب پورے پندرہ برس کا ہو جائے تو تراویح میں امام بنالیں۔ جس گاؤں میں نابالغ کے سوا کوئی حافظ قرآن نہ ہو۔ وہاں تراویح میں چھوٹی سورتیں پڑھ لی جائیں (۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی ایک مستقل آیت ہے جس کو ہر سورت کے شروع میں پڑھا جاتا ہے۔ جو شخص سارا کلام پاک ختم کرے لیکن بسم اللہ کسی سورت کے شروع میں نہ پڑھے اس کا قرآن نامکمّل رہے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ جس طرح تراویح میں قرآن مجید کو جہراً پڑھا ہے اسی طرح ایک مرتبہ کسی سورت کے شروع میں بسم اللہ کو بھی جہراً پڑھ لیا کریں۔

(۵) تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد جس کو ترویحہ کہتے ہیں بقدر ایک ترویحہ آرام کرنا مستحب ہے اس وقفہ میں تسبیح یا قرآن پڑھیں۔ درود بھیجیں یا خاموش رہیں۔ یا نفل پڑھیں ہر طرح سے اختیار ہے۔ ترویحہ میں کوئی خاص تسبیح یا دعا وغیرہ ماثور نہیں۔ اگر چار رکعت کی مقدار سے کم دیر بیٹھیں تو بھی مضائقہ نہیں لیکن ترویحوں کے درمیان بالکل نہ بیٹھنا ترک مستحب ہے (۶) جو کوئی اس نیت سے تراویح میں شریک ہوا کہ امام غلط پڑھ رہا ہے اس کو بتلا کر علیحدہ ہو جائے گا تو اس کے ذمہ نماز پوری کرنی لازم ہو گئی۔ اور اس نیت سے شریک جماعت ہونا بُرا ہے۔ (۷) افضل یہی ہے کہ ایک مسجد میں سب لوگ امام کے پیچھے تراویح پڑھیں۔ لیکن اگر کسی وسیع اور کشادہ جامع مسجد میں دو یا زیادہ حافظ ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تراویح میں قرآن سنائیں تو بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں نفسانیت کو دخل نہ ہو اور ایک کی آواز دوسرے تک پہنچ کر حرج کا باعث نہ ہو۔

(۸) بہتر یہ ہے کہ قرآن کم از کم تین راتوں میں ختم کیا جائے۔ ختم شبینہ میں بھی کچھ حرج نہیں بشرطیکہ قرّاء و حفاظ صحیح پڑھیں۔ ایسی تیزی سے پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آئیں۔ یا مخرج سے ادا نہ ہوں۔ تو اس کا سنانا یا سننا بجائے ثواب کے اُلٹا گناہ ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ اگر شبینہ میں قرآن صاف پڑھا جائے اور حفّاظ کو ریا و نمود مقصود نہ ہو۔ کہ فلاں نے اس قدر پڑھا اور فلاں نے اس قدر اور جماعت کسلمند نہ ہو اور

حاجت سے زیادہ روشنی میں تکلف نہ کیا جائے۔ اور قرآن کو تراویح میں پڑھیں (نوافل میں نہیں) اور قصد حصولِ ثواب ہو تو ختم شبینہ جائز ہے اور اس حدیث کے معارض نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے تین دن سے کم مدت میں قرآن پڑھا وہ تفقہ سے محروم رہا۔ رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی۔ کیونکہ علتِ منع عدم تفقہ ہے۔ اور جب ایسا صاف پڑھا جائے کہ تفقہ وتدبّر ممکن ہو۔ تو ممنوع نہیں۔ (امداد الفتاوے جلد اوّل مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۰۴)

(۹) بعض لوگ قرآن ختم ہونے پر تراویح پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ بڑی حرمان نصیبی ہے۔ تراویح کی سنیّت آخر رمضان تک باقی رہتی ہے۔ آخری عشرۂ رمضان کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر ہونے کا بہت بڑا قرینہ ہے۔ اس لئے ان راتوں میں تراویح سے دست بردار ہو کر بساطِ غفلت پر دراز ہو جانا خفتہ بختوں کا کام ہے۔

سوال۔ بعض حفاظ تراویح میں قرآن ختم کرتے وقت قل ہو اللہ کو تین مرتبہ پڑھتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

جواب۔ راقم السطور کا مدت العمر کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ تراویح کے ختم قرآن میں سامع کی موجودگی میں بھی غلطیاں رہ جاتی ہیں اور آیتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ لاہور کی بعض ممتاز مساجد میں رمضان کے آخری عشرہ میں سہ شبانہ ختم کا معمول ہے۔ مدینہ مسجد کے ایک ختم میں حافظ ایک آیت چھوڑ گیا۔ وہ سورۃ مجھے یاد تھی چونکہ لقمہ دینے کا حق سامع کا ہے میں اس کے احساس ذمہ داری کا منتظر رہا لیکن نہ تو اس کی گویائی حرکت میں آئی اور نہ دوسرے حفاظ وقراء میں سے کسی کی زبان کو جنبش ہوئی۔ اتنے میں پڑھنے والا آگے نکل گیا۔ ناچار راقم الحروف نے دخل دے کر پیچھے سے پڑھوایا تو چھوٹی ہوئی آیت پڑھی گئی۔ تراویح میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ اور جو اس سے انکار کرے وہ بے خبر یا دروغگو ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر میرے نزدیک نہایت مستحسن ہے کہ جبر مافات کے لئے تراویح کے ختموں میں سورۂ اخلاص کو جو ثلثِ قرآن ہے۔ تین مرتبہ پڑھا جائے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمۃ رقم فرماتے ہیں کہ تراویح میں سورۂ اخلاص کو مکرر پڑھتے ہیں۔ ایک مرتبہ تو اس کے سورۂ قرآن ہونے کی نیت کرتے ہیں۔ اور دوبارہ اس کو اس خیال سے پڑھتے ہیں کہ جو کچھ کمی یا غلطی قرآن میں واقع ہوئی۔ اس کا جبر نقصان ہو جائے۔ کہ یہ ثلث قرآن وصفت رحمان تعالیٰ شانہٗ ہے بعض کتب فقہ میں بھی یہ لکھا ہے۔ پس اس میں مضایقہ نہیں۔ اور کسی سورت کے مکرّر پڑھنے میں کوئی حرج

نہیں مگر اس کو سنت نہ جانیں۔ اور کسی آیت کا مکرر پڑھنا تو حدیث سے بھی ثابت ہے۔ کسی وجہ سے مگر اس وجہ خاص سے کتب فقہ میں لکھا ہے اور کوئی ضروری امر نہیں۔ البتہ ضروری اور سنت جان کر پڑھنا بدعت ہو جائے گا۔ (فتاوائے رشیدیہ جلد اوّل مطبوعہ کراچی صفحہ ۲۶)

اور مولٰنا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں کہ تراویح میں ختم قرآن کے وقت تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنا مستحسن ہے۔ شرح مُنیہ میں ہے:۔

قراءۃ قل ھو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنھا بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو اللیث ھذا شیئ استحسنہ اھل القران و ائمۃ الامصار فلا بأس بہ اِلّا ان یکون الختم فی المکتوبۃ فلا یزید علیٰ مرۃٍ۔

ختم قرآن کے وقت تین مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھنے کو بعض مشائخ نے مستحسن نہیں خیال کیا لیکن فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا ہے کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کو اہل قرآن (یعنی قاریوں) اور ائمہ امصار نے مستحسن قرار دیا ہے۔ پس تین مرتبہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بجز اس صورت کے کہ ختم فرض نماز میں ہو اس صورت میں قل ھو اللہ کو ایک مرتبہ سے زیادہ نہ پڑھا جائے۔

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے:۔

یکرہ تکرار قراءۃ السورۃ فی الفرض ولا یکرہ تکرار السورۃ فی التطوع لان باب النفل اوسع (فتاویٰ مولٰنا عبدالحی لکھنوی جلد سوم ص ۶۵)

فرض نماز میں کسی سورت کو دوبارہ پڑھنا مکروہ ہے اور نفلی نمازوں میں سورت کا تکرار مکروہ نہیں کیونکہ نفل کا باب بہت وسیع ہے۔

سوال۔ مولٰنا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کے نزدیک ختم تراویح میں تین مرتبہ قل ھو اللہ پڑھنا چاہیئے یا ایک مرتبہ؟

جواب۔ مولٰنا تھانوی رحمہ اللہ نے بھی تین مرتبہ پڑھنے کو اولیٰ و احسن بتایا ہے۔ چنانچہ ترجیح الراجح حصہ چہارم کے صفحہ ۸۰ پہ فرماتے ہیں عـہ۔ چونکہ تمام عرب و عجم میں اس فعل پہ عمل درآمد ہو رہا ہے اس لئے جس طرح

عـہ کتاب ترجیح الراجح ان مسائل پر مشتمل ہے جن میں مولٰنا تھانویؒ کا مسلک پہلے کچھ اور تھا لیکن لبعد میں اُن سے رجوع فرما

کتب (فقہ) میں مصرّح ہے۔ اسی طرح (یعنی تین مرتبہ پڑھنا ہی) اَولیٰ و احسن ہے۔ مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاوی کی تیسری جلد میں اس سوال کا جو جواب دیا ہے وہ مستحسن جواب ہے۔ شرح مُنیہ میں ہے قراءۃ قل ھُو اللہ ثلاث مرّاتٍ عند ختم القرآن لم یستحسنہا بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو اللیث ھذا شیئٌ استحسنہُ اھل القرآن وائمۃ الامصار فلا بأس بہ إلّا ان یکون الختم فی المکتوبۃ (امداد الفتاویٰ مطبوعہ کراچی جلد اوّل ص ۳۰۵-۳۰۶)

سوال۔ بعض مقامات پر تراویح میں قرآن سنانے والے حافظ کو کچھ روپیہ دینے کا رواج ہے۔ قرآن سنانے کے لئے حافظ کا اس جگہ کو ترجیح دینا یا سفر کرکے وہاں جانا یا بغیر رقم مقرر کئے ایسی جگہ قرآن سنانا جہاں سے زیادہ رقم ملنے کی اُمید ہو کیسا ہے؟

جواب۔ قرآن سنانے کی اجرت لینا جائز نہیں جیسا کہ علامّہ شامی نے باب الاستیجار علی الطاعات میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ الآخذ والمعطی آثمان (لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں) اور اگر کسی مسجد میں روپیہ دینے کا پہلے سے رواج نہ ہو۔ کبھی دیتے ہوں اور کبھی نہ دیتے ہوں تو اس کے قبول کرنے کو بعض علماء نے جائز رکھا ہے۔ مولانا محمد شفیع سابق مفتی دیوبند نے لکھا ہے کہ اُجرت لیکر قرآن پڑھنا اور پڑھوانا گناہ ہے۔ اس بنا پر تراویح میں چھوٹی سورتوں سے بیس رکعت پڑھ لینا بلاشبہ اس سے بہتر ہے کہ اُجرت دے کر پورا قرآن پڑھوایا جائے۔ کیونکہ تراویح میں پورا قرآن پڑھنا مستحب ہے اور اُجرت دے کر قرآن پڑھنا اور پڑھانا گناہ ہے۔ اور گناہ سے بچنا بہ نسبت مستحب پر عمل کرنے کے زیادہ ضروری ہے۔ البتہ اگر کسی نے اجیر کے پیچھے تراویح پڑھ لی تو نماز تراویح کے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ نماز ہو گئی۔ اگرچہ مکروہ ہوئی۔

امام محمد بن نصر مروزیؒ کتاب قیام اللیل باب "اخذ الاجر علی الامامۃ فی رمضان"۔ میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مغفل صحابی رضؓ رمضان میں قرآن سناتے رہے۔ عبیداللہ بن زیاد حاکم کوفہ نے عید کے دن انہیں پانسو درہم اور ایک حُلّہ بھیجا۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر دونوں چیزیں واپس کر دیں کہ ہم کتاب اللہ پر اُجرت نہیں لیتے۔ (قیام اللّیل صفحہ ۱۰۳)

اور ابو ایاس کا بیان ہے کہ میں عمرو بن نعمان کے پاس ٹھیرا ہوا تھا۔ رمضان کی آمد پر مُصعب بن زبیر حاکم بصرہ کا قاصد ان کے پاس دو ہزار درہم لے کر آیا اور کہنے لگا کہ امیر نے آپ کو سلام کے بعد کہا ہے کہ یہ دو ہزار درہم آپ رمضان میں اپنے نفقہ پر خرچ کیجئے۔ اور لوگوں کو تراویح میں قرآن سنائیے"۔ عمرو نے دراہم واپس کرتے ہوئے قاصد سے

فرمایا کہ امیر کو بعد سلام کے کہنا کہ میں قرآن سناؤں گا لیکن میں نے قرآن اس لئے نہیں پڑھا کہ اس کے ذریعہ سے دنیا اور درہم کماؤں۔ رواہ الدارمی

مروزیؒ لکھتے ہیں کہ امام حسن بصری سے پوچھا گیا کہ کیا ان لوگوں کے ساتھ نماز تراویح پڑھ لیں جنہوں نے قرآن سُنانے کے لیے کسی اجیر کو اُجرت پر لے رکھا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ نہ اجیر کی نماز ہوتی ہے اور نہ لوگوں کی۔ اور عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اُجرت دے کر قرآن سُنا جائے اور مجھے خدشہ ہے کہ کہیں اُجرت دینے والوں پہ نماز تراویح کا اعادہ واجب نہ ہو۔ اور امام احمدؒ سے اس امام کے پیچھے تراویح پڑھنے کے متعلق دریافت کیا گیا جس کا مطالبہ یہ ہو کہ وہ اتنے درہم لیکر قرآن سنائے گا" امام احمدؒ نے فرمایا کہ میں اللہ سے پناہ چاہتا ہوں کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھوں (قیام اللیل مروزیؒ صفحہ ۱۰۳)

سوال۔ حفاظ و قرّاء کا معمول ہے کہ قرآن ختم کرنے کے بعد سورۂ بقرہ کی چند آیتیں پڑھتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا مسنون طریقہ ہے؟

جواب۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا حال مرتحل۔ عرض کیا گیا کہ حال مرتحل سے آپ کی کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ قرآن کو شروع کرنا اور اوّل سے آخر تک ختم کرنا اور پھر آخر سے اوّل کی طرف لوٹنا اور سعید نے فرمایا مجھے خبر ملی ہے کہ جب بندہ قرآن پڑھ کر ختم کرتا ہے اور پھر شروع کر دیتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تم نے اپنے رب کو راضی کر لیا (قیام اللیل صفحہ ۱۰۹) محشی نے لکھا کہ اسی بنا پر جب مکہ معظمہ کے قاری قرآن ختم کرتے ہیں تو پھر شروع کر دیتے ہیں اور سورۂ فاتحہ اور بقرہ کی پہلی پانچ آیتیں مفلحون تک پڑھتے ہیں۔

سوال۔ رمضان میں ختم قرآن کے وقت دعا میں شریک ہونے کے لئے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ اس اجتماع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب۔ ختم قرآن کے وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں اور گھر والوں کو جمع کر کے ان کے لئے دعا کرتے۔ حضرت ابن عباس رضؓ عمر کے آخری ایام میں نابینا اور بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ وہ ختم کی رات کسی آدمی کو متعین کر دیتے۔ جب قرآن قریب الاختتام ہوتا تو وہ آکر انہیں اطلاع دیتا۔ حضرت ابن عباس رضؓ جلساء سے فرماتے کہ اٹھو چل کر خاتمہ میں شریک ہوں" اور مجاہد فرماتے تھے کہ ختم قرآن کے وقت رحمت خاص نازل ہوتی ہے چنانچہ لوگ ختم کے وقت مجتمع ہو جاتے اور کہتے تھے کہ رحمت نازل ہو رہی ہے۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کتاب "تلبیس ابلیس" میں لکھتے ہیں کہ قاریوں نے یہ دستور کر لیا ہے کہ ختم قرآن کی رات کثرت سے روشنی کرتے ہیں۔ اس میں مال کی بربادی اور مجوسیوں کی مشابہت کے علاوہ وہ راتیں مردوں اور عورتوں کو فتنہ کے لئے جمع کرنے کا سبب نکالتے ہیں۔ اور ابلیس ان کو سمجھاتا ہے کہ اس میں دین کی رونق اور عزت ہے۔ شیطان یہ مکر عظیم بہت جگہ پھیلاتا ہے حالانکہ دین کی عزت تو ایسے امور کو عمل میں لانے سے ہوتی ہے۔ جو مشروع ہیں۔"

فصل ۱۵۱۔ فضائل جمعہ

سوال۔ احادیث نبویہ میں جمعہ کے کیا کیا فضائل مروی ہیں؟

جواب۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ سب سے بہتر دن جمعہ ہے۔ اس میں آدمؑ کی پیدائش ہوئی۔ آپ اس روز جنت میں داخل ہوئے اسی دن جنت سے نکالے گئے اور قیامت بھی جمعہ کے دن قائم ہوگی۔ رواہ مسلم۔ بہشت سے نکلنے کی فضیلت جمعہ اس لئے ہے کہ ان کا نکلنا انبیاء و اولیاء کی پیدائش اور اہل ایمان کے حسنات بے نہایت کا باعث ہوا۔ اور فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک ایسی مقبول ساعت ہے کہ جو مسلمان اس میں کوئی دعا مانگے حق تعالیٰ ضرور قبول کرتا ہے۔ رواہ البخاری ومسلم۔

اور فرمایا۔ سب سے افضل دن جمعہ ہے۔ اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! جس وقت آپ کا جسد مبارک بوسیدہ ہو گیا ہوگا۔ اس وقت ہمارا درود آپ کے حضور میں کیونکر پیش ہوگا؟ فرمایا۔ حق تعالیٰ نے انبیاء کے جسم زمین پر حرام کر رکھے ہیں۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ۔ وصححہ النووی فی الاذکار +

فصل ۱۵۲ - فرضیتِ نمازِ جمعہ[عـه]

نمازِ جمعہ فرض ہے یہ نمازِ ظہر کا عوض ہے۔ اور اس کے تارک کے خلاف سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کاہلی کر کے تین جمعے چھوڑ دے۔ حق تعالیٰ اس کے دل پر مُہر کر دیتا ہے۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی - اور فرمایا جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر نماز جمعہ فرض ہے۔ سوائے اس صورت کے کہ مریض یا مسافر یا عورت یا لڑکا یا (شرعی) غلام ہو اور جس نے لہو ولعب یا کاروبار کی مشغولی میں نمازِ جمعہ سے بے اعتنائی کی اللہ تعالیٰ بھی جو غنی اور حمد کیا گیا ہے۔ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ رواہ الدارقطنی -

اور فرمایا جس نے بلا عذر نمازِ جمعہ ترک کی وہ شخص اس کتاب میں جس میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا منافق لکھا جاتا ہے۔ اور بعض روایتوں میں تین جمعے ترک کرنے والے کے متعلق یہ وعید وارد ہوئی ہے۔ رواہ الشافعی - اور فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا تھا کہ جو لوگ نمازِ جمعہ پڑھنے کو حاضر نہیں ہوتے ان کے گھر جلا دوں رواہ مسلم

فصل ۱۵۳ نمازِ جمعہ کے شرائطِ وجوب

نمازِ جمعہ کے واجب ہونے کی گیارہ شرطیں ہیں (۱) مقیم ہونا۔ مسافر پر واجب نہیں (۲) تندرستی۔ بیمار پر جمعہ فرض نہیں۔ تیماردار جو بیمار کی اس طرح خبر گیری کرتا ہو کہ اگر مثلاً وہ چلا جائے تو بیمار کی کوئی خبر نہ لے۔ وہ بھی بیمار سے ملحق ہے۔ اور شیخ فانی بھی بیمار کے حکم میں ہے یعنی بہت بوڑھا جو چلنے پھرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ (۳) آزاد ہونا۔ غلام پر جمعہ واجب نہیں۔

اور مزدور پر جمعہ واجب ہے۔ لیکن اگر مزدور جامع مسجد سے دُور کام پر لگا ہو تو اس کی مزدوری اُجرت

عـه چونکہ کتاب کا حجم مجوزہ ضخامت سے بڑھ گیا ہے اسلئے اختصار کے لئے سوال وجواب کا عنوان بعض اہم مواقع کے سوا قلم انداز رہے گا - ۱۲ -

کے حساب سے وضع ہو جائے گی۔ اور کہیں قریب ہی ہو تو مزدوری ساقط نہ ہو گی۔ دُوری سے یہ مراد ہے کہ نماز جمعہ کو آنے جانے میں ایک پہر یعنی تین گھنٹے لگ جائیں تو اس روز کی اُجرت میں سے چوتھائی مزدوری کٹ جائے گی۔ کذا فی الشامی۔ یہ اس صورت میں ہے کہ کام کے بارہ گھنٹے ہوں۔ اور اگر آٹھ گھنٹے ہوں تو ظاہر ہے۔ کہ تین گھنٹے غیر حاضری کی اُجرت چوتھائی سے زیادہ وضع ہو گی۔

جمعہ کے فرض ہونے کی چوتھی شرط مرد ہونا ہے۔ عورتوں پر جمعہ واجب نہیں۔ پانچویں شرط بالغ ہونا ہے۔ نابالغ لڑکے پر واجب نہیں۔ چھٹی شرط عاقل ہونا ہے۔ مجنوں پر واجب نہیں۔ ساتویں شرط بینائی ہے۔ اندھے پر جمعہ فرض نہیں۔ اگرچہ اس کو جامع مسجد تک پہنچانے والا میسّر ہو۔ البتہ ایک آنکھ والے پر جمعہ فرض ہے۔ فرضیت جمعہ کی آٹھویں شرط چلنے کی قدرت ہے۔ اگر لنگڑا آدمی جامع مسجد جانے کی قدرت رکھتا ہو۔ تو اس پر جمعہ فرض ہے۔ اور اگر اس کی ایک ٹانگ ایسی فالج زدہ یا کٹی ہوئی ہو کہ جامع مسجد تک نہیں پہنچ سکتا تو اس پر جمعہ فرض نہیں۔

نویں شرط محبوس نہ ہونا۔ دسویں پولیس[ع] یا چوروں وغیرہ کا خوف نہ ہونا ہے۔ گیارھویں شرط سخت بارش اور کیچڑ اور برف باری اور اس قسم کے دوسرے عذرات کا فقدان ہے اور جس شخص کی ذات میں فرضیت جمعہ کی یہ شرطیں کل یا بعض مفقود ہوں اگر وہ از راہ عزیمت جمعہ پڑھ لے حالانکہ وہ مکلّف یعنی عاقل بالغ ہو تو اس کا جمعہ ہو جائے گا۔ اور ظہر کی فرضیت اس کے ذمے سے ساقط ہو جائے گی اور جمعہ سب عذر والوں کے حق میں ظہر سے افضل ہے۔ بجز عورت کے کہ اس کے لئے جمعہ سے ظہر افضل ہے۔ کیونکہ اس کے لئے گھر کی نماز بمقابلہ مسجد زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ (درّمختار)

فصل ۱۵۴۔ نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں

نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی یہ شرطیں ہیں (۱) پہلی شرط شہر ہے۔ درمختار میں شہر سے وہ آبادی مراد ہے

[ع] پولیس کے خوف سے یہ مُراد ہے کہ کسی جابر حکومت کی طرف سے کسی جرم آشنا کے وارنٹ گرفتاری نکلے ہوں ۱۲

جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس کے ان باشندوں کی سمائی نہ ہو جو نماز جمعہ پڑھنے کے مکلّف ہیں یعنی عورتوں بچوں بیماروں اور مسافروں کے علاوہ وہاں اس قدر مسلمان ہوں کہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں اکثر فقہاء نے احکام میں سستی ظاہر ہونے کی وجہ سے شہر کی اسی تعریف پر فتویٰ دیا ہے۔ کذا فی المجتبیٰ۔ یعنی ظاہر مذہب کے رو سے حدود کا قائم کرنا شہر ہونے کی شرط ہے لیکن چونکہ حکام حدود اللہ کے قائم کرنے میں کوتاہی اور سستی کرتے ہیں۔ اس لئے فقہاء نے شہر کی یہ تعریف کرنی شروع کی کہ وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں وہ تمام مسلمان جمع ہوں جن پر جمعہ کی نماز فرض ہے تو سما نہ سکیں۔ کذا فی الطحطاوی۔

اور مولانا بحر العلوم کتاب ارکان میں لکھتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار مولانا نظام الدین لکھنوی قدس سرہٗ شہر کی یہ تعریف کرتے تھے۔ کہ جہاں اہل حرفہ لوگ جن کی اکثر ضرورت پڑتی ہے موجود ہوں اور انسان کے حوائج ضروری پورے ہوں اور کھانے کا سامان اور کپڑا وہاں بکتا ہو۔ (فتاوی مولانا عبدالحی جلد سوم صفحہ ۶۹)

ان دونوں تعریفوں کے رو سے تمام بڑے بڑے دیہات والوں پر جمعہ فرض ہو جاتا ہے۔ غرض شہر یا شہر کے قائمقام بڑے گاؤں یا قصبے میں بود و باش رکھنا نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی پہلی شرط ہے اسی طرح شہر کے آس پاس کی ایسی آبادی کہ شہر کی ضرورتیں اس کے ساتھ وابستہ ہوں۔ مثلاً شہر کے مردے وہاں دفن ہوتے ہوں یا چھاؤنی ہو تو وہ بھی شہر کے حکم میں ہے۔ چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں۔

دوسری شرط سلطان ہے اگرچہ متغلب ہو۔ گو عورت ہی ہو اور متغلب۔ اس کو کہتے ہیں جس میں امامت کی شرطیں تو نہ ہوں لیکن رعایا اس کی حکومت پر راضی ہو جائے۔ ادا کی تیسری شرط ظہر کا وقت ہے۔ پس وقت کے نکلنے سے جمعہ باطل ہو جائے گا مطلقاً۔ یعنی اگرچہ مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد ہی گزرے کیونکہ وقت ظہر ادا کی شرط ہے نہ شروع کرنے کی۔ یہی وجہ ہے کہ نماز جمعہ کی قضا نہیں۔ چوتھی شرط وقت میں خطبہ دینا ہے۔ اگر خطبہ وقت سے پہلے ہوا اور نماز وقت میں پڑھی تو جمعہ درست نہ ہوگا۔ اور اگر نماز کے بعد خطبہ پڑھا تو نماز نہ ہوگی صحت جمعہ کی پانچویں شرط نماز سے پہلے خطبہ دینا ہے۔ اگر نماز پہلے پڑھی اور خطبہ بعد میں دیا تو نماز نہ ہوگی اور خطبہ ایسے لوگوں کے سامنے ہونا چاہیئے جن سے جمعہ ہو جائے۔ یعنی مرد عاقل بالغ ہوں۔ اگر خطیب کسی مقتدی کے حاضر ہوئے بغیر خطبہ دے گا تو درست نہ ہوگا۔ لیکن ایک مقتدی کی حاضری کافی نہ ہوگی۔ صحت جمعہ کی چھٹی شرط جماعت ہے۔ اور جماعت کا کمتر عدد امام کے سوا تین مرد ہیں۔ اگر صرف عورتیں یا نابالغ لڑکے ہوں تو نماز نہ ہوگی۔

ساتویں شرط اذن عام ہے۔ اذن عام مسجد جامع کے دروازے کھلے رکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور اگر قلعہ کا دروازہ دشمن کے سبب سے یا عادت مستمرہ کی بنا پر بند کیا جائے تو یہ اذن عام کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ نماز کے وقت جمعہ ادا کرنے والوں کو کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اور جب دشمن کا خوف نہ ہو تو دروازہ کا بند نہ کرنا بہتر ہے اور بند دروازے کو کھول کر لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی تو نماز جمعہ بکراہت درست ہوگا۔ لیکن قلعہ میں نماز جمعہ ادا کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ جامع مسجد کو ترک کرنا مکروہ و غیر مستحسن ہے۔ اگر کسی شخص نے شرائط مذکورہ کے نہ پائے جانے کے باوجود نماز جمعہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی اب وہ ظہر پڑھ لے اور شرائط کے فقدان کے باوجود جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

فصل ۱۵۵۔ فرضیت جمعہ کے لئے سلطان کی شرط

سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے لوگو! خدا نے برتر نے تم پر جمعہ فرض کیا ہے پس جس نے امام کے ہوتے ہوئے خواہ عادل ہو یا ظالم انکار و تحقیر کی راہ سے جمعہ ترک کیا۔ خدا اس کے کاموں میں برکت نہ دے گا۔ بعض علماء نے اس روایت کو جمعہ کے لئے سلطان کی شرط کی دلیل سمجھا ہے لیکن یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ موضوع ہے۔ اس کے سلسلۂ اسناد میں تین راوی ولید بن بکیر (۲) عبداللہ بن محمد عدوی اور علی بن زید بن ولید سخت ضعیف اور مجروح ہیں۔

۔ تہذیب التہذیب میں عبداللہ بن محمد عدوی کی نسبت لکھا ہے۔ یضیع الحدیث (عبداللہ بن محمد عدوی حدیثیں گھڑتا ہے) اور اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔ وقال ابن عبد البر جماعة اهل العلم بالحديث يقولون ان هذا الحديث [illegible] اخرجه ابن ماجه [illegible] عبد الله [illegible] عندهم موسوم بالكذب یعنی یہ حدیث عبداللہ بن محمد عدوی کا جعل و من گھڑت ہے۔ جو اہل علم کے نزدیک جھوٹ سے موسوم ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۲۱) اور اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہوتی تو بھی اس سے سلطان کی شرط ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نہ اس میں شرط کا لفظ ہے اور نہ ایسا طرز بیان ہے جو مثبت شرط ہو سکے۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ عمدۃ الرعایہ میں لکھتے ہیں۔ وهذا يرشدك الى ان اشتراطه انما هو على سبيل الاولوية حيث لا تتعدد الجمعة وحيث تعددت فلا حاجة الى ذالك (اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سلطان کا شرط ہونا صرف بہ سبیل اولویت ہے تاکہ جمعے متعدد نہ ہوں اور جہاں متعدد ہوتے ہوں وہاں اس شرط کی کوئی حاجت نہیں۔) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کتاب فتح المنان فی تائید مذہب النعمان میں جو فرنگی محل لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے ہدایہ کی عبارت درج کر کے لکھتے ہیں: - وظاهره يفيد الاولوية والاحتياط عقلاً لا الاشتراط وعدم جواز الصلوٰة بدونه شرعاً (ہدایہ کی ظاہر عبارت سے یہ عقلاً اولویت اور احتیاط ہی ثابت ہوتی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سلطان کی موجودگی جمعہ کی لازمی شرط ہے اور یہ کہ اس کے بغیر جمعہ کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

اسی طرح مولانا بحرالعلوم لکھنویؒ نے کتاب اربعہ میں فرمایا ہے۔ لم اطلع على دليل يفيد اشتراط امر السلطان وما في الهداية رأي لا يثبت به الاشتراط لاطلاق نصوص وجوب الجمعة (میں کسی ایسی دلیل سے مطلع نہیں جس سے جمعہ کے لئے سلطان کی شرط ثابت ہو اور جو کچھ ہدایہ میں لکھا ہے وہ محض ذاتی رائے ہے جس سے سلطان کی شرط ثابت نہیں ہوتی کیونکہ فرضیت جمعہ کے نصوص مطلق ہیں)

بحرالعلومؒ کی عبارت درج کرنے کے بعد مولانا عبدالحی رقم فرما ہیں۔ ان عبارتوں سے تم اچھی طرح سمجھ جاؤ گے کہ بلاد ہند میں جہاں پہ فرنگیوں کا تسلط ہے جمعہ کی فرضیت اور اس کے ادا کی صحت میں کوئی شک نہیں اور جس نے شرط سلطان کے نہ پائے جانے کی وجہ سے سقوط جمعہ کا فتوےٰ دیا وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہا ہے۔ (عمدۃ الرعایہ جلد اوّل صفحہ ۲۴۱ حاشیہ)

اور مولانا سید انور شاہؒ شیخ الحدیث دیوبند کے ایک شاگرد نے ایک مرتبہ راقم الحروف سے بیان کیا تھا کہ مولانا انور شاہ صاحب فرماتے تھے کہ نماز جمعہ کے لئے سلطان کی شرط کسی فقیہ کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی ایک شرط شہر ہے۔ شہر کی ایک تعریف یہ ہے کہ جہاں بادشاہ یا اس کا نائب ہو۔ کسی فقیہ نے غلطی سے شہر کی اس تعریف کو نماز جمعہ کی ایک شرط سمجھ کر شرائط جمعہ میں درج کر دیا۔

فصل ۱۵۶- جمعہ کے دن غسل کرنا اور اجلا لباس پہننا

ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن ناخن ترشواتے اور لبوں کے بال کٹواتے تھے۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط والبزار۔ سلمان رضہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور تا حد مقدار صاف ستھرا ہو کر تیل لگائے اور خوشبو استعمال کرے پھر نماز کے لئے مسجد کی طرف جائے وہاں پہنچ کر دو آدمیوں کو الگ کر کے ان کے بیچ میں نہ بیٹھے یعنی جہاں جگہ پائے وہیں بیٹھ جائے پھر نماز پڑھے جو اس کے لئے مقدر کی گئی ہے۔ بعدہٗ جب امام خطبہ شروع کرے تو خاموش رہ کر سنے تو اس کے تمام گناہ جو گذشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک سرزد ہوئے ہوں بخش دیئے جاتے ہیں۔ رواہ البخاری۔

اور اوس رضہ سے مروی ہے کہ حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو کوئی جمعہ کے دن غسل کرائے اور خود غسل کرے اور نماز جمعہ کے لئے سویرے جائے اور اوّل ہی خطبہ پالے اور پیدل جائے سوار نہ ہو۔ اور امام کے قریب ہو کر خطبہ سنے اور کوئی بات نہ کرے تو اس کے ہر قدم پر ایک برس کے روزوں اور ایک سال کے قیام شب کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ اخرجہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ

آپ نے ایک خطبۂ جمعہ میں فرمایا اے مسلمانو! اس دن کو اللہ نے عید مقرر کیا ہے۔ سو اس میں غسل کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو وہ خوشبو لگائے اور مسواک کرنا بھی تم پر لازم ہے۔ رواہ مالک وابن ماجہ اور عبداللہ بن سلام رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہیں استطاعت ہو تو اس میں کچھ قباحت نہیں۔ کہ اپنے کاروبار کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لئے علٰحدہ کپڑے بنوالو۔ رواہ ابن ماجہ ومالک

امام ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ صوفیہ میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کے پاس کپڑوں کا فقط ایک ہی جوڑا ہوتا ہے۔ یہ اچھی بات ہے لیکن نماز جمعہ اور عید کے لئے دوسرا کپڑا بنا لینا ممکن ہو تو بہت مناسب ہے۔ محمّد بن عبدالرحمٰن رضہ سے مروی ہے کہ رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قیمتی چادر اور حمار کی بنی ہوئی ازار تھی آپ یہ دو کپڑے جمعہ اور عید کے دن پہنا کرتے تھے۔ پھر یہ تہ کر کے رکھ دیئے جاتے تھے۔ (تلبیس ابلیس امام ابن جوزیؒ)

فصل ۱۵۷- پہلی اذان پر کاروبار چھوڑنے اور مسجد جانے کی تاکید

جمعہ اور ظہر کا ایک ہی وقت ہے لیکن جمعہ میں تعجیل مستحب ہے۔ ابراد یعنی تاخیر جو موسم گرما کی نماز ظہر میں مستحب ہے وہ جمعہ میں نہیں۔ کیونکہ جمعہ کو جلد ادا کرنا مستحب ہے۔ مومن پر لازم ہے کہ جونہی جمعہ کے دن کسی مسجد کی اذان گوش زد ہو۔ فی الفور اسی پہلی اذان پر اپنے تمام کاروبار اور ہر قسم کی مصروفیتوں سے دست بردار ہو کر مسجد کو چل دے۔ "درمختار میں ہے کہ صحیح تر قول میں پہلی اذان کے ہوتے ہی بیع یعنی کاروبار کو ترک کرنا اور مسجد کی طرف جھپٹنا واجب ہے۔ اگرچہ چلتے چلتے خرید و فروخت کرتا ہو"

سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر آ کھڑے ہوتے ہیں اور پہلے آنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے نام لکھتے ہیں۔ اس نمازی کی مثال جو اوّل وقت پہنچا اس شخص کی سی ہے جو قربانی کے لئے اپنا اونٹ بیت اللہ بھیجے اور جو اس کے بعد پہنچتا ہے اس شخص کی مانند ہے جو گائے بھیجے۔ پھر جو اس کے بعد آتا ہے دُنبہ بھیجنے والے کی مانند ہے۔ اُس کے بعد آنے والا اس کی مانند ہے جو مُرغی تصدّق کرے۔ پھر انڈا۔ پھر جب امام خطبے کے لئے نکلتا ہے تو فرشتے اپنے دفتر لپیٹ کر خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ رواہ البخاری و مسلم

امام غزالی رح نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ بعض بزرگ زیادہ اہتمام کی غرض سے شب جمعہ ہی مسجد میں جا ٹھیرتے تھے۔ قرن اوّل میں صبح کے وقت اور نماز فجر کے بعد سڑکیں اور گلیاں بھری ہوئی نظر آتی تھیں۔ کیونکہ نمازی بہت سویرے جامع کا رُخ کرتے تھے۔ اور جمعہ کے دن بھی روز عید کی طرح غیر معمولی اژدحام ہوتا تھا۔ پھر جب یہ طریقہ جاتا رہا تو صلحاء نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ پہلی بدعت ہے جو اسلام میں پیدا ہوئی ہے۔ یہ لکھ کر امام غزالی رقم فرما ہیں کہ مسلمانوں کو اس بات پر کیوں شرم نہیں آتی کہ یہود و نصاریٰ اپنی عبادت کے دن اپنے معبدوں میں کیسے سویرے جاتے ہیں۔ اور طالبانِ دنیا کتنے سویرے خرید و فروخت کے لئے بازار دن میں پہنچ جانے کے عادی ہیں پس طالبان حق کو پیش دستی سے کام لینا چاہیے۔ (بہشتی زیور)

شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی میں بعض لوگوں نے یہ عادت اختیار کی ہے کہ سویرے آ کر مصلّی بچھا دیتے ہیں اور جگہ روک کر چلے جاتے ہیں۔ بعض علماء نے اس پر اعتراض کیا کیونکہ مصلّی بچھا جانے کی بجائے

بیٹھ کر ذکر و فکر میں مشغول رہیں تو بہتر ہے یونہی پہلے سے جگہ روک لینا مناسب نہیں۔

فصل ۱۵۸۔ امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد نماز و کلام کی ممانعت

جو امور نماز میں حرام ہیں وہ خطبہ کے وقت بھی حرام ہیں۔ پس خطبہ کے وقت کھانا پینا کلام کرنا اگرچہ سلام کا جواب یا امر معروف اور نہیٔ منکر ہو یا بغیر مجبوری کے چلنا پھرنا حرام ہے۔ حاضرین پر واجب ہے کہ چپ چاپ خطبہ سنیں۔ صحیح تر قول کے بموجب اس میں دُور اور نزدیک کا حکم یکساں ہے۔ کوئی بُری بات دیکھ کر ہاتھ یا سر کے اشارے سے روکنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ زبان سے منع کرنا حرام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ و سلّم نے فرمایا کہ جو شخص امام کے خطبہ پڑھنے کی حالت میں کلام کرے وہ اس گدھے کی مانند ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔ اور جو شخص بولنے والے سے کہے کہ چپ ہو اُس کو بھی جمعہ کا ثواب نہیں ملتا رواہ احمد۔

اور خطبے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سُن کر دل میں آہستہ دُرود پڑھیں۔ خطبہ سننے کے وقت نہ چھینکنے والے کا جواب دیں اور نہ سلام کرنے والے کا۔ اس وقت اشارے سے سلام کرنا یا اشارے سے اس کا جواب دینا بھی ممنوع ہے۔ طحطاوی نے کہا کہ اگر چھینکنے والا الحمد للہ کہنا چاہے تو اس قدر آہستہ کہے کہ دُوسرا نہ سن سکے۔ درّ مختار میں ہے کہ خطبۂ جمعہ کی طرح دوسرے خطبوں مثل خطبۂ نکاح خطبۂ عید اور خطبہ ختم قرآن کا سننا بھی قول معتمد کے بموجب واجب ہے۔

بعض بلادِ عرب میں مؤذنوں کا معمول ہے کہ جب خطیب خلفائے راشدین اور دُوسرے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے نام لیتا ہے۔ تو وہ ہر نام پر بآوازِ بلند رضی اللہ عنہ کہتے جاتے ہیں۔ اور جب سلطان کا نام لیتا ہے تو بآواز خلد اللہ ملکہ اور دُوسرے دعائیہ کلمے کہتے ہیں۔ تو یہ سب بالاتفاق مکروہ ہے (درّ مختار)

جب امام خطبہ کے لئے نکلے اور نمازی سنت یا نفل پڑھ رہا ہو تو راجح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ تو پوری کرلے اور نفل میں دو رکعت پر سلام پھیر دے۔ اور اگر نفل میں تیسری رکعت شروع کرچکا ہے تو اس کو بھی پُورا کرلے لیکن قرأت کو مختصر کردے۔ اور نفل میں دو رکعت یعنی بقدر واجب پر اکتفا کرے کذا فی الطحطاوی۔ دُوسری اذان کے کلمات کا جواب امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک مکروہ ہے۔ ان کے نزدیک دوسری اذان کے بعد

دعاے وسیلہ بھی نہ پڑھنی چاہیے۔ بوجہ ارشاد رسول علیہ السلام کے اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَا صَلٰوۃَ وَلَا کَلَامَ (امام کے خطبہ کے لئے نکلنے کے بعد نہ نماز ہے۔ نہ کلام) یہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ جن کو ھدایہ میں مرفوعاً ذکر کیا ہے۔

لیکن فتح القدیر میں ہے کہ اس کا مرفوع ہونا غریب ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ یہ زہری کا قول ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علیؓ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ یہ تینوں حضرات امام کے برآمد ہونے کے بعد نماز اور کلام کو مکروہ بتاتے تھے۔ اور صحابی کا قول حجت ہے۔ جب کوئی سنت اس کی نفی نہ کرتی ہو تو اس کا اتباع واجب ہے۔ کذا فی الشامی۔

جب خطیب خطبہ شروع کر دے تو اس کے بعد نماز اور کلام بالاتفاق ممنوع ہے لیکن امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اور خطبہ شروع کرنے سے پہلے نماز اور کلام کے جواز و عدم جواز میں امام ابوحنیفہ رح اور صاحبین میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رح ناجائز فرماتے ہیں۔ اور ان کے شاگردوں ابو یوسفؒ اور محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور فتویٰ امام ابوحنیفہ رح کے قول پر ہے۔

مولانا محمد شفیع سابق مفتی دیوبند لکھتے ہیں کہ اکابر حنفیہ امام ابوحنیفہ کے کلام کی تعبیر میں مختلف البیان ہیں۔ بعض نے فرمایا ہے کہ وہ کلام جو خروج امام کے ساتھ ممنوع ہو جاتا ہے۔ وہ دنیوی کلام ہے امام ابوحنیفہؒ دنیوی کلام کو ناجائز اور صاحبین جائز فرماتے ہیں۔ دینی کلام جیسے درود تسبیح تہلیل قرآن خوانی اور اجابت اذان وغیرہ بالاتفاق جائز ہے۔ کذا فی الطحطاوی

اور دوسرے مشائخ حنفیہ کہتے ہیں کہ دنیوی کلام تو بالاتفاق ناجائز ہے اختلاف صرف دینی کلام یعنی تسبیح تہلیل وغیرہ میں ہے۔ اسی کو امام ابوحنیفہ ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز۔ اسی اختلاف پر یہ اختلاف مبنی ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں۔ جو حضرات ممانعت کو صرف کلام دنیوی کے ساتھ مقید کرتے ہیں وہ اجازت دیتے ہیں۔ اکابر دیوبند نے امام اعظم رحمہ اللہ کے کلام کا مطلب درمختار اور شامی وغیرہ کے مطابق یہی قرار دیا ہے۔ کہ ہر قسم کا دینی دنیوی کلام ممنوع ہے۔ اور اجابت اذان بھی اس ممانعت میں داخل ہے۔

فصل ۱۵۹ خطبۂ جمعہ

نماز جمعہ کی صحت کے لئے خطبہ جمعہ شرط ہے اس کے بغیر نماز جمعہ ادا نہیں ہوتی۔ خطبہ جمعہ منبر پر مسنون ہے۔ مولانا محمد شفیع سابق مفتی دیوبند نے لکھا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی تین سیڑھیاں تھیں اس لئے اب بھی ایسا ہی منبر بنانا مسنون ہے۔ آپ تیسری سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے۔ پھر صدیق اکبر رض اپنے زمانہ خلافت میں بوجہ ادب کے اس کے نیچے دوسری پر کھڑے ہونے لگے۔ پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بلحاظ ادب و احترام سب سے نچلا درجہ اختیار کیا۔ حضرت عثمان رض بھی سب سے نچلی سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے لیکن ان کے بعد پھر یہی دستور ہو گیا کہ خطیب اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے اور یہی اولیٰ ہے اور اگر کوئی نیچے کی سیڑھی پر کھڑا ہو جائے تو بھی مضائقہ نہیں کیونکہ وہی خلفائے راشدین رض کا عمل ہے“

محیط میں ہے کہ جس طرح خطبہ میں کھڑا ہونا سنت ہے اسی طرح خطبہ میں عصا لینا بھی مسنون ہے کذا فی الشامی درمختار میں ہے کہ جو شہر تلوار سے فتح ہوا ہو جیسے مکہ معظمہ وہاں خطیب خطبۂ جمعہ میں تلوار حائل کر کے خطبہ دے اور اگر بزور تیغ فتح نہ ہوا ہو جیسے مدینہ منورہ ہے تو وہاں ہاتھ میں تلوار نہ لے“ صحابہ کرام کا معمول تھا کہ جو ملک صلح سے قبضہ میں آتا تھا وہاں کمان ہاتھ میں لے کر خطبہ دیتے تھے اور جو بلاد رزم و پیکار کے بعد زیر نگین ہوتے تھے وہاں تلوار حمائل کر کے لوگوں سے خطاب کرتے تھے۔

بعض جگہ رواج ہے کہ جب خطیب منبر پر بیٹھتا ہے۔ تو حاضرین کو السلام علیکم کہتا ہے مولانا عزیز الرحمٰن سابق مفتی دیوبند لکھتے ہیں کہ ایسا کرنا مسنون نہیں بلکہ مکروہ اور قابل ترک ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے وَ تَرْکُ السَّلَامِ مِنْ خُرُوْجِہٖ اِلٰی دُخُوْلِہٖ فِی الصَّلٰوۃِ (اور خطبہ کے لئے نکلنے کے وقت سے لے کر نماز میں داخل ہونے تک سلام کرنا سنت نہیں ہے۔ مولانا عبدالحی رح لکھتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ جمعہ کا پہلا خطبہ تسبیح و تہلیل، تحمید، قراءۃ قرآن اور درود پر مشتمل ہو۔ دوسرے خطبے میں مومنین صالحین، خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں عم بزرگواروں کا ذکر خیر ہو۔ علمائے شرق و غرب کا یہی معمول ہے۔ اگر پہلے خطبہ میں خلفائے راشدین وغیرہ کا ذکر کیا ہو تو پھر دوسرے خطبہ میں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مولانا بحر العلوم ارکان اربعہ میں لکھتے ہیں کہ خطیب کو چاہیے کہ مسلمانوں کے لئے دعا کرے اور خلفائے راشدین

کے ذکر خیر اور ان کی مدح و توصیف اور ان کے لئے دعا سے اس کی ابتداء کرے کیونکہ صالحین کے ذکر سے رحمتِ باری نازل ہوتی ہے لوراس بات کی امید ہے کہ ان کے ذکر خیر کی برکت سے مسلمانوں کے حق میں دعا مستجاب ہوگی یہ تابعین کرائم ہیں زمانہ سے آج تک متوارث چلا آتا ہے۔ اس پر کبھی کسی نے انکار نہیں کیا اور یہ امر مستحب قریب بہ سنت ہے اور چونکہ یہ شعائر دین میں سے ہے اس لئے اس کو کبھی ترک نہ کرنا چاہیے (فتاویٰ مولنا عبدالحیؒ)

طویل خطبہ جمعہ مکروہ ہے۔ خطبہ کو اتنا لمبا کرنا کہ دونوں خطبے مل کر طوال مفصل کی ایک سورت کے برابر ہو جائیں مکروہ ہے۔ اسی طرح یہ بھی مکروہ ہے۔ کہ ہر ایک خطبہ تین آیتوں کی مقدار بھی نہ ہو۔ شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت کا خطبہ مختصر ہوتا تھا۔ اور نماز نسبتاً طویل ہوتی تھی۔ مگر مسلم اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ کی نماز میانہ تھی اور خطبہ بھی میانہ تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کی درازی اور خطبہ کی کوتاہی مرد کے تفقہ اور دانشوری کی نشانی ہے۔ جو خطیب حضرات خطبہ کو طوالت دیتے ہیں وہ سنت کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا کہ حمد و ثنا کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے۔ اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الهدی هدی محمد وشر الامور محدثاتها وکل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة رواہ مسلم۔ بعض حدیثوں میں یہ بھی زیادت ہے۔ وکل ضلالة فی النار۔ حمد و ثنا کے بعد اما بعد کہنا مسنون ہے (مدارج النبوت)

سوال۔ امام نے بجائے منبر کے باہر کے درجہ میں لوگوں کے وسط میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور یہ عذر کیا کہ سب لوگ سن سکیں۔ یہ کہاں تک جائز ہے؟

جواب۔ فتاوائے عالمگیری میں خطبے کے پندرہ سنن مذکور ہیں۔ جن میں تیسری سنت استقبال القوم بوجہہ (لوگوں کا مواجہہ) مذکور ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ تمام قوم کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے۔ پس بعض حاضرین کا پشت پر ہونا بدعت ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ)

فصل ۱۶۰۔ غیر عربی زبان میں خطبۂ جمعہ

عہد رسالت سے آج تک امت میں یہی تعامل و توارث رہا کہ خطبہ میں کوئی غیر عربی شامل نہیں کرتے تھے۔ لیکن حضرات غیر مقلدین کی جدت پسندی ملاحظہ ہو کہ انہوں نے عربی کے مسنون خطبہ کو دیسی زبان کے وعظ میں تبدیل کر

دیا ہے۔ مولانا عزیز الرحمٰن سابق مفتی دیوبند رقم فرما ہیں کہ قدرت علی العربیۃ کے باوجود اردو فارسی میں خطبہ پڑھنا صاحبین کے قول کے موافق صحیح نہیں اور امام اعظمؒ کے نزدیک اگرچہ خطبہ ادا ہو جائے گا۔ مگر مکروہ تحریمی ہوگا۔ اور صاحبین کے قول کے موافق جب خطبہ ادا نہ ہوگا تو نماز جمعہ بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ جمعہ کے شرائط ادا میں سے خطبہ بھی ہے۔ اور اگر خطبہ عربی میں پڑھ کر اردو فارسی نثر یا نظم پڑھیں تو یہ بھی مکروہ اور خلافِ سنت متوارثہ ہے۔"

مولانا عزیز الرحمٰن نے دوسرے مقام پہ فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مسوّیٰ و مصفّیٰ شرح مؤطا میں اس کی تحقیق فرمائی ہے کہ خطبہ کا عربی ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کی سنت مستمرہ ہے۔ اس کا خلاف کبھی سلف سے منقول نہیں ہوا۔ اور جو عمل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور صحابہ کا مستمر ہو وہ سنت ہے۔ اس کا خلاف لازماً بدعت ہوگا۔ شاہ ولی اللہؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ باوجودیکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بلاد عجم فارس وغیرہ تشریف لے گئے اور ان کو مسائل دینیہ اور احکام شریعت عجمی زبانوں میں تعلیم فرمائے لیکن خطبہ میں کبھی تغیر و تبدّل نہ کیا اور اس میں رعایت مخاطبین کی وجہ سے اور اس بنا پر کہ خطبہ وعظ و نصیحت ہے ان کی زبانوں میں ترجمہ نہ کیا۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ قرآن بغرض وعظ و تذکیر نازل ہوا ہے لیکن نماز میں اس کا ترجمہ پڑھنا درست نہیں"

اور مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے لکھا کہ خطبہ عربی میں پڑھنا سنت مؤکّدہ ہے اس کو غیر عربی میں پڑھنا یا فارسی اردو وغیرہ اس کے ساتھ خلط کرنا نظم ہو یا نثر مکروہ ہے اور عوام کی تفہیم کے واسطے وعظ مقرر ہے۔ خطبہ کو طریقۂ ماثورہ سے بدلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کتب فقہ میں کسی فعل پر یجوز یا یصح کا موجود ہونے سے اس کی کراہت تحریمیہ کی نفی نہیں ثابت ہوتی۔ اس بحث میں حکم جواز و صحت سے فقہاء کی مراد صرف اسی قدر ہے کہ خطبہ جو نماز کیواسطے شرط ہے وہ عربی زبان کے ساتھ مقیّد نہیں۔ غیر عربی میں اگر کوئی پڑھے گا تو نفس ادائے شرط کے واسطے کافی ہو جائے گا۔ اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غیر عربی میں پڑھنا بالکلیہ مباح اور کراہت سے بالکلیہ منزّہ ہے اور وجہ کراہت ظاہر ہے۔ کہ مواظبت نبویہ و صحابہ کے خلاف ہے۔ پس اس کے خلاف سنت اور بدعت ہونے میں کس کو شک ہے۔ اور خلاف سنت مؤکدہ اور بدعت ضالہ کا مکروہ ہونا اصول فقہ میں مقرر ہے۔

اس کے بعد مولانا عبدالحیؒ لکھتے ہیں کہ اگر یہ شبہ ہو کہ عہد رسالت و خلافت راشدہ میں تبدیل خطبہ کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ مشرف باسلام ہونے والے عرب تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاد عجم عہد فاروقی و عثمانی میں مسخر ہوئے تھے اور شہر کابل حضرتِ عثمانؓ کے عہد خلافت میں مفتوح ہو گیا تھا۔ جیسا کہ سنن ابوداؤد وغیرہ میں اس کی روایت موجود ہے اور ظاہر ہے کہ ان بلاد میں ہزارہا عجمی وہ تھے جو عربی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ بایں ہمہ

صحابہ کا خطبے کی زبان کو تبدیل نہ کرنا اس امر پر مستحکم دلیل ہے کہ عربی میں خطبہ پڑھنا سنت مؤکدہ اور غیر عربی میں بدعت و خلاف سنت ہے۔ اور جو شخص اس کے عدم کراہت کا مدّعی ہو۔ اس پر لازم ہے کہ اس کی کوئی معتدبہ دلیل پیش کرے اور فقہاء کے قول یجوز یا یصحّ وغیرہ سے اس کا استناد محض لغو ہے۔ (فتاویٰ مولٰنا عبدالحی جلد اول۔ صفحہ ۲۴۴-۲۴۶) ❖

اور مولٰنا اشرف علی تھانوی رح رقم فرماتے ہیں کہ اردو زبان میں خطبۂ جمعہ سنت متوارثہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ اور یہ عذر لنگ کہ خطبہ میں وعظ و پند بھی مسنون ہے۔ اور عوام کے عربی نہ جاننے کے باعث عربی زبان میں خطبہ پڑھنے سے یہ وعظ و نصیحت کی غرض متروک ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس ملک میں وعظ و پند کا مضمون اُردو ہی زبان میں ہو۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ اسی طرح قراءت قرآن مجید میں بھی وعظ و پند مقصود ہے چنانچہ قرآن میں جا بجا ذکریٰ و تذکرۃ و ھدیً لِلنّاس و موعظۃ وغیرہ الفاظ کا وارد ہونا اس کی واضح دلیل ہے پس چاہیے کہ نماز میں بھی قرآن کا ترجمہ ہی پڑھا جائے"

فصل ۱۶۱ منظوم خطبۂ جمعہ

جمعہ کا منظوم خطبہ پڑھنا بھی اگرچہ عربی زبان میں ہو پسندیدہ نہیں۔ مولٰنا عبدالحی رح لکھتے ہیں کہ خطبۂ منظوم جس کی نظم کذب و مبالغہ پر مشتمل نہ ہو۔ اور سرود و غنا سے خالی ہو۔ اس کا کچھ مضایقہ نہیں کیونکہ گو شعر کا مدار تخیّلات اختراعیہ پر ہوتا ہے۔ اور جھوٹ میں مبالغہ اور غلوّ اس کے حسن کا باعث ہے لیکن وہ اشعار جو مواعظ اور کتاب و حدیث کے مضامین پر مشتمل اور کذب و مبالغہ اور سرود و غنا کے پیرایہ سے عاری ہوں وہ مستثنیٰ ہیں۔ دارقطنی نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ رض سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کے متعلق فرمایا کہ وہ ایک کلام ہے۔ جو اچھا ہو تو پسندیدہ ہے اور بُرا ہو تو قبیح ہے لیکن اس لحاظ سے کہ خطبۂ منظوم سنتِ متوارثہ کے خلاف ہے۔ کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔ گو نصاب الاحتساب میں منظوم خطبہ کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ بہر حال اگر پسندیدہ مضامین کا منظوم خطبہ پڑھا جائے تو نفس نماز جمعہ میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی"۔

اور مولٰنا عزیز الرحمٰن سابق مفتی دیوبند نے لکھا کہ خطبہ جمعہ میں اردو فارسی نظم و نثر پڑھنا مکروہ و بدعت

ہے۔ اور روایات فقیہہ اور عمل صحابہ سے بھی ثابت ہے کہ خطبہ میں اردو و فارسی نظم و نثر مکروہ اور بدعت ہے اور خطبہ کے درمیان وعظ کہنا بھی ایسا ہی ہے۔”

فصل ۱۶۲۔ دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم منبر پر چڑھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ جب مؤذن فارغ ہو جاتا تو آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔ پھر بیٹھ جاتے اور کچھ کلام نہ کرتے۔ پھر دوبارہ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔ رواہ ابوداؤد۔ علی قاری نے شرح طیبی سے نقل کیا ہے کہ خطبوں کے درمیان جلسہ میں قرآن پڑھنا اولیٰ ہے۔ بوجہ روایت ابن حبان کے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس جلسہ میں کتاب اللہ پڑھتے تھے۔” اور بعض نے کہا کہ سورۂ اخلاص کا پڑھنا اولیٰ ہے۔” اور طحاوی نے کہا کہ اس جلسہ میں کوئی دعا آنحضرت سے ثابت نہیں ہوئی۔ اور شرح ہدایہ میں شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ خطیب کو دو خطبوں کے درمیان اتنا بیٹھنا چاہیے کہ اس کے تمام اعضا قرار پا جائیں اور اس جلسہ میں دعا مانگنا بدعت ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ میں دعا کے مقبول ہونے کی ساعت امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت سے لے کر نماز کے پورا ہونے تک ہے۔” اس حدیث کے پیش نظر بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ یہی قبول دعا کی وہ خاص ساعت ہے۔ علامہ علی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ دعا سے وہ دعا مراد ہے جو خطیب سب مسلمانوں کے لئے اپنے خطبے میں مانگتا ہے۔ بس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خود خطیب یا اس کے سامعین میں سے کوئی جلسہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادت میں لکھا ہے کہ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم جو دو خطبوں کے درمیان بیٹھتے تو اس جلسہ میں بالکل خاموش رہتے تھے۔ اور اس جلسہ میں دعا ثابت نہیں ہوئی۔”

فصل ۱۶۳ - سُنَنِ جمعہ

نماز جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے کوئی سنت نہیں لیکن یہ خیال ان کی بے خبری کی دلیل ہے۔ نافعؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جمعہ سے پہلے نماز میں طوالت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ رواہ ابوداؤد۔ یعنی جمعہ سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں طوالت ہوتی تھی۔ حسب بیان شوکانی عراقی نے اس حدیث کو صحیح الاسناد بتایا ہے۔ اسی طرح بقول شوکانی منذری نے کہا کہ اس حدیث کو مسلم ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے بھی دوسرے طریق سے اسی کے ہم معنی روایت کیا ہے۔ ان دونوں روایتوں میں سنت کی تعداد رکعات مذکور نہیں لیکن بذل المجہود فی حل ابی داؤد میں حافظ عراقی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے۔ اسی طرح ترمذیؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابی نماز جمعہ سے پہلے چار رکعت اور بعد میں بھی چار رکعت پڑھتے تھے۔

ہمارے ائمہ حنفیہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ فریضۂ جمعہ کے بعد سنت کتنی رکعت ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چار رکعتیں ایک سلام سے ہیں۔ ان کی دلیل ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت تم میں سے کوئی نماز جمعہ پڑھے تو چاہیے کہ اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔ رواہ مسلم والترمذی وقال حدیث حسن صحیح۔ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک فریضہ جمعہ کے بعد چھ رکعت سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضرت علی مرتضیٰؓ سے مروی ہے کہ جو کوئی جمعہ کے بعد نماز پڑھے وہ چھ رکعت پڑھے۔ امام طحاویؒ نے چھ رکعت ہی کو ترجیح دی ہے۔

عطاء تابعیؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ فریضۂ جمعہ کے بعد اس جگہ سے جہاں فریضۂ جمعہ ادا کیا تھا کسی قدر الگ ہو گئے پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر اٹھ کر وہاں سے ہٹے اور چار رکعتیں پڑھیں۔ اس حدیث کے راوی ابن جریج کہتے ہیں۔ میں نے عطاءؒ سے پوچھا کہ آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کتنی دفعہ ایسا کرتے دیکھا ہے؟ فرمایا بہت دفعہ۔ رواہ ابوداؤد۔

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ چار پہلے اور دو پیچھے پڑھوں کیونکہ دو پہلے پڑھنے کی صورت میں یہ دوگانہ فریضۂ جمعہ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں چار رکعت پر سب کا اتفاق ہے۔ اس لئے مناسب بھی ہے کہ متفق علیہ عمل کو پہلے ادا کیا جائے۔" یہ تو مسئلہ کی تحقیق تھی۔ اب آخر میں یہ عرض کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ

امام ابو یوسفؒ کے فتوے پر ہی راقم السطور کا عمل درآمد ہے اور اسی میں احتیاط ہے۔

فصل ۱۶۴۔ جمعہ کے دن نمازِ ظہر پڑھنا

درمختار میں ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے اور پیچھے معذور اور محبوس اور مسافر کو شہر کے اندر نماز ظہر باجماعت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے البتہ یہ لوگ قضا نماز کی جماعت کر سکتے ہیں۔ شہر میں وجہ کراہت یہ ہے کہ جمعہ کی جماعت میں کمی ہو جائے گی۔ معذوروں کو پڑھتے دیکھ کر غیر معذور جہلاء بھی شریک ہو جائیں گے اور دوسری وجہ اقامت جمعہ کے زمان کا معارضہ ہے۔ یعنی دوسری جماعت کی اقامت صریح مقابلہ اور عدولِ حکمی ہے کذا فی الطحطاوی۔ صاحب درمختار نے نماز ظہر کے باجماعت ادا کرنے کو مکروہ تحریمی بنا کر یہ افادہ کیا کہ جمعہ کے دن جامع مسجد کے سوا تمام مسجدیں مقفل کر دی جائیں کیونکہ مسجدیں اجتماع کی جگہیں ہیں۔ اگر ان کو بند کر دیا جائے گا تو اجتماع کی نوبت ہی نہ آئے گی۔

اور جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے اس شخص کو جسے کوئی عذر نہ ہو شہر کے اندر نماز ظہر پڑھنا حرام ہے اس حرمت کی وجہ یہ ہے کہ نماز ظہر جمعہ فوت کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ اور جمعہ کو فوت کرنا حرام ہے اور ان شہر والوں کو بھی جماعت سے ظہر پڑھنا مکروہ ہے جن کو جمعہ نہ ملا ہو بلکہ وہ لوگ بدوں اذان واقامت وجماعت کے ظہر پڑھیں۔ اور بیمار کو مستحب ہے کہ نماز جمعہ کے اختتام تک نماز ظہر پڑھنے میں تاخیر کرے اس کے لئے تاخیر نہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے

قدوری وغیرہ کتب فقہ میں قبل والے جمعہ نماز ظہر کو مکروہ لکھا ہے اور درمختار میں حرام بنایا ہے۔ لیکن صاحب بحر الرائق نے کراہت ہی ثابت کی ہے۔ جب گاؤں کا رہنے والا جمعہ کے دن شہر میں داخل ہوا۔ اگر اس نے اس دن شہر میں ٹھیرنے کی نیت کی تو اس پر نماز جمعہ لازم ہو گی۔ اور اگر اسی دن نماز جمعہ کے وقت سے پہلے یا پیچھے چلے جانے کی نیت کی تو جمعہ لازم نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص شہر میں آیا اور پندرہ دن تک شہر میں قیام کرنے کی نیت کی تو اس پر جمعہ لازم ہو جائے گا۔

فصل ۱۶۵۔ نمازِ احتیاط الظہر

اگرچہ قوی روایات کی رُو سے ایسے دیہات میں جمعہ درست ہے جہاں کے مکلّف مسلمانوں کے جمع ہونے سے وہاں کی سب سے بڑی مسجد بھر جائے۔ اسی طرح ایک ہی شہر کے متعدد مقامات پر قوی اقوال کی بنا پر جمعہ درست ہے۔ لیکن چونکہ دوسرے اقوال بھی موجود ہیں گو ضعیف سہی۔ اس لئے بعض لوگ شک اور وہم کی بنا پر نماز جمعہ پڑھنے کے بعد چار رکعت احتیاطی ظہر بھی پڑھتے ہیں۔ لیکن علمائے حق نے احتیاط الظہر کو قطعاً پسند نہیں کیا۔ مولٰنا رشید احمد گنگوہی رح لکھتے ہیں۔ کہ جہاں جمعہ درست ہے۔ وہاں احتیاط الظہر کی کچھ حاجت نہیں اور جہاں جمعہ درست نہیں وہاں فریضۂ ظہر جماعت سے پڑھنا چاہیے۔ اس جگہ جمعہ پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں۔" اور بحر الرائق میں ہے کہ چار رکعتیں آخر ظہر کی نیت سے پڑھنا قوی مذہب کے خلاف ہے۔ اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس میں خدشہ ہے کہ جہلا جمعہ کی عدم فرضیت کے معتقد ہو جائیں گے اس لئے احتیاط اسی میں ہے یہ چار رکعتیں نہ پڑھی جائیں۔ (درّ مختار)

اور مولٰنا مفتی عزیز الرحمٰن نے لکھا کہ علمائے محققین حنفیہ احتیاط الظہر سے منع فرماتے ہیں۔ اور یہ تو کسی بھی حنفی کا مسلک نہیں کہ جوازِ جمعہ کو مشروط باحتیاط الظہر کیا جائے۔ بلکہ محققین حنفیہ احتیاط الظہر سے ممانعت کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ اس سے فریضۂ جمعہ میں شبہ اور تردّد لازم آتا ہے۔ لہٰذا اس سے احتراز کرنے میں احتیاط ہے تاکہ لوگ بلا تردّد اور بلا شبہ نماز جمعہ ادا کریں۔ درمختار میں بحر الرائق سے منقول ہے قد افتیتُ مرارًا بعدم صلوٰۃ الاربع بعدھا بنیّۃ آخر ظہر خوف اعتقادِ عدم فرضیۃ الجمعۃ وھو الاحتیاط فی زماننا۔ دیکھئے صاحب بحر الرائق احتیاط الظہر کے ترک میں احتیاط بتلاتے ہیں اور بحر الرائق کے مصنّف علامہ ابن نُجَیم مصری ہیں۔ جو فقہائے حنفیہ میں بڑے پایہ کے محقق ہیں۔ شامی میں ہے کہ کتاب بحر الرائق علمائے حنفیہ کی مرجع ہے۔" پس جو شخص کہتا ہے کہ احتیاط الظہر کے بغیر جمعہ ہی نہیں ہو سکتا وہ مذہب حنفیہ سے ناواقف ہے۔"

فصل ۱۶۶۔ جُمعۃ الوداع اور قضائے عُمری

رمضان المبارک کا آخری جمعہ بعض لوگوں کے زعم میں کچھ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ بعض خطیب اس جمعہ کے

خطبہ میں وداع اور نوحہ وفراق کے مضامین اور اشعار پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اس جمعہ کی کوئی خصوصیت ظاہر نہیں فرمائی۔ اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس کے متعلق کچھ منقول نہیں اور کتب فقہ بھی اس کی فضیلت وخصوصیت کی طرف سے بالکل خاموش ہیں۔ اس لئے جمعۃ الوداع منانا بدعت ومحدث ہے۔ بعض لوگ جمعۃ الوداع پڑھنے کے لئے کسی بڑے شہر کا سفر کرتے ہیں۔ حالانکہ مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے سوا کسی مسجد کی طرف وہاں کی کسی فضیلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے سفر کرنا احادیث نبویہ میں ممنوع ہے۔

مولانا محمد شفیع سابق مفتی دیوبند نے لکھا کہ جمعۃ الوداع پڑھنے کے لئے دہلی وغیرہ جانا بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے اوّل تو جمعۃ الوداع کو ایسی اہمیت دینا جو دوسرے جمعات میں نہ سمجھی جائے یہ ایک خود ساختہ خیال اور بدعت ہے۔ ثانیاً اس کام کے لئے سفر کرنا فضول خرچی ہے۔ ثالثاً حدیث لا تشدّ الرحال الّا الی ثلثۃ مساجد کے خلاف ہے۔ رابعاً بسا اوقات روزہ نماز بھی سفر کی وجہ سے خلل آتا ہے۔ وغیر ذالک من الامور

اور مولانا عبدالحی لکھنوی رقمطراز ہیں کہ الوداع یا الفراق کا خطبہ آخر رمضان میں پڑھنا اور کلمات حسرت ورخصت کے ادا کرنا فی نفسہٖ امر مباح ہے بلکہ اگر یہ کلمات باعث ندامت وتوبہ سامعین ہوں تو امید ثواب ہے۔ مگر اس طریقے کا ثبوت قرون ثلثہ میں نہیں ہے۔ البتہ آخر شعبان میں خطبۂ استقبالِ رمضان احادیث میں وارد ہے۔ اور شاید جس نے اس طریقے کا ایجاد کیا۔ اُس نے آخر رمضان کے خطبہ کو خطبۂ استقبال پر قیاس کیا۔ لیکن خطبۂ وداع کا اہتمام کرنا جیسا کہ اس زمانہ میں مروّج ہے اور اس کو حدّ التزام تک پہنچانا ابتداع سے خالی نہیں۔ علمائے معتمدین کو لازم ہے کہ اس طریقے کے التزام کو چھوڑیں تا عوام استحباب وسنیت کے اعتقاد بلکہ اس طریقۂ خاص کے ضروری جاننے سے نجات پائیں"۔

بعض مقامات پر جمعۃ الوداع میں قضائے عمری پڑھی جاتی ہے۔ مولانا عزیز الرحمٰن مرحوم سابق مفتی دیوبند نے لکھا کہ قضائے عمری عند الحنفیہ مشروع نہیں ہے۔ پس رمضان کے آخری جمعہ میں چار رکعت نفل بہ نیت قضائے عمری پڑھنا شرعاً بے اصل ہے۔ اور یہ اعتقاد کرنا کہ چار رکعت نفل سے تمام عمر کی فوت شدہ نمازیں سر سے اُتر جاتی ہیں۔ بنصوص صحیحہ وصریحہ اور قواعد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے۔ جاہل کے سوا کوئی شخص ایسے عقیدے کو دل میں جگہ نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے اپنی تائید میں کتب فقہ کی عبارتیں نقل کر کے فرمایا ہے کہ ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ نماز قضائے عمری مکروہ ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ اس کا التزام حدّ تاکّد ولزوم تک پہنچ جائے۔ اور یہ کراہت تو نفس قضائے عمری میں ہے۔ اور وہ جو رمضان المبارک میں چار رکعت نفل کو قضائے عمری کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔ تو وہ محض اختراع واحداث ہے"۔

فصل ۱۶۷۔ نمازِ جمعہ کے متفرق مسائل

(۱) جب خطبہ شروع ہو جائے تو تمام حاضرین پر اس کا سننا واجب ہے خواہ امام کے نزدیک بیٹھے ہوں یا دور (۲) خطیب کو جائز ہے کہ خطبہ پڑھنے کی حالت میں کسی کو کوئی شرعی مسئلہ بتادے (۳) حضور فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی خطبہ میں آئے تو حاضرین زبان سے درود نہ پڑھیں البتہ دل میں پڑھ سکتے ہیں۔ (۴) بہتر یہ ہے کہ جو کوئی خطبہ دے وہی نماز پڑھائے اور اگر کوئی دوسرا پڑھائے تو بھی جائز ہے (۵) خطبہ ختم ہوتے ہی فی الفور اقامت کہہ کر نماز شروع کر دینا مسنون ہے۔ خطبے اور نماز کے درمیان کوئی دنیاوی کام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر خطبے اور نماز میں زیادہ وقفہ ہو جائے تو خطبہ دوبارہ پڑھا جائے گا۔ ہاں اگر کوئی دینی مجبوری پیش آجائے مثلاً امام کا وضو نہ رہے اور وہ وضو کرنے کو جائے تو اس میں نہ کراہت ہے اور نہ خطبہ کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت ہے۔

(۶) بعض لوگ امام کے سامنے مسجد میں اذان دینے کو بدعت کہتے ہیں۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن نے اس کا رد بلیغ کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو عزیز الفتاوی صفحات ۶۵ - ۶۹) (۷) قیدی قیدخانہ میں جمعہ نہیں پڑھ سکتے کیونکہ جیل میں جاکر نماز پڑھنے کا اذن عام نہیں جو نماز جمعہ کی ایک شرط ہے (۸) اگر عید الفطر یا عید اضحیٰ جمعہ کے دن ہو تو بعض لوگ اس دن جمعہ نہیں پڑھتے۔ حالانکہ اس دن دونوں نمازوں کا پڑھنا لازم ہے۔ جمعہ کی نماز فرض ہے اور عید کی واجب (۹) مسلمان اولوالامر یعنی حاکمِ وقت کے لئے خطبہ میں دعا مانگنا جائز ہے لیکن اس کے ایسے صفات بیان کرنا جو اس میں نہ ہوں مکروہ تحریمی ہے مثلاً ظالم کو عادل کہا جائے تو یہ جھوٹ ہوگا۔ (۱۰) خطبہ سے پہلے خطیب کو محراب کے اندر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کذا فی الشامی

(۱۱) بعض جگہ رواج ہے کہ خطیب دوسرے خطبہ میں منبر سے ایک سیڑھی اترتے ہیں پھر چڑھتے ہیں یہ بدعت شنیع ہے۔ کذا فی الشامی (۱۲) مسنون ہے کہ منبر قبلہ کی بائیں طرف ہے یعنی جب امام قبلہ رخ ہو تو منبر اس کی داہنی طرف پڑے

(۱۳) جمعہ کے دن سفر کرنا اس صورت میں جائز ہے کہ شہر کی آبادی سے ظہر کا وقت داخل ہونے سے پیشتر نکل جائے سفر سے ایسی جگہ جانا مراد ہے جس کے باشندوں پر جمعہ واجب نہ ہو۔ کذا فی الشامی زوال کے بعد جمعہ پڑھنے سے پہلے سفر کرنا مکروہ ہے نہ زوال سے پیشتر مکروہ نہیں کیونکہ اس سے پیشتر اس پر جمعہ ہی واجب نہیں۔

(۱۴) فریضۂ جمعہ میں سورۂ جمعہ اور منافقون یا سورۂ اعلیٰ اور غاشیہ پڑھنا مسنون ہے۔ مگر اس قرأت کو کبھی کبھی

چھوڑ بھی دیا کریں (۱۵) محیط میں ہے کہ جس طرح کھڑے ہو کر خطبہ دینا سنت ہے اسی طرح خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا بھی مسنون ہے کذا فی الشامی۔ لیکن حسب بیان شیخ عبدالحقؒ صاحب سفر السعادۃ نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر بننے سے پہلے کمان یا عصا کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے لیکن یہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ منبر بننے اور اس پر کھڑے ہونے کے بعد بھی آپ نے کبھی کسی چیز کا سہارا لیا ہو۔ (مدارج النبوت)

(۱۶) ایک دیہاتی جمعہ کے قصد سے اور نیز دوسری حاجات کے لئے شہر کو چلا۔ اگر اس کا غالب مقصد جمعہ پڑھنا ہے تو اس کو جمعہ کی طرف چلنے کا ثواب ملیگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص عبادت میں کسی اور غرض اور مقصد کو بھی شریک کر لے۔ تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً حج میں تجارت کا ارادہ کرے تو حج کا ثواب اسی وقت ہوگا جبکہ غالب مقصود حج ہو۔ کذا فی الشامی (۱۷) لوگوں کی گردنوں پر کو پھاندنا ایک ایسا عمل ہے جو خطبہ کی حالت میں جائز نہیں خطبہ شروع ہونے سے پہلے اگر لوگوں کو ایذا نہ ہوتی ہو تو آگے بڑھ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں اگر اگلی صف میں فرجہ چھوٹا ہو اور اس کو بھرنے کے لئے کسی کو ایذا بھی ہوتی ہو۔ تو ضرورت کی وجہ سے پھاندنا درست ہے۔ (درمختار)

اس سے معلوم ہوا کہ صفوں میں اس طرح مل کر بیٹھنا چاہیے کہ پیچھے سے آنے والوں کے لئے گردنوں پر سے پھاند کر آگے بڑھنے کی گنجائش ہی نہ رہے۔ مگر شامی نے لکھا ہے کہ خطبہ سے پہلے فرجہ پُر کرنے کے لئے بھی لوگوں پر سے پھاندنے کی اس وقت اجازت ہے جب اور کوئی جگہ نہ ہو۔ (۱۸) جمعہ کے روز ٹھیک دوپہر میں بھی بموجب قول امام ابو یوسفؒ نفل پڑھنا مکروہ نہیں۔ اور یہ صحیح معتمد ہے۔ (۱۹) دوسری نمازوں کے برخلاف جماعت نماز جمعہ کی لازمی شرط ہے (۲۰) نماز جمعہ کی دو ہی رکعتیں ہیں۔ خواہ کوئی شخص شروع نماز سے شریک ہو یا ایک رکعت کے بعد باقی سب کے اجیر ہیں۔ یہ نہیں کہ اگر کسی کو جمعہ کی کوئی رکعت نہ ملی ہو۔ تو وہ نماز ظہر ادا کرے۔

فصل ۱۶۸- عیدُ الفطر اور عیدُ الاَضحیٰ

عید الفطر شوال کی پہلی تاریخ کو اور عید اضحیٰ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو ہوتی ہے۔ اسلام میں یہ دونوں دن بہجت و سرور کے دن ہیں۔ ان دونوں عیدوں کے روز دو دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے۔ نماز جمعہ کے وجوب اور اُس کی صحت کے جو جو شرائط صفحات گزشتہ پر زیب رقم ہوئے وہ سب عیدوں کی نماز میں بھی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ جمعہ کا خطبہ

فرض اور اس کی شرط ادا ہے۔ اور نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے۔ لیکن دونوں عیدوں کا خطبہ سنت ہے اور اسے نماز کے بعد پڑھتے ہیں جس طرح خطبہ جمعہ کا سننا واجب ہے اسی طرح عیدوں کا خطبہ سُننا بھی واجب ہے۔ یعنی اس وقت نماز و کلام وغیرہ سب حرام ہے۔

عیدالفطر کے دن یہ امور مسنون ہیں (۱) غسل اور مسواک کرنا (۲) بہترین لباس جو میسّر ہو پہننا (۳) خوشبو لگانا (۴) عیدالفطر میں جانے سے پہلے کھجوریں یا کوئی اور میٹھی چیز کھانا (۵) عیدگاہ کو جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا۔ (۶) عیداضحیٰ میں نماز کے بعد آ کر اپنی قربانی کا گوشت کھانا (۷) نماز عیدگاہ میں جاکر پڑھنا یعنی مسجد میں بلا عذر عید کی نماز نہ پڑھنا (۸) پیدل جانا (۹) ایک راستہ سے جانا اور دوسرے سے واپس آنا۔ (۱۰) نماز عید سے پہلے گھر میں یا عیدگاہ میں اور نماز عید کے بعد عیدگاہ میں نفل نماز نہ پڑھنا۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ آپ عیدگاہ جاکر نماز عید پڑھتے تھے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ نماز عید کے لئے باہر صحرا میں جانا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ کیونکہ آپ اپنی مسجد کے فضل و شرف کے باوجود عیدگاہ میں جایا کرتے تھے۔ پس دوسرے مقامات پر تو بہ طریق اولیٰ باہر جاکر نماز پڑھنی چاہیے۔ اور لوگ جو مسجدوں میں نماز عید پڑھتے ہیں تو یہ خلافِ سنت ہے بجز اس صورت کے کہ کوئی عذر ہو۔ حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مرتبہ عذر باران کی وجہ سے نماز عید مسجد میں پڑھی تھی اور شرح ابن الہمام میں ہے کہ امام یعنی حاکم وقت خود تو سب لوگوں کے ساتھ صحرا میں جاکر نماز پڑھے اور اپنے پیچھے کسی ایسے شخص کو چھوڑ جائے جو ضعفاء کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھے۔ (مدارج)

عیدالاضحیٰ میں زور سے تکبیر کہتے ہوئے جانا مستحب ہے۔ عیدالفطر میں اگر آہستہ آہستہ تکبیر کہتے ہوئے جائیں تو مضائقہ نہیں۔ تکبیر یہ ہے۔ اَللّٰہُ اکبر اللّٰہُ اکبر لَآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہِ الحمد

نماز عید کی نیت یہ کریں۔ میں عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کی واجب نماز چھ زائد تکبیروں سمیت اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں۔ پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور ثنا یعنی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھیں۔ پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ چھوڑ دیں۔ پھر دوسری بار کانوں تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہیں۔ اور ہاتھ چھوڑ دیں۔ پھر تیسری مرتبہ ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر اللہ اکبر کہیں اور ہاتھ باندھ لیں۔ پھر امام اعوذ باللہ، بسم اللہ، سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھ کر رکوع کرے۔ پھر جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوں تو امام پہلے قرأت کرے۔ قرأت سے فارغ ہونے کے بعد کانوں تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں۔ پھر کانوں تک ہاتھ اٹھا کر دوسری

تکبیر کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں۔ پھر کانوں تک ہاتھ اٹھا کر تیسری مرتبہ اللہ اکبر کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں پھر بغیر ہاتھ اُٹھائے چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں اور حسب قاعدہ نماز پوری کریں۔

نماز کے بعد امام منبر پر کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھے اور ان کے درمیان اتنی دیر بیٹھے جتنی دیر جمعہ کے خطبوں کے درمیان بیٹھتے ہیں۔ عید کے خطبوں کے بعد گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تابعین اور اتباع تابعین سے دُعا منقول نہیں لیکن چونکہ تمام پنجگانہ نمازوں کے بعد دُعا مانگنا مسنون ہے اس لئے اس پر قیاس کر کے دعا مانگنا مستحسن سمجھا جائے گا۔ خطیب عیدین کے خطبہ کا آغاز تکبیر یعنی اللہ اکبر سے کرے۔ پہلے خطبہ میں نو مرتبہ اور دوسرے میں سات مرتبہ اللہ اکبر کہے۔ خطیب پر لازم ہے کہ خطبے میں اُس روز کے مناسب احکام یعنی صدقۂ فطر یا تکبیرات تشریق اور قربانی کے احکام بیان کرے۔ جب آفتاب بلند ہو جائے۔ اور آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ تو اس وقت سے شروع ہو کر قبل از زوال تک نماز عید کا وقت رہتا ہے۔ اگر کسی کو امام کے ساتھ نماز عید نہ ملی تو اب وہ تنہا نہیں پڑھ سکتا۔ کیونکہ عید میں جماعت شرط ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص شریک جماعت ہوا اور کسی وجہ سے اُس کی نماز فاسد ہو گئی۔ تو وہ اس کی قضا نہیں پڑھ سکتا اور نہ اس پر اس کی قضا واجب ہے البتہ اگر کچھ اور لوگ بھی جنہیں نماز عید نہیں ملی شریک ہو جائیں تو دوگانہ عید کی جماعت کرنا واجب ہے۔

اگر کسی عذر کی بنا پر نماز عید نہ پڑھی گئی مثلاً بارش ہو رہی تھی یا ہلال عید نہ دیکھا گیا اور دُوسرے دن زوال کے بعد معلوم ہوا کہ گذشتہ شب چاند نکلا تھا تو چاہیئے کہ سب لوگ روزہ افطار کر دیں اور اگلے دن نماز عید پڑھ لیں۔ عید اضحیٰ کی نماز میں بلا عذر بھی بارھویں تاریخ تک تاخیر کرنے سے نماز بالکراہت ہو جائیگی۔ لیکن عید الفطر کی نماز بلا عذر تاخیر کرنے سے نماز ہی نہ ہو گی۔ اگر کوئی شخص نماز عید میں ایسے وقت آکر شریک جماعت ہوا کہ امام تکبیروں سے فارغ ہو چکا ہو تو اگر حالتِ قیام میں آکر شریک ہوا تو نیت باندھنے کے بعد فوراً تکبیریں کہہ لے گو امام قراءت شروع کر چکا ہو اور رکوع کے وقت آکر شریک ہوا۔ تو نیت باندھ کر حالتِ قیام میں تکبیر تحریمہ کہے۔ اور پھر رکوع میں جائے اور حالتِ رکوع میں سبحان ربی العظیم پڑھنے کی بجائے تکبیریں کہہ لے۔ لیکن رکوع میں تکبیریں کہے تو ہاتھ نہ اُٹھائے اور اگر تکبیریں پوری کرنے سے پہلے امام رکوع سے سر اٹھا لے تو یہ بھی امام کے ساتھ سر اُٹھا لے اور جس قدر تکبیریں رہ گئی ہیں وہ اس کو معاف ہیں۔

جو شخص دوسری رکعت میں شریک جماعت ہوا جب وہ امام کے سلام کے بعد اٹھ کر پہلی رکعت پڑھنے لگے۔ تو قراءت پہلے کرے اس کے بعد تکبیریں کہے تاکہ دونوں رکعتوں کی تکبیریں پے در پے نہ ہوں۔ اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے

اور رکوع میں اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو تو حالتِ رکوع ہی میں تکبیریں یاداز کہہ لے لیکن ہاتھ نہ اُٹھائے۔ اگر قیام کی طرف لوٹ جائے تو بھی جائز ہے یعنی اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ نماز جمعہ کی طرح نماز عیدین میں بھی بوجہ کثرت ازدحام سجدۂ سہو معاف ہے۔

فصل ۱۶۹۔ نمازِ عید کی چھ فاضل تکبیروں کا اثبات اور بارہ کی نفی

سوال۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ دوگانہ عید میں تین تین زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں ان چھ تکبیروں کا کیا کیا ثبوت ہے؟

جواب۔ سعید بن عاص رضہ کا بیان ہے کہ میں نے ابو موسیٰ اشعری اور حُذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید اضحیٰ اور عید فطر میں کتنی کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ حضرت ابو موسیٰ رضہ نے کہا کہ نماز جنازہ کی طرح چار چار تکبیریں کہتے تھے۔ حُذیفہ رضہ نے کہا ابو موسیٰ نے سچ کہا۔ ابو موسیٰ رضہ بولے جب میں حاکم بصرہ تھا تو وہاں اتنی ہی تکبیریں کہا کرتا تھا۔ رواہ ابوداؤد۔ پہلی رکعت کی چار تکبیروں میں تکبیر تحریمہ اور دوسری رکعت کی چار تکبیروں میں رکوع جانے کی تکبیر شامل ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضہ عیدین میں نو تکبیریں کہتے تھے۔ قرأت سے پہلے (تکبیر تحریمہ سمیت) چار کہتے تھے۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جاتے تھے۔ پھر دوسری رکعت میں قرأت کرتے تھے۔ قرأت سے فارغ ہو کر (رکوع کی تکبیر سمیت) چار تکبیریں کہتے تھے۔ پھر رکوع میں جاتے تھے۔ رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ عن سفیان الثوری عن ابی اسحٰق عن علقمہ والاسود وروی ایضاً نحوہ عن ابن عباس و انس والمغیرۃ بن شعبۃ۔

امام محمدؒ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ عید کی تکبیروں میں لوگ مختلف ہیں لیکن افضل وہ ہے جو ابن مسعود رضہ سے مروی ہے وہ ہر عید میں نو تکبیریں کہتے تھے پہلی میں پانچ اور دوسری میں چار۔ انہی میں تکبیر افتتاح اور تکبیر رکوع داخل ہیں پہلی رکعت میں قراۃ کو مؤخر کرتے اور دوسری میں قرأت کو مقدم کرتے تھے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ اور امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں ابو حنیفہؒ سے، انہوں نے حمادؒ سے، انہوں نے ابراہیم نخعیؒ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے (حاشیہ ترمذی از مولانا احمد علیؒ)

سوال۔ ابوداؤد کی چار اور ترمذی کی ایک حدیث میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کی پہلی رکعت میں سات

اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے اور ترمذی نے اپنی حدیث کو حسن بتایا ہے۔

جواب۔ یہ پانچوں کی پانچوں حدیثیں ضعیف ہیں۔ ابوداؤد کی پہلی دو حدیثوں میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے تیسر
میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن ثقفی طائفی اور چوتھی میں سلیمان بن حیاّن مجروح ہے اور ترمذی کی حدیث میں کثیر بن عبداللہ ایک
راوی سخت ضعیف ہے۔ امام شافعیؒ اور ابوداؤد نے کثیر بن عبداللہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دروغگوئی کے ستونوں میں سے
ایک ستون ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں لکھا ہے کہ ترمذی نے جو اس حدیث کی تحسین کی ہے تو اس پر ایک جماعت
نے انکار کیا ہے۔ اور امام نوویؒ نے خلاصہ میں ترمذی کی تحسین کے بارہ میں لکھا کہ شاید انہوں نے دوسرے شو
سے اس کو تقویت پہنچالی ہوگی۔

لیکن مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے کتاب بذل المجہود فی حل ابی داؤد میں فرمایا کہ اگر ترمذی کے پاس کوئی شو
ہوتے تو وہ ان کو پیش کرتے لیکن انہوں نے کسی کا ذکر نہیں کیا۔ اسی بنا پر علماء امام ترمذیؒ کی اس تحسین پر اعتماد نہیں
رکھتے۔ جو حضرات اس مسئلہ کی تفصیل چاہیں وہ بذل المجہود جلد۲ صفحہ ۲۰۵-۲۰۷) کی طرف رجوع کریں۔ کتاب تحف
الاحوذی شرح جامع ترمذی میں ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ عید میں نو تکبیریں ہیں۔ پہلی میں قراءت
سے پہلے پانچ کہیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے شروع کریں۔ اور آخر میں تکبیر رکوع سمیت چار تکبیریں کہیں
اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد اصحابؓ سے بھی مروی ہے اور یہی اہل کوفہ اور سفیان ثوری کا قول ہے۔

فصل ۱۷ - تکبیراتِ تشریق

حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں
ایّام معدودات سے ایام تشریق مراد ہیں۔ تکبیر تشریق صحیح تر قول میں ہر فرض نماز کے بعد ایک بار واجب ہے اور تحف
تکبیر یہ ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ تکبیر کے واجب ہونے
دلیل یہ ہے کہ اس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی اور اس کو کبھی ترک نہ کیا اسی طرح خلفائے راشدین اور دوسر
صحابہ بھی اس کے ہمیشہ پابند رہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تشریق کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ فرض نماز شہر میں جماعت سے پڑھ

گئی ہو اور نمازی مقیم آزاد مرد ہو۔ پس ان کے نزدیک مسافر غلام یا عورت پر تکبیر تشریق واجب نہیں بجز اس صورت کے یہ لوگ ایسے امام کا اقتداء کریں جس پر تکبیریں واجب ہوں۔ لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہر اس مسلمان پر تکبیر تشریق واجب ہے جو فرض نماز ادا کرے کیونکہ تکبیر نماز ہی کے تابع ہے۔

صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک گاؤں والوں پر بھی تکبیر واجب ہے اور اس مسئلہ میں فتویٰ صاحبین ہی کے قول پر ہے۔ چنانچہ بحر الرائق میں ہے واما عندھما فھو واجب علی کل من یصلی المکتوبۃ لانہ تبع لھا فیجب علی المسافر والمرأۃ والقرادی (صاحبین کے نزدیک تکبیر ہر اس شخص پر واجب ہے جو فرض نماز پڑھے کیونکہ تکبیر فرض ہی کے تابع ہے پس مسافر عورت اور تنہا نماز پڑھنے والے پر بھی واجب ہے) اور کتاب السراج الوہاج اور جوہرہ نیرہ میں لکھا ہے کہ فتویٰ صاحبینؒ ہی کے قول پر ہے۔ (بہشتی زیور) چونکہ صاحبین کے نزدیک تکبیر سب پر واجب ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ منفرد اور عورت اور مسافر اور دیہات کے رہنے والے بھی تکبیر کہیں۔

تکبیر یوم عرفہ نویں ذوالحجہ کی نماز فجر سے لے کر تیرھویں تاریخ کی عصر تک پڑھنا واجب ہے۔ یہ تیئیس نمازیں ہوئیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تشریق روز عرفہ کی صبح سے عید کے دن نماز عصر تک یعنی صرف آٹھ نمازوں کے بعد واجب ہے لیکن اعتماد اور عمل صاحبینؒ کے قول پر ہے۔ اور اسی پر فتوےٰ ہے کیونکہ صاحبین کی دلیل قوی ہے۔ کذا فی الطحطاوی۔ نماز عید پڑھ کر بھی تکبیر تشریق کہنے میں کوئی مضایقہ نہیں۔ کیونکہ مسلمان ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں اس لئے ان کی پیروی ضرور ہے اور علمائے بلخ بھی اسی پر ہیں۔ کذا فی الدر المختار۔ فرض نماز کا سلام پھیرنے کے بعد فوراً تکبیر کہنی چاہیے۔ اس تکبیر کا آواز سے کہنا واجب ہے۔ ہاں عورتیں آہستہ آواز سے کہیں۔ اگر امام بھول جائے جب بھی مقتدی ضرور کہیں۔

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ تکبیر تشریق ایک دفعہ کہی جائے یا تین بار۔ مگر مشہور قول ایک ہی دفعہ کا ہے۔ مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں۔ کہ ایک سے زائد مرتبہ کا قول ضعیف ہے۔ اور ضعف سے قطع نظر مرۃً والے زیادت کو خلاف سنت کہتے ہیں۔ خود اہل زیادت بھی مرۃً سنت ہونے پر متفق ہیں۔ پس احتیاط مرۃً ہی میں ہے (امداد الفتاویٰ)

فصل ۱۷۱۔ تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد

تحیۃ الوضو اس کو کہتے ہیں کہ جب کبھی وضو کریں دو رکعت نفل پڑھ لیا کریں لیکن جس وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے اس وقت نہ پڑھیں۔ حدیثوں میں تحیۃ الوضو کی بڑی فضیلت مذکور ہے۔ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز صبح کے بعد حضرت بلال رضؓ کو طلب فرمایا۔ اور کہا کہ تم وہ کونسا عمل کرتے ہو جس کی برکت یہ ہے کہ جب کبھی میں (خواب، بیداری یا مکاشفہ میں) بہشت میں داخل ہوا اپنے آگے تمہارے پاپوش کی آواز سُنی (یعنی کس عمل کی بدولت تم اس خدمت خاص سے مشرف ہوئے کہ میرے آگے اس طرح چل رہے تھے جس طرح مخدوموں کے آگے خادم چلتے ہیں)۔

انہوں نے التماس کی یا رسول اللہ! میں جب کبھی بے وضو ہوا۔ فی الفور تازہ وضو کر لیا۔ اور جب کبھی وضو کیا۔ میں نے اپنے اوپر دو رکعتیں لازم کر لیں۔" آپ نے فرمایا انہی دو عملوں کی وجہ سے تم اس شرف سے مشرف ہوئے۔ رواہ الترمذی بخاری و مسلم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے لیکن انہوں نے ہر دفعہ بے وضو ہونے کے بعد وضو کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ جب کبھی میں نے وضو کیا اس کے بعد نفل نماز پڑھی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ وضو کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا بڑا درجہ اور ثواب ہے۔

بعض جگہ رواج ہے کہ لوگ مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور چند منٹ سستا کر مصروف نماز ہوتے ہیں۔ مگر نماز سے پہلے سستانے کی کوئی اصل نہیں۔ ارشاد نبوی ہے کہ تم میں سے جو کوئی مسجد میں داخل ہو وہ دو رکعت نفل پڑھ کر بیٹھے۔ رواہ البخاری و مسلم۔ جابر رضؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ دو رکعت پڑھ لو۔ رواہ البخاری و مسلم۔ اگر وضو مسجد میں جا کر کریں اور تحیۃ الوضو پڑھیں تو پھر تحیۃ المسجد کی ضرورت نہیں رہتی۔ مسجد میں جا کر سنت مؤکدہ پڑھیں تو وہ تحیۃ المسجد کی قائم مقام ہو جاتی ہے۔ ہر دن کے لئے ایک بار تحیۃ المسجد پڑھ لینا کافی ہے۔ درمختار میں ہے کہ تحیۃ الوضو کی دو رکعت اعضائے وضو کے خشک ہونے سے پہلے پڑھ لیں ؞

فصل ۱۷۲۔ نماز ضحیٰ و اوّابین

ضحو اور ضحوۃ کے معنی ہیں دن کا چڑھنا پس اس وقت کی نماز کو نماز ضحیٰ کہتے ہیں۔ ضحیٰ کی دو نمازیں ہیں ایک کو نماز اشراق کہتے ہیں اور دوسری کو نماز چاشت۔ طلوع کے بعد جب آفتاب ایک دو نیزے بلند ہو تو اس وقت نماز اشراق پڑھی جاتی ہے اور جب آفتاب بقدر ربع آسمان سے انتصاف نہار تک بلند ہو جائے اس وقت کی نماز کو نماز چاشت سے موسوم کرتے ہیں۔ اکثر احادیث میں صلوٰۃ ضحیٰ دونوں نمازوں اشراق او چاشت پر مشتمل ہے لیکن ضحیٰ کا زیادہ استعمال نماز چاشت پر ہوتا ہے۔

نسائی کی ایک حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب آفتاب مشرق کی جانب اتنی بلندی پر ہوتا ہے جی عصر کے وقت مغرب کی جانب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھتے تھے اور جب مشرق کی جا اس انداز پر ہوتا تھا جیسا ظہر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو آپ چار رکعت پڑھتے تھے" ا سے بھی معلوم ہوا کہ ضحیٰ کی دو نمازیں ہیں۔ نماز اشراق کا ادنیٰ درجہ دو رکعتیں ہیں اور اکثر چھ رکعتیں۔ اور چاش کی دو رکعتیں ہیں اور اکثر بارہ رکعتیں لیکن اکثر علماء کے نزدیک چاشت کی مختار چار رکعتیں ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی نماز صبح پڑھ کر اسی جگہ بیٹھا رہے پھر آفتاب کے طلوع اور بلند ہونے کے بعد ضحیٰ (یعنی اشراق) کی دو رکعتیں پڑھے اس اثناء میں نیک بات کے سوا کوئی لفظ زبان پر نہ لائے تو اس کے گناہ بخش د جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں۔ رواہ ابوداؤد۔ اسی جگہ بیٹھا رہے اس سے علی قاریؒ نے یہ مراد لی کہ ذکر و فکر میں یا دوسرے امور خیر میں مثل سیکھنے سکھانے علم کے یا وعظ و نصیحت اور درس و تدریس کے یا طوا بیت اللہ میں مصروف رہے۔

اور ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ثواب جب ہوتا ہے کہ نماز ہی کی جگہ پر یا اُس کے قریب بیٹھا رہے۔ ام المومنی حضرت عائشہ رضہ ضحیٰ کی آٹھ رکعتیں پڑھا کرتی تھیں اور فرمایا کرتیں کہ اگر بفرض محال میرے والدین بھی زندہ ہو جائیں تو کی ملاقات کی خوشی میں بھی اس نماز کو نہ چھوڑوں۔ رواہ مالک

نماز اوّابین کی نسبت عمار بن یاسر صحابی رضہ نے کہا میں نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مغرب بعد چھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور آپ نے فرمایا تھا کہ جو شخص نماز مغرب کے بعد چھ رکعت پڑھے اس کی مغفرت ہو جا

ہے اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ برابر ہوں۔ رواہ الطبرانی۔ اور فرمایا جو کوئی مغرب کے بعد چھ رکعت پڑھے ان کے درمیان کوئی بیہودہ کلام نہ کرے اس کو بارہ برس کی (نفلی) عبادت کا ثواب ملتا ہے رواہ الترمذی۔ گو ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے مغرب کے بعد بیس رکعتیں پڑھیں حق تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل تیار کرے گا۔ رواہ الترمذی۔ شیخ عبدالحقؒ نے لکھا کہ اس حدیث کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ مگر سلف صالح اس کو ہمیشہ پڑھتے تھے۔ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ نماز اوّابین کی چار اور دو رکعتیں بھی روایت کی گئی ہیں پس اقل دو رکعت اور اکثر بیس ہیں۔

فصل ۱۷۳۔ نمازِ تہجّد

تہجد کے معنی نوم ہیں۔ شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ جس طرح تاثّم بمعنی ترک اثم اور تحنّث بمعنی ترکِ اثم کے آتے ہیں اسی طرح تہجد کے معنی ترک نوم کے ہیں۔ چونکہ نماز تہجد نیند کے بعد بیدار ہونے پر پڑھی جاتی ہے اس لئے اس نام سے موسوم ہوئی۔ (مدارج) نماز پنجگانہ کے بعد عبادات میں نماز تہجّد سے بڑھ کر شاید کوئی افضل عمل نہ ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیام لیل یعنی تہجد کو لازم کرو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ ہے۔ رات کا قیام قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ سیّئات کو محو کرتا اور گناہوں سے باز رکھتا ہے۔ رواہ الترمذی

اور فرمایا کہ بندہ پچھلی رات میں اپنے پروردگار سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے پس ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہونے کی کوشش کرو جو اللہ تعالیٰ کو پچھلی رات میں یاد کرتے ہیں۔ رواہ الترمذی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت کرے جو رات کو اٹھا اور نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی۔ پھر اگر بیوی (نیند کے غلبہ میں) نہ جاگی تو (بیدار کرنے کے لئے) اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دئے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی چھینٹے دینے سے مراد جگانے کی کوشش کرنا ہے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اپنی رفیقۂ حیات اور دوسرے ماتحتوں کو کسی کار خیر پر مجبور کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ اور فرمایا کہ بہشت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کے باہر کی چیزیں ان کے اندر سے اور اندر کی چیزیں ان کے باہر سے دکھائی دیتی ہیں۔ یہ بالاخانے خدائے قدیر نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھے ہیں جو نرمی سے بات کرتے ہیں۔ کھانا کھلاتے ہیں۔ پے درپے (نفلی) روزے رکھتے ہیں اور رات کو ایسے وقت نماز

پڑھتے ہیں کہ آدمی سوتے ہوں۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان والترمذی فی معناہ۔ اور بعض علماء نے لکھا کہ پے در پے نفلی روزے رکھنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہر مہینے ایام بیض کے تین روزے رکھ لیا کرے۔

حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے علاوہ عموماً آٹھ رکعت نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔ دس اور بارہ رکعت بھی ثابت ہوئی ہیں۔ شامی نے کہا کہ تہجّد کی کمتر تعداد دو رکعتیں اوسط چار اور اکثر آٹھ رکعتیں ہیں۔ پھر اگر نمازی چاہے کہ تہائی رات جاگے اور دو تہائی سوئے تو چاہیے کہ بیچ کی تہائی میں جاگے اور اگر نصف شب جاگنا چاہے تو آخر نصف میں جاگے اور بہتر یہ ہے کہ رات کے چھ حصے کرے پہلے تین حصوں میں سوئے اور چوتھے اور پانچویں میں جاگے اور چھٹے میں سوئے کیونکہ صحیحین میں مروی ہے کہ حق تعالیٰ کو تمام (نفلی) نمازوں سے زیادہ محبوب داؤد علیہ السلام کی نماز ہے کہ وہ آدھی رات سوتے۔ پھر تہائی رات جاگتے پھر چھٹا حصہ سوتے تھے کذا فی الحلیہ۔

فصل ۱۷۴۔ نمازِ توبہ

اگر کبھی آدمی سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو نادم ہو کر بعجلت وضو کرکے دوگانہ نماز پڑھے اور استغفار کرتے ہوئے اس معصیت سے توبہ کرے۔ گذشتہ پر رنج و ندامت کرے اور آئندہ عزم بالجزم کر لے کہ پھر اس برائی کا مرتکب نہ ہوں گا۔ غرض مسلمان کو توبہ سے کسی ساعت بھی خالی نہ رہنا چاہیے۔ جونہی کوئی گناہ سرزد ہو معاً سچے دل سے توبہ کرے۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضہ کا بیان ہے کہ ابوبکر رضہ نے مجھ سے حدیث بیان کی اور انہوں نے سچ کہا کہ میں نے رسول امین صلی اللہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا تھا کہ کوئی شخص کسی گناہ کا مرتکب ہو اور وہ وضو کرکے نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے گناہ کی بخشش مانگے تو خدائے آمرزگار اُسے بخش دیتا ہے رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ حضرت علی رضہ کا یہ فرمانا کہ ابوبکر رضہ نے سچ کہا یہ جملہ معترضہ ہے جس کو جناب علی رضہ نے حضرت صدیق اکبر رضہ کی بزرگی اور صدق گوئی کے اظہار کے لئے کہا۔ اور حضرت ابوبکر رضہ ایسے راست گو تھے کہ حامل نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا لقب صدّیق رکھا۔ مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضہ کی عادت تھی کہ جب تک راوی کو قسم نہ دے لیتے اور وہ حلف اٹھا کر یہ نہ کہہ لیتا کہ میں نے خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے اس وقت تک کسی حدیث کو قبول نہ فرماتے تھے لیکن جب حضرت ابوبکر رضہ سے کوئی حدیث سنتے تو قسم کے بغیر ہی

قبول فرما لیتے۔ گو حدیث میں وضو ہی کا ذکر ہے لیکن علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ غسل افضل ہے اور غسل بھی ٹھنڈے پانی کے ساتھ بہتر ہے۔ بخشش چاہنے سے مراد زبان سے استغفار پڑھنا اور دل میں ندامت کے ساتھ توبہ کرنا اور یہ عزم صمیم کرنا ہے کہ پھر کبھی اس کام کے نزدیک نہ پھٹکے گا۔ لیکن ندامت اور انابت کے ساتھ حقوق العباد کا تدارک کرنا اور حق داروں کے حق پہنچانا بھی توبہ کے لوازمات میں سے ہے۔

فصل ۱۷۵۔ نمازِ حاجت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ کی طرف یا آدمیوں میں سے کسی کی طرف کوئی حاجت ہو تو اس کو چاہیے کہ اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نفل پڑھ کر (ہاتھ اٹھائے اور) اللہ کی تعریف کرے اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے (یعنی یہ کہے الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسّلامُ علیٰ خیرِ خلقہٖ سیّدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین) اس کے بعد یوں کہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًى اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

رَواہ الترمذی وقال حدیثٌ غریبٌ (ترجمہ) اللہ حلیم وکریم کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عرش عظیم کا پروردگار پاک ہے۔ اور سب تعریف اللہ رب العلمین کے لئے ہے۔ الٰہی! میں تجھ سے تیری رحمت کے واجب کرنے والی خصلتوں اور تیری بخشش کے واجب کرنے والے عملوں کی درخواست کرتا ہوں۔ اور ہر نیکی سے غنیمت یعنی پوری نیکی اور ہر گناہ سے بچاؤ اور ہر گناہ سے سلامتی کا ملتجی ہوں۔ میرا کوئی ایسا گناہ نہ چھوڑ جس کو نہ بخشے اور نہ کوئی تیری پسندیدہ حاجت جس کو پورا نہ کرے (یعنی ایسی حاجت کو پورا کر دے جو تیری خوشنودی کا سبب ہو ورنہ اس سے باز رکھ)۔ اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان۔“

علامہ علی قاریؒ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے ناقل ہیں کہ اپنی حاجت کے لئے ہفتے کی صبح کو نکلنا مستحب ہے بموجب ارشاد سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ جو کوئی اپنی حلال حاجت کی طلب میں ہفتے کے دن صبح کو جائے

میں اُس حاجت کے روا ہونے کا ضامن ہوں۔"

فصل ۱۷۶۔ نمازِ استخارہ

حضرت جابر انصاری رضؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو سب کاموں میں دعائے استخارہ اسی اہتمام سے سکھاتے تھے جس طرح آپ کو قرآن کی سورتیں سکھانے کا اہتمام تھا۔ آپ فرماتے کہ جب کوئی کسی (مباح) کام کا قصد کرے (اور اس کی بھلائی میں متردّد ہو مانند سفر اور تجارت اور نکاح وغیرہ کے) تو چاہیئے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر یوں کہے:۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ط اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ۔ اس کے بعد اپنی حاجت کا نام لے۔ رواہ البخاری

اور جب اُن الفاظ پر جن پر خط کھینچا ہوا ہے پہنچے تو اس کے پڑھتے وقت اس کام کا خیال دل میں لائے۔ جس کے لئے استخارہ کیا گیا ہے جو کام محض خیر ہو اُس میں تعیّن وقت یا حالت مخصوص کے لئے استخارہ ہوگا۔ اور واجب اور مستحب امر کے کرنے یا حرام اور مکروہ کے چھوڑنے میں استخارہ نہیں کرنا چاہیے۔ اوقات مکروہہ کے سوا جس وقت چاہیں نمازِ استخارہ پڑھیں۔ سفر جانے کا ارادہ ہو تو هٰذَا الْاَمْرَ (یہ کام) کی بجائے هٰذَا السَّفَرَ وغیرہ کہنا چاہیے۔ استخارہ سات دن تک پڑھنا چاہیے۔ اور اگر عجلت کا کام ہو تو ایک دو دن ہی میں سات مرتبہ پڑھ لیں۔ مگر مکروہ اوقات سے احتراز کریں۔ عجب نہیں کہ استخارہ کی برکت سے جو بات اس کے حق میں موزوں و مناسب ہو اس پر دل قرار پکڑ جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خواب میں اس کام کا حُسن و قبح معلوم ہو جائے۔

لیکن کوئی تجارتی یا صنعتی کاروبار شرعاً مکروہ نہ ہو تو اس میں اس وقت تک ہرگز سرمایہ نہ لگائیں جب تک پہلے اس کام کا اچھی طرح تجربہ نہ حاصل کرلیں۔ بعض لوگ تجربہ حاصل کئے بغیر کسی کام میں اندھا دھند سرمایہ لگا دیتے

ہیں اور پھر تھوڑی مدت میں اس کو تباہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے استخارہ پڑھ کر کام شروع کی
تھا مگر نقصان اٹھایا۔ حالانکہ وہ استخارہ کے بعد اس بنار پر غلط فہمی کا شکار ہوئے کہ بعض اوقات جو غیر مفید خواہش
وارادہ ان کے دل میں پختہ ہو چکا تھا اور استخارہ کے بعد اس میں تبدیلی نہیں ہوئی تھی اسس کو وہ منجانب اللہ سمجھ
بیٹھے تھے۔

صحیح طریق کار یہ ہے کہ جو کاروبار شروع کرنا ہو پہلے سال دو سال تک اس میں کہیں نوکری کر کے خوب تجرب
حاصل کیا جائے۔ جب تمام نشیب و فراز پر من و عن عبور حاصل ہو جائے تو پھر استخارہ کر کے اس کام کو شروع کریں
انشاء اللہ العزیز کامیابی ہوگی۔ اور جو لوگوں میں مشہور ہے کہ نماز استخارہ پڑھ کر کنوئیں میں چھلانگ لگا دیں تو بھی کچھ
ضرر نہ پہنچے گا یہ سخت مآل نا اندیشانہ مشورہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ عوام الناس تقوٰی و طہارت اور تعلق باللہ کے اُس
مقام پر نہیں کہ ان کی استعداد استخارہ سے لازماً صحیح رہنمائی حاصل کر سکے اس لئے استخارہ کے علاوہ وہ اصحاب
الرائے سے مشورہ لینے کے زیادہ محتاج ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے اپنے کسی ارادت مند کے استفسار پر لکھا تھا کہ استخارہ کرنے سے کام میں کامیابی
ہوگی۔ یہ خیال بالکل غلط ہے استخارہ کرنے سے یقینی اُمید کی کوئی دلیل نہیں۔ ثمرہ کا مرتب ہونا مشکوک ہی رہنا۔
اور درجہ شک میں بھی استخارہ کو کوئی دخل نہیں بلکہ قبل استخارہ ثمرہ جس طرح مشکوک تھا بعد میں بھی ویسا ہی
مشکوک رہتا ہے۔ استخارہ میں کامیابی کا وعدہ نہیں بلکہ حصول خیر کا وعدہ ہے۔ خواہ خیر ظاہری ہو یا باطنی ۔
(امداد الفتاویٰ جلد اوّل مطبوعہ کراچی صفحہ ۳۷۳-۳۷۵- ملتقطاً)

فصل ۱۷۷ـ صلوٰۃ التسبیح

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمّ محترم حضرت عبّاس ؓ سے فرمایا تھا کہ میں تم کو ایک ایسی نماز بتاتا ہوں
جس کے پڑھنے سے تم دس خصلتوں کے مالک بن جاؤ گے ! ور خدائے آمرزگار تمہارے پہلے اور پچھلے پرانے اور ن
سہواً اور عمداً چھوٹے اور بڑے چھپے اور ظاہر تمام گناہ بخش دے گا۔ چار رکعت پڑھو۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کو
دوسری سورت پڑھنے کے بعد پندرہ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہو

پھر رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کے بعد ان کلمات کو دس بار کہو۔ پھر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کے بعد دس بار۔ پھر سجدے میں دس بار، پھر دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھ کر دس بار، پھر دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر دس بار۔ یہ تسبیحیں پچھتّر بار ہوئیں۔ اسی طرح چاروں رکعتوں میں پڑھو۔ اگر اس کو روزانہ پڑھ سکو تو ہر روز ایک بار پڑھو۔ ورنہ ہفتہ میں ایک بار۔ اور یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینہ میں ایک بار ورنہ ہر سال میں ایک بار اور اگر ہر سال بھی نہ پڑھ سکو تو تمام عمر میں ایک بار پڑھ لو۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ

علماء نے لکھا ہے کہ یہ تسبیحات قعدوں میں التحیات کے پہلے پڑھیں بخلاف اور ارکان کے اور اگر سجدۂ سہو کی احتیاج پڑے تو ان سجدوں میں تسبیحات نہ پڑھیں ورنہ تین سو سے زیادہ ہو جائیں گی۔

سوال۔ کیا صلوٰۃ التسبیح کی حدیثیں صحیح ہیں؟

جواب۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی مرحوم نے ان حدیثوں پر کتاب نزل الابرار میں بڑی جرح قدح کی ہے اور امام ابن جوزیؒ نے ان کو موضوعات میں داخل کیا ہے لیکن مولانا خلیل احمدؒ نے کتاب بذل المجہود میں ان پر مفصل بحث کی ہے ملاحظہ ہو بذل المجہود جلد ۲ ص ۲۷۷)

فصل ۱۷۸۔ نماز طلب باراں

نمازِ استسقاء یعنی طلب باراں بھی مسنون ہے لغت میں استسقاء کے معنی دوسرے سے پانی عطا کرنے کی درخواست کرنے کے ہیں اور شریعت میں خشک سالی کے وقت مالک الملک سے ایک خاص صورت پر مینہ طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ نمازِ استسقار کے لئے لوگوں کو برابر تین روز تک آبادی سے باہر نکلنا چاہیے۔ باہر جنگل یا میدان میں جانے کا حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے رہنے والے نہ ہوں۔ ان تینوں شہروں کے باشندے وہاں کی افضل مساجد میں جانے کے مامور ہیں۔ امام یعنی حاکم وقت کو مستحب ہے کہ باہر نکلنے سے پہلے لوگوں کو تین دن روزہ رکھنے اور گناہوں سے خالص توبہ کرنے کا حکم کرے اور توبۂ خالص کا یہ مطلب ہے کہ لوگ حق داروں کے حقوق بھی ادا کر دیں۔ کہ توبہ میں حقوق العباد ادا کرنے کی یہ شرط برابر لگی ہوئی ہے کہ کسی کا حق توبہ کرنے والے کے ذمّے نہ رہے کذا فی الطحطاوی

پھر چوتھے روز امام لوگوں کے ساتھ اس طرح نکلے کہ لوگ پیادہ پا میلے کچیلے یا پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے بیکسوں کی صورت بنائے فروتنی اور عاجزی کرتے ہوئے گردن جھکائے ہوں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زینت ترک کئے ہوئے تواضع خشوع اور تضرع کرتے ہوئے استسقاء کو نکلے۔ رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی چاہیئے کہ ہر روز نکلنے سے پہلے صدقہ دیں۔ اور از سر نو توبہ کریں۔ اور مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کریں ضعیفوں، بوڑھوں بڑھیوں اور لڑکوں کو ساتھ لے جائیں۔ اور بچوں کو ان کی ماؤں سے جدا کرا دیں۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ گریہ زاری اور زیاد زیادہ ہو تاکہ لوگوں کو رقت ہو۔ اور اس کی وجہ سے دریائے رحمت ایزدی جوش میں آئے۔ کذا فی الشامی والطحطاوی۔

جانوروں کا باہر نکالنا بھی مستحب ہے۔ کیونکہ کبھی مینہ انہی کے سبب سے عنایت ہوتا ہے۔ چنانچہ امام احمدؒ نے روایت کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام لوگوں کے ساتھ نماز استسقاء کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنی ٹانگیں آسمان کی طرف اٹھائے ہے آپ نے فرمایا کہ لوٹ چلو۔ تمہاری دعا اس چیونٹی کی بدولت مقبول ہوئی کذا فی الطحطاوی۔ میدان میں پہنچ کر امام دوگانہ نماز بدون اذان و اقامت پڑھائے جس میں قراءت بالجہر کرے۔ اور افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ ق یا اعلیٰ اور دوسری میں اقتربت الساعۃ یا غاشیہ پڑھے۔ پھر کھڑے ہو کر تلوار یا عصا کے سہارے خطبہ دے اور چادر پلٹے۔ چادر پلٹنا بطور نیک فالی کے ہے۔ کہ جیسے چادر پھیرتے ہیں ایسے ہی قحط کے بدلے ارزانی ہو اور مینہ برسے۔ چنانچہ جابر رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحویل رداء اس لئے کیا کہ قحط سالی منقلب ہو جائے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک۔

عبداللہ بن زید رضؓ کا بیان ہے کہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کی طرف نکلے اور استسقاء کیا اور اپنی چادر کو پلٹایا۔ اس کے دائیں کونے کو بائیں کندھے پر اور بائیں کونے کو داہنے کندھے پر کر لیا۔ اس وقت آپ کا رخ انور قبلے کی طرف تھا۔ رواہ ابوداؤد چادر پھیرنے کا طریقہ ہمارے علماء نے یہ لکھا ہے کہ دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے لے جا کر داہنے ہاتھ کے ساتھ بائیں جانب کے نیچے کا کونا اور بائیں ہاتھ کے ساتھ داہنی طرف کے نیچے کا کونا پکڑیں۔ اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی پیٹھ پیچھے اس طرح پھیریں کہ داہنے ہاتھ کا پکڑا ہوا کونا دائیں مونڈھے پر اور بائیں ہاتھ کا پکڑا ہوا کونا بائیں مونڈھے پر چلا جائے۔ ایسا کرنے سے داہنا کونا بایاں اور بایاں داہنا اور اوپر کا رخ نیچے اور نیچے کا اوپر ہو جائے گا۔

دعا مانگنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ضعیفوں، بوڑھوں، بڑھیوں اور لڑکوں کو آگے کر دیں تاکہ وہ دعا مانگیں اور

جوان آمین کہیں۔ کیونکہ ضعیفوں کی دُعا جلد شرفِ قبول حاصل کرتی ہے۔ چنانچہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ تم کو رزق اور فتح جو ملتی ہے تو تمہارے ضعیفوں کی بدولت ہی ملتی ہے۔ طلب باراں کی دُعا کرنے میں ہاتھ معمول سے زیادہ بلند کرنے چاہئیں۔

عُمیر رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو احجار الزیت کے قریب زوراء کے پاس استسقاء کرتے ہوئے دیکھا آپ نے دُعا میں اپنے دونوں ہاتھ چہرۂ مبارک کی طرف اٹھائے تھے۔ لیکن ان کو سر سے زیادہ اونچا نہ کیا تھا۔ رواہ ابوداؤد واخرج الترمذی والنسائی نحوہٗ۔ حسب بیان حضرت انس رضؓ آپ دعا میں اس قدر ہاتھ اُٹھاتے کہ (اگر بالفرض کپڑا نہ اوڑھے ہوتے تو) آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی رواہ البخاری ومسلم۔ علماء نے فرمایا ہے کہ مقصد جس قدر زیادہ دشوار اور گراں ہو ہاتھ بھی اسی قدر زیادہ بلند اٹھانے چاہئیں۔ طلب باراں کی دعا میں ایک مستحب یہ ہے کہ دُعا میں ہاتھ اُلٹے رکھیں۔ حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ آپ نے استسقاء کیا اور دونوں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کی۔ رواہ مسلم۔

علی قاریؒ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جو کوئی قحط وغیرہ قسم کی بلا کے دفعیہ کا آرزومند ہو وہ دعا میں اپنے ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرے۔ اور جو کوئی حصولِ نعمت کے لئے دعا کرے۔ وہ اپنی ہتھیلیاں آسمان کی طرف کرے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کی دعا میں کہتے۔ اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ رواہ مالک وابوداؤد (الٰہی اپنے بندوں اور جانوروں کو پانی پلا۔ اور اپنی رحمت پھیلا دے اور اپنے مردہ (خشک) شہر کو زندہ (یعنی سرسبز) کر دے) حسب بیان حضرت جابر رضؓ آپ نے استسقاء میں یہ دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيْثًا مَّرِيْئًا مَّرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ (الٰہی! ہم کو ایسے مینہ سے سیراب کر جو فریادرسی کرے اور انجام بخیر ہو اور ارزانی کرے۔ نفع بخش ہو نہ مضرت رساں اور جلد آنے والا ہو نہ کہ دیر لگانے والا) جابر رضؓ کا بیان ہے کہ اس دُعا پر چاروں طرف ابر چھاگ اور بارش ہونے لگی رواہ ابوداؤد

امیر المومنین فاروق اعظم رضؓ اپنے عہد خلافت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسّل سے استسقاء کر اور کہتے الٰہی! ہم تیرے حضور میں تیرے نبی کو وسیلہ کرتے تو تُو ہم پر پانی برساتا اور اب ہم تیرے نبی کے چچا وسیلہ کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم پر مینہ نازل فرما۔ حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضؓ کے اس طرح استس

سے پانی برستا تھا۔ رواہ البخاری۔ شیخ عبدالحقؒ ناقل ہیں کہ جب حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ حضرت عباسؓ کو وسیلہ بناتے تو وہ بارگاہ خداوندی میں عرض پیرا ہوتے خدایا! تیرے پیغمبر کی اُمت نے تیرے پاس میرا وسیلہ پکڑا ہے۔ خداوندا! میرے اس بڑھاپے کو رسوا نہ کر اور مجھے ان کے رُوبرو شرمندہ نہ کر۔ بس مینہ برسنے لگتا۔

فصل ۱۷۹ نمازِ کسوف

کسوف سورج گہن کو اور خسوف چاند گہن کو کہتے ہیں۔ بخاری کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی آدمی کی موت کے سبب سے نہیں گہنتے۔ بلکہ یہ دونوں گہن خدا تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ جب تم ان کو دیکھو تو اُٹھ کر نماز پڑھو۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پڑھا ہے اور اس نماز پر اُمت کا اجماع بھی ہے۔ کذا فی الطحطاوی۔ سورج گہن میں دو رکعت نماز مسنون ہے۔ ہر امام مسجد اپنی مسجد میں پڑھا سکتا ہے۔ اس کے لئے اذان و اقامت نہیں۔ بلکہ لوگوں کے جمع کرنے کے لئے اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ پکار دیا جائے۔ نماز کسوف کی قرأت میں ہمارے ائمہ ثلٰثہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اس میں قرأت آہستہ کی جائے۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا۔ کہ قرأت بالجہر ہو۔ اگر سورج گرہن مکروہ وقت میں ہو مثلاً عصر کے بعد تو لوگ نماز نہ پڑھیں صرف مشغولِ دُعا رہیں۔ اس نماز میں خطبہ نہیں اور جو کسوف حضرت سید الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند گرامی جناب ابراہیمؑ کی وفات کے دن ہوا تھا۔ اور اس میں آپ نے خطبہ دیا تھا تو وہ محض لوگوں کی اس غلط فہمی کے دُور کرنے کے لئے تھا کہ یہ گہن حضور کے لختِ جگر کی وفات کے باعث ہوا ہے۔
کذا فی الطحطاوی

امام کو چاہیے کہ کسوف کی نماز میں رکوع، سجدہ، قرأت دعاؤں اور دوسرے اذکار کو ایسا طول دے جو نفل نماز کے خواص سے ہے۔ پھر امام مستقبل قبلہ رُخ یا ایستادہ لوگوں کی طرف مُنہ کر کے دعا مانگے اور سب لوگ آمین کہے۔ قرأت کو طویل کرنے کی یہ مقدار ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ اور دوسری میں آل عمران پڑھے اور اگر یہ یاد نہ ہوں تو ان کے مساوی دوسری سورتیں پڑھے۔ طحطاوی نے کہا مسنون یہ ہے کہ دُعا اور نماز میں گہن کا سارا وقت پورا ہو جائے

اگر نماز کو خفیف پڑھے تو دعا کو طول دے۔ اور دعا مختصر کرے تو قرات طویل کرے اور کھڑے ہو کر اور لوگوں کی طرف منہ کرکے دعا مانگنا بہتر ہے۔ امام دعا کے لئے منبر پر نہ چڑھے۔ کذا فی النہر۔ اور اگر امام نماز پڑھانے نہ آئے تو لوگ نماز کسوف مسجد میں یا گھروں میں تنہا پڑھ لیں۔

چاند گرہن کے وقت بھی دو رکعت نماز سنت ہے۔ مگر اس میں جماعت مسنون نہیں۔ سب لوگ تنہا گھروں میں پڑھیں۔ خواہ امام موجود ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ یہ نماز رات کو ہوتی ہے اس وقت لوگوں کا جمع ہونا حرج سے خالی نہیں (درمختار) علاوہ ازیں جب کبھی کسی قسم کا کوئی خوفناک حادثہ یا قومی مصیبت پیش آئے۔ مثلاً دشمن دارالاسلام پر حملہ آور ہو۔ زلزلہ آئے یا بجلی گرے۔ ستارے (شہاب ثاقب) بہت ٹوٹیں یا آندھی چلے یا برف باری ہو یا کثرت باراں بدحواس کردے۔ یا ہیضہ طاعون وغیرہ کوئی وبا پھیلے یا کسی دشمن وغیرہ کا خوف ہو تو ہر شخص اپنے اپنے گھر میں نماز اور مناجات میں لگ جائے۔ حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی رنج یا مصیبت یا پریشانی لاحق ہوتی تھی آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔

فصل ۱۸۰۔ کعبہ معلّٰی میں نماز پڑھنا

کعبہ معلّٰی کے اندر فرض اور نفل نماز درست ہے لیکن امام مالکؒ کے نزدیک کعبہ کے اندر فرض نماز درست نہیں۔ کیونکہ جب نمازی ایک طرف کو منہ کرے گا تو دوسری جانب کو اس کی پشت ہو گی۔ حالانکہ پشت کی جانب بھی قبلہ ہے اور ہمارے نزدیک واجب یہ ہے کہ کعبہ کے ایک جزء غیر معیّن کی طرف منہ کیا جائے۔ اور نمازی جس جزء کی طرف منہ کرکے بھی نماز شروع کرے گا۔ یہ بات حاصل ہو جائے گی کیونکہ وہی جزء جس میں قبلہ ٹھہرے گا اور اس کے غیر کی طرف پیٹھ کرنا عفو ہے صلاۃ نہ ہوگا اور عرصہ اور ہوا سے یہ مراد ہے کہ عمارت کعبہ ہی قبلہ نہیں بلکہ خالی جگہ اور اس کے اوپر کی ہوا آسمان تک قبلہ ہے۔ کذا فی الشامی

لیکن خانہ کعبہ کے اوپر نماز پڑھنا بوجہ ممانعت مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ اس میں ترک تعظیم ہے۔ نماز کعبہ کے اندر تنہا ہو یا جماعت سے صحیح ہے۔ اگرچہ کعبہ کی طرف منہ کرنے میں جماعت والوں کے چہرے جدا طرف کو ہوں لیکن اگر مقتدی اپنی پشت امام کے چہرے کی طرف کرے گا تو امام سے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے اس کا اقتدا درست نہ ہوگا۔ اور آڑ کے بغیر اپنا چہرہ امام کے چہرے کے مقابل کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں صورت پرستی کی مشابہت

پائی جاتی ہے۔ اور اگر امام کے پہلو کی طرف منہ کرے گا تو مکروہ نہ ہوگا۔

اور کعبہ معلّٰی کے گرد مسجد الحرام میں بصورت حلقہ نماز درست ہے کیونکہ عہد نبوی سے آج تک اسی طرح نماز ہوتی آئی ہے۔ اس حلقہ کی جماعت میں سے کوئی شخص امام کی نسبت کعبہ سے قریب ہو تو اگر وہ اسی طرف ہے جدھر امام ہے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں وہ امام سے آگے بڑھا ہوا ہوگا اس لئے اس کا تابع نہ ٹھیرا اور اگر دوسری جانب میں کعبہ سے قریب ہو گیا ہے۔ تو اقتدار درست ہے۔ کیونکہ امام سے آگے بڑھنا اس وقت متحقّق ہوتا ہے جب دونوں کی جہت متحدّ ہو۔ کذا فی الشامی

فصل ۱۸۱۔ نمازِ جنازہ

نماز جنازہ کی سات شرطیں ہیں (۱) میّت کا مسلمان ہونا (۲) میّت کے بدن کفن اور مکان کا پاک ہونا (۳) میّت کے ستر کا ڈھکا ہوا ہونا (۴) امام کا بالغ ہونا (۵) میّت کا موجود ہونا (۶) میّت کا زمین پر رکھا جانا۔ خواہ ہاتھوں پر زمین سے قریب ہو۔ (۷) میّت بالکل یا اس کا اکثر حصّہ نمازی کے سامنے قبلہ کی جانب ہو۔ اگر میّت چارپائی پر رکھی ہو تو طہارت مکان سے مراد چارپائی کا پاک ہونا ہے۔ اور اگر زمین پر ہو تو زمین کا پاک ہونا مراد ہے۔ اور میّت کے بدن اور کپڑوں کا ابتداء میں پاک ہونا شرط ہے۔ اگر تکفین کے بعد میّت سے نجاست نکل کر میّت کا جسم یا کفن ناپاک ہو جائے تو دفع حرج کے لئے یہ نجاست مانع نماز نہیں۔ ہاں اگر پہلے سے ناپاک کپڑے کا کفن دیا جائے گا تو نماز درست نہ ہوگی۔ جب میّت ایک ہو تو میت کا سامنے ہونا امام کے حق میں شرط ہے۔ اور اگر زیادہ ہوں تو سب کا سامنے ہونا شرط نہیں۔ ایک کی موجودگی کافی ہے۔ کذا فی الشامی

میّت غائب پر نماز درست نہیں اور نہ اس پر جو کسی گاڑی یا جانور یا لوگوں کے مونڈھوں پر ہو اور نہ اس پر جو لوگوں کے پیچھے رکھی ہو۔ سر میّت کا امام کے دائیں ہاتھ چاہیے اگر بائیں ہاتھ پر رکھ کر نماز جنازہ پڑھیں تو مکروہ تنزیہی ہے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اگر کسی نے بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی تو سب گنہ گار ہوں گے۔ نماز جنازہ کی ترکیب یہ ہے۔ کہ لوگ صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں۔ اگر آدمی زیادہ ہوں تو بہتر ہے کہ تین یا پانچ یا سات صفیں بنائیں

جب صفیں سیدھی ہو جائیں تو نیت اس طرح کریں کہ میں خدا کے لئے اس جنازے کی نماز اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں۔ اب امام آواز سے اور مقتدی آہستہ سے اللہ اکبر کہیں اور دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر ناف کے نیچے باندھ لیں۔ اور امام اور مقتدی سب آہستہ آہستہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھیں لیکن ثنا میں تعالٰی جَدُّكَ کے بعد وَجَلَّ ثَنَاءُكَ کا بھی اضافہ کریں تو بہتر ہے۔ پھر امام آواز سے اور مقتدی آہستہ سے ہاتھ اُٹھائے بغیر دوسری تکبیر کہیں اور وُہ درُود پڑھیں جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ پھر تیسری تکبیر کہیں اور امام آو مقتدی آہستہ یہ دُعا پڑھیں۔

جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا :-

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا ط اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ ط	الٰہی! ہمارے زندوں اور مُردوں اور حاضروں اور غائبو اور چھوٹوں اور بڑوں اور مردوں اور عورتوں کو بخش د الٰہی! ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے اُسے اسلا پر زندہ رکھ اور جسے وفات دے اُسے ایمان پر مو دے۔

اور اگر جنازہ نابالغ لڑکے کا ہو تو یہ دُعا پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا۔	الٰہی! اس بچے کو ہماری نجات کے لئے آگے جانیو بنا اور اس کی جُدائی کی مصیبت کو ہمارے لئے اجر اور ذ بنا اور اس کو ہمارا شفاعت کرنیوالا اور شفاعت قبول کیا گ

اور اگر جنازہ نابالغہ لڑکی کا ہو تو یہ دُعا پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهَا لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً۔	الٰہی! اس بچی کو ہماری نجات کے لئے آگے جانے وا اور اس کی جدُائی کی مصیبت کو ہمارے لئے اجر اور ذخیر اور اس کو ہماری شفاعت کرنیوالی اور شفاعت قبول کی گئی

اس کے بعد امام آواز سے اور مقتدی آہستہ چوتھی تکبیر کہیں۔ پھر امام آواز سے اور مقتدی آہستگی سے داہنی طرف اور پھر بائیں جانب سلام پھیر دیں۔ میت کے لئے وہی دعائے مغفرت تھی جو نماز جنازہ میں پ گئی۔ اب پھر دُعا نہ مانگیں۔ دوبارہ دُعا مانگنا خلاف سنت و مکروہ ہے۔ نماز جنازہ سے فارغ ہوتے ہی جن

اُٹھا کر لے چلیں۔ چلتے وقت اگر کلمہ شریف وغیرہ پڑھیں تو دل میں پڑھیں۔ آواز سے پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر تین چار نمازے جمع ہو جائیں تو ان کی نماز جنازہ جدا جدا افضل ہے اگر ملا کر پڑھیں تو دعا اسی طرح ایک مرتبہ پڑھی جائے گی جس طرح ایک میّت کی نماز میں پڑھی جاتی ہے۔

فصل ۱۸۲۔ غائب پر نمازِ جنازہ

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ غائب پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں بعض علماء کے نزدیک کسی میّت پر اس کے وطن میں نماز نہ پڑھی گئی ہو تو دوسری جگہ کے لوگ نماز پڑھ کر اس کی تلافی کر سکتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے اور حبشہ میں شاہ حبش کے لئے کسی نے نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ اس لئے جب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے مدینہ منورہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ امام ابن کثیرؒ اپنی شہرۂ آفاق تاریخ "البدایہ والنہایہ" میں لکھتے ہیں:۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ کی نماز جنازہ اس لئے پڑھی تھی کہ وہ اپنی قوم سے اپنا ایمان مخفی رکھتے تھے اور حبشہ میں مسلمان موجود نہیں تھے۔ جو ان پر نماز پڑھتے اس لئے شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ان پر نماز پڑھی۔ ان علماء کا یہ بھی قول ہے کہ اگر غائب کی نماز جنازہ اس کے وطن میں پڑھی گئی ہو تو کسی دوسرے شہر میں غائبانہ نماز مشروع نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ نجاشی کے سوا کسی دوسرے کی غائبانہ نماز جنازہ کبھی نہ پڑھی۔ اسی طرح خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کی نسبت بھی کوئی روایت نہیں کہ انہوں نے اس شہر کے سوا جہاں کسی میت پر نماز پڑھی گئی ہو کسی دوسرے مقام پر اس کی غائبانہ نماز پڑھی ہو۔ (البدایہ والنہایہ مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۷۸)

لیکن ہمارے حضرات غیر مقلّدین کی جدّت پسندی ملاحظہ ہو کہ جونہی اپنے متعلقین میں سے کسی کے مرنے کی خبر سنتے ہیں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اگرچہ مرنے والے کی نماز جنازہ اس کے اپنے شہر میں پڑھی گئی ہو۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ اقدام سراسر بدعت واحداث فی الدین ہے۔ حنفیوں کے نزدیک غائب پر نماز جنازہ کسی حالت میں مشروع نہیں۔ شامی لکھتے ہیں کہ شاہ نجاشی (بکسر نون وفتح جیم بلا تشدید یا مخففہ) پر آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا یا تو آپ کی خصوصیت تھی یا یہ کہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا ہو کہ آپ دیکھتے ہوں اور دوسروں کو نظر نہ آتا ہو۔"

فصل ۱۸۳۔ مسجد میں نمازِ جنازہ

سوال۔ علمائے حنفیہ و مالکیہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ حالانکہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رحلت فرما ہوئے تو ام المومنین حضرت عائشہ رض نے فرمایا تھا کہ ان کو مسجد میں داخل کرو تاکہ میں بھی ان پر نماز پڑھوں اور جب صحابۂ کرام رض نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے پر اعتراض کیا تو ام المومنین نے فرمایا کہ خدا کی قسم! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کے دونوں بیٹوں سہل اور سہیل کی نماز جنازہ مسجد ہی میں پڑھائی تھی۔ رواہ مسلم۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

جواب۔ اسی حدیث میں مذکور ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کو قابل اعتراض سمجھا اور مسلم کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ فَبَلَغَهُنَّ اَنَّ النَّاسَ عَابُوْا ذَالِكَ وَقَالُوْا مَا كَانَتِ الْجَنَائِزُ يُدْخَلُ بِهَا الْمَسْجِدَ (یعنی ازواج مطہرات کو خبر پہنچی کہ صحابہ نے اس کو عیب جانا ہے اور کہا ہے کہ عہد نبوی میں جنازے مسجد میں داخل نہیں کئے جاتے تھے) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمن مبارک میں یہ دستور نہ تھا۔ اور فقط دو کی نماز پڑھنے سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیشہ یوں ہی ہوتا تھا۔ اگر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مسنون ہوتا تو مسلمانوں کا ایک جم غفیر جنہوں نے بلد الرسول میں وفات پائی تھی ان سب کے جنازے نماز کے لئے مسجد میں داخل کئے جاتے اور ام المومنین یوں فرماتیں کہ رسول خدا مسجد میں نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے انہوں نے مدت العمر میں صرف دو شخصوں کی نظیر بتلائی۔ پھر صحابہ علیہم الرضوان کا انکار کرنا اور معیوب سمجھنا اس امر کو مقتضی ہے کہ نماز جنازہ مسجد سے باہر پڑھنے کا معمول تھا۔ اور برہان شرح مواہب الرحمن میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سہل اور سہیل پر نماز پڑھنا ایک حالت کا واقعہ ہے جس پر عموم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے مسجد میں معتکف ہونے کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھی ہو۔"

بہر حال نماز جنازہ خارج از مسجد بہتر اور افضل اور مسجد میں مکروہ تنزیہی ہے۔ اور بعض حضرات نے

جو مسجد میں پڑھنے کو مکروہ تحریمی لکھا ہے وہ صحیح نہیں ٭

فصل ۱۸۴ شہید کی نمازِ جنازہ اور تجہیز و تکفین

شہید جس کو بدون غسل کے اُسی کے خون آلود کپڑوں میں دفن کیا جاتا ہے ہر وہ عاقل بالغ مسلمان ہے جو طاہر ہو اور ظلماً ایسی چیز سے مارا جائے جو قصاص کی موجب ہو اور مجروح ہونے کے بعد زندہ نہ رہا ہو لڑکا اور دیوانہ قتل کئے گئے ہوں تو وہ نہلائے جائیں گے۔ کافر گو ظلماً مارا گیا ہو مگر شہید نہ ہوگا۔ حائضہ اور نفساء اور جُنبی شہید ہوں گے تو ان کو غسل دیا جائے گا۔ عورت نے تین دن خون دیکھا۔ پھر وہ ظلماً ماری گئی تو چونکہ حیض کی اقل مدّت گزرنے سے وہ ناپاک ہو گئی اس کو غسل دینا چاہیئے۔ اور اگر خون دیکھنے کے دو روز بعد ماری گئی تو اس کو غسل نہ دیا جائے گا کیونکہ کمتر مدّت ہونے کے باعث ہنوز اس احتمال پر حائضہ نہیں ہو سکتی کہ شاید یہ خون استحاضہ ہو جو مسلمان تلوار چھری چاقو یا تیر وغیرہ سے ظلماً مارا جائے وہ شہید ہے۔ اور جس کی لاٹھی اور غلّہ وغیرہ قسم کی چیزوں سے جان لی گئی ہو اس کو غسل دیا جائے گا۔ کیونکہ ان چیزوں سے مارنے کی صُورت میں قصاص لازم نہیں آتا۔

اگر کوئی عاقل بالغ مسلمان کسی مسلمان یا ذمی کے ہاتھ سے بذریعہ کسی آلۂ جارحہ کے ظلماً مارا گیا ہو تو وہ شہید ہے اور اگر ان کے ہاتھ سے بذریعہ کسی آلۂ غیر جارحہ کے مارا گیا ہو مثلاً پتھر وغیرہ سے تو اس پر شہید کے احکام جاری نہ ہونگے لیکن لوہا مطلقاً آلۂ جارحہ کے حکم میں ہے گو اس میں دھار نہ ہو۔ اور اگر کوئی مسلمان حربی کفار یا باغیوں یا رہزنوں کے ہاتھ سے مارا گیا ہو یا اُن کے معرکۂ کارزار میں مقتول ملے تو اس میں آلۂ جارحہ سے مقتول ہونے کی شرط نہیں۔ اگر وہ لوگ کسی پتھر وغیرہ سے بھی جان لیں گے تو اُس پر شہید کے احکام جاری ہو جائیں گے۔ ایک شرط یہ ہے کہ اس قتل کی سزا میں قاضی نے کوئی مالی معاوضہ عائد نہ کیا ہو بلکہ قصاص واجب ہوا ہو۔ ایک شرط یہ ہے کہ زخم لگنے کے بعد مجروح سے زندگی کا کوئی امر راحت و تمتع مثل کھانے پینے سونے خرید و فروخت کرنے علاج کرانے وغیرہ کے وقوع میں نہ آئے اور ایک نماز کا وقت بھی اس کی زندگی بحالت ہوش و حواس نہ گزرے اور نہ اس کو بحالت ہوش و حواس میدان جنگ سے لائے ہوں۔

اگر کوئی شخص مجروح ہونے کے بعد زیادہ کلام کرے تو اس پر شہید کے احکام نافذ نہ ہوں گے۔ اسی طرح اگر کوئی وصیت کرے تو دیکھا جائے گا کہ وہ وصیت کسی دنیاوی معاملہ میں ہے تو وہ شہید کے حکم سے خارج ہو جائیگا اور اگر دینی امور میں ہو تو خارج نہ ہو گا۔ لیکن اگر میدان جنگ میں مقتول ہوا ہے اور لڑائی ہنوز ختم نہیں ہوئی تو وہ باوجود تمتعات مذکورہ کے شہید ہے۔ جس شہید پر سب شرائط مذکورہ پائے جائیں اس پر نماز پڑھی جائے۔ بدون غسل کے اور اس کو اس کے خون آلود کپڑوں میں دفن کیا جائے۔

الحمدللہ والمنۃ کہ یہ کتاب آج بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۱- جمادی الاوّل ۱۳۷۵ھ (مطابق ۲۶- دسمبر ۱۹۵۵ء)
بمقام لاہور پایہ تکمیل کو پہنچی ؞

نماز

عنوان

قال تعالیٰ۔ واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الصلوٰۃ عماد الدین فمن اقامہا فقد اقام الدین ومن ترکہا فقد ہدم الدین

کتاب مستطاب

133

عماد الدین

جس میں فقہ وحدیث کی نہایت مستند روایتوں سے نماز کے تمام ضروری
مسائل نہایت وضاحت سے درج کیے گئے ہیں

مرتبہ: مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری

ناشرین
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز، پبلشرز، بک سیلرز
کشمیری بازار لاہور ○ بندر روڈ کراچی
مطبوعہ
علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور